لہ دعوۃ الحق

خطباتِ بندیالوی

جلد دہم

○ سیرت و عظمتِ خلفاء اربعہ و سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہم

○ خلفاء ثلاثہ اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے برادرانہ تعلقات

○ عظمت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

○ اہل بیت رسول کون؟ ۔۔۔ جیسے

موضوعات پر 26 خطبات کا مجموعہ

محمد عطاء اللہ بندیالوی

مؤلف

محمد عطاء اللہ بندیالوی

ناشر

جمعیۃ اشاعۃ التوحید والسنۃ

سرگودھا پاکستان

جلد دہم

نام کتاب: خطباتِ بندیالوی جلد دہم

نام مولف: محمد عطاء اللہ بندیالوی

ناشر: شعبہ نشرواشاعت جمیعت اشاعت التوحید والسنت سرگودھا

تعداد باراول: 1100

تاریخ اشاعت: اگست 2021ء

قیمت ----------

کمپوزنگ وڈیزائننگ: مولانا ابوہریرہ (اُتراء)

جدة : ١٢ شوال المكرم

اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ

کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاہِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاہِیْمَ

اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

اللّٰهُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ

کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاہِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاہِیْمَ

اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

وَلِلّٰهِ

الْاَسْمَآءُ

الْحُسْنٰى

فَادْعُوْهُ

بِهَاص

فہرست

مضامین فہرست	صفحہ نمبر
تقریر 10	
امیر المومنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی دور رس نگاہ	231
تقریر 11	
امیر المومنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اور خانوادۂ سیدنا علی رضی اللہ عنہ	247
تقریر 12	
سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اور خانوادۂ سیدنا علی رضی اللہ عنہ ابن ابی طالب کے تعلقات	272
تقریر 13	
امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور واقعہ قرطاس	292
تقریر 14	
امیر المومنین، خلیفہ ثالث سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ	314
تقریر 15	
عظمت وشہادت امامِ مظلوم، امیر المومنین سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ	333
تقریر 16	
سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور خانوادۂ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے تعلقات	368
تقریر 17	
امیر المومنین، خلیفۂ رابع، دامادِ نبی سیدنا علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب	391
تقریر 18	
خلیفۂ رابع سیدنا علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کی شخصیت کے بارے تین نظریے	419
تقریر 19	
سیرت وعظمت امیر المومنین سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ	447

مضامین فہرست	صفحہ نمبر
تقریر 20 امیر المومنین سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے نبوی دعائیں	466
تقریر 21 امیر المومنین سیدنا معاویہ ☆ سیدنا ابوسفیان اور سیدہ ہند رضی اللہ عنہم	490
تقریر 22 سیدنا حسن، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہما اتحاد زندہ باد	524
تقریر 23 بشارتِ نبوی اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ	549
تقریر 24 محبت علی رضی اللہ عنہ اور غالی گروہ	570
تقریر 25 مریمِ اسلام، اُم المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا	597
تقریر 26 اہل بیتِ رسول کون؟	639

انتساب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ایبٹ آباد کے قریب ایک چھوٹے سے شہر حویلیاں میں ایک بڑی شخصیت نے بہت بڑے کام کا بیڑا اٹھایا۔ اس نے ناگزیر حالات میں اور ناگفتہ بہ ماحول میں وقت کے بڑے بڑے مذہبی پنڈتوں سے ٹکر لی۔

اصحابِ رسول کی عظمتوں کے دفاع کے لیے اور خصوصاً امیر المومنین خلیفہ راشد سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما جیسی عبقری شخصیت کے مقام ومرتبہ کے بیان کرنے میں اوران پر لگنے والے الزامات کے جواب دینے میں تحریراً وتقریراً جہاد کیا۔

اس نے دشمنانِ معاویہ کا تعاقب کرتے ہوئے عدالت کے دروازوں پر دستک دی۔۔۔ ہر ظلم۔۔۔ ہر ستم۔۔۔ اور ہر سختی برداشت کی۔۔۔ اس میدان میں اپنوں اور بیگانوں کے نشتر برداشت کیے۔

میں خطباتِ بندیالوی کی دسویں جلد کا انتساب اپنے مخدوم ومکرم۔۔۔۔ مہربان ومحب مولانا پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی رحمۃ اللہ علیہ کے نام کرتے ہوئے خوشی محسوس کر رہا ہوں۔۔۔۔ جنہوں نے اپنی وفات سے تقریباً ایک مہینہ پہلے جامع مسجد معاویہ رضی اللہ عنہ سرگودھا میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا:

"معاویہ رضی اللہ عنہ کا دفاع کرتے ہوئے دکھ بھی بڑے اٹھائے مگر مزہ بھی بہت آیا۔"

محمد عطاء اللہ بندیالوی

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گذشتہ سال خطباتِ بندیالوی کی آٹھویں اور نویں جلد اسماءِ حسنیٰ کی تفسیر وتشریح کے عنوان اور موضوع پر شائع ہو چکی ہیں۔

اللہ رب العزت کے خصوصی فضل وکرم سے خطباتِ بندیالوی کی دسویں جلد آپ کے ہاتھ میں ہے۔ اس میں خلفاءِ اربعہ کے فضائل ومناقب، ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی عظمت ومقام۔۔۔ امیر المومنین سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کی سیرت وکردار کو مستند اور مضبوط حوالہ جات سے بیان کیا گیا ہے۔۔۔ ایک تقریر ''اہل بیت کون؟'' کے عنوان سے آپ کے علم میں یقیناً اضافے کا باعث بنے گی۔

ہمارے ملک کے ایک مذہبی عنصر نے اپنی تقریروں اور تحریروں کا تمام تر زور اس بات کے ثابت کرنے پر صرف کیا ہوا ہے کہ خلفاءِ ثلاثہ اور خانوادۂ علی رضی اللہ عنہ کے مابین اختلاف دشمنی کی حد تک تھا۔ اسی طرح امیر المومنین سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور خاندانِ علی رضی اللہ عنہ کے درمیان شدید ترین مخالفت اور مخاصمت تھی۔

میں نے فریقین کی معتبر کتب سے اس حقیقت کو واضح کیا کہ امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور ان کے خانوادہ کے اصحابِ ثلاثہ کے ساتھ تعلقات برادرانہ اور دوستانہ تھے۔۔۔ ان کے مابین عداوت نہیں بلکہ محبت تھی۔۔۔ مخالفت نہیں یگانگت تھی۔۔۔ ان کی آپس میں رشتے داریاں اور مخلصانہ تعلقات تھے۔

سیدنا معاویہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہما اور خاندانِ علی رضی اللہ عنہ کے آپس میں کیسے مراسم

تھے؟۔۔۔ایک دوسرے کے متعلق ان کے خیالات ونظریات کیا تھے؟۔۔۔اسے بھی فریقین کی کتب کے آئینے میں دکھانے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے۔

قرآن مجید نے اصحاب رسول رضی اللہ عنہم کی صفات کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک صفت رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ ذکر کی ہے۔۔۔میں نے اصحابِ ثلاثہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے مابین دوستانہ تعلقات کا تذکرہ کرکے اس کی صحیح تفسیر پیش کی ہے۔

اس سے پہلے خطباتِ بندیالوی کی ساتویں جلد ''اصحابِ رسول قرآن کے آئینے میں'' کے عنوان سے شائع ہو چکی ہے۔۔۔۔جس میں قرآن مجید کی تین سو تیرہ آیات عظمت اصحابِ رسول پر پیش کی گئی ہیں۔۔۔۔۔جسے ہر طبقہ کے اہل علم وفراست نے تحسین کی نظر سے دیکھا ہے۔۔۔۔۔۔اور اب خطباتِ بندیالوی کی دسویں جلد سیرت خلفاء اربعہ۔۔۔عظمت ام المومنین سیدہ عائشہ اور مقامِ امیر المومنین سیدنا معاویہ (رضی اللہ عنہم) کے عنوان سے تحریر کر کے ہم نے اس فرض کو نبھایا ہے کہ ہماری جدوجہد صرف توحید کی اشاعت اور شرک وبدعات کی تردید تک محدود نہیں ہے بلکہ ہم نے عظمت اصحابِ رسول کے دفاع کے محاذ پر بھی مدلل اور احسن انداز میں کام کیا ہے۔

☆ خطباتِ بندیالوی کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ بات لازماً پیش نظر رہے کہ یہ باقاعدہ تصنیف نہیں ہے بلکہ تقاریر کا مجموعہ ہے۔۔۔لہٰذا انداز تصنیفانہ نہیں بلکہ خطیبانہ ہے۔۔۔اس لیے قرآنی آیات اور نبوی ارشادات کا ترجمہ کرتے ہوئے کہیں کہیں لفظی ترجمہ کا لحاظ نہیں رکھا گیا بلکہ ان کا مفہوم اور مراد بیان کر دی گئی ہے۔

☆ خطباتِ بندیالوی کی دسویں جلد میں جو خوبی اور حسن آپ کو نظر آئے۔۔۔وہ سب میرے پالنہار مولا ومالک اللہ رب العزت کی عنایت، کرم اور فضل ورحمت ہے جس مہربان نے اپنی رحمت ومہربانی سے مجھ جیسے حقیر، کم علم اور کم فہم کو اس عنوان پر لکھنے کی اور بولنے کی توفیق بخشی۔

☆ بنی آدم خطا ونسیان اور غلطیوں کا پتلا اور مجسمہ ہے۔ میری اس کاوش میں آپ کو کوئی غلطی نظر آئے، کوئی بات قرآن وحدیث کے بظاہر خلاف محسوس ہو یا کتابت کی غلطی کی بنا پر کوئی جملہ کچھ سے کچھ بن گیا ہو۔۔۔۔۔ تو از راہِ کرم اس غلطی کو اچھالنے اور مجھے موردِ تنقید بنانے کے بجائے اصلاح اور خیر خواہی کے جذبے سے مجھے مطلع فرمائیں۔۔۔ ان شاء اللہ آپ کی نشاندہی کی قدر کرتے ہوئے دوسرے ایڈیشن میں۔۔۔ آپ کے شکریہ کے ساتھ اس غلطی کی اصلاح کردی جائے گی۔

اگر میں یہاں جامعہ ضیاء العلوم کے شیخ الحدیث مولانا مفتی محمد آصف صاحب زید مجدہٗ کا شکریہ ادا نہ کروں تو احسان فراموشی ہوگی۔ انہوں نے اپنی بے پناہ مصروفیات میں سے وقت نکال کر خطباتِ بندیالوی کی دسویں جلد پر نظرِ ثانی فرمائی، مختلف احادیث کو دیکھا اور اس کی تصحیح فرمائی۔۔۔ کافی حد تک پروف ریڈنگ بھی کی اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ایک جاندار اور مؤثر مقدمہ بھی تحریر فرمایا۔ اللہ رب العزت ان کے علم عمل میں مزید برکتیں عطا فرمائے۔

جامعہ ضیاء العلوم کے مدرس مولانا مفتی عبد الباسط صاحب، مولانا رشید احمد صاحب اور جامع مسجد حنفیہ بلاک 25 کے مدرس مولانا محمد ضیاء اللہ صاحب نے بڑی توجہ اور ذوق کے ساتھ پروف ریڈنگ میں ہاتھ بٹایا، میں ان کا بھی ممنون ہوں۔

خطباتِ بندیالوی کی دسویں جلد کی کمپوزنگ وڈیزائننگ میں ہمارے ادارہ ماہنامہ ضیائے توحید کے ناظم مولانا ابو ہریرہ صاحب نے انتھک محنت سے کام کیا۔۔۔ وہ بھی شکریہ کے مستحق ہیں۔

محمد عطاء اللہ بندیالوی

5 اگست 2021 بمطابق 26 ذوالحجہ 1442 ہجری

بروز جمعرات

مقدمہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَحْصٰی کُلَّ شَیْءٍ عَدَدًا وَرَفَعَ بَعْضَ خَلْقِہٖ عَلٰی بَعْضٍ فَکَانُوْا طَرَائِقَ قِدَدًا وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَمْ یَتَّخِذْ صَاحِبَۃً وَّلَا وَلَدًا وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ وَصَفِیُّہٗ وَخَلِیْلُہٗ اَکْرَمَ بِہٖ عَبْدًا سَیِّدًا وَاَکْرَمَہٗ اَصْحَابًا کَانُوْا نُجُوْمَ الْاِھْتِدَاءِ وَاَئِمَّۃَ الْاِقْتِدَاءِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ صَلَاۃً خَالِدَۃً وَّسَلَامًا مُّؤَبَّدًا اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ لَا یَسْتَوِیْ مِنْکُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ اُولٰٓئِکَ اَعْظَمُ دَرَجَۃً مِّنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا وَکُلًّا وَّعَدَ اللّٰہُ الْحُسْنٰی وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ (الحدید:10) وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَللّٰہَ اَللّٰہَ فِیْ اَصْحَابِیْ لَا تَتَّخِذُوْھُمْ غَرَضًا مِّنْ بَعْدِیْ فَمَنْ اَحَبَّھُمْ فَبِحُبِّیْ اَحَبَّھُمْ وَمَنْ اَبْغَضَھُمْ فَبِبُغْضِیْ اَبْغَضَھُمْ وَمَنْ اٰذَاھُمْ فَقَدْ اٰذَانِیْ وَمَنْ اٰذَانِیْ فَقَدْ اٰذَی اللّٰہَ وَمَنْ اٰذَی اللّٰہَ فَیُوْشِکُ اَنْ یَّاْخُذَہٗ (جامع ترمذی:2/225)

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وہ ہستیاں ہیں جنہوں نے ایمان کی حالت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کی زندگی میں ملاقات کی اور اسلام پر ہی ان کا انتقال ہوا چاہے انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا یا کسی عارض کی وجہ سے نہیں دیکھا، انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی حدیث کو نقل کیا یا نہیں کیا، تھوڑی دیر کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں آئے یا لمبی رفاقت کا موقع ملا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر کسی غزوے میں شرکت کا موقع ملا یا نہیں ملا۔

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دین کی بنیاد ہیں، انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دین

حاصل کیا اور ہم لوگوں تک پہنچایا، یہ وہ مبارک جماعت ہے جس کو اللہ نے اپنے پیارے نبی ﷺ کی مصاحبت کے لیے چنا، یہی وہ مقدس جماعت ہے جسے کمالاتِ نبوت کی آئینہ دار اور اوصافِ رسالت کی مظہرِ اتم قرار دیا جا سکتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی عاداتِ کریمہ، خصائل حمیدہ، اخلاقِ عظیمہ، شمائل فاضلہ اور شریعت کے تمام مسائل و دلائل اور حقائق و آداب کی علماً و عملاً سچی ترجمان یہی جماعت ہے۔ اس لیے یہ جماعت اس کی مستحق ہے کہ اس کو نمونہ بنا کر اس کی اتباع کی جائے، یہی اتباع امت مسلمہ کو ہر گمراہی سے بچا سکتی ہے۔ چنانچہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

''کہ جو کوئی تم میں سے دین کا راستہ اختیار کرنا چاہتا ہے وہ ان لوگوں کا راستہ اور طریقہ اپنائے جو اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں اور وہ نبی اکرم ﷺ کے صحابہ ہیں جو اس امت کا سب سے افضل طبقہ ہے ان کے دل سب سے زیادہ نیک تھے، ان کا علم سب سے گہرا تھا، تکلف اور تصنع ان میں بالکل نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے نبی ﷺ کی صحبت اور دین کی اشاعت کے لیے چنا تھا۔ لہٰذا تم ان کی فضیلت اور بزرگی کو پہچانو، ان کے نقش قدم پر چلو اور اپنی استطاعت کے مطابق ان کے اخلاق اور سیرتوں کو مضبوطی سے پکڑو اس لیے کہ وہی ہدایت کے راستے پر تھے۔'' (رواہ رزین مشکوۃ:32)

نبی اکرم ﷺ کی پاک زندگی اور حق کو پہچاننے کے لیے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی کی زندگی معیار ہو سکتی ہے کیونکہ اسی جماعت نے براہِ راست نبوت کے طاقچے سے استفادہ کیا اور ان پر آفتابِ نبوت کی شعائیں بلا کسی حائل کے بلاواسطہ پڑیں۔ ان میں جو ایمان کی حرارت اور نورانی کیفیت تھی وہ بعد والوں کو میسر نہیں آ سکتی، اسی لیے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اگر کسی جماعت کی من حیث الجماعت مکمل تقدیس و تعدیل کی ہے وہ صحابہ ہی کی جماعت ہے، ان کو مجموعی طور پر راضی و مرضی، راشد و مرشد اور معیارِ حق قرار دیا۔ چنانچہ فرمایا:

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ (آل عمران:110)

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَّسَطًا (البقرہ:143)

لَقَدْ رَضِيَ اللهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ (الفتح:18)

رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ (التوبہ:100)

أُولٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ (الحشر:8)

أُولٰئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ (الحجرات:7)

أُولٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا (الانفال:4)

أُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (البقرہ:5)

فَإِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَا اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا (البقرہ:137)

ان کے علاوہ کثیر آیات ہیں جن کوذکر کرنا طوالت کا باعث ہے۔(ان آیات کی تفصیل کے لیے خطبات بندیالوی جلد ہفتم کا مطالعہ کریں جس میں حضرت العلام دامت برکاتہم نے تین سو تیرہ آیات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تقدیس وتعدیل سے متعلق جمع فرمائی ہیں اوران کی بے نظیر خطیبانہ انداز میں تفسیر بھی ذکر کی ہے)اوراس موضوع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث تو اس قدر زیادہ ہیں جنہیں شمار نہیں کیا جاسکتا،جن میں سے چندایک قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''الشفاء'' میں نقل کی ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میرے بعد سیدنا ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی اقتداء کیا کرو۔ایک حدیث میں ارشاد ہے: میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں جس کی اتباع کروگے ہدایت پاؤ گے۔(محدثین کواس حدیث میں کلام ہے مگر ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے ممکن ہے تعدد طرق کی وجہ سے قابل اعتبار ہو یا فضائل میں ہونے کی وجہ سے ذکر کیا ہو)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میرے صحابہ کی مثال کھانے میں نمک کی سی ہے کہ کھانا بغیر نمک کے اچھا نہیں ہوسکتا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد

ہے اللہ سے میرے صحابہ کے بارے میں ڈرو، ان کو ملامت کا نشانہ نہ بناؤ، جو شخص ان سے محبت رکھتا ہے میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت رکھتا ہے اور جو ان سے بغض رکھتا ہے وہ میرے بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھتا ہے، جو شخص ان کو اذیّت دے اس نے مجھے اذیّت دی اور جس نے مجھے اذیّت دی اس نے اللہ کو اذیّت دی اور جو شخص اللہ کو اذیّت دیتا ہے قریب ہے کہ اللہ کی پکڑ میں آجائے۔

نبی اکرم ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ میرے صحابہ کو گالیاں نہ دیا کرو، اگر تم میں سے کوئی شخص اُحد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تو وہ ثواب کے اعتبار سے صحابہ کے ایک مدّ یا آدھے مدّ کے برابر بھی نہیں ہوسکتا۔

اور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص صحابہ کو گالیاں دے اس پر اللہ تعالیٰ کی، تمام فرشتوں اور انسانوں کی لعنت، نہ اس کا فرض مقبول ہے نہ نفل۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے علاوہ تمام مخلوق میں سے میرے صحابہ کو چھانٹا ہے اور ان میں سے چار کو ممتاز کیا ہے ابوبکر، عمر، عثمان اور علی (رضی اللہ عنہم) ان کو میرے سب صحابہ سے افضل قرار دیا۔

ایوب سختیانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جس نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے محبت کی اس نے دین کو سیدھا کیا اور جس نے عمر رضی اللہ عنہ سے محبت کی اس نے دین کے واضح راستے کو پالیا اور جس نے عثمان رضی اللہ عنہ سے محبت کی وہ اللہ کے نور کے ساتھ منور ہوا اور جس نے علی رضی اللہ عنہ سے محبت کی اس نے دین کی مضبوط رسّی کو پکڑ لیا۔ جو صحابہ کی تعریف کرتا ہے وہ نفاق سے بری ہے اور جو صحابہ کی بے ادبی کرتا ہے وہ بدعتی، منافق اور سنت کا مخالف ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ اس کا کوئی عمل قبول نہ ہو، یہاں تک کہ ان سب کو محبوب رکھے اور ان کی طرف سے دل صاف ہو۔

ایک حدیث میں نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ اے لوگو! میں ابوبکر سے خوش

ہوں تم ان کا مرتبہ پہچانو، میں عمر، عثمان، علی، طلحہ، زبیر، سعد، سعید، عبد الرحمن بن عوف اور ابو عبیدہ (رضی اللہ عنہم) سے خوش ہوں تم ان کا مرتبہ پہچانو۔ اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے بدر کی لڑائی میں شریک ہونے والوں اور حدیبیہ میں شریک ہونے والوں کی مغفرت فرمادی۔ تم میرے صحابہ کے بارے میں میری رعایت کیا کرو اور ان لوگوں کے بارے میں جن کی بیٹیاں میرے نکاح میں ہیں یا میری بیٹیاں ان کے نکاح میں ہیں، ایسا نہ ہو کہ یہ لوگ قیامت کے دن تم سے کسی قسم کے ظلم کا مطالبہ کریں کہ وہ معاف نہیں کیا جائے گا۔

ایک جگہ ارشاد فرمایا کہ میرے صحابہ اور میرے دامادوں میں میری رعایت کیا کرو جو شخص ان کے بارے میں میری رعایت کرے گا تو اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کی حفاظت فرمائیں گے اور جو ان کے بارے میں میری رعایت نہیں کرے گا اللہ تعالیٰ اس سے بری ہیں اور جس سے اللہ تعالیٰ بری ہیں کیا بعید ہے کہ کسی گرفت میں آجائے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ جو شخص صحابہ کے بارے میں میری رعایت کرے گا میں قیامت کے دن اس کا محافظ ہوں گا۔ ایک جگہ ارشاد ہے کہ جو میرے صحابہ کے بارے میں میری رعایت کرے گا وہ میرے پاس حوضِ کوثر پر پہنچ سکے گا اور جو ان کے بارے میں میری رعایت نہ کرے گا وہ میرے پاس حوض تک نہیں پہنچ سکے گا اور مجھے دور سے ہی دیکھے گا۔ سیدنا سہیل بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جو شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی تعظیم نہ کرے وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان ہی نہیں لایا۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب الشفاء میں اسی فصل کے آغاز میں فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعزاز و اکرام میں یہ بھی داخل ہے کہ آپ کے صحابہ کا اعزاز و اکرام کرے، ان کے حق کو پہچانے، ان کا اتباع کرے، ان کی تعریف کرے، ان کے لیے استغفار اور دعائے مغفرت کرے، ان کے آپس کے اختلافات میں لب کشائی نہ کرے۔ مؤرخین، شیعہ، بدعتی اور جاہل راویوں کی ان خبروں سے اعراض کرے جو ان حضراتِ صحابہ

کی شان میں نقص پیدا کرنے والی ہیں اور اس قسم کی کوئی روایت اگر سننے میں آئے تو اس کی کوئی اچھی تاویل کرے اور کوئی اچھا محمل تجویز کرے کہ وہ اسی کے مستحق ہیں اور ان حضرات کو برائی سے یاد نہ کرے بلکہ ان کی خوبیاں اور ان کے فضائل ومناقب بیان کیا کرے اور عیب کی باتوں سے سکوت اختیار کرے جیسا کہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب میرے صحابہ کا ذکر ہو تو (ان کی برائی سے) سکوت کیا کرو۔

قرآن وحدیث کی واضح نصوص کی روشنی میں ہمیشہ سے امت مسلمہ کا اجماعی عقیدہ رہا ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کل کے کل عدول اور متقن ہیں اور ان کا اجماع شرعی حجت ہے اور ان کا منکر دائرہ اسلام سے خارج ہے۔۔۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ عنہ اپنی مشہور ومعروف کتاب ''الاصابہ فی تمیز الصحابہ'' کے مقدمہ کی فصل ثالث میں تحریر فرماتے ہیں:

اِتَّفَقَ اَهْلُ السُّنَّةِ عَلٰى اَنَّ الْجَمِيْعَ عُدُوْلٌ وَّلَمْ يُخَالِفْ فِيْ ذَالِكَ اِلَّا شُذُوْذٌ مِّنَ الْمُبْتَدِعَةِ

کہ تمام اہل سنت کا اس پر اتفاق ہے کہ سب صحابہ عادل ہیں اور اس بات کی سوائے چند بدعتیوں کے کسی نے مخالفت نہیں کی۔

علامہ خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''الکفایہ'' میں اس بارے میں ایک عمدہ فصل تحریر کی اور فرمایا:

عَدَالَةُ الصَّحَابَةِ ثَابِتَةٌ مَّعْلُوْمَةٌ بِتَعْدِيْلِ اللهِ لَهُمْ

کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عدالت ثابت اور معلوم شدہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے ان کو عادل قرار دیا ہے۔

اس کے بعد بہت ساری آیات ذکر کر کے اپنی سند کے ساتھ حافظ ابوزرعہ رازی رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے:

إِذَا رَأَيْتَ الرَّجُلَ يَنْتَقِصُ أَحَدًا مِّنْ أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ فَاعْلَمْ أَنَّهُ زِنْدِيْقٌ وَّذَالِكَ أَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّالْقُرْآنَ حَقٌّ وَّمَا جَاءَ بِهِ حَقٌّ وَّإِنَّمَا أَدّٰى إِلَيْنَا ذَالِكَ كُلَّهُ الصَّحَابَةُ وَهٰؤُلَاءِ يُرِيْدُوْنَ أَنْ يَّجْرَحُوْا شُهُوْدَنَا لِيُبْطِلُوا الْكِتَابَ وَالسُّنَّةَ وَالْجَرْحُ بِهِمْ أَوْلٰى وَهُمْ زَنَادِقَةٌ

کہ جب آپ کسی آدمی کو دیکھو کہ وہ کسی ایک صحابی کی تنقیص وتوہین کرتا ہے تو جان لو وہ زندیق ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ کا رسول ﷺ برحق ہے، قرآن برحق ہے اور جو کچھ آپ ﷺ لے کر آئے وہ سب برحق ہے اور یہ ساری باتیں ہم تک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پہنچائی ہیں اور یہ تنقیص کرنے والے چاہتے ہیں ہمارے ان گواہوں پر جرح کر دیں تاکہ کتاب وسنت کو باطل قرار دیدیں، لہٰذا ان لوگوں پر جرح کرنا بہتر ہے اور یہ زندیق ہیں۔

اس کے بعد قرآن مجید کی آیت لَا يَسْتَوِي مِنكُم مَّنْ أَنفَقَ مِن قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ أُولَٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِينَ أَنفَقُوا مِن بَعْدُ وَقَاتَلُوا وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ (الحدید: 10) ذکر کر کے فرمایا: فَثَبَتَ أَنَّ الْجَمِيْعَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَأَنَّهُ لَا يَدْخُلُ أَحَدٌ مِّنْهُمُ النَّارَ لِأَنَّهُمُ الْمُخَاطَبُوْنَ بِالْآيَةِ السَّابِقَةِ

اس سے ثابت ہوا کہ سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنتی ہیں اور ان میں سے کوئی بھی جہنم میں نہیں جائے گا کیونکہ اس آیت کے مخاطب یہی صحابہ ہیں۔ (الاصابہ 1/ 10-9)

ہمارے اس زمانے میں جہاں مسلمانوں میں دین کے اور بہت سے امور میں کوتاہی پائی جارہی ہے وہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حق شناسی اور ان کے ادب واحترام میں بھی حد سے زیادہ کوتاہی موجود ہے بلکہ اس سے بڑھ کر بعض بے دین اور بے پرواہ لوگ تو ان کی شان میں گستاخی تک کرنے لگے ہیں، اس لیے وقت کا تقاضا اور علماء کی ذمہ داری ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل ومناقب سے مسلمانوں کو روشناس کروائیں اور دشمنانِ صحابہ

کی طرف سے کیے گئے مطاعن کو صحابہ رضی اللہ عنہم سے دور کریں اور ان کا دفاع کریں جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا: اِذَا رَأَيْتُمُ الَّذِيْنَ يَسُبُّوْنَ اَصْحَابِيْ فَقُوْلُوْا لَعْنَةُ اللهِ عَلٰى شَرِّكُمْ (ترمذی 225/2)

کہ جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہ کو برا بھلا کہتے ہیں تو تم جواب میں کہو کہ تمہارے اس شر پر اللہ کی لعنت ہو۔

اور ایک موقع پر ارشاد فرمایا:

اِذَا ظَهَرَتِ الْفِتَنُ وَسُبَّتْ اَصْحَابِيْ فَلْيُظْهِرِ الْعَالِمُ عِلْمَهٗ وَاِنْ لَّمْ يَفْعَلْ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ لَا يَقْبَلُ اللهُ مِنْهُ صَرْفًا وَّلَا عَدْلًا (میزان الاعتدال 630/3)

کہ جب فتنوں اور بدعتوں کا ظہور ہو اور میرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو برا بھلا کہا جانے لگے تو عالم کو چاہیے کہ وہ اپنا علم ظاہر کرے اور اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو اس پر اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہو، اس کی کوئی فرض اور نفل عبادت قبول نہ ہوگی۔

اس ذمہ داری کو پورا کرنے کے لیے علماء کرام نے ہر دور میں اپنے اپنے انداز سے اس موضوع پر کام کیا ہے اور ہر زبان میں اس موضوع پر چھوٹی بڑی کتابیں موجود ہیں جن میں سب سے مفصل اور جامع کتاب حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تحفہ اثنا عشریہ ہے جس کا انداز انتہائی محققانہ اور علمی ہے جس کا مطالعہ کرنا اور سمجھنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔ اس لیے ضرورت اس بات کی تھی کہ کوئی صاحب قلم، عوام کی افہام کو سمجھنے والا اور ان کے قلب و ذہن میں اپنی بات اتارنے والا ایسا ہو کہ علمی اور تحقیقی باتوں کو بھی سادہ اسلوب اور پیرائے میں اس طرح تحریر کرے کہ علماء کے ساتھ عام مسلمان بھی اس سے استفادہ کر سکیں۔

اسی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے استاذی محترم مولانا علامہ عطاء اللہ بندیالوی صاحب

دامت برکاتہم العالیہ نائب امیر اشاعت التوحید والسنہ صوبہ پنجاب نے اس موضوع پر قلم اٹھایا کہ وہ واقعۃً اس کام کے اہل ہیں۔ ان کی ساری زندگی توحید وسنت کی اشاعت کے ساتھ ساتھ دفاعِ صحابہ میں گذری ہے، اس کی خاطر قید و بند کی صعوبتیں بھی اٹھائیں۔ توحید وسنت کے بعد آپ کی خطابت کا سب سے زیادہ محبوب عنوان عظمت صحابہ ومقامِ اہل بیت اور دفاعِ صحابہ ہے۔ اس موضوع کی تیاری کے لیے آپ نے وسیع مطالعہ کیا ہے، فریقین کی تفسیر، سیرت اور تاریخ کی کتابوں کو پڑھا۔ بھرپور تیاری کے ساتھ ملک عزیز پاکستان کے طول وعرض میں عظمت صحابہ کو بیان کیا، دشمنانِ صحابہ کے مطاعن کا جواب دیتے ہوئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی وکالت کا حق ادا کر دیا۔ اسی لیے آپ کو بجا طور پر وکیل صحابہ کا لقب دیا گیا ہے۔

عرصہ دراز تک یہ ساری محنت اور جدوجہد خطابت میں منحصر تھی، پھر ضرورت سمجھی گئی کہ یہ ساری محنت اور کام تحریری شکل میں بھی سامنے آنا چاہیے تاکہ سارا مواد محفوظ ہو جائے اور آنے والی نسلیں بھی اس سے فائدہ اٹھا سکیں تو اس کے لیے حضرت العلام دامت برکاتہم العالیہ نے مسلمانوں کی اس دینی ضرورت کو سامنے رکھتے ہوئے احباب کے پُرزور مطالبہ پر اس موضوع کو مرتب کرنے کا فیصلہ کیا اور اس کا حق ادا کر دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو میدانِ خطابت کی شہسواری کے ساتھ ساتھ تصنیف وتالیف میں بھی ملکہ تامہ عطا فرمایا ہے۔

چنانچہ پہلے سلسلہ خطباتِ بندیالوی کی ساتویں جلد میں ''اصحابِ رسول قرآن کے آئینہ میں'' کے عنوان سے عظمت صحابہ پر تین سو تیرہ آیات کریمہ جمع فرمائیں اور ان کی دلنشین خوبصورت انداز میں تفسیر بھی نقل کی۔ جس سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تاریخی نہیں بلکہ قرآنی شخصیات ہیں۔ اس کے بعد اب خطباتِ بندیالوی کی دسویں جلد میں خلفائے راشدین (سیدنا ابوبکر، سیدنا عمر، سیدنا عثمان، سیدنا علی، سیدنا حسن اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہم) سیدنا حسین، سیدہ عائشہ، سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہم اور ان کے

گھرانے کی فرداً فرداً سیرت وعظمت اور دینی خدمات ذکر کرنے کے بعد دشمنانِ صحابہ کے اعتراضات کے تحقیقی اور مُسکت جوابات انتہاء شائستہ الفاظ میں تحریر کیے ہیں۔ان خطبات کا طرّہ امتیاز یہ ہے کہ ہر بات مدلل اور ہر دلیل باحوالہ درج کی گئی ہے تاکہ علماء اور خطباء کو یہ باتیں نقل کرنے میں پریشانی کا سامنا نہ ہو بلکہ علی وجہ البصیرت پورے قلبی اطمینان کے ساتھ دوسروں کے سامنے بیان کرسکیں، نیز طرزِ تحریر انتہائی آسان اور سہل ہے جس سے عوام مسلمان بھی بھرپور استفادہ کرسکتے ہیں۔

حضرت استاذی محترم دامت برکاتہم نے مجھے اس کتاب کا مقدمہ تحریر کرنے کا حکم دیا، اگرچہ مؤلف اور ان کی تالیف کی عظمت کے پیش نظر اس کتاب کو کسی مقدمے کی ضرورت نہیں تھی اور نہ ہی میں اپنے آپ کو اس کا اہل سمجھتا ہوں لیکن حکم کی تعمیل کرتے ہوئے چند صفحات اس نیت سے تحریر کردیئے ہیں کہ دفاعِ صحابہ کے اس عظیم کام میں میرا بھی حصہ ہوجائے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس کتاب کو مقبولیت تامّہ وعامّہ نصیب فرمائے اور تمام مسلمانوں کو اس سے زیادہ سے زیادہ نفع پہنچائے اور اس کتاب کو ہم سب کے لیے صدقہ جاریہ اور آخرت میں بخشش کا ذریعہ بنائے۔آمین

محمد آصف عفی عنہ

15 محرم الحرام 1443ھ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ الْاَمِيْنِ

وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ أَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيْلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهٗ فَآزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّأَجْرًا عَظِيْمًا (الفتح 29)

محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں کافروں پر سخت اور آپس میں رحم دل ہیں تو انہیں دیکھے گا کہ رکوع، سجدہ کر رہے ہیں اللہ کی رضا مندی اور فضل کے طلبگار ہیں ان کا نشان ان کے چہروں پر سجدوں کے اثر سے ہے ان کی یہی مثال تورات میں ہے اور ان کی مثال انجیل میں ہے مثل اس کھیتی کے جس نے اپنی کونپل نکالی پھر اسے مضبوط کیا اور وہ موٹا ہو گیا پھر وہ اپنے تنے پر سیدھا کھڑا ہو گیا اور کسانوں کو خوش کرنے لگا تا کہ ان کی وجہ سے کافر غیظ و غضب میں مبتلا ہوں ان ایمان والوں اور نیک اعمال کرنے والوں سے اللہ تعالیٰ نے بخشش اور بڑے ثواب کا وعدہ کیا ہے۔

سامعین گرامی قدر! اولادِ آدم کی ہدایت و پیروی کے لیے اللہ رب العزت نے انبیاء کرام علیہم السلام بھیجنے کا سلسلہ شروع فرمایا۔۔۔سب سے پہلے نبوت و رسالت کا تاج سیدنا آدم علیہ السلام کے سر پر سجایا گیا۔۔۔اور رشد و ہدایت کے اس سنہری سلسلہ کو امام الانبیاء، خاتم النبیین سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ گرامی پر ختم فرمایا۔

اس حقیقت پر قرآن و حدیث شاہد ہیں اور امت کے تمام علماء کرام متفق ہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی مصطفی جماعت میں سب سے افضل و اعلیٰ۔۔۔سب سے برتر و بالا۔۔۔سب سے اکمل و اشرف۔۔۔سب سے اعظم و اجمل۔۔۔سب سے بلند و برتر۔۔۔اگر کوئی ہستی ہے تو وہ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ گرامی ہی ہے۔

آپ صرف نبی نہیں ہیں بلکہ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔۔۔آپ صرف پیغمبر نہیں ہیں بلکہ پیغمبروں کے خاتم بن کر تشریف لائے ہیں۔۔۔آپ ہی رحمۃ للعالمین کے لقب سے سرفراز کیے گئے۔۔۔آپ ہی کو شفاعت کے تاج سے آراستہ کیا گیا۔۔۔آپ ہی حوضِ کوثر کے ساقی ٹھہرے۔۔۔آپ ہی لواء الحمد کے حامل بنائے گئے۔۔۔آپ ہی کو مقامِ محمود پر کھڑا کیا جائے گا۔۔۔آپ ہی کو عدیم المثال فضیلتیں عطا کی گئیں۔۔۔مقامِ وسیلہ جنت میں آپ ہی کی منزل ٹھہرے گی۔۔۔آپ کی رسالت ایک علاقے۔۔۔ایک برادری۔۔۔ایک شہر۔۔۔ایک قوم۔۔۔یا ایک زمانے کے لیے نہیں تھی بلکہ پوری کائنات کے لیے اور تمام زمانوں اور علاقوں کے لیے عام تھی۔

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ

(سبا 28)

اور

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا (الاعراف 158)

اس پر گواہ اور دلیل ہیں۔

عظمت مصطفیٰ ﷺ آج میرا موضوع نہیں ہے ورنہ میں اس پر تفصیلی روشنی ڈالتا۔۔۔۔ یہ سب باتیں تو میں بطور تمہید بیان کر رہا ہوں۔۔۔۔ میرا اصل موضوع عظمت وسیرت اصحاب رسول ہے۔

معجزہ اعلیٰ میں عرض کر رہا تھا کہ میرے نبی مکرم ﷺ سب انبیاء سے افضل واعلیٰ ہیں۔۔۔ جس طرح میرے پیارے پیغمبر ﷺ سب نبیوں سے اعلیٰ وافضل ہیں۔۔۔ اسی طرح میرے نبی مکرم ﷺ کو عطا ہونے والی ہر چیز اور ہر نعمت بھی اعلیٰ وبرتر اور افضل تھی۔۔۔ جو شئی بھی آپ کو ملی وہ دوسرے پیغمبروں سے انوکھی۔۔۔ نرالی تھی۔۔۔ پنجابی میں کہتے ہیں ''نویکلی''

تقریباً ہر نبی کو اس کی نبوت وصداقت کے لیے معجزے عطا ہوئے۔۔۔ کسی پیغمبر کے ہاتھ میں لوہا موم ہو رہا ہے۔۔۔ کسی کا تخت ہوا میں اُڑ رہا ہے۔۔۔ کوئی پرندوں کی زبان سمجھ رہا ہے۔۔۔ کسی پر آگ گلزار ہو رہی ہے۔۔۔ کسی کا کرتہ والد کی آنکھوں کی بینائی کا سبب بن رہا ہے۔۔۔ کسی کو بڑھاپے میں بانجھ بیوی سے بیٹا عطا ہو رہا ہے۔۔۔ کوئی مادرزاد نابیناؤں کو بینا کر رہا ہے۔۔۔ مردوں تک کو زندہ کر رہا ہے باذن اللہ۔۔۔ مگر جو معجزہ قرآن کی صورت میں میرے مدنی وآقا ﷺ کو عطا فرمایا گیا اس کی مثل اور جواب ہی کوئی نہیں۔

ایک اُمّی کی زبان سے۔۔۔ جو زندگی بھر کسی سکول میں نہیں گیا۔۔۔ کسی مکتب میں نہیں گیا۔۔۔ جس نے کسی درسگاہ کا منہ تک نہیں دیکھا۔۔۔ جس نے قلم، دوات، تختی اور کاغذ کو کبھی ہاتھ نہیں لگایا۔۔۔ اس اُمّی کی زبان سے اچانک ایسی کتاب کی آیات نکلنے لگیں جس نے عرب کے شاعروں کو۔۔۔ اپنی فصاحت وبلاغت پر ناز کرنے والوں کو۔۔۔ عرب کے خطیبوں کو چیلنج کیا:

فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُم مِّن دُونِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ

صَادِقِینَ (البقرہ 23)

اگر تم اس دعویٰ میں سچے ہو کہ محمد ﷺ قرآن خود بناتا ہے تو تم اس جیسی ایک سورت بنا کر لاؤ۔

تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو ملنے والے معجزات عملی تھے مگر میرے پیارے نبی ﷺ کو عطا ہونے والا معجزہ علمی تھا۔

کیا مطلب؟ یعنی ہر نبی کو عطا ہونے والا معجزہ اس نبی کی زندگی تک محدود تھا جو نبی وہ نبی دنیا سے رخصت ہوا تو معجزہ بھی اس کے ساتھ ہی رخصت ہو گیا۔۔۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی اب موجود نہیں جو سانپ بن جاتی تھی۔۔۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اب نابیناؤں کو بینا نہیں کرتے۔۔۔ سیدنا سلیمان علیہ السلام کا تخت اب ہوا میں نہیں اُڑتا۔

مگر ہمارے پیارے نبی مکرم ﷺ کا قرآن والا معجزہ آپ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے ساتھ ختم نہیں ہوا بلکہ اب تک موجود ہے اور قیامت کی صبح تک موجود رہے گا۔

کتاب سب سے اعلیٰ ملی

اسی طرح اللہ رب العزت نے بعض نبیوں کو آسمانی کتابیں عطا فرمائیں۔۔۔ اور کچھ کو صحائف سے نوازا۔۔۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو تورات ملی۔۔۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل عطا ہوئی۔۔۔ سیدنا داؤد علیہ السلام کو زبور مرحمت فرمائی۔۔۔ سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو صحائف سے نوازا گیا۔

مگر آپ دیکھتے ہیں کہ انجیل میں تحریف کر دی گئی۔۔۔ تورات میں تغیر وتبدل ہو گیا۔۔۔ زبور کا نام ونشان تک دنیا میں باقی نہیں رہا۔۔۔ صحائف ابراہیمیہ کا وجود دنیا میں موجود نہیں ہے۔

عباد البطن قسم کے مذہبی راہنماؤں نے۔۔۔ اور گدی نشینوں نے اپنی اپنی کتابوں میں ردّ وبدل کر دیا۔۔۔ اپنے مطلب کی آیات داخل کر دیں اور جو احکام ان کے

مسلک و مشرب کے خلاف پڑتے تھے انہیں باہر نکال دیا۔۔۔قرآن کہتا ہے:

يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ (النساء 46)

يَكْتُبُوْنَ الْكِتَابَ بِاَيْدِيْهِمْ (البقرہ 79)

مگر میرے نبی مکرم ﷺ کو عطا ہونے والی کتابِ ھُدٰی ''قرآن'' آج بھی اسی طرح محفوظ موجود ہے جس طرح جبریل امین علیہ السلام آپ پر لے کر نازل ہوئے تھے۔۔۔ بلکہ قیامت کی صبح تک اور ابدالآباد تک اسی طرح محفوظ رہے گا۔۔۔اس کے کسی ایک کلمہ میں۔۔۔کسی ایک حرف میں بلکہ ایک حرکت میں بھی تبدیلی نہیں ہوسکتی۔

پہلی کتابیں اللہ نے اتاریں تو ان کی حفاظت کی ذمہ داری اس امت پر ڈال دی۔۔۔اور قرآن نازل کرتے ہوئے فرمایا:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر 9)

یقیناً ہم نے قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

میرے نبی محترم ﷺ پر اترنے والی کتاب قرآن نے سابقہ تمام آسمانی کتابوں کو منسوخ کر دیا۔۔۔اب اگر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی تورات کے اوراق پڑھنے کی کوشش کریں گے تو رحمت کائنات ﷺ کا چہرہ پُرانوار غصے سے سرخ ہو جائے گا۔

تورات و انجیل اپنے اپنے زمانے میں ہدایت کے چراغ تھے۔۔۔زبور اپنے وقت میں روشنی کا مینار تھی۔۔۔مگر قرآن تو سورج ہے اور سورج کے طلوع ہوتے ہی سمجھ دار لوگ دیئے بجھا دیا کرتے ہیں۔

عربی کا ایک شاعر کہتا ہے:

اَللّٰهُ اَكْبَرُ اِنَّ دِيْنَ مُحَمَّدٍ وَكِتَابَهٗ اَقْوٰى وَاَقْوَمُ قِيْلًا

بڑے تعجب کی بات ہے کہ محمد کریم ﷺ کا دین اور آپ پر اترنے والی کتاب کتنی پختہ، مستحکم ہے اور اس کے دلائل کس قدر وزنی اور کتنے مضبوط ہیں۔

لَا تَذْكُرُوْا الْكُتُبَ السَّوَابِقَ عِنْدَهٗ طَلَعَ الصَّبَاحُ فَاَطْفِؤُا الْقِنْدِيْلَا

اس قرآن کے ہوتے ہوئے سابقہ آسمانی کتابوں کا ذکر بھی نہ کیا کرو اس لیے کہ جب صبح کا سورج طلوع ہو جاتا ہے تو لوگ اپنے اپنے چراغ بجھا دیا کرتے ہیں۔

یار سب سے اعلیٰ اسی ضابطے کے مطابق اللہ رب العزت نے میرے پیارے پیغمبر ﷺ کو جو ساتھی اور سنگی اور دوست عطا فرمائے وہ تمام نبیوں کے دوستوں اور ساتھیوں سے ممتاز۔۔۔ منفرد۔۔۔ نرالے۔۔۔ اور اعلیٰ و برتر عطا فرمائے۔

ہر نبی کو اور ہر پیغمبر کو رب العزت نے اس کی نصرت و تعاون کے لیے کچھ ساتھی اور صحابہ عطا کیے۔۔۔ مگر جس طرح کے جانثار اور فدا کار اور وفادار ساتھی ہمارے پیغمبر ﷺ کو دیئے گئے۔۔۔ دنیا کی تاریخ اس کی مثال اور نظیر پیش کرنے سے قاصر اور عاجز ہے۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی ساتھی اور صحابہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو بھی اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائے۔۔۔ پھر ان پر انعامات۔۔۔ اور نوازشات کی بارش برسا دی۔۔۔ سمندروں نے انہیں راستے دیئے۔۔۔ بے درد دشمنوں کو ان کی آنکھوں کے سامنے غرق کر دیا گیا۔۔۔ کھلے میدان میں دھوپ سے بچاؤ کے لیے انہیں بادلوں کا سایہ فراہم کیا۔۔۔ کھانے کے لیے منّ و سلویٰ عطا ہوئے۔۔۔ پانی کی ضرورت پڑی تو پتھر سے بارہ چشمے جاری ہو گئے۔

مگر جب مشکل کی گھڑی آئی۔۔۔ جہاد فی سبیل اللہ کا وقت آیا۔۔۔ اور قومِ عمالقہ سے اپنی جدی پشتی زمین کو خالی کروانے کا حکم ہوا۔۔۔ حیرت اور تعجب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کامیابی اور فتح کا وعدہ بھی فرمایا۔۔۔ مگر اس کے باوجود کہنے لگے:

فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ (المائدہ 24)

(موسیٰ علیہ السلام) تو جا اور تیرا رب جائے تم دونوں لڑو ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔

قوم اور ساتھیوں کے اس جواب میں طنز کا کیسا نشتر چھپا ہوا ہے۔۔۔؟ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے دل پر یہ جواب سن کر کیا گزری ہوگی؟

امام الانبیاء ﷺ کے ساتھی دوسری جانب ہم تاریخ وسیرت کی کتابوں میں محمد عربی ﷺ کے ساتھیوں کو اور دوستوں کو دیکھتے ہیں۔۔۔ تو ہمیں نظر آتا ہے کہ ان کے پاس کھانے کے لیے من وسلویٰ نہیں ہے۔۔۔ بلکہ کھانے کے لیے چوبیں گھنٹے میں ایک کھجور ملتی ہے۔۔۔ سواری کے لیے گھوڑے اور اونٹ نہیں ہیں۔۔۔ چھتیس چھتیس آدمیوں کے لیے ایک سواری ہے۔۔۔ جنگ کرنے کے لیے آلات نہیں ہیں۔۔۔ پینے کے لیے پانی نہیں ہے۔

غزوۂ بدر میں اصحابِ رسول کے پاس صرف تین گھوڑے اور ستر اونٹ تھے۔۔۔ لشکر کی تعداد تین سو تیرہ تھی۔۔۔ نبی اکرم ﷺ نے مجاہدین کے گروپ بنا دیئے اور ہر گروپ کو ایک ایک اونٹ دے دیا۔۔۔ جس گروپ میں آپ تھے اسی گروپ میں سیدنا علی اور سیدنا ابولبابہ رضی اللہ عنہما بھی تھے۔۔۔ گروپ میں شامل لوگوں نے آپ سے درخواست کی کہ آپ اس اونٹ پر سوار ہو جائیں اور ہم خدام آپ کے ساتھ پیدل چلیں گے۔۔۔ مگر عدلِ مجسم ﷺ نے ان کی اس درخواست کے جواب میں فرمایا:

نہ تم لوگوں میں مجھ سے زیادہ چلنے کی طاقت ہے اور نہ میں تم سے زیادہ ثواب سے بے نیاز ہوں۔ (مسند احمد)

سبحان اللہ! کیا انکساری و تواضع۔۔۔ مساوات و برابری۔۔۔ مسکین نوازی۔۔۔ فقیرانہ زندگی۔۔۔ ساتھیوں کی دلجوئی۔۔۔ ہم سفروں کے ساتھ ہمدردی کی اس سے بہتر کوئی مثال پیش کی جاسکتی ہے۔۔۔؟ اپنے ساتھیوں کو باور کروانا چاہتے ہیں کہ ثواب واجر کی جتنی ضرورت تمہیں ہے اتنی ہی ضرورت مجھے بھی ہے لہٰذا باری لینے میں اور پیدل چلنے میں۔۔۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔

(لوگو! انقلاب اس طرح آیا کرتے ہیں جب امیر اور لیڈر قوم کے ساتھ مشکل کی گھڑیوں میں کھڑے ہوں۔۔۔ خندق کھودنے میں وہ بلال وعمار رضی اللہ عنہما کے ساتھ کدال اٹھا لے۔۔۔ انقلاب اس طرح نہیں آتے کہ لیڈر خود کنٹینر میں ہیٹروں کے سینک میں پسینے پونچھ رہا ہو اور عوام۔۔۔ مرد وخواتین۔۔۔ بچے اور بوڑھے یخ بستہ موسم میں برستی بارش میں بھیگ رہے ہوں)

دورانِ سفر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر اپنے ساتھیوں اور یاروں پر پڑی۔۔۔ ان کی خستہ حالی کو دیکھا تو دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے:

اَللّٰھُمَّ اِنَّھُمْ حُفَاۃٌ فَاَحْمِلْھُمْ وَعُرَاۃٌ فَاکْسُھُمْ وَجِیَاعٌ فَاَشْبِعْھُمْ

(طبقات ابن سعد)

اے میرے مولا! یہ برہنہ پا ہیں ان کو سواری عطا فرما یہ ننگے بدن ہیں ان کو لباس عطا فرما یہ تہی شکم ہیں ان کو سیر فرما۔

تین سو تیرہ افراد پر مشتمل یہ غیر مسلح جماعت جو صرف ابوسفیان کے قافلے کو مرعوب کرنے کے لیے مدینہ سے نکلی تھی۔۔۔ انہیں راستے میں خبر ملتی ہے کہ مکہ سے قریش ایک جنگجو اور مسلح لشکر لے کر آ رہے ہیں۔

اس خبر نے ایک نازک صورت حال پیدا کر دی کیونکہ لشکر اسلام تعداد میں بھی کم تھا اور غیر مسلح بھی تھا۔۔۔ وہ کوئی جنگ کرنے کے ارادے سے نہیں نکلے تھے۔۔۔ نہ ان کے پاس گھوڑے تھے۔۔۔ نہ تلواریں اور نہ نیزے اور ڈھالیں۔۔۔ اس لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سخت تشویش لاحق ہوئی۔۔۔ آپ نے اپنے ساتھیوں سے مشاورت فرمائی کہ ہماری روانگی کا علم قریش مکہ کو ہو گیا ہے۔۔۔ اگر وہ جنگ کے لیے یہاں پہنچ جائیں تو ہمیں کیا کرنا چاہیے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دریافت کرنے پر سب سے پہلے وہی اٹھا جس کا ہر معاملہ میں پہلا نمبر ہے۔۔۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مہاجرین کی نمائندگی کرتے ہوئے عرض کیا:

''ہم آپ کے ہر حکم کی اطاعت وتعمیل کے لیے دل وجان سے حاضر ہیں۔''

پھر سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اٹھتے ہیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی جانثاری اور نصرت وتعاون کا یقین دلاتے ہیں۔۔۔ مگر جو تقریر اس نازک موقع پر سیدنا مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ نے کی اس کا ایک ایک لفظ دین کی محبت اور الفت رسول میں ڈوبا ہوا ہے، انہوں نے کہا:

یارسول اللہ! اللہ رب العزت نے آپ کو جس بات کا حکم فرمایا ہے آپ اس کو پورا فرمایئے ہم دل وجان سے آپ کے ساتھ ہیں۔

وَاللهِ لَا نَقُوْلُ كَمَا قَالَ قَوْمُ مُوْسٰى اِذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ (ہم وہ بات نہیں کہیں گے جو موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے کہی تھی کہ تم اور تمہارا رب جا کر لڑو ہم تو یہیں بیٹھے ہیں) بلکہ ہم تو اس کے برعکس یہ کہیں گے کہ آپ اور آپ کا پروردگار جہاد وقتال کے لیے حکم فرمائے تو ہم بھی آپ کی معیّت میں جہاد وقتال کریں گے ہم تو آپ کی داہنی جانب بھی لڑیں گے اور بائیں جانب بھی اور آپ کے آگے بھی اور پیچھے بھی۔ (بخاری 564/1، البدایہ والنہایہ 263/3)

اس روایت کے راوی سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سیدنا مقداد رضی اللہ عنہ کی یہ ولولہ انگیز تقریر سن کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرۂ پُرانوار خوشی ومسرت سے چمک اٹھا اور میں نے دل میں کہا کہ ایسی جرأت رندانہ اور ہمت مردانہ اگر مجھے نصیب ہوتی تو ایسی خوش نصیبی ہوتی جو مجھے ہر ایک دولت سے زیادہ پیاری ہوتی۔ (بخاری 564/1)

یہ تمنا اور یہ دلی خواہش صرف سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی نہیں تھی بلکہ سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

سب انصار یہ تمنا کرنے لگے کہ سیدنا مقداد رضی اللہ عنہ نے اپنے جذبات کا جن الفاظ میں اظہار فرمایا ہے کاش! وہ بیان ہمارا ہوتا تو یہ دنیا کی ہر دولت سے بڑی دولت ہوتی۔

(البدایہ والنہایہ 262/3)

مسند احمد میں ایک روایت ہے کہ جو جواب سیدنا مقداد رضی اللہ عنہ نے دیا تھا تقریباً سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا جواب یہی تھا۔

یہ جواب سننے کے باوجود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر فرمایا:

اَشِیْرُوْا عَلَیَّ اَیُّھَا النَّاسُ

لوگو! مجھے مشورہ دو۔

انصار کے سردار سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سمجھ گئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا روئے سخن ہماری طرف ہے۔۔۔وہ اٹھے اور ایک روح پرور تقریر فرمائی۔۔۔کہنے لگے:

یا رسول اللہ! ہم نے ایمان وطاعت کی آپ کے ہاتھ پر بیعت کی ہے اور ہم اطاعت وفرمانبرداری اور جانثاری پر آپ کو پختہ عہد دے چکے ہیں۔۔۔ہم جنگ اور صلح ہر حال میں آپ کے ساتھ ہیں۔۔۔ہمارے اموال اور زمینیں ان پر ہم سے زیادہ آپ کا حق ہے جس طرح چاہیں استعمال کریں۔۔۔رہ گئی جان تو آپ ہمیں برک الغماد جانے کا حکم دیں تو ہم لازماً آپ کے ساتھ جائیں گے۔

قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے اگر ہمیں سمندر میں کود جانے کا حکم دیں گے تو ہمارا ایک آدمی بھی انکار نہیں کرے گا۔۔۔سب کے سب آپ کے حکم کی تعمیل کریں گے۔۔۔اب اگر مشرکین مکہ نے ہم پر جنگ مسلط کرنے کا پختہ ارادہ کر ہی لیا ہے تو آپ اللہ کا نام لے کر قدم بڑھایئے آپ کو میدانِ جنگ میں ہماری اطاعت وفرمانبرداری اور جرأت وبہادری کا مشاہدہ ہو جائے گا۔ (البدایہ والنہایہ 264/3)

مہاجرین تو پہلے ہی اپنے ایثار۔۔۔قربانی۔۔۔اور اطاعت کا یقین دلا چکے تھے۔۔۔اب انصار کے سردار نے تمام انصار کی جانب سے اطاعت وشجاعت اور قربانی کے بے مثال جذبات کا اظہار کیا۔۔۔تو دیکھنے والوں نے دیکھا کہ جبینِ نبوت نورِ مسرت سے چمک اٹھی۔

سامعین گرامی قدر! آپ نے محسوس کیا کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی باوجود مادی وسائل اور انعامات پانے کے مشکل کی گھڑی میں انہیں تنہا چھوڑ رہے ہیں اور لڑائی سے کنّی کترا رہے ہیں۔

دوسری طرف میرے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یار۔۔۔ اور ساتھی باوجود قلت مال۔۔۔ اور قلت اسباب اور۔۔۔ باوجود آلاتِ جنگ کے نہ ہونے کے میرے نبی کے لیے اور اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے وفا وایثار۔۔۔ اور شجاعت وبہادری کے مجسمے نظر آرہے ہیں۔۔۔ وہ اپنا مال۔۔ سامان۔۔۔ وطن۔۔۔ تن، من دھن۔۔۔ اولاد۔۔۔ کاروبار۔۔ برادری۔۔۔ رشتے دار۔۔۔ اہل وعیال۔۔۔ حتیٰ کہ عزت تک محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان کردینے کا جذبہ رکھتے ہیں۔

انہوں نے کسی بھی مشکل گھڑی میں اور۔۔۔ نامناسب حالات میں اور۔۔۔ دکھ کے اوقات میں اپنے نبی کو تنہا نہیں چھوڑا۔۔۔ وہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے والہانہ اور بے مثال پیار اور محبت کرتے تھے۔۔۔ وہ تپتے ہوئے کوئلوں پر لیٹ کر اللہ اور اس کے نبی کی محبت وعقیدت کا دم بھرتے رہے۔۔۔ ان کے جسموں کے دوٹکڑے کر دیئے گئے مگر انہوں نے دامن مصطفیٰ کو چھوڑنے سے انکار کر دیا۔۔۔ ان کی آنکھوں میں لوہے کی گرم سلاخیں پھیر کر قوتِ بینائی سے محروم کر دیا گیا۔۔۔ مگر وہ اپنی آنکھیں مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرے سے ہٹانے پر راضی نہ ہوئے۔۔۔ ان کے بچے ان سے چھین لیے گئے۔۔۔ بیوی کو الگ کر دیا گیا۔۔۔ مگر انہوں نے محبت نبی میں یہ وار بھی سہہ لیا۔۔۔ انہیں خاک وخون میں تڑپایا گیا۔۔۔ مگر ان کے خون کے ہر قطرے سے الفت پیغمبر کی خوشبو مہک اٹھی۔

سیّدنا زید وخبیب رضی اللہ عنہما 4ہجری میں عضل اور قارہ کے کچھ لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگے کہ ہمارے قبیلوں کے لوگ اسلام قبول کرنے کی طرف مائل ہو رہے ہیں۔۔۔ اس لیے آپ چند اچھے پڑھے لکھے لوگوں کو ہمارے ساتھ بھیج دیں جوان

قبیلوں میں دین کے مبلغ بنیں۔۔۔انہیں قرآن پڑھائیں اور اسلامی احکام سکھائیں۔

نبی اکرم ﷺ نے سیدنا عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں دس صحابہ رضی اللہ عنہم پر مشتمل ایک دستہ روانہ فرمایا، کچھ فاصلہ پر دو سو آدمیوں کے ایک دستہ نے جن میں ایک سو تیر انداز تھے۔۔۔ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گھیر لیا۔۔۔اصحاب رسول نے ایک ٹیلے پر چڑھ کر اپنے بچاؤ کی کوششیں کیں۔

ان لوگوں نے قسمیں اٹھا کر انہیں یقین دلانے کی کوشش کی کہ ہم تمہیں قتل نہیں کرنا چاہتے۔۔۔تم ہماری پناہ میں آجاؤ۔۔۔ہم تو تمہاری وجہ سے اہل مکہ سے کچھ باتیں منوانا چاہتے ہیں۔

ان دس صحابہ نے کہا: ہم کفار کی پناہ اور قسموں کا اعتبار نہیں کریں گے اور مقابلہ کریں گے۔ان میں سے ہر ایک یہ دعا مانگنے لگا:

اَللّٰهُمَّ اَخْبِرْ عَنَّا رَسُوْلَكَ

اے مولا! اپنے رسول کو ہمارے اس حال کی خبر پہنچا دے۔

چنانچہ اللہ رب العزت نے ان کی دعا قبول کرتے ہوئے بذریعہ وحی اپنے پیغمبر کو ان کی حالت کی اطلاع دے دی۔ (بخاری $\frac{427}{1}$)(ابوداؤد، طیالسی)

(سامعین محترم! یہاں ایک لمحہ کے لیے رک کر غور فرمایئے کہ یہ دعا مانگنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عقیدہ اور نظریہ کیا تھا؟ کیا ان کا عقیدہ تھا کہ امام الانبیاء ﷺ عالم الغیب اور حاضر و ناظر ہیں؟ اگر یہ عقیدہ ہوتا تو انہیں رب سے یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی؟ کہ مولا! ہمارے حال کی خبر ہمارے نبی ﷺ تک پہنچا دے۔

پھر اگر نبی اکرم ﷺ عالم الغیب اور حاضر و ناظر ہوتے تو ان آنے والے وفد کے ارادوں، نیت اور مشوروں سے باخبر ہوتے تو اپنے دس جانثار ساتھیوں کو ان کے ساتھ کبھی بھی نہ بھیجتے۔معلوم ہوا کہ علم غیب صفت اور خاصہ نبی اکرم ﷺ کا نہیں ہے بلکہ یہ صفت اللہ

کی ہے۔(تفصیل کے لیے میرا رسالہ ''علم غیب کیا ہے؟'' کا مطالعہ فرمائیں)

دس صحابہ نے ان سے دو دو ہاتھ کرنے کی ٹھان لی مگر کہاں دس مسافر جن کے پاس محدود اسلحہ ہے اور کہاں دو سو جن میں ایک سو ماہر تیر انداز ہیں۔لڑائی میں آٹھ صحابہ شہید ہو گئے۔

مبلغین کے اس مختصر سے قافلے میں فقط دو شخص زندہ بچے۔۔۔۔۔جنہیں ان لوگوں نے گرفتار کرلیا۔ایک تھے سیدنا خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ۔۔۔۔اور دوسرے تھے سیدنا زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ۔۔۔ان مشرکین نے ان دونوں کو مشرکین مکہ کے ہاتھ بیچ دیا۔

چنانچہ سیدنا زید رضی اللہ عنہ کو امیہ بن خلف کے بیٹے صفوان نے خرید لیا تاکہ اپنے باپ امیہ کے قتل کا بدلہ لے کر اپنے سینے کو ٹھنڈا کرے جسے مسلمانوں نے میدانِ بدر میں واصل جہنم کیا تھا۔

سیدنا خبیب رضی اللہ عنہ نے غزوۂ اُحد میں حارث بن عامر کو قتل کیا تھا، چنانچہ حارث کے بیٹوں نے اپنے والد کے انتقام کے لیے انہیں خرید لیا۔

سیدنا زید رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کے لیے حدودِ حرم سے باہر تنعیم کے مقام پر لایا گیا۔۔پورا مکہ یہ تماشہ دیکھنے کے لیے امڈ آیا۔۔۔سردارانِ قریش بھی پہنچے۔۔۔دوسرے سرداروں کے ساتھ بنو امیہ کا سردار ابوسفیان بھی وہاں گیا (بعد میں ابوسفیان اور صفوان دونوں کو اللہ نے دولت ایمان سے سرفراز فرما دیا تھا رضی اللہ عنہما)

جلاد نے قتل کرنے کے لیے تلوار تھامی تو ابوسفیان نے عین اس مشکل کی گھڑی میں سیدنا زید رضی اللہ عنہ سے پوچھا: زید میں تمہیں اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں مجھے سچ سچ بتانا۔۔۔کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ اس وقت تمہاری جگہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوتے اور ہم ان کی گردن اُڑا دیتے اور تم آرام واطمینان سے اپنے گھر میں ہوتے؟

سیدنا زید رضی اللہ عنہ نے عشق ومستی کی زبان میں فوراً جواب دیا:

لَا وَاللّٰہِ مَا اُحِبُّ اَنَّ مُحَمَّدًا اَلْاٰنَ فِیْ مَکَانِہٖ تُصِیْبُہٗ شَوْکَۃٌ تُؤْذِیْہِ

ہرگز نہیں مجھے اللہ کی قسم مجھے تو یہ بھی پسند نہیں کہ اس وقت محمد عربی ﷺ اپنے گھر میں ہوں اور ان کے پاؤں مبارک میں کانٹا چبھے اور انہیں اتنی سی تکلیف ہو۔

محبِّ صادق کا جواب سن کر ابوسفیان ششدر اور دنگ رہ گیا۔۔۔۔۔ اس کے ہوش وحواس اُڑ گئے کہ یہ کیسی محبت ہے۔۔۔۔ یہ کیسا تعلق ہے۔۔۔ اور یہ کیسی عقیدت ہے۔۔۔ اور یہ کیسی دوستی ہے؟

ابوسفیان سیدنا زید رضی اللہ عنہ کا جواب سن کر کہنے لگے:

مَا رَاَیْتُ مِنَ النَّاسِ اَحَدًا یُحِبُّ اَحَدًا کَحُبِّ اَصْحَابِ مُحَمَّدٍ مُحَمَّدًا

میں نے دنیا میں ایسا کوئی شخص نہیں دیکھا جو کسی سے اتنی محبت کرتا ہو جتنی محبت محمد ﷺ کے ساتھی محمد ﷺ سے کرتے ہیں۔

پھر صفوان بن امیہ کے غلام نسطاس نے تلوار کے ایک ہی وار سے اس جانثار نبوت کو ہمیشہ کی نیند سلا دیا۔ (سیرت ابن ہشام $\frac{172}{2}$)

دوسرے صحابی سیدنا خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ جنہیں قید کے دوران غیب سے انگور کے بڑے بڑے خوشوں کی صورت میں رزق عطا ہوتا تھا۔۔۔ انہیں قتل کرنے کے لیے لایا گیا۔۔۔ تو انہوں نے دو رکعت نماز پڑھنے کی خواہش کا اظہار کیا۔۔۔ انہوں نے شہادت سے پہلے دو رکعت نفل بڑے مختصر سے وقت میں ادا فرمائے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ سیدنا خبیب رضی اللہ عنہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے شہادت سے پہلے دو رکعت نماز پڑھنے کی سنت جاری کی۔ (بخاری $\frac{569}{2}$)

جب سلام پھیر چکے تو مشرکین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: میرا دل کرتا تھا کہ زندگی کی آخری نماز دیر تک پڑھتا رہوں مگر اس خیال سے میں نے نماز کو طویل نہیں کیا کہ تم لوگ یہ گمان نہ کرو کہ میں موت سے ڈر کر دیر لگا رہا ہوں۔۔۔ پھر انہوں نے یہ شعر للکار کر

پڑھا:

وَلَسْتُ اُبَالِیْ حِیْنَ اُقْتَلُ مُسْلِمًا عَلٰی اَیِّ شِقٍّ کَانَ لِلّٰہِ مَصْرَعِی

جب میں مومن اور مسلمان ہونے کے جرم میں قتل کیا جا رہا ہوں تو پھر اس کی کوئی پرواہ نہیں کہ قتل کے بعد کس رخ پر گرتا ہوں اور کس طرح مارا جاتا ہوں۔

سیدنا خبیب رضی اللہ عنہ وجد و مستی کی کیفیت میں گم تھے۔۔۔ جلاد نے انہیں آگے بڑھ کر سولی پر باندھنا شروع کیا تو انہوں نے رب کے حضور استدعا کی:

اَللّٰھُمَّ اِنَّا قَدْ بَلَّغْنَا رِسَالَۃَ رَسُوْلِكَ

اے میرے مولا! ہم نے تیرے رسول کا پیغام اور دعوت کو جگہ جگہ پہنچا دیا ہے۔

فَبَلِّغْہُ مَا یُصْنَعُ بِیْ

اب جو کچھ میرے ساتھ ہو رہا ہے اس کی خبر اپنے رسول تک پہنچا دے۔

(سیرت ابن ہشام 173/2)

سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ حضراتِ گرامی قدر! میں سمجھانا یہ چاہتا ہوں کہ جیسے جانثار ساتھی اور وفادار دوست اللہ رب العزت نے محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا فرمائے تھے ایسے ساتھی کسی پیغمبر کو بھی عطا نہیں کیے گئے۔

غزوۂ احد میں جنگ تھم جانے کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے جانثاروں پر نگاہ ڈالی۔۔۔ کچھ نظر آنے والے یاروں کے متعلق دریافت فرمانا شروع کیا۔

فرمایا: سعد بن ربیع نظر نہیں آ رہے۔۔۔ انہیں تلاش کرو۔۔۔ زخمی ہیں یا جامِ شہادت نوش کر چکے ہیں۔۔۔؟ سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ انہیں تلاش کرنے کے لیے جانے لگے تو نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ سعد تمہیں زندہ حالت میں مل جائیں تو انہیں میرا سلام کہنا اور پوچھنا: تم اس وقت اپنے آپ کو کیسا پاتے ہو؟

سبحان اللہ! سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کیسا خوش نصیب شخص ہے جس کے تذکرے محفل نبوی

میں ہو رہے ہیں اور جنہیں کائنات کا آقا ﷺ سلام بھیج رہا ہے۔

سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں اُحد کے میدان میں انہیں ڈھونڈتے ڈھونڈتے ان تک پہنچ گیا۔۔۔ وہ شدید ترین زخمی حالت میں تھے۔۔۔ بہت سا خون بہہ چکا تھا۔۔۔ انہیں نیزے اور تلوار کے تقریباً ستر زخم آئے تھے۔۔۔ مگر سانس کی ڈوری حرکت میں تھی۔۔۔ زندگی کی کچھ رمق باقی تھی۔۔۔ انہوں نے بڑی مشکل سے آنکھیں کھول کر میری طرف دیکھا۔۔۔ میں نے کہا:

سعد! اللہ کے رسول نے تمہیں سلام کہا ہے (سبحان اللہ! سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے یہ جملے سن کر کتنی فرحت، کتنی خوشی اور مسرت محسوس کی ہوگی۔۔۔ زخمی جسم اور سعد کے خون بہتے زخموں پر ان کلمات نے تسکین کی کیسی مرہم رکھی ہوگی؟)

اور نبی اکرم ﷺ نے دریافت فرمایا ہے کہ اس وقت تم اپنے آپ کو کس حالت اور کیفیت میں پاتے ہو؟ سیدنا سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ نے جواب میں کہا:

میری طرف سے نبی اکرم ﷺ کو سلام کہنا اور ساتھ ہی عرض کرنا کہ میں اس وقت جنت کی خوشبو سونگھ رہا ہوں۔۔۔ اور ساتھ ہی یہ بھی کہنا کہ میری موت کا وقت بالکل قریب ہے۔۔۔ اللہ رب العزت آپ کو ہماری طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے کہ آپ نے ہمیں حق کا اور جنت کا راستہ بتایا اور دکھایا۔۔۔ اور ایک پیغام میری قوم انصار کو بھی دینا۔۔۔ کہ جب تک تم میں سے ایک شخص بھی زندہ ہے اگر دشمن نے تمہاری موجودگی میں نبی مکرم ﷺ کا ایک بال بھی بیکا کر دیا تو اللہ کے حضور پیش کرنے کے لیے تمہارے پاس کوئی عذر نہ ہوگا۔۔۔ یہ کہتے ہوئے سیدنا سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ نے آخری ہچکی لی اور جان جاں آفرین کے سپرد کر دی۔ (مستدرک حاکم 201/3، سیرت ابن ہشام 86/2)

سیدنا عمارہ بن یزید یا زیاد بن سکن رضی اللہ عنہ

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ غزوۂ اُحد میں مشرکین کے مسلح دستے نے نبی اکرم ﷺ پر حملہ کر دیا۔۔۔ آپ نے بلند آواز

سے فرمایا کون ہے جو ان مشرکین کو ہم سے دور ہٹائے۔۔۔میں اس کے لیے جنت کا وعدہ کرتا ہوں۔۔۔یا فرمایا وہ جنت میں میرا ساتھی ہو گا۔۔۔اس وقت نو صحابہ آپ کے قریب تھے۔۔۔ان میں سے سات انصاری تھے اور دو مہاجر تھے۔۔۔آپ کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے ساتوں انصاری یکے بعد دیگرے شہادت کے مرتبے پر فائز ہوتے چلے گئے۔
(مسلم 107/2)

ان سات انصاری صحابہ میں سب سے آخری جانثار عمارہ بن یزید یا زیاد بن سکن تھا۔۔۔وہ شوقِ شہادت میں بے تاب ہو کر دشمن کی صفوں میں گھسے اور پھر غائب ہو گئے۔۔۔جنگ اور حملہ تھمنے کے بعد نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

دیکھو! عمارہ کہاں ہے؟ اور کس حالت میں ہے۔۔۔؟ آپ کا حکم سنتے ہی کئی جانثار صحابہ عمارہ رضی اللہ عنہ کی تلاش میں نکلے تو سیدنا عمارہ رضی اللہ عنہ گنج شہیداں کے ڈھیر میں بے حس و حرکت پڑے ہوئے ملے۔۔۔لوگ انہیں کاندھوں پر اٹھا کر نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں لائے۔۔۔عمارہ رضی اللہ عنہ کی آنکھیں بند تھیں اور زخموں کی کثرت کی وجہ سے کبھی یہ محسوس ہوتا کہ ان کی یہ سانس زندگی کی آخری سانس ہے۔۔رحمت کائنات ﷺ ان کے قریب تشریف لائے۔۔۔عمارہ رضی اللہ عنہ نے نبوت کی دل آویز خوشبو اور بھینی بھینی مہک محسوس کی تو بڑی دقت سے اپنی آنکھیں کھولیں۔۔۔نبوت کے پُر انوار چہرے پر نظر پڑی تو روح میں عجیب تازگی پیدا ہو گئی۔۔ان کے نحیف اور کمزور وجود نے آخری پھریری لی۔۔۔ان کا جسم بے تابی سے اس طرح تڑپا جس طرح نیم جاں مچھلی پانی کو دیکھ کر تڑپتی ہے۔

عمارہ رضی اللہ عنہ نے کلمۂ شہادت ادا کرتے ہوئے اپنی پوری قوت سے ایک جست لگائی اور بل کھا کر اس طرح اچھلے کہ ان کا رخسار نبی اکرم ﷺ کے قدم مبارک پر تھا اور یہ اس جسم کی آخری حرکت تھی۔۔۔اور یہ شہادت کی آخری ہچکی تھی۔۔۔لوگو! جنت اور جنت کی نعمتیں بہت بڑا انعام و اکرام ہے۔۔۔اس میں کوئی شک نہیں۔۔۔لیکن سیدنا عمارہ رضی اللہ عنہ کو موت سے ایک

لحہ پہلے جو جنت عطا ہوئی تھی اس پر ہزاروں جنتیں قربان ہیں۔۔۔شاعر کہتا ہے:

سر بوقت ذبح اپنا اُن کے زیر پائے ہے
یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

ایک اور شاعر کہتا ہے:

نکل جائے دم تیرے قدموں کے نیچے
یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے

عبداللہ ذوالبجادین رضی اللہ عنہ مسجد نبوی کے صحن میں لوگ کسی آنے والے کے منتظر تھے۔۔۔کائنات کے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جبریل امین کی زبانی یہ اطلاع اپنے ساتھیوں کو دی تھی کہ اللہ کا مہمان آنے والا ہے۔

یکا یک ایک نوجوان مسجد میں داخل ہوا۔۔۔سفر کے آثار چہرے اور سر کے بالوں سے نمایاں ہو رہے تھے۔۔۔پریشان حال اور بکھرے ہوئے بال۔۔۔اس کی ساری کائنات کمبل کے دو ٹکڑے تھے۔۔۔ایک ٹکڑا بدن ڈھانپنے کا کام دے رہا تھا۔۔۔اور دوسرا ستر پوشی کا۔

امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اٹھ کر استقبال فرمایا اور اس غریبُ الدِّیار اور نادار کو سینے سے لگا لیا۔۔۔نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نام پوچھا تو کہنے لگا: عبد العزّٰی یعنی عُزّٰی فقیرنی کا بندہ۔۔۔مشرکین عرب جاہلیت میں اپنے بچوں کو ان بزرگوں سے منسوب کر دیتے تھے۔۔۔جن کی صورتوں پر وہ بت بنا کر ان کی پوجا پاٹ کیا کرتے تھے۔۔۔اور انہیں اپنا مسجود اور حاجت روا سمجھتے تھے۔۔۔خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک چچا کا نام ''عبد العزّٰی'' تھا جو ابولہب کی کنیت سے مشہور ہوا اور دوسرے چچا کا نام ''عبد مناف'' تھا جو ابو طالب کی کنیت سے شہرت رکھتے ہیں۔

عرب کے لوگ جاہلیت کے دور میں اپنے بیٹوں کے نام ''عبد الشمس، عبد الدار،

عبد الکعبہ، عبد مناف، عبد العزیٰ اور عبدودٗ" رکھتے تھے جیسے آج ہمارے زمانے میں جاہلیت
کی وجہ سے لوگ اپنے بیٹوں کے نام "عبد الرسول، عبد النبی، عطاء الرسول، میراں بخش،
امام بخش، علی بخش" رکھتے ہیں۔

امام الانبیاء ﷺ نے آنے والے اس نوجوان کا نام تبدیل فرما دیا۔۔۔فرمایا
آج کے بعد تم عبد العزیٰ نہیں بلکہ عبد اللہ کہلاؤ گے۔

رحمت عالم ﷺ نے پوچھا یہ تم نے کیا حالت بنا رکھی ہے۔۔۔تمہارے ساتھ کیا
بیتی؟ کہنے لگا میرا والد وفات پا چکا ہے۔۔۔ساری میراث اور ترکہ پر میرا چچا قابض
ہے۔۔۔میرے کانوں میں کہیں سے آپ کے بارے میں آواز پہنچی۔۔۔دل مچلنے لگا کہ
پَر لگ جائیں اور میں اُڑ کر آپ کی خدمت میں پہنچ جاؤں۔۔۔ چچا آپ کا شدید ترین
مخالف تھا۔۔۔ایک دن موقع پا کر میں نے چچا سے کہا:

چچا جان! میں اپنے دل میں عبد اللہ کے دُرِ یتیم سے ملنے کا شوق محسوس کر رہا
ہوں۔۔۔میرے اس کہنے کی دیر تھی کہ ظالم چچا نے مجھے ڈنڈوں سے مارنا شروع کیا۔۔۔
اتنا مارا کہ بدن پر نشان پڑ گئے۔۔۔جسم لہولہان ہو گیا۔۔۔جب چچا کا یہ وار بھی میرے
شوق کی راہ میں رکاوٹ نہ بن سکا تو پھر اس نے میرے تن کے تمام کپڑے چھین لیے۔۔۔
مگر محبت نبی کے راستے میں اس کا یہ وار بھی خطا گیا۔

میں برہنگی کی حالت میں بیوہ ماں کے پاس پہنچا۔۔۔اس نے آنکھیں بند کر لیں
اور یہ کمبل دے دیا۔۔۔میں نے اس کے دو ٹکڑے کیے۔۔۔ایک حصہ باندھ لیا اور دوسرا
اوڑھ لیا۔۔۔اسی حالت میں سب کچھ چھوڑ چھاڑ کے اپنے شوق کی تکمیل کرتے ہوئے آپ
کی خدمت میں آ گیا ہوں۔

امام الانبیاء ﷺ اس کی درد بھری روئیداد سن کر آبدیدہ ہو گئے۔۔۔اسے
اصحاب صفہ میں شامل کر لیا گیا۔۔۔کچھ محنت مزدوری کر کے پیٹ بھر لیتا۔۔۔باقی سارا

وقت نبی اکرم ﷺ کی صحبت و رفاقت میں گزارتا اور دین کے احکام سیکھتا رہتا۔

عبداللہ کو قرآن سے والہانہ پیار اور دیوانہ وار محبت تھی۔۔۔ اکثر اوقات بلند آواز میں قرآن کی تلاوت کرتا۔۔۔ کئی صحابہ کو اس طرح بلند آواز میں قرآن پڑھنا ناگوار گذرتا۔۔۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک دو بار سمجھایا بھی۔۔۔ کہ تمہارا اس طرح بلند آواز سے قرآن پڑھنا دوسروں کو خلل پہنچاتا ہے لہٰذا تلاوتِ قرآن کے وقت آواز کو ذرا پست رکھا کرو۔

سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ قرآن کی تلاوت شروع کرتا تو دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جاتا۔۔ اس لیے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی نصیحت کی طرف کوئی دھیان نہیں دیا۔۔۔ اور اپنے ذوق و شوق میں قرآن کی تلاوت بلند آواز سے کرتا رہا۔

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو ایک بار غصہ آ گیا۔۔۔ مارنے کے لیے ہاتھ اٹھایا ہی تھا کہ نبی اکرم ﷺ نے پیچھے سے آ کر ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا:

اسے کچھ نہ کہو یہ تو اللہ کی راہ میں اپنا سب کچھ لٹا کر آیا ہے۔

غزوۂ تبوک کے دشوار ترین سفر میں اس نے ایک دن نبی اکرم ﷺ کے سامنے اپنی تمنا اور خواہش کا اظہار یوں کیا:

میں اللہ کے راستے میں شہید ہونے کی آرزو رکھتا ہوں۔

نبی اکرم ﷺ نے جواب میں فرمایا:

ایک درخت کا چھلکا اتار کر لاؤ۔۔۔ چھلکا اس کے بازو پر باندھ کر کہا: مولا! میں عبداللہ کا خون کفار پر حرام قرار دیتا ہوں۔

سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ نے سنا تو پریشان ہو گئے کہ شہادت کی آرزو لے کر آیا تھا اور لسانِ نبوت نے کیا کہہ دیا؟ نبی اکرم ﷺ نے عبداللہ رضی اللہ عنہ کے چہرے پر پریشانی کے آثار دیکھ کر تسلی دیتے ہوئے فرمایا:

اگر تم اللہ کی راہ میں جہاد کی نیت لے کر نکل کھڑے ہوئے ہو اور راستے میں کسی وجہ سے موت آجائے تو یہ بھی عین شہادت ہی کی موت ہوگی۔

تبوک کا سفر انتہائی کٹھن سفر تھا۔۔۔ ریتلا علاقہ۔۔۔ دور دور تک سائے کا نام ونشان تک نہیں۔۔ کھانے کے لیے چند کھجوریں۔۔ پانی نایاب۔۔۔ سواریاں ناپید۔۔۔ پاؤں میں جوتیاں تک نہیں۔۔۔ سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ راستے میں بیمار ہو گئے۔۔۔ بخار انتہائی تیز۔۔۔ نہ دوائی نہ دارو۔۔۔ نہ پینے کے لیے وافر مقدار میں پانی۔

سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کا آخری وقت آن پہنچا۔۔۔ مگر موت کا یہ منظر بڑا عجیب تھا۔۔ بلکہ یہ عجیب موت تھی کہ زندگیاں اس پر قربان ہو رہی تھیں۔۔۔ خود رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سرہانے موجود تھے۔۔۔ سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کی نظریں چہرۂ اقدس پر جمی ہوئی تھیں۔

موت کی آخری ہچکی سے پہلے اس نے بھرپور نظروں سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ پُرانوار کو دیکھا اور اپنی آنکھوں کے پردے میں نبوت کی تصویر لے کر ہمیشہ کے لیے آنکھیں بند کر لیں۔ سچ کہا تھا کسی فارسی شاعر نے:

منم ہمیں تمنا کہ بوقت جاں سپردن
برج تو دیدہ باشم تو درون دیدہ باشی

سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کے غسل کا انتظام کیا گیا۔۔۔۔۔ کفن پہنانے کا وقت آیا تو امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی چادر عنایت فرمائی۔۔۔ محبت نبی کا یہ مارا ہوا برہنہ کر کے گھر سے نکالا گیا تھا اس لیے اس انوکھے اور عظیم کفن کا بھی یہی حقدار ہو سکتا تھا۔

سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کی قبر ان برگزیدہ لوگوں نے کھودی جن کے قدموں سے اپنی آنکھیں ملنا جنت کی حوروں کے لیے بھی موجب فخر ہے۔۔۔ وہ ایسے مقدس لوگ تھے کہ دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کرنے لگیں۔۔۔ یہ وہ عظیم حضرات تھے جو کُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ کے اولین مخاطب ہیں۔

تدفین رات کے وقت عمل میں آئی۔۔۔ چراغ مسجد نبوی کے مؤذن کے ہاتھ میں تھا۔۔۔ جس کے قدموں کی آہٹ شب معراج میں صاحب معراج نے اپنے آگے آگے سنی تھی۔۔۔ مشعل اس کے ہاتھ میں تھی جس کی پختگی واستقامت نے چہار دانگ عالم میں ندائے حق کی مشعل روشن کی۔۔۔ جسے فاروق اعظم جیسا آدھی دنیا کا فرمانروا ''سیدنا'' کہہ کر بلاتا تھا۔

قبر تیار ہوئی تو امام الانبیاء ﷺ خود قبر میں اترے اور لیٹ گئے۔۔۔ پھر اٹھے اور باہر کھڑے صحابہ سے فرمایا:

اَدَبًا اِلٰی اَخِیْکُمَا۔۔۔ اپنے بھائی عبد اللہ کا ادب واحترام ملحوظ رہے۔۔۔ پھر خود رحمت وشفقت والے ہاتھوں میں اس طرح اسے گود میں لیا جیسے کوئی شفیق باپ اپنی لاڈلی اولاد کو لیتا ہے۔۔۔ سیدنا عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی پیشانی پر بوسہ دیا اور قبر میں لٹا کر آسمان کی جانب چہرہ مبارک اٹھا کر کہا:

محمد اس وقت تک اس سے راضی ہے مولا تو بھی اس سے راضی رہنا۔

آج کائنات کا ایک ایک ذرہ اس شہید ناز کی موت پر رشک کر رہا تھا۔۔۔ آج خطاب کا جایا عمر اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما دونوں اشک بار ہیں اور تمنا کر رہے ہیں۔۔۔ عبد اللہ! اے کاش! تیری جگہ ہم ہوتے۔۔۔ کہ نبوت کے ہاتھ ہمیں قبر میں رکھ کر اپنی رضا کا اعلان فرماتے اور پیشانی کو بوسہ دیتے اے کاش!

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ مکہ کا سجیلا جوان۔۔۔ خوش شکل۔۔۔ اور خوش پوش کئی دن سے سن رہا تھا کہ عبد اللہ کے درّ یتیم نے اور عبد المطلب کے پوتے نے نبوت ورسالت کا اعلان کیا ہے اور اس کی دعوت کا مرکزی نکتہ ہے لا الٰہ الا اللہ۔۔۔ ایک اکیلے اللہ ہی کی الوہیت ومعبودیت کا اقرار۔۔۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ مکہ کے رؤساء اور سردار اس دعوت کی مخالفت میں کمر کس چکے ہیں۔۔۔ نبوت کے مدعی پر طعن وتشنیع کا بازار گرم

ہے۔۔۔فتوے اور پھبتیوں کے نشتر ہیں۔۔۔مذاق اور ٹھٹھوں کے تیر ہیں۔۔۔پتھروں کی بارش ہو رہی ہے۔۔۔مخالفت زوروں پر ہے۔

سعد نامی اس جوان کے دل میں یہ امنگ اور آرزو ابھری کہ بھلا وہ بھی کوئی زندگی ہے جو اس دنیا میں گزاری جائے اور محمد عربی ﷺ سے کٹ کر گزاری جائے۔

وہ محمد کریم ﷺ کی خدمت میں آئے اور دولت ایمان سے مالا مال ہو گئے۔۔۔ ان کی والدہ جو مشرکہ تھی اسے علم ہوا کہ میرا بیٹا بھی محمد ﷺ کی زلفوں کا اسیر ہو گیا ہے۔۔۔ وہ اپنے آبائی دین سے پھر گیا ہے۔۔۔آباء واجداد کے راستے سے ہٹ گیا ہے۔۔۔اور ہمارے مذہب سے کٹ گیا ہے۔

ماں نے قسم اٹھائی کہ جب تک میرا بیٹا سعد واپس اپنے دین پر نہیں آئے گا۔۔۔ میں بالوں میں تیل کنگھی نہیں کروں گی۔۔۔ چھاؤں میں نہیں بیٹھوں گی۔۔۔اور نہ کچھ کھاؤں گی نہ کچھ پیئوں گی۔۔۔اسے یقین تھا کہ سعد کو مجھ سے بے انتہا محبت ہے۔۔۔وہ جب تک مجھے دیکھ نہ لے اسے چین نہیں آتا۔۔۔وہ یہ بھی برداشت نہیں کر سکتا کہ میرے پاؤں میں کانٹا چبھے۔۔۔اسے جب معلوم ہو گا کہ میری پیاری ماں بھوکی پیاسی دھوپ میں بال کھولے بیٹھی ہے تو دوڑا دوڑا آئے گا اور میرا مطالبہ تسلیم کر لے گا اور آباء واجداد کے مذہب پر پلٹ آئے گا۔

کسی نے جا کر سعد کو حقیقت حال سے آگاہ کیا۔۔۔وہ آئے ماں کی حالت دیکھی۔۔۔پوچھا ماں یہ حالت تم نے کیوں بنا رکھی ہے؟

ماں نے کہا میں نے سنا ہے تو صابی ہو گیا ہے۔۔۔آج کے ماحول میں کہیں گے میں نے سنا ہے تو وہابی ہو گیا ہے۔

اس زمانے میں جو در، در سے سر اٹھا کر ایک اللہ رب العزت ہی کے در پر جھکا دیتا تو بت پرست اسے صابی کہہ کر بدنام کرتے تھے۔۔۔اور آج کوئی شخص درباروں اور

مزاروں سے ہٹ کر مصائب وتکالیف میں ایک اللہ ہی کو پکارتا ہے تو لوگ اسے وہابی کہہ کر بدنام کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ماں نے کہا سعد بیٹا۔۔۔۔ میں نے سنا ہے تو محمد ﷺ کے دین کا پیروکار ہو گیا ہے؟ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے کہا ماں تم نے سچ سنا ہے۔۔۔۔ میں نے اسلام قبول کرلیا ہے اور محمد عربی ﷺ کی تعلیمات پر ایمان لے آیا ہوں۔۔۔ ماں نے کہا پھر میں بھوکی پیاسی مر جاؤں گی۔۔۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کہنے لگے:

ماں! بتا تیرے جسم میں کتنی روحیں ہیں؟۔۔۔ صرف ایک نا۔۔۔ اگر تیرے جسم میں سو روحیں ہوتیں اور تڑپ تڑپ کر ایک ایک کر کے نکلتیں تب بھی میں محمد عربی ﷺ کے دامن کو چھوڑنے کے لیے تیار نہ ہوتا۔

ماں خلافِ توقع یہ جواب سن کر حیران ہو گئی اور کہنے لگی۔۔۔۔ سعد بیٹا! تجھے ماں اور محمد عربی ﷺ میں سے ایک کو چننا ہوگا۔۔۔ اب سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کی سخت آزمائش تھی۔۔۔ بڑا کڑا امتحان تھا۔۔۔ ایک جانب ماں کی شفقت و پیار۔۔۔ اٹھارہ بیس سال کا ساتھ۔۔۔ خون کا رشتہ۔۔۔ اور دودھ کا تعلق۔

دوسری طرف روحانی رشتہ اور محمد عربی ﷺ سے چند لمحوں کی دوستی اور صحبت۔۔۔ دین کی محبت۔۔۔ مگر سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے یہ کہہ کر ملائکہ کو بھی حیران کر دیا کہ ماں میں صرف تجھے نہیں بلکہ کائنات کی ہر چیز کو چھوڑ سکتا ہوں۔۔۔ مگر کائنات کے سردار کے دامن کو نہیں چھوڑ سکتا۔

ماں نے کہا سعد بیٹے! دیکھ ماں کی ٹھنڈی چھاؤں کہیں بھی نہیں ملے گی۔۔۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے جواب میں کہا:

ماں تیری ٹھنڈی چھاؤں اور تیری میٹھی چھاؤں کب تک میسر رہے گی۔۔۔ صرف دنیا کی زندگی تک نا۔۔۔ میری آنکھیں بند ہو جائیں یا تیری آنکھیں بند ہو جائیں تو چھاؤں

ختم۔۔۔مگر جس ہستی کا دامن میں تھام کر آیا ہوں۔۔۔اس کی ٹھنڈی چھاؤں تو میدانِ محشر کی بے پناہ گرمی میں بھی کام آئے گی۔۔۔قیامت کے دن ان کے رحمت کے سائے میں اوران کے جھنڈے لواء الحمد کے نیچے جگہ عطا ہو گی۔

ماں اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ بھائی بے وفائی کر سکتا ہے۔۔۔بہن تعلقات توڑ سکتی ہے۔۔اولاد جدائی کا غم دے سکتی ہیں۔۔۔دوست غداری کر سکتا ہے۔۔ دنیا کی ہر چیز دھوکہ دے سکتی ہے۔۔۔مگر ماں کی محبت وشفقت میں فتور اور کمی کبھی بھی نہیں آسکتی۔

مگر تیری محبت، رحمت اور شفقت کا سایہ کب تک قائم رہے گا۔۔۔؟ تیرے پیار کی چادر کب تک تنی رہے گی۔۔۔؟ موت تک نا۔۔۔پھر میدانِ محشر میں يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ وَأُمِّهِ۔۔۔کے مطابق تو مجھے چھوڑ کر بھاگ جائے گی۔

اور جس ہستی کا دامن میں تھام کر آیا ہوں اس کی رحمت وشفقت تو میدانِ محشر میں بھی نفع اور فائدہ پہنچائے گی۔

ماں جس وقت تو مجھے اکیلا چھوڑ دے گی۔۔۔اس وقت محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے دست شفقت سے حوضِ کوثر سے جام بھر کر پلائیں گے۔۔۔کہ سعد آؤ آج سورج قریب ہے۔۔۔زمین انگاروں کی طرح تپی ہوئی ہے۔۔۔تمہارے لب خشک ہیں۔۔۔پچاس ہزار برس کا دن ہے۔۔۔آؤ میں تمہیں حوضِ کوثر سے پانی پلاؤں کہ لَمْ يَظْمَأْ أَبَدًا۔۔۔کہ پھر میدانِ محشر میں کبھی پیاس محسوس بھی نہ ہو۔

ماں تم میدانِ محشر میں مجھے چھوڑ کر بھاگو گی۔۔۔اور جس ہستی کا دامن میں تھام کے آیا ہوں۔۔۔وہ شفاعت کی چادر میں ڈھانپ لیں گے۔۔۔لواء الحمد کے نیچے جگہ دیں گے۔۔۔حوضِ کوثر سے جام پلائیں گے۔۔۔اور ہاتھ پکڑ کر جنت کی بہاروں اور نظاروں میں لے جائیں گے۔

ماں اب تم خود ہی فیصلہ کرو کہ میں اس عظیم ہستی کو چھوڑ کر تیرا دامن کیسے تھام لوں۔۔۔؟ اس لیے میری ماں اگر تو مجھے مومن اور مسلمان نہیں دیکھ سکتی تو میں تیرے جیسی کروڑوں ماؤں کو محمد عربی ﷺ کی خاطر قربان کرتا ہوں۔

سامعین گرامی قدر! میں آپ کو یہ حقیقت سمجھانا چاہتا ہوں کہ جس طرح کے جانثار اور وفادار اور فداکار ساتھی اور صحابہ اللہ رب العزت نے میرے پیارے نبی ﷺ کو عطا فرمائے تھے۔۔۔ان کی مثال گذشتہ انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھیوں میں ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتی۔۔۔ میرے نبی ﷺ کے یاروں نے دنیا اور دنیا جہان کی ہر چیز سے بڑھ کر آپ سے محبت کی تھی۔۔۔ اور اپنی قیمتی سے قیمتی متاع نبی اکرم ﷺ پر قربان کر دی تھی۔۔۔ انہوں نے ہر رشتے اور ہر تعلق کو آپ کی محبت پر قربان کر دیا تھا۔۔۔ انہوں نے ہر خونی تعلق کو تعلق نبی پر نچھاور اور نثار کر دیا تھا۔

خلیفۂ اول سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے دعوتِ اسلام کو پہلے مرحلے میں قبول کیا۔۔۔ اِدھر دین اسلام کی روشنی پھیلی۔۔۔ اُدھر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس روشنی سے اپنے قلب ودماغ کو منور کر لیا۔

تاریخ انسانی میں کسی انسان نے کسی بھی دعوت کو اس طرح قبول نہیں کیا جس طرح دعوتِ اسلام کو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے قبول فرمایا۔۔۔ نہ ہی کسی انسان نے آج تک اپنے ضمیر کی آواز اور اپنے رب کی پکار کو اس طرح ہمہ گوش ہو کر سنا جس طرح سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قرآن کی دعوت کو سنا۔۔۔ اور نہ ہی آسمان دنیا نے صداقت شعاری۔۔۔ وفاداری اور جانثاری کسی انسان میں اس شان کے ساتھ جلوہ نما دیکھی۔

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے مال واسباب۔۔۔ والدین واولاد۔۔۔ جان وعزت۔۔۔ غرضیکہ ساری دنیا اور دنیا کی ہر شئی ایک ہادئ برحق کی دعوتِ حقہ پر قربان کر دی۔

بخاری میں ہے کہ ایک دن بیت اللہ میں نبی اکرم ﷺ نماز پڑھ رہے تھے کہ عقبہ بن ابی معیط نے اپنی چادر آپ کے گلے میں ڈال کر اس زور سے بل چڑھائے کہ آپ کا دم گھٹنے لگا۔۔۔دوسرے مشرکین بھی آپ کو زدوکوب کرنے لگے۔

اتنے میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ وہاں پہنچ گئے۔۔۔انہوں نے یہ کہتے ہوئے مشرکین کو پیچھے ہٹایا:

اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللهُ

تم ایک آدمی کو اس لیے قتل کرنا چاہتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا پالنہار اللہ ہے۔

سامعین گرامی قدر! کیا آپ حضرات جانتے ہیں؟ کہ بیت اللہ میں کھلے عام سب سے پہلے دعوتِ توحید و اسلام دینے والی ہستی کا نام ابوبکر رضی اللہ عنہ ہے۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا الله کی دعوت دینا کوئی آسان کام تھا؟ مشرکین برافروختہ ہو کر اٹھے۔ اور ابوبکر پر پل پڑے۔۔۔زدوکوب کرنا شروع کیا۔۔۔عتبہ بن ربیعہ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنے جوتوں، ہاتھوں اور لاتوں سے اس قدر مارا کہ چہرہ متورم ہو گیا۔۔۔ناک سے خون جاری ہو گیا۔۔۔اور بے ہوش ہو کر گر پڑے۔۔۔آپ کے قبیلے بنو تیم کے لوگ اور آپ کے گھر کے افراد۔۔۔خبر ملنے پر بیت اللہ پہنچے اور گھر لے آئے۔۔۔آپ کی ظاہری حالت اس قدر خراب تھی کہ سب دیکھنے والوں کو لگتا تھا کہ جانبر نہ ہو سکیں گے۔۔۔پورے ایک دن رات کے بعد انہیں ہوش آیا۔۔۔اردگرد بیٹھے ہوئے عزیز و اقارب کو دیکھا۔۔۔درد و کرب کی اس حالت میں بھی سب سے پہلا سوال ان کی زبان پر آیا "میرے محمد ﷺ کا کیا حال ہے؟"

قبیلے کے لوگ جو دین توحید سے ابھی ناآشنا تھے۔۔۔یہ جملے سن کر ناراضی کا اظہار کرتے ہوئے چلے گئے۔۔۔سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی والدۂ محترمہ جو ابھی تک دعوتِ اسلام کی انکاری تھیں۔۔۔وہ دودھ کا پیالہ لے کر سرہانے کھڑی تھیں۔۔۔اور دل

ہی دل میں کہہ رہی ہوں گی کہ جن کے لیے مار پڑی اب بھی انہی کا تذکرہ ہے۔۔۔انہوں نے کہا بیٹا! دودھ پی لو۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے والدہ سے کہا۔۔۔ ماں مجھے کعبہ کے رب کی قسم ہے میں جب تک اپنے پیارے نبی کے چہرۂ پُرانوار کو دیکھ نہیں لوں گا اس وقت تک تیرے ہاتھ سے نہ کچھ کھاؤں گا اور نہ پیئوں گا۔

ماں حیران ہے اور انگشت بدنداں ہے کہ میرے بیٹے کو اپنے دوست اور نبوت کے مدعی سے اس درجہ گہری محبت اور والہانہ پیار ہے۔

ماں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مطالبے کے آگے جھک گئیں۔۔۔۔زخموں سے چور اور بھوک سے نڈھال اس جسم کو سہارے کے ذریعہ دارارقم لے جایا گیا۔۔۔۔۔جہاں آفتابِ نبوت جلوہ افروز تھے۔۔۔۔۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اٹھ کر استقبال فرمایا۔۔۔۔یہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے والہانہ لپٹ گئے۔

امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دل بھی اپنے محبِ صادق کو اس حالت میں دیکھ کر بھر آیا۔۔ آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑی بہہ نکلی۔۔۔ پوچھا میرے ابوبکر! اپنے آپ کو کیسا محسوس کر رہے ہو؟ جواب میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔۔۔ مجھے کچھ زیادہ تکلیف نہیں اور پھر یہ مار تو آپ کی دعوتِ صادقہ کے پہنچانے کے جرم میں کھائی ہے۔۔۔ کسی شاعر نے کہا تھا:

وہ مزہ دیا تڑپ نے کہ یہ آرزو ہے یا رب
میرے دونوں پہلوؤں میں دلِ بے قرار ہوتا

پھر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے التجا کی:

یا رسول اللہ! یہ میری ماں ہے اسے دعوت بھی دیجیے اور دعا بھی فرمایئے کہ اللہ اسے جہنم کی آگ سے محفوظ رکھے۔ چنانچہ آپ کی والدہ محترمہ ام الخیر رضی اللہ عنہا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ اسی دن دولت ایمان سے مالا مال ہوئے۔ (الریاض النضرہ 46/1)

سیدنا حبیب بن زید انصاری رضی اللہ عنہ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ کے آخری دور میں مسیلمہ نامی ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کر دیا تھا۔۔۔۔اس نے ایک خط امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام تحریر کیا جس کا مضمون یہ تھا:

مِنْ مُسَيْلَمَةَ رَسُوْلِ اللهِ اِلٰى مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللهِ سَلَامٌ عَلَيْكَ اَمَّا بَعْدُ فَاِنِّیْ قَدْ اُشْرِكْتُ فِی الْاَمْرِ مَعَكَ وَاِنَّ لَنَا نِصْفَ الْاَرْضِ وَلِقُرَيْشٍ نِصْفَ الْاَرْضِ وَلٰكِنَّ قُرَيْشًا قَوْمٌ يَعْتَدُوْنَ

اللہ کے رسول مسیلمہ کی طرف سے یہ خط لکھا جا رہا ہے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف جو اللہ کے رسول ہیں آپ پر سلام ہو، نبوت کے معاملے میں مجھے آپ کے ساتھ شریک کیا گیا ہے اس لیے نصف زمین ہمارے لیے ہے اور نصف قریش کے لیے مگر قریش زیادتی کرتے ہیں (یہ کہہ کر کہ ساری کائنات کا نبی صرف محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے)

امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسیلمہ کے خط کے جواب میں ایک خط لکھوایا جس کا مضمون یہ تھا:

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مِنْ مُّحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللهِ اِلٰى مُسَيْلَمَةَ الْكَذَّابِ اَلسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَاءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ

یہ خط لکھا جا رہا ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے مسیلمہ کذاب کو، سلامتی صرف اس شخص کے لیے ہے جس نے ہدایت کی پیروی کی بیشک زمین اللہ کی ہے وہ اپنے بندوں میں جسے چاہتا ہے زمین کا وارث بنا دیتا ہے۔

اب سوال یہ تھا کہ اس جلال بھرے خط کو لے کر کون جائے؟ مسیلمہ کے بھرے دربار میں کون مسیلمہ تک اسے پہنچائے؟ یہ کوئی آسان کام نہیں تھا۔۔۔امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ سے پوچھا کہ کہ میرے اس خط کو مسیلمہ کے دربار تک لے جانے کے لیے کون تیار

ہے؟

مسجد نبوی کے باہر کھجوریں فروخت کرنے والا ایک نوجوان حبیب بن زید انصاری رضی اللہ عنہ کھڑا ہوگیا۔۔۔اور اپنے آپ کو اس خدمت کے لیے پیش کر دیا۔۔۔اور رات دن کی سفری مشقت برداشت کرتے ہوئے یہ یمامہ پہنچ گئے۔۔۔اور مسیلمہ کے دربار میں خط اس کے حوالے کر دیا۔۔۔خط پڑھ کر اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔۔وہ لگا بکواس کرنے کہ دیکھو جی میں نے اپنے خط میں انہیں رسول لکھا تھا تو کم از کم جواب میں وہ بھی مروّت کا لحاظ رکھتے۔۔۔کوئی جملہ ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بولنے لگا تو حبیب رضی اللہ عنہ نے کہا:

زیادہ باتیں بنانے کی ضرورت نہیں اگر انہوں نے تجھے کذاب لکھا ہے تو کیا غلط لکھا ہے۔۔۔کیا تو کذاب نہیں ہے۔

سیدنا حبیب رضی اللہ عنہ کی گفتگو نے جلتی آگ پر تیل کا کام کیا۔۔۔بھرے دربار میں لوگوں کے روبرو ایک قاصد اور مسافر نوجوان ان لوگوں کے سردار کو کذاب کہہ رہا ہے۔

مسیلمہ نے سیدنا حبیب رضی اللہ عنہ کے قتل کا حکم دے دیا۔۔۔مگر ساتھ ہی کہا یکبارگی گردن قلم نہیں کرنی بلکہ ایک ایک پور اور ایک ایک جوڑ اور ایک ایک عضو کاٹ کر اذیت سے قتل کرنا ہے۔۔۔بھرے دربار میں اور حبیب کے لیے تیار کردہ مقتل گاہ میں۔۔۔ زنجیروں سے جکڑے ہوئے سیدنا حبیب رضی اللہ عنہ سے مسیلمہ پوچھتا ہے:

اَتَشْهَدُ اَنِّیْ رَسُوْلُ اللهِ

کیا تم شہادت دیتے ہوئے کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔

حبیب رضی اللہ عنہ تمسخر آمیز لہجے میں اور بڑی بے پرواہی سے جواب دیتے ہیں کہ

"تیری یہ بات سننے سے میرے کان بہرے ہیں۔"

مسیلمہ یہ سن کر غصے سے بے قابو ہوگیا اور جلاّد کو حکم دیا:

اِقْطَعْ قِطْعَةً مِنْ جَسَدِهٖ

اس کے جسم کا ایک عضو کاٹ دو۔

جسم کا ایک حصہ کاٹ کر۔۔۔ پھر وہی سوال اور سیدنا حبیب رضی اللہ عنہ کا وہی جواب۔۔۔ یہاں تک کہ مسیلمہ کہنے لگا:

حبیب! مجھے تیری جوانی پر ترس آ رہا ہے ایک بار صرف ایک بار کہہ دے کہ میں سچا ہوں۔ سیدنا حبیب رضی اللہ عنہ نے کہا میرے ایک ایک انگ اور عضو کو کاٹ دے۔۔۔ مجھے تڑپا تڑپا کے مار دے۔ مگر میں وہی کہوں گا جو میں نے صادق و امین پیغمبر کی زبان مقدس سے سنا ہے کہ تو کذّاب اور پرلے درجے کا جھوٹا ہے۔

پھر ایک ایک عضو کے کٹنے پر حبیب کی زبان ایک ہی گواہی دیتی رہی۔۔۔

اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللهِ

مسیلمہ نے اس طرح اذیّت دے دے کر سیدنا حبیب رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا۔۔۔ جب بیٹے کی شہادت کی اطلاع ان کی والدہ محترمہ سیدہ نسیبہ رضی اللہ عنہا کو ملی تو انہوں نے رونے دھونے اور ماتم کرنے کے بجائے کہا:

میں نے اسی موقع کے لیے چن کر حبیب کو تیار کیا تھا میں اس کے بدلے میں۔۔ میں اللہ سے بہترین اجر کی امیدوار ہوں۔

پھر وہ بہادر اور ہمت والی خاتون کہنے لگی:

اگر اللہ نے موقع دیا اور مجھے مسیلمہ پر قابو بخشا تو میں اسے یوں قتل کروں گی کہ اس کی بیٹیاں اس پر رونے پر مجبور ہو جائیں گی۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں مسیلمہ کے خلاف لشکر کشی کا اعلان ہوا تو یہ بہادر خاتون اپنے بیٹے عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہ کے ساتھ لشکر اسلام میں شامل ہوئیں۔۔۔ وہ میدانِ جنگ میں للکار للکار کر کہتی تھیں:

اَیْنَ عَدُوُّ اللهِ

اللہ کا دشمن کہاں ہے۔۔۔؟

دُلُّوْنِیْ عَلٰی عَدُوِّ اللّٰہِ

مجھے بتاؤ اللہ کا دشمن کدھر ہے۔۔۔؟

مسیلمہ کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے واصل جہنم کر دیا۔۔۔ یہ وہاں پہنچیں اور معلوم ہوا کہ مسیلمہ مارا گیا ہے تو کہنے لگیں "آج میرا سینہ ٹھنڈا ہوا، آج اللہ کا دشمن مارا گیا۔"

سیدہ ہند رضی اللہ عنہا کی محبت نبوی سامعین گرامی قدر! اب تک میں نے جتنے روح پرور واقعات سنائے ان کا تعلق (سوائے سیدہ نسیبہ رضی اللہ عنہا کے) مردوں سے تھا۔۔۔ مرد مضبوط اعصاب کے مالک ہوتے ہیں۔۔۔ مرد عام طور پر حوصلہ مند اور مصائب و غم کو جھیلنے میں دلیر ہوتے ہیں۔

عورت کو ان معاملات میں صنف نازک سے تعبیر کیا جاتا ہے۔۔۔ مگر میرے نبی پر ایمان لانے والی اکثر عورتیں بھی دین کی محبت میں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روحانی تعلق میں اتنا آگے بڑھ گئیں کہ انہوں نے دنیا کی ہر محبوب سے محبوب چیز بھی امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان اور نچھاور کر دی۔

میرے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک ماننے والی کا نام "ہند" ہے اس کا شوہر، بیٹا اور بھائی غزوۂ اُحد میں شامل ہیں۔۔۔ مدینہ سے کچھ فاصلے پر میدان کارزار گرم ہے۔۔۔ سیدہ ہند رضی اللہ عنہا اپنے گھر میں بیٹھی دعائیں مانگ رہی ہے۔۔۔ اسے دعائیں مانگنی چاہیے تھیں۔۔۔ ایک اس کا شوہر ہے جس سے اس کا سہاگ قائم ہے۔۔۔ ایک بیٹا ہے جو جگر کا حصہ ہے۔۔۔ ایک بھائی ہے جو اس کا بازو ہے۔

تھوڑی دیر میں ایک قاصد آ کر اسے خبر دیتا ہے۔۔۔ مائی تیرا سہاگ لٹ گیا ہے۔۔۔ سیدہ ہند رضی اللہ عنہا نے اس خبر کو اس طرح سنا جیسے یہ کوئی حادثہ نہیں، کہنے لگی:

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔۔۔ زندگی کا کامیاب ترین مقصد شہادت کی موت

ہے۔

کچھ دیر کے بعد دوسری خبر آئی:

تیری آنکھوں کا نور اور دل کا سرور تیرا فرزند دلبند بھی جامِ شہادت نوش کر گیا ہے۔

اس ہمت ور خاتون نے یہ خبر بھی کچھ ایسے انداز میں سنی جیسے کوئی حادثہ ہوا ہی نہیں۔۔۔ زبان سے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ کہا اور چہرے پر گویا مسرت کی ایک لہر دوڑ گئی۔۔۔ میرا بیٹا اپنی مراد کو پہنچا اور اس کی زندگی کام آ گئی۔

ابھی وقت کچھ زیادہ نہیں گزرا تھا کہ ایک خبر دینے والے نے یہ خبر بھی دی کہ تیرا بازو تیرا بھائی بھی شہید ہو گیا ہے۔

سیدہ ہند رضی اللہ عنہا نے یہ غم اور درد بھری خبر سن کر اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ پڑھا۔۔۔ اب اس کا کوئی اور قریب ترین عزیز ایسا نہیں تھا جس کے متعلق اس کے کان کوئی غم بھری خبر سنتے۔

اتنے میں ایک جھوٹی اور غلط افواہ سیدہ ہند رضی اللہ عنہا کے کانوں میں پہنچی جسے سن کر وہ تڑپ اٹھی۔۔۔ یہ خبر اس کی برداشت سے باہر تھی۔۔۔ شاید یہ ایسی شخصیت کی شہادت کی خبر تھی جو اسے بہت محبوب اور بے حد پیاری تھی۔۔۔ بھائی سے بڑھ کر۔۔۔ شوہر سے زیادہ۔۔۔ فرزند دلبند سے بڑھ کر۔۔۔ بلکہ ساری کائنات۔۔۔ تمام دنیا اور دنیا کی ہر شئی سے بڑھ کر۔

یہ خبر سن کر وہ بے تاب ہو گئی۔۔۔ وہ بے آب مچھلی کی مانند تڑپنے لگی۔۔۔ پھر خانہ نشینی کی تمام زنجیریں اور بندھن توڑ کر وہ گھر سے باہر نکلی اور دیوانہ وار میدانِ جنگ کی جانب دوڑنے لگی۔

پہچاننے والوں نے اسے پہچان لیا۔۔۔ وہ سمجھے یہ غم کی ماری اپنے شوہر، بھائی اور بیٹے کو دیکھنے آئی ہے۔۔۔ ایک شخص آگے بڑھ کے کہتا ہے:

یہ ہے بے گور و کفن لاشہ تیرے خاوند کا جس سے تیرا سہاگ قائم تھا۔

سیدہ ہند رضی اللہ عنہا جواب میں کہتی ہے میں اسے دیکھنے اور پوچھنے نہیں آئی۔۔۔ کہنے والے نے کہا پھر تو کدھر جا رہی ہے:

تیرا چاہنے والا اور تجھ سے محبت کرنے والا بھائی یہ خاک وخون کی چادر میں لپٹا پڑا ہے۔

لوگ حیران ہیں کہ سیدہ ہند رضی اللہ عنہا ان مقتولوں کا تذکرہ ہی نہیں کرنا چاہتی۔۔۔ پھر انہوں نے کہا:

ارے دیکھ! یہ ہے تیرے جگر کا ٹکڑا، تیرا نور نظر، تیری امیدوں کا سہارا، تیرے مستقبل کی نوید، خاک وخون میں لتھڑا ہوا۔

کہنے لگی! مجھے میرے خاوند، میرے بھائی اور میرے بیٹے کی شہادت کی خبر دینے والو اور مجھے ان کی طرف توجہ دلانے والو یہ بتاؤ میرے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کیا حال ہے؟ میرے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کس حالت میں ہیں؟

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بتایا اللہ کے فضل وکرم سے زندہ وسلامت ہیں۔۔۔ سیدہ ہند رضی اللہ عنہا یہ خبر سن کر بے تابی کے ساتھ ہجوم کو چیرتی ہوئی اور صفوں کو پھلانگتی اس طرف دوڑنے لگی جہاں امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما تھے۔

اس نے دیکھا کہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زخمی حالت میں ہیں مگر زندہ سلامت بیٹھے ہوئے ہیں۔۔۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھتے ہی اس کی مردہ تمناؤں میں جان آ گئی۔۔۔۔ خوشی ومسرت سے چہرہ کھل اٹھا۔۔۔ وہ مسکرانے لگی۔۔۔ اور اس کے تبسم سے کائنات کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی۔

پھر سیدہ ہند رضی اللہ عنہا کی زبان سے ایک ایسا جملہ نکلا جو محبت والفت۔۔۔ اخلاص اور ایمان۔۔۔ اور فصاحت وبلاغت کی دنیا میں اس طرح نمایاں ہو گیا جس طرح سنگ

ریزوں میں نگینہ نمایاں ہو کر چمکتا ہے۔۔۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زندہ سلامت دیکھ کر بے اختیار اس کی زبان سے نکلا:

كُلُّ مَصِيبَةٍ بَعْدَكَ جَلَلٌ يَا رَسُولَ اللهِ

اللہ کے رسول آپ کو دیکھنے کے بعد میرے سارے دکھ اور میری تمام مصیبتیں دور ہو گئیں۔

دیکھیے! ایک عورت ہے۔۔۔ صنف نازک ہے۔۔۔ مگر امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ گرامی کے ساتھ روحانی محبت وعقیدت کا رشتہ کس قدر مضبوط ہے کہ تین عزیز ترین سہارے ٹوٹنے کے بعد بھی (اور ایک تاریخی روایت میں ہے کہ سیدہ ھند رضی اللہ عنہا کے والد بھی غزوۂ اُحد میں شہید ہو گئے تھے) اتنے صدموں کی خبر سن کر بھی کہتی ہے۔۔۔ اگر میرے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زندہ سلامت ہیں تو مجھے کسی مصیبت اور غم کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔

سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک زوجہ محترمہ ہیں سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا۔۔۔ ان کا نام رملہ ہے۔۔ اور کنیت ام حبیبہ ہے۔۔ سردارِ قریش ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی لختِ جگر۔۔۔ اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی ہمشیر ہیں۔

اپنے خاندان میں یہ سب سے پہلے دائرۂ اسلام میں داخل ہوئیں۔۔۔ اور پھر ام المومنین کے مرتبے پر فائز ہوئیں۔ ان کے والد قبولِ اسلام سے پہلے صلح حدیبیہ کے معاہدہ کی تجدید کے لیے مدینہ منورہ آئے تو اپنی بیٹی کو ملنے کے لیے ان کے گھر پہنچے۔

ایک منٹ کے لیے تصور کیجیے کہ ایک باپ چھ سات سالوں کے بعد اپنی سگی بیٹی سے ملنے اس کے گھر پہنچے تو بیٹی کی خوشی ومسرت کا کوئی ٹھکانہ ہو گا۔۔۔ وہ اپنے والد کے بیٹھنے کے لیے خوبصورت سے خوبصورت بستر سجائے گی۔۔ مگر یہاں منظر انتہائی حیرت انگیز اور تعجب خیز تھا کہ بیٹی نے حجرے میں بچھا ہوا چمڑے کا بستر لپیٹ کر الگ رکھ دیا۔

ابوسفیان نے بڑی حیرانگی سے کہا۔۔۔ بیٹی! تم نے تو میرے لیے بستر بچھانا

تھا۔۔۔ مگر تو نے بچھا ہوا بستر لپیٹ دیا ہے۔۔۔ کیا تم نے سمجھا ہے کہ بستر معمولی ہے اور تیرے سردار والد کے مناسب نہیں ہے۔۔۔ یا میں اس عظیم بستر کے لائق نہیں ہوں۔۔۔؟

سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے جواب میں کہا:

هٰذَا فِرَاشُ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ وَاَنْتَ رَجُلٌ مُشْرِكٌ نَجَسٌ وَلَمْ اُحِبَّ اَنْ تَجْلِسَ عَلَيْهِ

یہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پاکیزہ بستر ہے اور آپ مشرک اور نجس ہیں میں نہیں چاہتی کہ نجس آدمی میرے نبی کے مقدس بستر پر بیٹھے۔

سامعین گرامی قدر! گفتگو طویل ہو رہی ہے اور اصحاب رسول رضی اللہ عنہم کی قربانیوں کی داستان ختم ہونے میں نہیں آ رہی۔ اصحاب رسول رضی اللہ عنہم قرآن مقدس کی اس آیت پر پوری طرح عمل پیرا ہوئے:

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِىْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِىَ اللهُ بِاَمْرِهٖ وَاللهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ (التوبہ 24)

آپ کہہ دیں کہ اگر تمہارے باپ، دادا اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارا کنبہ اور قبیلہ اور تمہارے کمائے ہوئے مال اور وہ تجارت جس کی کمی سے تم ڈرتے رہتے ہو اور وہ بنگلے جنہیں تم پسند کرتے ہو تمہیں اللہ سے اور اس کے رسول سے اور جہاد فی سبیل اللہ سے زیادہ پیارے ہیں تو تم اللہ کے عذاب کا انتظار کرو اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا۔

اصحاب رسول رضی اللہ عنہم نے اس فرمانِ نبوی پر سو فیصد عمل کر کے دکھایا:

لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ

اَجْمَعِیْنَ (بخاری 7/1)

تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنے والدین، اولاد اور سب لوگوں سے بڑھ کر میرے ساتھ محبت نہ کرے۔

واقعی اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم نے عملی طور پر ثابت کیا کہ ہم کائنات کی ہر چیز اور دنیا کی ہر محبوب سے محبوب تر چیز سے بڑھ کر محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت اور پیار کرتے ہیں۔

وما علینا الا البلاغ المبین

2

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ الْاَمِيْنِ
وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِی الْاَمْرِ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَی اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ (آل عمران 159)

سامعین گرامی قدر! یہ حقیقت اپنی جگہ پر اٹل اور ناقابل تردید ہے کہ اولادِ آدم کا ہر فرد خطا کا پتلا ہے۔۔۔ زندگی میں اس سے گناہ کے کام ہوتے ہیں۔

انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ کوئی بڑا ہو یا چھوٹا۔۔۔ عالم ہو یا جاہل۔۔۔ پیر ہو یا اس کا مرید۔۔۔ استاذ ہو یا شاگرد۔۔۔ امام ہو یا مقتدی۔۔۔ کوئی عابد ہو۔۔۔ زاہد ہو۔۔۔ شب زندہ دار ہو۔۔۔ کوئی مفسر ہو۔۔۔ یا محدث۔۔۔ یا کوئی فقیہ۔۔۔ غرضیکہ ہر انسان سے خطائیں، غلطیاں اور گناہ کا ارتکاب ہوتا رہتا ہے۔

اگر کوئی شخص انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ۔۔۔ اس بات کا دعویدار ہے کہ اس سے کبھی کوئی غلطی سرزد نہیں ہوتی، اس سے گناہ کا کبھی ارتکاب نہیں ہوتا اور وہ معصوم عن الخطاء والعصیان ہے۔۔۔ تو پھر وہ اولادِ آدم میں سے نہیں ہے بلکہ فرشتہ ہے۔۔۔ اگر وہ انسان ہے اور آدم کی اولاد ہے تو پھر اس سے گناہ بھی ہوں گے۔۔۔ غلطیوں کا مرتکب بھی ہوگا اور خطاؤں کا ارتکاب بھی کرے گا۔

امام الانبیاء ﷺ کا ایک ارشاد گرامی سنیے:

كُلُّ بَنِيْ اٰدَمَ خَطَّاءٌ وَخَيْرُ الْخَطَّائِيْنَ التَّوَّابُوْنَ (مشکوٰۃ 204، ترمذی)

ہر انسان خطا کار ہے اور بہترین خطا کار وہ ہیں جو خطا کرنے کے بعد توبہ کرنے والے ہیں۔

امام الانبیاء ﷺ کا ایک اور ارشاد بھی سن لیجیے:

وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ۔۔۔ مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔۔۔ لَوْ لَمْ تُذْنِبُوْا لَذَهَبَ اللّٰهُ بِكُمْ۔۔۔ اگر تم گناہ نہ کرو تو اللہ تعالیٰ تمہیں نیست و نابود کر دے۔۔۔ تمہیں دنیا سے لے جائے۔۔۔ وَلَجَاءَ بِقَوْمٍ يُذْنِبُوْنَ فَيَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ۔۔۔ اور تمہاری جگہ ایسی قوم اور ایسے لوگ لائے جو گناہوں کا ارتکاب کریں گے پھر صدقِ دل سے معافی مانگیں گے اور استغفار کریں گے۔۔۔ فَيَغْفِرُ لَهُمْ (مشکوٰۃ 203، مسلم) پھر اللہ انہیں معاف کر دے گا۔

اولادِ آدم میں صرف انبیاء کرام علیہم السلام ہی ایسی ہستیاں ہیں جو معصوم عن الخطاء والعصیان ہیں۔۔۔ صرف انبیاء کرام علیہم السلام ہی ہیں جو ماں کی گود سے لے کر لحد تک ہر صغیرہ، کبیرہ گناہ سے پاک اور معصوم ہوتے ہیں۔۔۔ انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ کوئی بھی معصوم عن الخطاء والعصیان نہیں ہے۔۔۔ معصوم عن الخطاء والعصیان ہونا نبوت کی صفت ہے۔۔۔ گناہوں سے پاک ہوتے ہیں۔۔۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ کا دست قدرت انبیاء کرام علیہم السلام کی پیٹھ پر ہوتا ہے۔۔۔ اور اللہ ان کی ہر حالت میں حفاظت فرماتا ہے۔

اگر میں یہ کہوں تو غلط نہیں ہوگا کہ اللہ رب العزت ہر ایک کو کہتے ہیں۔۔۔ چاہے کوئی صحابی ہو یا تابعی۔۔۔ کوئی امام ہو یا فقیہ۔۔۔ کوئی عالم ہو۔۔۔ عابد ہو۔۔۔ زاہد ہو۔۔۔ کوئی شب زندہ دار ہو۔۔۔ ولی ہو۔۔۔ کوئی پیر ہو۔۔۔ ہر انسان کو اللہ کہتے ہیں کہ تم نے گناہوں کے قریب نہیں جانا۔

مگر جب انبیاء کرام علیہم السلام کی باری آتی ہے تو انداز بدل جاتا ہے۔۔۔ پھر یہ نہیں کہا جاتا اے میرے نبیو! تم نے گناہ کے قریب نہیں جانا۔۔۔ بلکہ کہا جاتا ہے اے گناہو! تم کان کھول کے سنو تم نے میرے نبیوں کے قریب نہیں جانا۔

كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ (یوسف 24)

بند کمرہ ہے۔۔۔ تالے لگے ہوئے ہیں۔۔۔ یوسف علیہ السلام زرخرید غلام ہیں۔۔۔ زلیخا گھر کی مالکہ بھی ہے اور مصر کی ملکہ بھی۔۔۔۔ حسن کی دیوی۔۔۔۔ وہ بند کمرے میں دعوتِ گناہ دے رہی ہے۔۔۔ هَيْتَ لَكَ۔۔۔ یوسف یہاں دیکھنے والی آنکھ بھی کوئی نہیں۔۔۔ اور روکنے والا ہاتھ بھی کوئی نہیں۔۔۔ کسی کو خبر دینے والی زبان بھی کوئی نہیں۔۔۔ هَيْتَ لَكَ۔۔۔ آ میں تجھے دعوت دے رہی ہوں۔

جواب میں سیدنا یوسف علیہ السلام نے کہا:

مَعَاذَ اللهِ۔۔۔ اللہ کی پناہ تیرا خاوند میرا مالک ہے۔۔۔ اس نے مجھے بیٹوں کی طرح اپنے محل میں جگہ دی ہے۔۔۔ میں اپنے مالک کی عزت میں خیانت کا مرتکب نہیں ہو سکتا۔

قرآن کہتا ہے کہ زلیخا نے گناہ کا پختہ ارادہ اور فیصلہ کر لیا تھا۔۔۔ اگر یوسف میری برہان کو نہ دیکھ لیتے تو وہ بھی ارادہ کر بیٹھتے۔۔۔ ارشاد ہوا:

كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ (یوسف 24)

کیا معنی کریں گے؟۔۔۔ ہم نے یوسف کو گناہوں سے ہٹا دیا۔۔۔ نہیں بلکہ معنی کریں گے یوسف وہیں کھڑے رہے ہم نے گناہوں کو یوسف سے دور کر دیا۔

آپ میں سے اکثر لوگوں نے سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا یہ شعر ضرور سنا ہو گا جو انہوں نے میرے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی منقبت اور تعریف میں کہا تھا:

خُلِقْتَ مُبَرَّأً مِّنْ كُلِّ عَيْبٍ

میرے محبوب پیغمبر ﷺ آپ ہر عیب سے پاک اور مبراء پیدا کیے گئے ہیں۔۔
آپ جسمانی عیوب سے بھی پاک ہیں۔۔۔اور روحانی نقائص سے بھی پاک ہیں۔۔۔نہ آپ کے وجود میں کوئی عیب ہے۔۔۔اور نہ آپ کے باطن میں کوئی عیب ہے۔

میں عرض کرر ہا تھا کہ ہر قسم کے گناہوں سے پاک ہونا اور معصوم عن الخطاء والعصیان ہونا نبوت کا خاصہ اور نبوت کی صفت ہے۔۔۔ہاں اہل تشیع کا نظریہ یہ ہے کہ ان کے بارہ امام بھی معصوم عن الخطاء والعصیان ہیں اور وہ بھی انبیاء کرام علیہم السلام کی طرح غلطیوں اور گناہوں سے پاک ہیں۔۔۔ بلکہ ان کی بعض کتابوں میں ان کے معتبر ترین علماء نے یہاں تک لکھا:

لَا نَتَصَوَّرُ فِيْهِمُ السَّهْوَ اَوِ الْغَفْلَةَ

ہم تصور بھی نہیں کر سکتے کہ (گناہ تو گناہ رہے) ہمارے امام بھول، نسیان اور غفلت کے مرتکب ہوں۔

حالانکہ قرآن وحدیث کا مطالبہ کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہوکر سامنے آتی ہے کہ سہو یعنی بھول چوک تو انبیاء کرام علیہم السلام سے بھی ممکن ہے۔۔۔سیدنا آدم علیہ السلام کے متعلق کہا گیا۔۔۔فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا (طٰہٰ 115) آدم بھول گئے۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام سیدنا خضر علیہ السلام سے کہہ رہے ہیں۔۔۔۔۔۔ لَا تُؤَاخِذْنِي بِمَا نَسِيتُ (الکہف 73) میں بھول گیا ہوں آپ اس پر مواخذہ نہ کریں۔

خود امام الانبیاء، خاتم النبیین سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔۔۔اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ اَنْسٰی كَمَا تَنْسَوْنَ ۔۔۔میں بشر ہوں جیسے تم، جس طرح تم بھول جاتے ہو میں بھی بھول جاتا ہوں۔

اہل تشیع اپنے ائمہ کو بھی معصوم عن الخطاء والعصیان مانتے ہیں۔۔۔مگر ہم اہل سنت انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ کسی کو بھی گناہوں سے معصوم اور پاک تسلیم نہیں کرتے۔

انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد ساری کائنات سے افضل واعلیٰ۔۔۔۔ برتر وبالا۔۔۔ عظیم المرتبت شخصیات۔۔۔ اصحابِ پیغمبر رضی اللہ عنہم کی ہیں۔۔۔ مگر ہم انہیں بھی معصوم عن الخطاء والعصیان نہیں مانتے۔۔۔ بشری تقاضا کے مطابق ان سے گناہوں کا صدور ممکن ہے (میرے الفاظ پر غور فرمائیں۔۔۔ میں یہ نہیں کہہ رہا ہوں کہ وہ گناہ کرتے رہتے ہیں بلکہ کہہ رہا ہوں کہ وہ انسان تھے۔۔۔ اور نبی نہیں تھے۔۔۔ بشری تقاضوں کے مطابق ان سے گناہوں کا صدور ممکن ہے۔۔۔ ان سے غلطی صادر ہوسکتی ہے۔۔۔ گناہ کا ارتکاب بھی ہوسکتا ہے۔۔۔ مگر اللہ رب العزت کی ان پر خاص مہربانی اور کرم تھا۔۔۔ اللہ تعالیٰ کا ان سے خاص تعلق تھا اس لیے اللہ رب العزت نے اعلان فرمایا:

لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيمٌ (الانفال 74)

وہ گناہ بعد میں کریں گے میں معافی کا اعلان پہلے کر رہا ہوں۔

غزوۂ بدر میں جب تین سو تیرہ میرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مخلص صحابہ ایک ہزار مسلح اور تجربہ کار لشکر کے مقابلے میں آئے۔۔۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ساری رات سر بسجود ہو کر روتے بھی رہے۔۔۔ آنسو بہاتے رہے۔۔۔ اور رب کے حضور التجائیں اور دعائیں کرتے رہے۔۔۔ مولا! یہ میرے ساتھی۔۔۔ یہ میری کمائی۔۔۔ یہ میرا زیور۔۔۔ یہ میرا گہنا۔۔۔ یہ تین سو تیرہ جانثار میدان میں لایا ہوں۔

اِنْ تَهْلِكْ هٰذِهِ الْعِصَابَةُ لَنْ تُعْبَدَ فِي الْاَرْضِ اَبَدًا

آج اگر یہ یہاں کام آگئے۔۔۔ انہیں شکست ہوگئی۔۔۔ یہ لشکرِ کفار کے مقابلے میں ناکام ہوگئے۔۔۔ مولا! اگر میرے صحابہ نہ رہے تو پھر تیری خالص عبادت کرنے والا بھی کوئی نہیں رہے گا۔

جنگ بدر تین سو تیرہ صحابہ نے میدانِ بدر میں ایسے لڑی کہ آسمان کے فرشتے بھی حیران رہ گئے۔۔۔ جانثاری اور قربانی کے ایسے نمونے پیش کیے کہ تاریخ عالم اس کی مثال

پیش کرنے سے قاصر ہے اور قاصر رہے گی۔۔۔ پھر اللہ رب العزت نے بھی انہیں انعامات سے نوازا۔۔۔ بڑے بڑے میڈل انہیں عطا کیے۔۔۔ میرے آقا امام الانبیاء ﷺ نے فرمایا:

لَعَلَّ اللّٰہَ اَنْ یَّکُوْنَ قَدِ اطَّلَعَ عَلٰی اَھْلِ بَدْرٍ وَقَالَ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَکُمْ (بخاری 422/1)

اللہ رب العزت نے بدر کے میرے تین سو تیرہ یاروں کو جھانک کر دیکھا (جھاتی پا کے ویکھیا) ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دل کو دیکھا اس میں ایمان دیکھا۔۔۔ عمر رضی اللہ عنہ کے سینے میں اسلام کی محبت کو دیکھا۔۔۔ علی رضی اللہ عنہ کی وفا کو دیکھا۔۔۔ حمزہ رضی اللہ عنہ کے اخلاص کو دیکھا۔۔۔ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے ایثار کو دیکھا۔۔۔ بلال رضی اللہ عنہ کے ولولہ کو دیکھا۔۔۔ طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما کی جانثاری کو دیکھا۔۔۔ انہیں پرکھا۔۔۔ ٹٹولا اور جانچا کہ ان میں ایمان کی کیفیت کیا ہے۔۔۔؟ دین کے ساتھ اخلاص کتنا ہے۔۔۔؟ خلوص کتنا ہے۔۔۔؟ میری توحید سے محبت کتنی ہے۔۔۔؟ میرے رسول سے عقیدت کتنی ہے۔۔۔؟ میری اور میرے رسول کی اطاعت وفرمانبرداری کا جذبہ اور ولولہ کتنا ہے۔۔۔؟

میں نے اچھی طرح دیکھ بھال کے۔۔۔ دلوں کو ٹٹول کے۔۔۔ سینے کے رازوں کو پرکھ کے فیصلہ کیا اور اعلان کیا۔۔۔ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ۔۔۔ آج کے بعد جو دل میں آئے کرتے رہو میں نے تم سے حساب ہی نہیں لینا۔۔۔ قَدْ غَفَرْتُ لَکُمْ۔۔۔ میں نے تمہاری معافی اور مغفرت کا اعلان کر دیا ہے۔

بہر حال! میں عرض کر رہا تھا کہ اہل سنت اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم کو معصوم عن الخطاء والعصیان نہیں سمجھتے۔۔۔ بشری تقاضوں کے مطابق ان سے گناہ، قصور اور خطا کا صدور ممکن ہے۔۔۔ مگر ان سے ان کے رب نے معافی اور مغفرت کا وعدہ فرما لیا ہے۔ چنانچہ اسی سلسلہ میں ایک واقعہ آپ کو سنانا چاہتا ہوں۔

سیدنا حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ

سیدنا حاطب رضی اللہ عنہ بدری صحابی ہیں، ایک موقع پر ان سے ایک بڑی بھاری غلطی سرزد ہوئی۔

امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے لیے اپنے سفر کو مخفی رکھا تا کہ مشرکین مکہ کو تیاری کا اور مزاحمت کا موقع نہ مل سکے۔۔۔ سیدنا حاطب رضی اللہ عنہ نے اس راز کی اطلاع ایک خط کے ذریعے مشرکین مکہ تک پہنچانے کی کوشش کی۔۔۔ انہوں نے یہ خط ایک عورت کے حوالے کیا جو مکہ جا رہی تھی۔

اِدھر وہ عورت خط لے کر روانہ ہوئی اور اُدھر اللہ رب العزت نے اپنے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی اطلاع دے دی۔۔۔ آپ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اس عورت کے تعاقب میں روانہ فرمایا۔۔۔ انہوں نے عورت سے وہ خط برآمد کر لیا۔۔۔ جو سیدنا حاطب رضی اللہ عنہ نے مشرکین مکہ کے نام تحریر کیا تھا اور امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارادے سے آگاہ کیا تھا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا حاطب رضی اللہ عنہ کو بلایا اور صورتِ حال کے متعلق دریافت فرمایا۔۔۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ:

میرا مقصد صرف یہ تھا کہ اس اطلاع دینے پر مشرکین میرے ممنون ہوں گے اور اس طرح وہ میرے بال بچوں کا خیال رکھیں گے۔۔۔ باقی رہا مسئلہ اس اطلاع سے نقصان کا۔۔۔ وہ اس لیے نہیں ہو سکتا کہ جو کچھ اللہ نے تقدیر میں لکھ دیا ہے۔۔۔ اور جو فتح مقدر میں ہو چکی ہے وہ فیصلہ ٹل نہیں سکتا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ منافق ہے۔۔۔ اجازت دیجیے میں اس کی گردن قلم کر دوں۔۔۔! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: عمر! ٹھہرو۔۔۔ جلدی نہ کرو۔۔۔ حاطب بدری ہے۔۔۔ اور بدری صحابہ کے گناہوں کو اللہ نے معاف فرما دیا ہے۔

لَعَلَّ اللّٰهَ اَنْ یَّكُوْنَ قَدِ اطَّلَعَ عَلٰۤى اَهْلِ بَدْرٍ وَقَالَ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ قَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ

اللہ نے بدری صحابہ کو جھانک کر دیکھا اور فرمایا جو چاہو کرو میں نے تمہیں معاف کر دیا ہے۔

سامعین گرامی قدر! ایک صحابی کی اتنی شدید اور اتنی بڑی غلطی کو اللہ رب العزت نے بھی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی معاف فرما دیا۔۔۔ تو آج کسی مفکر اور عالم کو یا کسی مؤرخ کو یہ جرأت اور اتنی ہمت کیونکر ہو سکتی ہے۔۔ کہ وہ کذّاب راویوں۔۔ وضّاع قصوں۔۔۔ اور تاریخ کی تاریکیوں میں غرق ہو کر ان کی غلطیاں گنوا کر تنقید اور طعن و تشنیع کی پٹاری کھول کر بیٹھ جائیں۔

غزوۂ اُحد میں کیا ہوا؟

غزوۂ اُحد میں چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ایک اجتہادی خطا سرزد ہوئی۔۔۔ پھر کچھ اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم کفار کے ناگہانی حملہ سے گھبرا کر میدان سے ہٹ گئے اور ان کے قدم لڑکھڑا گئے۔

میدانِ اُحد کے اس واقعہ کو بنیاد بنا کر دشمنانِ اصحابِ رسول۔۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تنقید کا نشانہ بناتے ہیں۔۔۔ اور ان کے ایمان و خلوص میں شک کرنے لگتے ہیں۔

آیئے۔۔۔۔! میں آپ کو اس واقعہ کی صحیح اور اصل صورت حال سے آگاہ کرتا ہوں۔۔ ان شاء اللہ دشمنانِ صحابہ کا یہ اعتراض دور ہو جائے گا۔۔۔ اور اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم کا دامن شیشے کی طرح صاف اور اجلا ہو جائے گا۔ مگر مجھے اس کا تھوڑا سا پس منظر پیش کرنا پڑے گا تا کہ بات کو سمجھنا آسان ہو جائے۔

3 ہجری میں مشرکین مکہ تین ہزار کا مسلح اور جنگجو لشکر لے کر جنگ بدر کا انتقام لینے کے لیے مکہ سے مدینہ کی طرف نکلے۔۔۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ فرمایا اور طے پایا کہ مدینہ سے باہر نکل کر کفار سے دو دو ہاتھ کرنے چاہئیں۔

سات سو افراد پر مشتمل مسلمانوں کا یہ دستہ اُحد کے میدان میں پہنچا۔۔۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پچاس تیر اندازوں کا ایک دستہ سیدنا عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں ایک پہاڑی

پر کھڑا کر دیا۔۔۔اور انہیں بڑی تاکید فرمائی کہ ہمیں فتح ہو یا شکست تم نے یہ جگہ نہیں چھوڑنی۔۔۔اور مشرکین کے کسی فوجی دستہ کو ادھر نہیں آنے دینا۔

اللہ رب العزت نے پہلے مرحلے ہی میں مسلمانوں کو فتح عطا فرما دی اور کفار مکہ اپنا ساز و سامان چھوڑ کر بھاگ نکلے۔۔۔دستہ کے پچاس مجاہدین میں اختلاف ہو گیا۔۔۔ چالیس کا خیال تھا کہ یہاں ٹھہرنے کا مقصد ختم ہو گیا ہے اب ہمیں بھی میدانِ جنگ میں پہنچ کر مالِ غنیمت جمع کرنے میں اپنے دوسرے ساتھیوں کی مدد کرنی چاہیے۔۔۔صرف دس صحابہ رضی اللہ عنہم امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کی اطاعت میں وہاں رہ گئے۔۔۔خالد بن ولید جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے انہوں نے موقع کو غنیمت جانا اور ایک نالے کی گہرائی کی آڑ میں اس درہ پر پہنچے وہاں کھڑے دس صحابہ کو شہید کر دیا اور اس طرح وہ مسلمانوں کے عقب سے حملہ آور ہو گئے۔

مسلمان اطمینان سے مالِ غنیمت لوٹنے میں مصروف تھے۔۔۔اس اچانک اور ناگہانی حملے کی تاب نہ لا کر ان کے قدم اکھڑنے شروع ہو گئے۔۔۔ پھر اچانک سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے شہید ہو کر گرنے سے شیطان نے یہ افواہ اڑا دی۔

قَدْ قُتِلَ مُحَمَّدٌ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

محمد عربی تو شہید ہو گئے ہیں۔

اس سے رہے سہے حوصلے بھی پست ہو گئے۔۔۔کچھ صحابہ ہتھیار پھینک کر لڑائی سے پیچھے ہٹ گئے۔۔۔اور کچھ بھاگ کھڑے ہوئے۔۔۔اب پورے لشکر میں افراتفری مچی ہوئی ہے اور مسلمان غیر متوقع اور شدید حملے سے سخت گھبراہٹ اور پریشانی کا شکار ہو گئے ہیں۔

ستر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہو گئے۔۔۔کئی زخموں سے نڈھال ہو گئے۔۔۔کئی ایک کے قریبی رشتے دار اور عزیز شہادت کے مرتبے پر پہنچ گئے۔۔۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا

سید الشہداء سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے جسم کے بارہ ٹکڑے کر دیئے گئے۔۔۔ان کا پیٹ چاک کر دیا گیا۔۔۔ناک، کان، زبان کاٹ دی گئی۔۔۔جسم کا مثلہ کر دیا گیا۔

خود امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس موقع پر زخمی ہو گئے۔۔۔آپ کے دانت مبارک ٹوٹ گئے۔۔۔سر مبارک زخمی ہو گیا۔۔۔اور آپ ایک گڑھے میں گر گئے۔

اسی موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے چچا کی میت پر کھڑے ہو کر فرمایا۔۔۔

سَیِّدُ الشُّهَدَاءِ عَمِّیْ هٰذَا۔۔۔اب قیامت تک میری امت کے جتنے لوگ میدانِ جنگ میں شہید ہوں گے وہ حنین میں ہوں یا خیبر میں۔۔۔احزاب میں مارے جائیں یا تبوک میں۔۔۔صفین میں شہید ہوں یا جمل میں۔۔۔منکر ختم نبوت کے مقابلے میں جامِ شہادت نوش کریں یا منکرین زکوٰۃ کے مقابلے میں۔۔۔فتح ایران کے موقع پر کام آئیں یا فتح مصر میں۔۔۔یا میدانِ کربلا میں انتہائی بے دردی سے شہید ہوں۔۔۔سب شہیدوں کا سردار میرا چچا حمزہ ہو گا۔۔۔امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان کے بعد جو شخص سید الشہداء کا لقب سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے سوا کسی اور کے لیے استعمال کرتا ہے وہ آپ کے ارشاد کی تکذیب کرتا ہے۔

میں بیان کر رہا تھا کہ غزوۂ اُحد میں درّہ چھوڑنے کی اجتہادی غلطی کا خمیازہ اس طرح بھگتنا پڑا کہ ستر صحابہ رضی اللہ عنہم شہید ہو گئے۔۔۔۔۔سینکڑوں صحابہ زخمی ہو گئے۔۔۔۔امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شدید زخمی ہوئے۔۔۔فتح عارضی شکست میں بدل گئی۔۔۔اللہ کے دین کا نقصان ہوا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے غلطی کے مرتکب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق کیا ارشاد فرمایا، آیئے سنیے، قرآن مجید کہتا ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَلَّوْا مِنْکُمْ یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّیْطٰنُ بِبَعْضِ مَا کَسَبُوْا وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ

(آل عمران 155)

بیشک جو لوگ تم میں سے اس دن ہٹ گئے تھے (پیٹھ دکھائی تھی) جس دن دو جماعتیں لڑی تھیں پس ان کو بہکا اور پھسلا دیا شیطان نے ان کے کچھ اعمال کی وجہ سے۔

(شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے: مخلصین سے بھی بعض اوقات کوئی چھوٹا بڑا گناہ سرزد ہو جاتا ہے اور جس طرح ایک طاعت سے دوسری طاعت کی توفیق بڑھتی ہے اس طرح ایک گناہ کی نحوست سے شیطان کو موقع ملتا ہے کہ دوسری غلطیوں اور لغزشوں کی طرف آمادہ کرے جنگ اُحد میں بھی جو مخلص مسلمان ہٹ گئے تھے کسی پچھلے گناہ کی شامت سے شیطان نے بہکا کر ان کا قدم ڈگمگا دیا چنانچہ ایک گناہ تو یہی تھا کہ تیر اندازوں کی بڑی تعداد نے نبی اکرم ﷺ کے حکم کی پابندی نہ کی)

سامعین گرامی قدر! یہاں اصحاب رسول رضی اللہ عنہم کی خطائے اجتہادی بڑے نقصان کا باعث بنی۔۔۔ نبی اکرم ﷺ اور کئی صحابہ شہید اور زخمی ہوئے۔۔۔ نبی اکرم ﷺ کو پریشانی کا سامنا کرنا پڑا مگر میرے پالنہار مولا نے واضح الفاظ میں اعلان فرمایا:

وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ

اہل علم جانتے ہیں کہ ماضی کے صیغے پر قَدْ داخل ہو جائے تو معنی قسم کا بنتا ہے پھر اس قسم کو مؤکد کرتے ہوئے لام تاکید کا داخل کر کے اللہ رب العزت فرماتے ہیں:

مجھے اپنی ذات کی قسم۔۔۔ اور مجھے اپنی صفات کی قسم ہے۔۔۔ یعنی مجھے اپنے خالق، مالک، رازق، محیی، ممیت، مدبّر ہونے کی قسم ہے۔۔۔ مجھے عالم الغیب اور حاضر و ناظر ہونے۔۔ مختار کل اور متصرف فی الامور ہونے۔۔۔ مجھے اپنے معبود اپنے اور مسجود ہونے کی قسم ہے۔۔۔ میں نے غلطی کرنے والے صحابہ رضی اللہ عنہم کو معاف کر دیا ہے۔

جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے غلطی ہوئی تھی یہ آیت سن کر ان کو اطمینان اور تسلی اور خوشی ومسرت تو ہوئی مگر ایک خلش دل میں کھٹکنے لگی کہ اللہ نے معافی کا اعلان تو فرمایا مگر غائب کی ضمیر سے وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ۔۔۔ ان کو معاف کر دیا۔۔۔ شاید اللہ ہمیں خطاب کے

قابل نہیں سمجھتا۔۔۔تب ہی تو اجنبیوں کی طرح بات فرمائی۔

چنانچہ سورت آل عمران کی آیت نمبر 152 میں اللہ رب العزت نے اپنا انداز بدل دیا۔۔۔وہاں بیان فرمایا کہ ہم نے تو اپنا وعدہ پورا کرتے ہوئے تمہیں فتح سے ہمکنار کر دیا تھا۔۔۔تم خود ہی بزدل ہوئے، آپس میں نزاع کیا، مالِ غنیمت کے جمع کرنے میں مصروف ہو گئے۔

ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ وَاللّٰهُ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ

پھر اللہ نے تمہیں پھیر دیا ان سے (پہلے وہ بھاگ رہے تھے اور تم ان کا تعاقب کر رہے تھے۔۔۔اب بازی الٹ گئی اب تم بھاگنے لگے) یہ سب کچھ اس لیے ہوا تاکہ وہ تم کو آزمائے (یعنی کچے اور پکے، مخلص اور غیر مخلص، کھرے اور کھوٹے، مومن اور منافق واضح اور ظاہر ہو جائیں)

وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ

مجھے اپنی وحدانیت والوہیت اور معبودیت و مسجودیت کی قسم ہے میں نے تمہیں معاف کر دیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے ایمان والوں پر (کہ مومنوں سے غلطی ہو جائے تو اپنے فضل و کرم سے معاف کر دیتا ہے اور تنبیہ کرنے اور عتاب فرمانے میں بھی شفقت و مہربانی کی چادر تانے رکھتا ہے)

اہل تشیع کے مشہور عالم اور مجتہد اور مفسر علی بن حسن طبرسی نے ان آیات کی تفسیر میں تحریر کیا ہے:

(وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ) اَعَادَ اللّٰهُ تَعَالٰى ذِكْرَ الْعَفْوِ تَاكِيْدًا لِطَمَعِ الْمُذْنِبِيْنَ فِي الْعَفْوِ وَمَنَعَهُ لَهُمْ عَنِ الْيَأْسِ وَتَحْسِيْنًا لِظُنُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ (مجمع البیان $\frac{528}{1}$)

اللہ نے معافی کا ذکر دوبارہ اس تاکید کے لیے کیا تا کہ گنہگار معافی کے امیدوار رہیں اور ناامید نہ ہوں نیز معافی کا جملہ اس لیے دہرایا تا کہ مومنین (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) کے ساتھ لوگ اچھا گمان رکھیں۔

حضراتِ گرامی قدر! جنگ اُحد میں چند اصحابِ رسول کی یہ اجتہادی غلطی۔۔۔ اور کچھ اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم کے قدموں کا اکھڑ جانا۔۔۔ اسے بنیاد بنا کر دشمنانِ صحابہ نے اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم کو تنقید کا نشانہ بنایا۔۔۔ وہ اپنی تقریروں اور تحریروں میں ان کا تمسخر اڑاتے ہیں۔۔۔ مذاق بناتے ہیں اور مختلف قسم کی پھبتیاں کستے رہتے ہیں۔

مگر اللہ رب العزت نے کمال مہربانی اور بڑی شفقت سے اور فضل وکرم سے ان قصور کرنے والے اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم کو معاف فرما دیا۔۔۔ اور معافی کا اعلان صرف ایک بار نہیں کیا بلکہ دوبار کیا۔

اللہ تعالیٰ کے معاف فرمانے کے بعد کسی شخص کے لیے یہ گنجائش کہاں رہ جاتی ہے کہ وہ اس واقعہ کو بنیاد بنا کر اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم پر طعن وتشنیع کرے۔

اس نص صریح کے ہوتے ہوئے پھر بھی کوئی شخص ان پر طعن کرتا ہے یا ان کی برائی بیان کرتا ہے تو وہ شخص نص قرآنی کا منکر ہے اور دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔

اللہ رب العزت نے دو دفعہ معافی کا اعلان فرمایا اور پھر سورت آل عمران کی آیت نمبر 159 میں امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے اس شفقت بھرے سلوک کو سراہا جو آپ نے غلطی کرنے والے صحابہ کے ساتھ فرمایا تھا۔۔۔ ارشاد ہوا:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ

اللہ کی خصوصی رحمت کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان (صحابہ) کے لیے نرم دل ہیں اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بدخو اور سخت دل ہوتے تو یہ کبھی کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں سے بھاگ گئے

ہوتے۔

فَاعۡفُ عَنۡهُمۡ وَاسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ وَشَاوِرۡهُمۡ فِي الۡأَمۡرِ

میرے پیارے پیغمبر ﷺ! تیرے یاروں کے دل میں شاید خیال آرہا ہو کہ اللہ نے تو کمال مہربانی سے ہمیں معاف فرما دیا ہے۔۔۔مگر ہماری غلطی کی وجہ سے زیادہ نقصان تو نبی اکرم ﷺ کا ہوا۔۔۔کہ ستر صحابہ رضی اللہ عنہم شہید ہوئے، پیارا چچا صرف شہید نہیں ہوا بلکہ اس کا مثلہ کر دیا گیا۔۔۔آپ ﷺ خود شدید زخمی ہوئے۔۔۔ہماری وجہ سے آپ کو پریشانی اٹھانا پڑی۔۔۔پتہ نہیں آپ ﷺ معاف فرمائیں گے یا نہیں۔۔۔اور آئندہ کے لیے ہم پر اعتماد کریں گے یا نہیں۔

اللہ رب العزت نے فرمایا۔۔۔میرے محبوب پیغمبر ﷺ تیرے یاروں کی غلطی اور قصور کی وجہ سے نقصان ہوا تھا میرے دین کا۔۔۔یا نقصان ہوا آپ ﷺ کا۔۔۔میرے محبوب میں نے معاف کر دیا ہے:

فَاعۡفُ عَنۡهُمۡ

تو بھی انہیں معاف کر دے۔

صرف معاف نہیں کرنا۔۔۔وَاسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ۔۔۔ان کے لیے بخشش کی دعا بھی مانگیے۔

وَشَاوِرۡهُمۡ فِي الۡأَمۡرِ

اس غلطی کی وجہ سے شاید آپ ﷺ کے دل میں خیال آئے کہ یہ لوگ آئندہ اعتماد کے لائق نہیں۔۔۔۔نہ نہ میرے پیارے پیغمبر ﷺ آئندہ جب بھی کوئی اہم معاملہ درپیش ہو تو انہیں اپنے مشوروں میں شامل رکھنا ہے۔۔۔اور ان کے اخلاص اور اسلام دوستی پر مکمل اعتماد کرنا ہے۔

سامعین گرامی قدر! غزوۂ اُحد میں اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم سے ہونے والی اجتہادی

خطا۔۔۔ اللہ رب العزت کی طرف سے معافی کا اعلان اور امام الانبیاء ﷺ کو معاف کر دینے کا حکم۔۔۔ یہ سب کچھ آپ حضرات نے سن لیا۔۔۔ میں انصاف کے نام پر آپ سے اپیل کرتا ہوں۔۔۔ اور دعوتِ فکر دیتا ہوں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے غزوۂ اُحد کے دن نقصان کیا تھا اللہ کے دین کا۔۔۔ یا انہوں نے نقصان کیا تھا نبی اکرم ﷺ کا۔۔۔ جن کا نقصان کیا تھا انہوں نے معاف فرما دیا۔۔۔ میرا اور آپ کا تو انہوں نے نقصان بھی کوئی نہیں کیا پھر ہم انہیں معاف کرنے کے لیے تیار کیوں نہیں؟ ہم ان کی غلطیاں کیوں گنواتے ہیں؟ اور ہم ان کے اعمال سے بحث کیوں کرتے ہیں؟

ابن عمر رضی اللہ عنہما کا خوبصورت جواب بخاری کی ایک روایت ہے کہ مصر کا ایک شخص حج بیت اللہ کے لیے مکہ مکرمہ آیا۔۔۔ اس نے دیکھا کہ لوگ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے گرد جمع ہیں اور مختلف مسائل پوچھ رہے ہیں۔۔۔ یہ بھی قریب آیا اور پوچھا:

هَلْ تَعْلَمُ اَنَّ عُثْمَانَ فَرَّ يَوْمَ اُحُدٍ

کیا آپ کو معلوم ہے کہ عثمان غزوۂ اُحد کے دن میدان چھوڑ گئے تھے۔

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

نَعَمْ۔۔۔ ہاں ایسے ہی ہے اور مجھے معلوم ہے۔

اس نے کہا:

کیا آپ جانتے ہیں کہ وہ غزوۂ بدر میں بھی شریک نہیں ہوئے۔ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جواب دیا۔۔۔

نَعَمْ۔۔۔ ہاں ایسے ہی ہے۔

اس نے کہا۔۔۔ کیا آپ کے علم میں ہے کہ بیعت الرضوان میں بھی وہ شریک نہیں تھے۔۔۔ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

نَعَمْ۔۔۔ ہاں وہ بیعت رضوان میں واقعی شریک نہیں تھے۔

پوچھنے والا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے بغض رکھنے والا شخص تھا۔۔۔اپنی تینوں باتوں پر ابن عمر رضی اللہ عنہما کے تائیدی کلمات سن کر نہایت مسرور ہوا اور مسرت میں بغلیں بجاتا ہوا جانے لگا۔

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے دیکھا تو فرمایا۔۔۔ٹھہر۔۔۔ذرا اپنے تینوں سوالوں کی حقیقت سن کر جا۔۔۔تیرا پہلا اعتراض۔۔۔غزوۂ اُحد کے دن میدان چھوڑنا۔۔۔تو اللہ نے انہیں اسی وقت معاف فرما دیا تھا۔۔۔اور کہا تھا۔۔۔وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ۔

تیرا دوسرا اعتراض۔۔۔۔غزوۂ بدر میں موجود نہیں تھے۔۔۔۔۔اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کی اہلیہ رقیہ بنت محمد رضی اللہ عنہا بیمار تھیں وہ ان کی تیمارداری اور دیکھ بھال کے لیے امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے مدینہ منورہ میں رک گئے تھے۔

اور تیرا تیسرا سوال کہ وہ بیعت رضوان سے غیر حاضر تھے۔۔۔تو اس کا سبب یہ تھا کہ وہ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سفیر بن کر مکہ مکرمہ گئے ہوئے تھے۔۔۔اور اگر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کوئی شخص معزز و مکرم اہل مکہ کے لیے ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے اپنا سفیر بنا کر روانہ فرماتے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دائیں ہاتھ کو عثمان رضی اللہ عنہ کا ہاتھ قرار دے کر ان کی طرف سے بھی بیعت فرمائی۔

اس شخص کے تینوں سوالوں کے مسکت جواب دے کر سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

(مشکوٰۃ 562)

اِذْهَبْ بِهَا الْآنَ مَعَكَ

میرے ان جوابات کے ساتھ جا تیرا معاملہ اب تیرے ہاتھ میں ہے۔

غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ جانے والے

غزوۂ تبوک کو جیش العسرہ بھی کہا جاتا ہے۔۔۔وہ وقت انتہائی دقت اور مشکل کا وقت تھا۔۔۔کئی طرح کی مشکلات جمع ہو گئی تھیں۔۔۔موسم انتہائی گرم۔۔۔مسافت بہت طویل۔۔۔کھجور کی فصل بالکل تیار جس پر اہل مدینہ کی تمام سال کی معیشت کا دارومدار تھا۔۔۔وسائل کی بے حد کمی۔۔۔اس دور کی عظیم

سلطنت سے مقابلہ۔۔ ظاہری بے سروسامانی ایسی کہ ایک ایک کھجور روزانہ دو دو سپاہیوں میں تقسیم ہوتی۔۔۔ پھر نوبت یہاں تک پہنچی کہ کھجور کی گٹھلی چوس کر گزارا کرتے۔۔۔ پانی کی انتہائی کمی۔۔۔ اور سواری کا اتنا قحط کہ دس دس آدمی ایک ایک اونٹ پر اترتے چڑھتے جاتے تھے۔۔۔ اس غزوہ میں منافقین تو بہانے بنا کر رخصت لیتے رہے دین کے سچے خادم اور توحید کے پروانے میرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وفادار اور جانثار ساتھی لپک لپک کر آگے بڑھتے رہے مگر بعض مخلص صحابہ ایسے تھے جو محض تن آسانی اور سستی کی بنا پر بغیر عذر شرعی کے اس غزوہ میں شرکت سے رہ گئے۔۔۔ ان میں سے کچھ کا خیال یہ تھا کہ ہمارے پاس تیز رو اونٹنیاں ہیں ہم دو چار دن بعد بھی چلیں گے تو لشکر اسلام سے مل جائیں گے مگر آج کل کرتے کرتے وہ دن آ گیا کہ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کامیابی وکامرانی کے ساتھ واپس تشریف لے آئے۔

پیچھے رہ جانے والے مخلص صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے۔۔۔ تقریباً پانچ چھ صحابہ رضی اللہ عنہم ایسے تھے جنہوں نے اپنے قصور اور غلطی کے اعتراف کرنے میں دیر نہیں کی۔۔۔۔ اور امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے اپنے آپ کو مسجد نبوی کے ستونوں کے ساتھ باندھ دیا اور قسم کھائی کہ جب تک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں معاف فرما کر اپنے ہاتھ سے نہیں کھولیں گے ہم اسی طرح بندھے رہیں گے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد نبوی میں تشریف لائے اور یہ منظر دیکھا۔۔۔ اپنے ساتھیوں کی پریشانی اور ندامت کو دیکھا تو فرمایا:

اللہ کی قسم جب تک اللہ رب العزت انہیں کھولنے کا حکم نہ دے میں اس وقت تک انہیں نہیں کھولوں گا۔۔۔ پھر کچھ دنوں کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی اور یہ آیت نازل ہوئی:

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا عَسَى اللّٰهُ

أَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ إِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (التوبہ 102)

اور کچھ اور لوگ ہیں جو اپنی خطا کے اقراری ہیں جنہوں نے ملے جلے عمل کیے کچھ اچھے اور کچھ برے قریب ہے کہ اللہ ان پر مہربانی سے توجہ فرمائے بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

ملے جلے عمل کچھ بھلے اور کچھ برے سے مراد کیا ہے؟ اچھے عمل وہ جو غزوۂ تبوک سے پہلے وہ کرتے تھے جن میں اس سے پہلے جنگوں میں شرکت بھی ہے اور کچھ برے سے مراد یہی تبوک کے موقع پر ان کا پیچھے رہ جانا ہے۔

سامعین گرامی قدر! دیکھا آپ نے کہ جن اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم سے ایک خطا ہوئی انہوں نے اس کی تلافی کس خوبصورتی کے ساتھ کی۔۔۔ انہوں نے توبہ کتنے نرالے انداز میں کی۔۔۔ پھر اللہ رب العزت نے ان کی توبہ کو قبول کر کے مغفرت اور معافی کا اعلان لاریب کتاب کے صفحات میں فرمایا۔۔۔ تا کہ کوئی بدبخت اور بدباطن ان کی غلطیوں کو بنیاد بنا کر ان پر تنقید اور طعن و تشنیع کے نشتر نہ چلا سکے۔

غزوۂ تبوک میں اپنی سستی اور غفلت اور تن آسانی کی وجہ سے پیچھے رہ جانے والوں میں تین شخص (کعب بن مالک، مرارہ بن ربیع، ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہم) ایسے تھے جنہوں نے اپنے آپ کو مسجد نبوی کے ستونوں سے بھی نہیں باندھا اور انہوں نے فوری طور پر معذرت بھی نہیں کی اس لیے قبولِ توبہ میں بھی تاخیر ہو گئی اور امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان تینوں کے معاملے کو اللہ کے سپرد فرما دیا۔۔۔۔ کہ جو فیصلہ اوپر سے ہو گا وہی نافذ ہو گا۔ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ ان تینوں سے قطع تعلق کر لیں، چالیس دنوں کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ یہ لوگ اپنی بیویوں سے بھی دور رہیں۔ یہ ایام ان حضرات کے لیے انتہائی کٹھن تھے۔۔۔ بڑی پریشانی، غم اور دکھ کا سامنا تھا۔۔۔ مدینہ کا کوئی فرد ان سے کلام تک نہیں کرتا تھا۔۔۔ قرآن نے اس کیفیت کو

بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ زمین باوجود وسعت وکشادگی کے ان پر تنگ ہوگئی تھی۔

مگر یہ لوگ پوری دلجمعی کے ساتھ اور یقین کے ساتھ اللہ کے در کو تھامے رو رہے تھے۔۔۔ پچاس دنوں کے بعد ان کی توبہ قبول ہوئی تو دیکھیے اللہ رب العزت نے ان کی دلجوئی کے لیے بات کو کہاں سے شروع فرمایا:

لَقَدْ تَّابَ اللهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ فِي سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيغُ قُلُوبُ فَرِيقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ إِنَّهُ بِهِمْ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ (التوبہ 117)

اللہ مہربان ہوا نبی پر اور مہاجرین پر اور انصار پر جنہوں نے تنگی کی گھڑی میں پیغمبر کا ساتھ دیا اس کے بعد کہ ان میں سے ایک گروہ کے دلوں میں تزلزل ہو چلا تھا پھر اللہ نے ان کے حال پر توجہ فرمائی اللہ تعالیٰ ان سب پر بہت ہی شفقت کرنے والا مہربان ہے۔

قرآن کریم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور مہاجرین وانصار پر مہربانی کا تذکرہ کرنے کے بعد ان تین صحابہ کا ذکر فرمایا:

وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خُلِّفُوا حَتَّى إِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ أَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوا أَنْ لَا مَلْجَأَ مِنَ اللهِ إِلَّا إِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوبُوا إِنَّ اللهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ (التوبہ 118)

اور اللہ ان تین شخصوں پر بھی مہربان ہوا جن کا معاملہ ملتوی چھوڑ دیا گیا تھا یہاں تک کہ جب زمین باوجود اپنی فراخی کے ان پر تنگ ہوگئی تھی اور ان کی جانیں بھی ان پر تنگ ہوگئی تھیں اور انہوں نے سمجھ لیا تھا کہ پناہ مل سکتی ہے تو صرف اللہ کے دروازے پر ہی مل سکتی ہے پھر اللہ نے ان پر مہربانی فرمائی تا کہ توبہ کریں بیشک اللہ ہی ہے توبہ قبول کرنے والا بڑا رحم والا۔

سبحان اللہ! ذرا غور فرمایئے۔۔۔ ان آیتوں میں مہاجرین وانصار اور دیگر اصحاب رسول رضی اللہ عنہم کی کتنی عظمت ظاہر ہو رہی ہے۔۔۔ جس طرح کی توجہ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

پر فرمائی۔۔۔اسی سے ملتی جلتی توجہ مہاجرین وانصار پر فرمائی۔۔۔اور جولوگ مشکل کی اس گھڑی میں مذبذب اور متزلزل ہونے کے قریب تھے۔۔۔ انہیں استقامت عطا فرمائی۔۔۔إِنَّهُ بِهِمْ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ۔۔۔کے جملے پر غور تو کیجیے۔۔۔کہ تمام صحابہ چاہے وہ مہاجرین ہوں یا انصار۔۔۔تبوک میں جانے والے ہوں یا سستی کی وجہ سے پیچھے رہ جانے والے۔۔۔اللہ تعالیٰ سب پر شفیق ومہربان ہے۔۔۔وہ ہمیشہ ان کے ساتھ رافت، نرمی، پیار اور مہربانی کا معاملہ فرماتا ہے۔

یاد رکھیے! اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم سے اگر کوئی غلطی یا کوتاہی یا غفلت ہو جائے اور کوئی قصور ہو جائے تو اللہ تعالیٰ انہیں بڑے خوبصورت انداز میں معاف فرما دیتے ہیں جیسے غزوۂ تبوک میں شریک نہ ہونے کی غلطی کرنے والوں کو اللہ رب العزت نے معاف فرما دیا۔

سامعین گرامی قدر! صحابیّت کا مقام بہت اعلیٰ اور عظیم ہے۔۔۔اصحابِ رسول امت کے بہترین افراد ہیں۔۔۔تمام امتوں سے برتر اور بالا قدر ہیں۔۔۔ یاد رکھیے! صحابیّت کا یہ عظیم مرتبہ کسبی نہیں بلکہ وہبی ہے۔۔۔یعنی محنت اور اعمال کی وجہ سے یہ درجہ نہیں ملتا بلکہ صحابیّت کا یہ مقام عطا الٰہی ہے۔

میرے اس جملے پر غور فرمائیں! تدبر کریں۔۔۔! ان شاء اللہ اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم کے متعلق تمام شبہات اور اشکالات دور ہو جائیں گے۔۔۔جب صحابیّت کا درجہ اور مرتبہ اعمال کی وجہ سے نہیں ملتا تو پھر میں کہتا ہوں کہ صحابہ کے اعمال سے بحث اور گفتگو بھی نہیں ہو سکتی۔

ایک اور بات بھی غور سے سنیے! ہم اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم سے محبت ان کے اعمال کی وجہ سے نہیں کرتے بلکہ ہم صحابہ کرام سے محبت نبی کی وجہ سے کرتے ہیں۔۔۔ ہمیں چونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہے اس وجہ سے ہم اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم سے محبت کرتے ہیں۔۔۔ دوست کا دوست بھی دوست ہوتا ہے۔ اور یہ حقیقت حدیث سے ثابت

ہے۔۔۔حدیث بھی ایسی جو آپ ہر جمعہ کے خطبہ میں اپنے خطیب سے سنتے ہیں۔

اَللّٰہَ اَللّٰہَ فِیْ اَصْحَابِیْ لَا تَتَّخِذُوْهُمْ غَرَضًا مِّنْ بَّعْدِیْ مَنْ اَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّیْ اَحَبَّهُمْ وَمَنْ اَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِیْ اَبْغَضَهُمْ وَمَنْ اٰذَاهُمْ فَقَدْ اٰذَانِیْ وَمَنْ اٰذَانِیْ فَقَدْ اٰذَی اللّٰہَ وَمَنْ اٰذَی اللّٰہَ فَیُوْشِكُ اَنْ یَّاْخُذَهٗ (مشکوٰۃ 554، ترمذی)

میری امت کے لوگو! میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرنا انہیں میرے بعد تنقید کا نشانہ نہ بنالینا (ان پر طعن و تشنیع نہ کرنا، ان پر الزام تراشی نہ کرنا) جو میرے صحابہ سے محبت کرے گا وہ میری محبت کی وجہ سے محبت کرے گا اور جو میرے صحابہ سے بغض رکھے گا وہ میرے ساتھ بغض رکھنے کی وجہ سے بغض رکھے گا جو انہیں تکلیف پہنچائے گا اس نے دراصل مجھے تکلیف پہنچائی اور جس نے مجھے ستایا اس نے اللہ کو ستایا اور جس نے اللہ کو ستایا قریب ہے کہ اللہ اسے عذاب میں پکڑ لے۔

یاد رکھیے! اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم کو عمل کے ترازو پر نہیں تولنا بلکہ انہیں نسبت کے ترازو پر تولنا ہے کہ دوست کس کے ہیں۔۔۔؟ یار کس کے ہیں۔۔۔؟ سنگی اور ساتھی کس کے ہیں۔۔۔؟

اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم تاریخی شخصیات نہیں۔۔۔یعنی انہیں تاریخ کے ورقوں میں نہیں دیکھنا۔۔۔صحابہ تاریخی شخصیات نہیں بلکہ صحابہ قرآنی شخصیات ہیں۔۔۔انہیں رب کے قرآن کے صفحات میں دیکھنا ہے۔

یاد رکھیے! اصحاب رسول رضی اللہ عنہم دین کے چشم دید اور عینی گواہ ہیں۔۔۔قرآن، سنت، ارشاداتِ نبویہ، دین کے احکام، اسلام کے ارکان، توحید اور ختم نبوت، اعمال صالحہ کے طور طریقے۔۔۔سب کچھ ہمیں اصحاب رسول رضی اللہ عنہم کے ذریعہ پہنچا ہے۔۔۔اگر عینی گواہوں پر جرح ہو جائے اور ان میں ایک بھی جھوٹا ثابت ہو جائے تو کیس خارج ہو جاتا ہے۔۔۔اگر اصحاب رسول رضی اللہ عنہم کی صداقت، دیانت اور امانت مجروح ہو گئی تو کچھ نہیں بچے

گا۔۔۔نہ دین نہ اسلام، نہ ختم نبوت، نہ قرآن، نہ احادیث۔۔۔

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

ہم جو بہکیں تو چھلک جائیں تیرے جام وسبو

تو نے سمجھا نہیں رندوں کا مقام اے ساقی!

اسی لیے قرآن مجید نے اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم کی صداقت۔۔۔رشد وہدایت۔۔۔
فوز وفلاح۔۔۔شرافت ودیانت۔۔۔ایمان وتسلیم کو واضح الفاظ میں بیان فرمایا۔۔۔اور
اسی لیے صاحب قرآن سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے اوصاف وصفات، مقام ومرتبہ
کا تذکرہ فرما کر ان پر تنقید کرنے اور طعن وتشنیع کی پٹاری کھولنے سے منع فرمایا۔۔۔اور اسی
بنا پر امت کے علماء کا متفقہ نظریہ ہے کہ
اَلصَّحَابَۃُ کُلُّھُمْ عُدُوْلٌ۔۔۔سب کے سب صحابہ عادل ہیں۔۔۔وہ کبیرہ
گناہوں سے مجتنب رہنے والے اور تقویٰ کے بلند ترین درجے پر فائز ہیں۔۔۔وہ سب
کے سب صادق وامین اور دیانت دار تھے۔ان میں سے کسی پر بھی تنقید وتنقیص نہیں کی
جاسکتی۔۔۔۔اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ ابوزرعہ رحمۃ اللہ علیہ کے بقول جو شخص
اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم کی قدوسی جماعت پر طعن کرتا ہے وہ زندیق اور گمراہ۔۔۔

وما علینا الا البلاغ المبین

3

رضی اللہ عنہم رضی اللہ عنہم

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ☆

اَفضَلُ النَّاسِ بَعدَ الاَنبِیَاءِ

رضی اللہ عنہم رضی اللہ عنہم

نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ الْاَمِیْنِ

وَعَلٰی اٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ

(المجادلہ 11)

سامعین گرامی قدر! امیر المومنین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی عظمت اور افضلیت۔۔ کہ وہ اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم کی مقدس جماعت میں سب سے افضل ہیں۔۔۔ آج میں اس عنوان پر گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔

میرا تعلق اشاعت التوحید والسنۃ تنظیم سے ہے اور میں قرآن مجید کا طالب العلم ہوں۔۔۔ ہم ہر موضوع کو بیان کرنے کے لیے قرآن کریم کی آیات کا سہارا لیتے ہیں۔۔ پھر سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کو دلیل بناتے ہیں۔

خطبہ میں سورت المجادلہ کی آیت نمبر 11 کا ایک حصہ میں نے تلاوت کیا ہے۔۔ اس میں فضیلت اور درجات کی بلندی کے دو سبب اللہ رب العزت نے بیان فرمائے ہیں۔۔۔ ایک سبب ہے ایمان اور دوسرا سبب ہے علم۔

يَرۡفَعِ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡكُمۡ وَالَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ دَرَجٰتٍ وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِيۡرٌ (المجادلہ 11)

اللہ ان لوگوں کے درجات، مرتبے بلند فرماتے ہیں جو تم میں سے ایمان لائے اور ان لوگوں کے جو علم سے سرفراز کیے گئے۔

ایک اور جگہ فرمایا:

هَلۡ يَسۡتَوِى الَّذِيۡنَ يَعۡلَمُوۡنَ وَالَّذِيۡنَ لَا يَعۡلَمُوۡنَ (سورت الزمر 9)

صاحب علم اور علم سے محروم برابر نہیں ہو سکتے۔

قرآن کریم کی ان دونوں آیتوں سے ثابت اور واضح ہوا کہ درجات کی بلندی اور فضیلت کا معیار۔۔۔ ترازو اور کسوٹی اللہ رب العزت کی نگاہوں میں دو چیزیں ہیں۔ ایک ایمان اور دوسری چیز ہے علم۔

اسی ترازو پر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ہم نے تول کر دیکھا۔۔۔ اسی معیار پر انہیں پرکھا تو وہ سب صحابہ رضی اللہ عنہم سے آگے بلکہ بہت آگے نظر آئے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب اعلانِ نبوت فرمایا۔۔۔ اور توحید کی دعوت پیش کی۔۔۔ لا الٰہ الا اللہ کا نعرہ رستہ خیز لگایا۔۔ تو مخالفت کا طوفان بدتمیزی اٹھ کھڑا ہوا۔۔۔ دعوتِ توحید کو قبول کرنا آسان نہیں تھا۔۔۔ تین سو ساٹھ بتوں کے گلے پر چھری رکھنی تھی۔۔۔ باپ دادا کے مذہب سے بغاوت کرنا تھی۔۔۔ اسے ماننا بڑا مشکل تھا۔۔۔ مگر سب سے پہلے اس دعوت پر لبیک کہہ کر ایمان کی دولت سے مالا مال ہونے والی۔۔۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی ہے۔

ایک موقع پر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے مابین کسی معاملہ میں اَن بَن ہو گئی جس کی وجہ سے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کچھ پریشان ہو گئے۔۔۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے معاملہ پیش ہوا تو آپ نے ناراضی اور غصے کے لہجہ میں فرمایا:

إِنَّ اللهَ قَدْ بَعَثَنِي إِلَيْكُمْ فَقُلْتُمْ كَذَبْتَ وَقَالَ أَبُوْ بَكْرٍ صَدَقَ

(بخاری 517/1)

اللہ نے مجھے تم لوگوں کی طرف مبعوث فرمایا لیکن تم نے میری تکذیب کی اور ابوبکر نے تصدیق کی۔۔۔ اور اپنی جان اور مال کے ساتھ میرے ساتھ غم خواری اور تعاون کیا تو کیا تم پھر بھی میرے ساتھی (ابوبکر رضی اللہ عنہ) کو میری خاطر نہیں چھوڑتے (یعنی انہیں کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچاؤ)

پھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جس طرح سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ایمان قبول کیا اُس طرح کسی اور نے ایمان قبول نہیں کیا۔۔۔ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے جس کسی کے سامنے ایمان کی دعوت پیش کی۔۔۔ اس نے لیت و لعل سے کام لیا۔۔۔ ہچکچایا۔۔۔ پیچھے ہٹا۔۔۔ معجزہ طلب کیا۔۔۔ نشانی مانگی۔۔۔ مہلت طلب کی۔۔۔ مشورہ کروں گا۔۔۔ مگر اس دھرتی پر صرف ایک شخص ہے جس نے نہ معجزہ مانگا۔۔۔ نہ مہلت مانگی۔۔۔ میں نے کہا:

إِنِّيْ رَسُوْلُ اللهِ أَدْعُوْكَ إِلَى اللهِ

میں اللہ کا رسول ہوں اور تجھے اللہ کی معبودیت کی طرف بلاتا ہوں۔۔۔ اس نے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر کہا کہ تو اللہ کا رسول ہے تو ابوبکر تیرا پہلا امتی ہے۔

فَلَمَّا فَرَغَ كَلَامَهُ أَسْلَمَ أَبُوْ بَكْرٍ (البدایہ والنہایہ 29/3)

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے امام نخعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے:

أَبُوْ بَكْرٍ أَوَّلُ مَنْ أَسْلَمَ (البدایہ والنہایہ 26/3)

ابوبکر پہلا شخص ہے جس نے اسلام کی دعوت کو قبول کیا۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے خلافت کے فیصلے میں تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں فرمایا۔۔۔ کیا میں تم سب سے پہلے ایمان نہیں لایا؟ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اس بات

کا کسی نے بھی انکار نہیں کیا۔۔۔ معلوم ہوا تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جانتے تھے کہ ایمان قبول کرنے میں ابوبکر کا پہلا نمبر ہے۔ (ترمذی $\frac{208}{2}$ حدیث نمبر: 3667)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا کہ ایک مرتبہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔۔۔ میں تم سے پہلے ایمان لایا ہوں۔ (الاصابہ $\frac{343}{2}$)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اس بات کا انکار نہیں فرمایا۔۔۔

میں یہ جانتا ہوں کہ اس معاملہ میں علماء کے مابین اختلاف ہے کہ پہلا مومن کون ہے؟ سیدنا ابوبکر، سیدنا علی، سیدہ خدیجہ یا سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہم۔

امام اعظم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے علماء کے مختلف اقوال کے درمیان تطبیق دی ہے۔۔۔ فرماتے ہیں:

آزاد مردوں میں سب سے پہلے سیدنا ابوبکر۔۔۔ عورتوں میں سب سے پہلے سیدہ خدیجہ۔۔۔ بچوں میں سب سے پہلے سیدنا علی۔۔۔ اور غلاموں میں سب سے پہلے سیدنا زید بن حارثہ (رضی اللہ عنہم) ایمان لائے۔ (البدایہ والنہایہ $\frac{29}{3}$)

میں کہتا ہوں۔۔۔ ذرا میری بات کو غور سے سنیے!

اہم مسئلہ یہ نہیں ہے کہ ایک دن پہلے ایمان کس نے قبول کیا۔۔۔؟ اور ایک دن بعد ایمان کس نے قبول کیا۔۔۔؟ ایک ہفتہ پہلے ایمان قبول کرنے والا کون ہے۔۔۔؟ اور ایک ہفتہ بعد میں ایمان قبول کرنے والا کون ہے۔۔۔؟ بلکہ اصل مسئلہ یہ ہے کہ کس کے ایمان قبول کرنے سے نبوت کی پیٹھ مضبوط ہوئی۔۔۔؟ ایک غلام کے ایمان قبول کرنے سے۔۔۔ عرب کے ماحول میں غلام کی کیا حیثیت سمجھی جاتی تھی۔۔۔ ایک عورت کے ایمان لانے سے۔۔۔ ایک عورت باہر کے ماحول میں اور مخالفت میں کتنا کام آسکتی تھی۔۔۔ چھ سال کے بچے کے ساتھی بننے سے۔۔۔ چھ یا آٹھ سال کا بچہ تو صحیح مشورہ بھی نہیں دے سکتا،

دشمنوں کو کیسے ہٹا سکتا ہے۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اڑتیس سال کا جوان ہے۔۔۔ برادری اور قبیلے کا معزز فرد ہے۔۔۔ مکہ کا نامور تاجر ہے۔۔۔ ان کے ایمان قبول کرنے سے نبوت کی پیٹھ مضبوط ہوئی۔

پھر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کی خصوصیت یہ بھی ہے کہ ان کا ایمان لازم نہیں متعدی تھا۔۔۔ انہوں نے ایمان قبول کرنے کے بعد دعوتِ ایمان کو دوسروں تک پہنچانا شروع کر دیا۔۔۔ وہ ایمان قبول کرنے کے بعد دعوتِ ایمان لے کر نکلے اور عثمان کو ساتھ لے آئے۔۔۔ پھر نکلے طلحہ کو ساتھ لے آئے۔۔۔ پھر زبیر کو۔۔۔ پھر عبد الرحمن بن عوف کو۔۔۔ ابوعبیدہ بن الجراح کو۔۔۔ سیدنا ارقم کو۔۔۔ البدایہ والنہایہ میں ہے کہ تقریباً اڑتیس افراد سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تحریک پر حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔

میں ایک بات اور کہنا چاہتا ہوں۔۔۔ پسند آئے تو کہنا بند یا لوی اچھی بات کہہ گیا ہے۔۔۔ اہم مسئلہ یہ نہیں ہے کہ ایک دن پہلے کلمہ کس نے پڑھا۔۔۔؟ اور ایک دن بعد میں کلمہ کس نے پڑھا۔۔۔؟ بلکہ اصل مسئلہ یہ ہے کہ جس شخص کے آگے میرے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایمان کی دعوت کو پیش فرمایا۔۔۔ اس نے اسے قبول کرنے میں دیر کتنی لگائی۔۔۔ میرے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَا كَلَّمْتُ اَحَدًا فِي الْاِسْلَامِ اِلَّا اَبٰى عَلَيَّ وَرَاجَعَنِيْ فِي الْكَلَامِ اِلَّا ابْنُ اَبِيْ قُحَافَةَ فَاِنِّيْ لَمْ اُكَلِّمْهُ فِيْ شَيْءٍ اِلَّا قَبِلَهٗ وَاسْتَقَامَ عَلَيْهِ (سیرت حلبیہ 310/1)

میں نے اسلام کے بارے میں جس سے بھی بات کی اس نے انکار کیا اور سوال وجواب کیے مگر ابوقحافہ کے بیٹے ابوبکر نے۔۔۔ میں نے اس سے جو بات بھی کہی اس نے مانی اور اس بات پر مضبوطی سے قائم بھی ہوا۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ امت کے پہلے مومن ہیں جن کی تحریک سے عرب کے کئی معزز افراد اسلام کے دائرہ میں آئے۔۔۔ پھر ایمان کی دعوت عام کرنے میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے

بڑے مصائب اور دکھ بھی اٹھائے۔۔۔انہیں بیت اللہ میں اس قدر پیٹا گیا کہ اپنی طرف سے وہ مار کر چلے گئے۔۔۔سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کھل کر میرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ساتھ دیا۔۔۔اور دعوتِ حق کی راہ میں آنے والی کسی مصیبت اور دکھ اور تکلیف سے نہیں گھبرائے۔

قرآن کریم نے بلندیٔ درجات کا پہلا سبب ذکر کیا ہے۔۔۔ایمان۔۔۔تو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اس سبب میں اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم کی جماعت میں سب سے مقدم اور سب سے آگے نظر آتے ہیں۔۔۔اس لیے ماننا پڑے گا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی مقدس جماعت میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہی سب سے کی افضل و برتر ہیں۔

بلندیٔ درجات کا دوسرا سبب علم

بلندیٔ درجات کا دوسرا سبب قرآن نے علم ذکر فرمایا۔اب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا علمی میدان میں مقام دیکھیے کہ کتنا بلند مرتبہ ہے۔ حجۃ الوداع میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تاریخی خطبہ ارشاد فرمایا۔۔۔لوگوں کو گواہ بنایا کہ میں نے پیغامِ رسالت کے پہنچانے کا حق ادا کر دیا ہے۔۔۔پھر آپ نے وہاں پر موجود لوگوں کو تلقین فرمائی کہ میری باتیں ان لوگوں تک پہنچا دو جو یہاں موجود نہیں ہیں۔۔۔خطبہ سے فارغ ہوئے تو سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی۔۔۔آپ نے ظہر اور عصر کی نمازیں ایک ہی وقت میں ادا فرمائیں۔۔۔بعد ازاں آپ حمد و تسبیح اور دعا میں مشغول ہو گئے۔۔۔اسی اثنا میں اللہ رب العزت نے یہ آیت نازل فرمائی:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (المائدہ 3)

آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو بطور دین پسند فرمایا۔

سب صحابہ خاموش تھے۔۔۔آپ کے ارشادات سن رہے تھے۔۔۔دین کی تکمیل کی آیت بھی باعث فرحت و مسرت تھی کہ مزاج شناسِ رسول سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ یہ

آیت سن کر رونے لگے۔۔۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رونے کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ یہ آیت اشارہ کر رہی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے اندر زیادہ دیر نہیں رہیں گے۔۔۔ اور آپ کے انتقال کا وقت قریب آ گیا ہے۔۔۔ جس مقصد کی تکمیل کے لیے اور جس مشن کو پورا کرنے کے لیے آپ تشریف لائے تھے جب وہ مشن اور وہ مقصد مکمل ہو گیا تو اب اس دنیا میں آپ کا قیام کس لیے؟

دیکھا آپ نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا علمی میدان میں کتنا بلند مقام ہے کہ جس مقام پر کسی صحابی کی نظر نہیں پہنچی وہاں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی نظر پہنچی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے انتقال سے دو دن پہلے ظہر کی نماز کے بعد مسجد نبوی میں خطبہ ارشاد فرمایا جس میں ارشاد فرمایا۔۔۔ اللہ نے ایک بندے کو اختیار دیا ہے کہ وہ دنیا کی حیات پسند کرتا ہے یا آخرت کی حیات اختیار کرنا چاہتا ہے۔۔۔ فَاخْتَارَ الْاٰخِرَةَ۔۔۔

اس بندے نے دنیا کی حیات کو پسند نہیں فرمایا بلکہ آخرت کی حیات کو پسند فرمالیا۔

(بخاری $\frac{516}{1}$)

سامعین محترم! ایک لمحہ کے لیے یہاں رک کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد اور پسند پر غور فرمایئے۔۔۔ خاص کر کے وہ حضرات ضرور غور کریں جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے بعد از وفات حیاتِ دنیوی کے قائل ہیں۔۔۔ اور ہمیں طعنہ دیتے ہیں کہ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات کے منکر ہیں۔۔۔ اپنے آپ کو وہ حیاتی کہتے ہیں اور ہمیں مماتی ہونے کا طعنہ دیتے ہیں۔

امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے انتقال سے چار پانچ دن پہلے زندگی کے آخری خطبہ میں دنیا کی حیات کو رد کر دیا اور آخرت کی حیات کو پسند فرمایا۔۔۔ اشاعت التوحید والسنت سے تعلق رکھنے والے علماء اور اراکین اس لحاظ سے خوش قسمت ہیں کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حیات کے قائل ہوئے جس حیات کو آپ نے خود پسند فرمایا تھا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب یہ خطبہ ارشاد فرمایا اور فَاخْتَارَ الْاٰخِرَةَ فرمایا۔۔۔

سب صحابہ خاموشی سے خطبہ سن رہے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ ایک بندے کا ذکر فرما رہے ہیں۔۔اچانک سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی سسکیوں کی آواز بلند ہوئی۔۔۔صحابہ حیران۔۔۔ کہ اس میں رونے والی کونسی بات ہے۔۔۔سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تمہیں کون بتلائے کہ بندے سے مراد خود نبی اکرم ﷺ ہیں۔اور نبی اکرم ﷺ اب ہم میں رہنا نہیں چاہتے بلکہ آپ آخرت کو پسند کر چکے ہیں۔۔۔۔سیدنا صدیق اکبر نے نبی اکرم ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا یا رسول اللہ! ہماری جانیں اور اولادیں آپ پر قربان۔۔۔۔ سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے رونے سے ہمیں تعجب ہوا کہ نبی اکرم ﷺ ایک بندے کا ذکر فرما رہے ہیں۔۔۔جس نے آخرت کو پسند کر لیا اور ابوبکر رو رہے ہیں میرے ماں باپ آپ پر قربان۔

لیکن چند دنوں کے بعد واضح ہو گیا کہ جس بندے کو اختیار دیا گیا وہ کوئی اور نہ تھا بلکہ نبی اکرم ﷺ خود تھے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ہم سب سے زیادہ صاحب علم تھے۔ (بخاری $\frac{516}{1}$)

اسی دن عشاء کی نماز کے وقت جب آپ بوجہ ضعف اور کمزوری مسجد میں تشریف نہ لا سکے تو ارشاد فرمایا:

مُرُوْا اَبَابَکْرٍ فَلْیُصَلِّ بِالنَّاسِ

ابوبکر کو کہو میرے مصلّی پر کھڑے ہو کر لوگوں کو نماز پڑھائے۔

اہل تشیع کی معتبر کتاب شرح نہج البلاغہ دُرِّ نجفیہ میں ہے:

فَلَمَّا اشْتَدَّ بِهِ الْمَرَضُ اَمَرَ اَبَا بَکْرٍ اَنْ یُّصَلِّیَ بِالنَّاسِ... وَاَنَّ اَبَا بَکْرٍ صَلّٰی بِالنَّاسِ بَعْدَ ذٰلِكَ یَوْمَیْنِ (درنجفیہ 225)

سیدہ عائشہ اور سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہما کے بار بار عرض کرنے پر کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ رقیق القلب ہیں، نرم دل ہیں، آپ کی جگہ پر کھڑے نہیں ہو سکیں گے، آپ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو

حکم دیں کہ وہ نماز پڑھائیں۔

نبی اکرم ﷺ نے تین بار یہی فرمایا کہ ابوبکر کو میری طرف سے کہیں کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔۔۔ ہفتہ یا اتوار کے دن آپ کی طبیعت ذرا سنبھلی۔۔۔ دو آدمیوں کے سہارے اپنے حجروں سے مسجد میں داخل ہوئے۔۔۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پیچھے ہٹنے لگے۔۔۔ آپ نے فرمایا: اپنی جگہ پر کھڑے رہو۔۔۔ نبی اکرم ﷺ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بائیں جانب بیٹھ گئے اور نبی اکرم ﷺ امام بن گئے اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ مکبّر بن گئے۔

(بخاری 98/1)

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سوموار کے دن آپ کی طبیعت میں بہت بہتری آ گئی تھی۔۔ صحابہ کرام نمازِ فجر کی ادائیگی میں مصروف تھے۔۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ امامت فرما رہے تھے۔۔۔ نبی اکرم ﷺ نے حجرے کی کھڑکی کا پردہ ہٹایا اور سر مبارک کھڑکی سے داخل کر کے اس خوبصورت منظر کو دیکھا۔۔۔ فَتَبَسَّمَ۔۔ نبی اکرم ﷺ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو مصلیٰ پر دیکھ کر خوشی سے مسکرائے۔۔۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرطِ مسرت سے بے قابو ہو گئے اور قریب تھا کہ لوگوں کی نماز ٹوٹ جائے۔۔۔ پھر آپ نے پردہ گرا دیا۔۔۔ یہ سب سے آخری موقع تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی اکرم ﷺ کے رخِ پُر انوار کی زیارت کی۔۔۔ چہرۂ مبارک کا یہ حال تھا گویا قرآن کا ورق ہو۔

(بخاری 94/1، مسلم 167/1)

ایک نماز کے موقع پر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ موجود نہیں تھے۔۔۔ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو امامت کے لیے آگے بڑھایا۔۔۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جونہی تکبیر کہی۔۔۔ حجرہ میں آواز پہنچی۔۔۔ نبی اکرم ﷺ نے محسوس کیا کہ آواز میرے یارِ غار کی تو نہیں۔۔۔ آپ نے فرمایا لَا، لَا، لَا۔۔۔ نہیں، نہیں، نہیں۔۔۔ ابوبکر کے علاوہ کوئی بھی امامت نہ کروائے۔۔ نبی اکرم ﷺ کی زبانِ مقدس سے جونہی یہ الفاظ ادا ہوئے۔۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ

امامت سے پیچھے ہٹ آئے۔۔۔ یہاں تک کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے اور مصلیٰ پر کھڑے ہو کر لوگوں کو نماز پڑھائی۔ (سیرت حلبیہ 387/3)

سامعین گرامی قدر! امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی امامت کے لیے صحابہ کو اتنی تاکید کرنا۔۔۔ بار بار کہنا کہ ابوبکر ہی امامت کروائیں گے۔۔۔ بڑا معنی خیز بھی ہے اور واضح اشارہ بھی ہے۔۔۔ آپ اس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بتانا چاہتے تھے کہ جس طرح میری موجودگی میں امامت میں میرا خلیفہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ہے اسی طرح میری وفات کے بعد بھی میرا جانشین اور خلیفہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی ہوگا۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔۔۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہوئے سیدنا فاروق اعظم اور سیدنا ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہما دونوں نے کہا کہ جس ابوبکر کو اللہ کے رسول نے اپنی زندگی میں اپنے مصلیٰ پر کھڑا کیا ہے اس کے ہوتے ہوئے کوئی دوسرا مسلمانوں کا امیر اور خلیفہ نہیں ہوسکتا۔

سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے بھی خلافت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بیعت کرتے ہوئے یہی بات کہی تھی کہ نماز دین کا سب سے عظیم رکن ہے۔۔۔ جس ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ہمارے نبی نے دین کا امام بنایا تھا میں اسے دنیا کے امور کا بھی امام اور پیشوا مانتا ہوں۔

اب میں آپ حضرات کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک ارشاد گرامی سنانا چاہتا ہوں جسے شیعہ اور سنی دونوں مسلک کی کتابوں نے نقل کیا ہے۔۔۔ پہلے اہل تشیع کی معتبر ترین کتاب ''فروع کافی'' سے حوالہ پیش کروں گا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

يَتَقَدَّمُ الْقَوْمَ اَقْرَأُهُمْ لِلْقُرْاٰنِ فَاِنْ كَانُوْا فِي الْقِرَاءَةِ سَوَاءً فَاَقْدَمُهُمْ هِجْرَةً سَوَاءً فَاِنْ كَانُوْا فِي الْهِجْرَةِ فَاَكْبَرُهُمْ سِنًّا فَاِنْ كَانُوْا فِي السِّنِّ سَوَاءً فَاَعْلَمُهُمْ بِالسُّنَّةِ وَاَفْقَهُهُمْ فِي الدِّيْنِ (فروع کافی 225/1)

قوم کی امامت وہ کرائے جو ان سب میں قرآن زیادہ پڑھا ہوا ہو (یاد رکھیے

اَقْرَأُهُمْ لِلْقُرْاٰنِ سے مراد لفظی تجوید نہیں بلکہ کتاب اللہ کی حقیقی معرفت اور قرآنی علوم پر دسترس مراد ہے۔۔۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اَقْرَأُهُمْ سے یہی مراد ہے یعنی قرآنی علوم کی معرفت) اگر اس وصف میں وہ سب برابر ہوں تو امامت وہ کروائے جو ہجرت میں اَقدم ہو اگر ہجرت میں بھی سب برابر ہوں تو جو عمر میں بڑا ہو اسے امام بنایا جائے اور اگر عمر میں بھی سب برابر ہوں تو پھر امام بننے کے لائق وہ ہے جو سنت کا سب سے زیادہ عالم ہو اور تفقہ فی الدین میں اسے برتری حاصل ہو (فَاَعْلَمُهُمْ بِالسُّنَّةِ کو انہوں نے چوتھے درجے میں ذکر کیا ہے، یہ صحیح نہیں ہے بلکہ اسے دوسرے درجہ میں ذکر کرنا چاہیے تھا کیونکہ ہجرت کا تقدم اور عمر کی بڑائی یقیناً علم سنت اور دین کی صحیح سمجھ کے بعد ہے) اس کی تائید ابوداؤد کی حدیث سے ہو جاتی ہے۔۔۔ وہاں ترتیب یوں ہے:

فَإِنْ كَانُوا فِي الْقِرَاءَةِ سَوَاءً فَأَعْلَمُهُمْ بِالسُّنَّةِ (ابوداؤد $\frac{86}{1}$)

پس اگر قرآن کے علم میں وہ سب برابر ہوں پھر امامت وہ کرائے جو سنت کے علم میں سب سے فائق ہو۔

اسی حقیقت کو مدنظر رکھ کر علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ سے نقل فرمایا ہے:

تَقْدِيْمُهُ لَهُ دَلِيْلٌ عَلٰى اَنَّهُ اَعْلَمُ الصَّحَابَةِ وَاَقْرَأُهُمْ (البدایہ والنہایہ $\frac{236}{5}$)

نبی اکرم ﷺ کا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو امامت کے لیے آگے کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تمام صحابہ میں سب سے بڑھ کر عالم اور کتاب اللہ کو سمجھنے والے تھے۔

امام الانبیاء ﷺ کے انتقال پُرملال کے وقت بڑے بڑے صحابہ فرطِ غم سے ہوش کھو بیٹھے۔۔۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی زبان بند ہو گئی۔۔۔ ایک دوسرے کی پہچان اور سلام کہنے اور جواب دینے کا یارا نہ رہا۔۔۔ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ سب سے بڑھ کر محبت اور

تعلق تو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا تھا۔۔۔انہیں سب سے زیادہ غمگین اور پریشان ہونا چاہیے تھا۔۔۔مگر انہوں نے بارِ خلافت اٹھانا تھا۔۔۔اس لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں حوصلہ، صبر اور استقامت عطا فرمائی۔

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جیسا شخص بھی ہوش وحواس قابو میں نہ رکھ سکا۔۔اور تلوار لے کر مسجد نبوی میں کھڑا ہو گیا۔۔کہنے لگا۔۔جو کہے گا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انتقال فرما گئے ہیں میں اس کی گردن قلم کر دوں گا۔۔۔آپ پر غشی طاری ہوئی ہے۔۔۔ابھی اٹھیں گے اور منافقین کے سر قلم کریں گے۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی سے گزرتے ہوئے اور حجرۂ عائشہ کی طرف جاتے ہوئے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی یہ گفتگو سنی۔۔۔۔اور کوئی توجہ نہ دی۔۔۔۔۔حجرۂ عائشہ میں گئے۔۔۔امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ماتھے مبارک کو چوما اور کہا:

طِبْتَ حَيًّا وَّمَيِّتًا

میرے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تیری زندگی بھی پاکیزہ اور تیری موت بھی پاکیزہ۔

(سامعین گرامی قدر! ایک لمحہ کے لیے رک کر غور فرمایئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے میّت کا لفظ سب سے پہلے کس نے استعمال کیا ہے۔۔۔؟ اگر آپ پر میّت کے لفظ کا اطلاق گستاخی اور بے ادبی ہوتا۔۔۔تو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کبھی بھی یہ لفظ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے استعمال نہ فرماتے)

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حجرہ سے مسجد میں تشریف لائے اور خطبہ دیا:

مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَإِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ وَمَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللهَ فَإِنَّ اللهَ حَيٌّ لَّا يَمُوْتُ (بخاری $\frac{640}{2}$)

تم میں سے جو شخص محمد کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عبادت کرتا ہے اور انہیں اپنا معبود سمجھتا ہے تو وہ سن لے کہ محمد کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو موت کا جام پی لیا ہے۔۔۔(کیوں جی! اصحاب رسول

میں کون ایسا تھا جو نبی اکرم ﷺ کو معبود سمجھتا تھا؟۔۔۔۔کوئی بھی نہیں تھا۔۔۔۔پھر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے یہ انداز کیوں اپنایا۔۔۔وہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو سمجھانا چاہتے ہیں کہ تم جو کہہ رہے ہو کہ محمد کریم ﷺ کا انتقال نہیں ہوا کیا تم انہیں معبود مانتے ہو؟ اگر معبود مانتے ہو تو واقعی ان پر موت نہیں آنی چاہیے اور اگر معبود نہیں بلکہ محبوب مانتے ہو تو پھر یقین کر لو کہ آپ نے موت کا جام پی لیا ہے) اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا تم میں سے جو اللہ رب العزت کو معبود مانتا ہے تو اس کا معبود ایسا زندہ ہے جس پر کبھی موت نہیں آئے گی۔

پھر اپنے اس مدعا پر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے قرآنی آیات سے استدلال فرمایا:

اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ۔۔۔ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں (ابن عباس رضی اللہ عنہما قرآن فہمی میں اتنا اعلیٰ مقام رکھتے تھے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں مشائخ بدر میں شمار فرمایا ہے)

وَاللّٰهِ لَكَاَنَّ النَّاسَ لَمْ يَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ هٰذِهِ الْاٰيَةَ حَتّٰى تَلَاهَا اَبُوْبَكْرٍ فَتَلَقَّاهَا مِنْهُ النَّاسُ كُلُّهُمْ فَمَا اَسْمَعُ بَشَرًا مِنَ النَّاسِ اِلَّا يَتْلُوْهَا

(بخاری $\frac{640}{2}$)

اللہ کی قسم! ابوبکر کے اس آیت کو تلاوت کرنے سے معلوم ہوا کہ لوگ اس سے پہلے اس آیت کو جانتے ہی نہیں تھے پس سب صحابہ نے اس آیت کو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ہی لیا میں جس آدمی کو سنتا وہ یہی آیت تلاوت کر رہا ہوتا۔

آپ نے دیکھا۔۔سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کتاب اللہ کی معرفت اور اس پر گہری نظر کس قدر رکھتے تھے۔۔ان کے استدلال میں ایک آیت کی تلاوت نے سب صحابہ کو ذوقِ قرآنی بخش دیا۔

لَقَدْ بَصَّرَ اَبُوْبَكْرِنِ النَّاسَ الْهُدٰی وَعَرَّفَهُمُ الْحَقَّ الَّذِیْ عَلَيْهِمْ وَخَرَجُوْا بِهٖ يَتْلُوْنَ (بخاری 640/2)

یقیناً سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ (ان آیات کو تلاوت کر کے) ہدایت لوگوں کی آنکھوں کے سامنے لا کر رکھ دی اور جو حق اُن پر واجب تھا اس کی پوری معرفت انہیں عطا کی پھر تمام صحابہ اس آیت کو پڑھتے ہوئے نکلے۔

سامعین گرامی قدر! سورت المجادلہ کی آیت 11 نے معیارِ فضیلت کے جو دو سبب ذکر کیے۔۔۔ ایمان اور علم۔۔۔ حالات وواقعات اور دلائل اس بات اور اس حقیقت کو ثابت کر چکے ہیں کہ ان دو اسباب کو مدنظر رکھیں تو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اصحابِ رسول کی جماعت میں سب سے آگے نظر آتے ہیں۔

افضیلت کا تیسرا معیار قرآن نے اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم کی جماعت میں افضیلت کا ایک معیار بیان فرمایا۔۔۔ فتح مکہ سے پہلے جہاد فی سبیل اللہ اور انفاق فی سبیل اللہ۔۔۔ یعنی جس شخص نے فتح مکہ سے پہلے یہ دونوں کام کیے۔۔۔ جہاد فی سبیل اللہ بھی اور انفاق بھی۔۔۔ اسی کے درجے بہت بلند ہیں۔

لَا يَسْتَوِیْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقَاتَلُوْا وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى (الحدید 10)

تم میں سے برابر نہیں جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے اللہ کی راہ میں مال خرچ کیا اور جہاد کیا ان کا درجہ بعد والوں سے بہت عظیم اور بلند ہے اور جنت کا وعدہ اللہ نے سب سے کر رکھا ہے۔

اب ذرا حدیث اور تاریخ کے آئینے میں دیکھتے ہیں کہ دین کی ترقی اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کس طرح فراخ دلی سے مال خرچ کر رہے ہیں۔۔۔ ایک موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا اعتراف کرتے ہوئے فرمایا:

مَا نَفَعَنِیْ مَالٌ قَطُّ مَا نَفَعَنِیْ مَالُ اَبِیْ بَکْرٍ فَبَکٰی اَبُوْبَکْرٍ وَقَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ ھَلْ اَنَا وَمَالِیْ اِلَّا لَکَ (ابن ماجہ $\frac{10}{2}$)

جتنا نفع اور فائدہ مجھے ابوبکر کے مال سے پہنچا ہے اتنا فائدہ مجھے کسی کے مال سے نہیں پہنچا، سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ یہ سن کر رو پڑے اور کہا یا رسول اللہ! میں اور میرا مال تو ہیں ہی آپ کے لیے۔

ذرا غور فرمائیں! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں صرف مال کا ذکر فرمایا تھا۔۔۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس کے ساتھ اپنی جان کا بھی تذکرہ کر دیا۔۔۔۔۔۔ معلوم ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جان کا وقف ہونا مسلّم چیز تھی۔۔۔ جس کا تذکرہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر خود فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ بَعَثَنِیْ اِلَیْکُمْ فَقُلْتُمْ کَذَبْتَ وَقَالَ اَبُوْبَکْرٍ صَدَقَ وَوَاسَانِیْ بِنَفْسِہٖ وَمَالِہٖ (بخاری $\frac{517}{1}$)

اللہ نے مجھے تمہاری طرف مبعوث فرمایا تم نے میری تکذیب کی اور ابوبکر نے میری تصدیق کی اور اپنی جان اور مال سے میرا ساتھ دیا۔

آیئے دیکھتے ہیں! اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم کی جماعت میں ایسے خوش نصیب لوگ بھی ہیں جو اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے میں بڑا امتیازی مقام رکھتے ہیں۔۔۔ جیسے سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ اور ایسے خوش بخت بھی ہیں جو جہاد فی سبیل اللہ اور قتال فی سبیل اللہ میں انفرادی مقام رکھتے ہیں جیسے سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ۔۔۔ مگر انفاق فی سبیل اللہ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ نمایاں نہ ہو سکے کیونکہ ان کے مالی حالات اچھے۔۔۔ اور مالی وسعت انہیں حاصل نہیں تھی۔

مگر جہاد فی سبیل اللہ اور انفاق فی سبیل اللہ۔۔۔ یہ مجموعی شان اور عظمت جسے قرآن نے اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً کے پروقار انداز میں ذکر کیا۔۔۔ کہ جن لوگوں نے فتح

مکہ سے پہلے جہاد وقتال بھی کیا اور انفاق فی سبیل اللہ بھی کیا ان کے درجے بہت بلند ہیں۔۔۔ یہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر بڑی مضبوط اور وزنی دلیل ہے کیونکہ یہ دونوں وصف ان میں بدرجہ اتم موجود تھے۔

حضرات گرامی قدر! بلندیٔ درجات اور افضلیت کی تین وجوہات اور تین اسباب جو قرآن نے بیان کیے ہیں۔۔۔ اور ان تین اسباب کے آئینے میں دیکھیں۔۔۔ تو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فائق، اعلیٰ اور آگے نظر آئیں گے۔۔۔ اسی لیے سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

كَانَ أَفْضَلَهُمْ فِي الْإِسْلَامِ (شرح نہج البلاغہ 486)

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اسلام میں سب صحابہ سے افضل ہیں۔

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

كُنَّا نَقُوْلُ فِيْ عَهْدِ النَّبِيِّ لَا نَعْدِلُ بِأَبِيْ بَكْرٍ أَحَدًا ثُمَّ عُمَرَ

(ابوداؤد $\frac{236}{2}$)

ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے تھے۔

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں:

ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں کہا کرتے تھے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد امت میں سب سے افضل ابوبکر ہیں ان کے بعد عمر، اور پھر عثمان رضی اللہ عنہم۔ (ابوداؤد $\frac{236}{2}$)

اسی حقیقت کو سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اس وقت بیان فرمایا جب ان سے ان کے بیٹے محمد نے پوچھا:

أَيُّ النَّاسِ خَيْرٌ بَعْدَ رَسُوْلِ اللهِ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد لوگوں میں افضل کون ہے؟ (یعنی امت میں)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

ابوبکر اور ان کے بعد عمر (رضی اللہ عنہما) (ابوداؤد 236/2)

میں اپنی تقریر کو امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس مبارک ارشاد پر ختم کرتا ہوں:

اَمَا اَنَّكَ يَا اَبَا بَكْرٍ اَوَّلُ مَنْ يَّدْخُلِ الْجَنَّةَ مِنْ اُمَّتِيْ (ابوداؤد 236/2)

میری امت میں سب سے پہلے جنت میں داخل ہونے والے ابوبکر ہوں گے۔

وما علینا الا البلاغ المبین

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ الْاَمِيْنِ

وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ (الزمر 33)

حضرات گرامی قدر! مکہ مکرمہ میں جب امام الانبیاء، تاجدارِ کونین، رحمۃ للعالمین حضرت سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلانِ نبوت فرمایا اور پیغامِ حق سنایا تو مکہ کا پورا معاشرہ، پورا ماحول اور پوری آبادی کے لیے یہ پیغام اور یہ اعلان انوکھا بھی تھا اور نرالا بھی۔۔۔ جسے سن کر ہر چھوٹا بڑا، ہر غریب اور امیر، ہر مرد و عورت سناٹے میں آ گئے۔۔۔ وہ سوچنے لگے کہ یہ کیسا پیغام ہے۔۔۔؟ یہ کیسا اعلان ہے۔۔۔؟ اور یہ کیسی دعوت ہے۔۔۔؟ کہ معبود صرف ایک ہے اور ہمارے تین سو ساٹھ معبود عاجز و بے بس ہیں۔۔۔ یہ کیسی دعوت ہے جس سے باپ دادا کے مذہب پر زد پڑتی ہے۔

یہ اعلانِ رسالت اور پیغامِ الٰہی سن کر مکہ کی پوری آبادی مخالفت پر کمربستہ ہو گئی۔۔۔ بہتان باندھنے لگے۔۔۔ پھبتیاں کسنے لگے۔۔۔ پتھر برسانے لگے۔۔۔ کانٹے بچھانے لگے۔۔۔ گلے میں رسیاں ڈالنے لگے۔

اور یہ حقیقت تو آپ جانتے ہی ہیں کہ ہر تحریک اور ہر نیا پروگرام اس کے پھیلانے کے لیے قربانیاں دینی پڑتی ہیں۔۔۔ اور اس تحریک اور پیغام کو آگے بڑھانے کے لیے کچھ مخلص دوستوں، باوفا ساتھیوں اور جیالے پروانوں کی ضرورت ہوتی ہے۔۔۔ ظاہر بات ہے ایک نئی آواز کے اٹھتے ہی اور نئی تحریک کے شروع ہوتے ہی سننے والوں کے دماغ میں کئی ابتدائی اور بنیادی سوال اور باتیں ابھرتی ہیں کہ یہ آواز لگانے والا کون ہے۔۔۔؟ اس کا ماضی کیا ہے۔۔۔؟ مستقبل میں کیا چاہتا ہے۔۔۔؟ اور یہ اپنی دعوت میں مخلص بھی ہے یا نہیں۔۔۔؟ اور اس دعوت کے قبول کرنے میں نفع کتنا ہوگا اور نقصان کتنا اٹھانا ہوگا۔۔۔؟ اور اس نئی دعوت اور نامانوس آواز کو پھیلانے میں کتنی رکاوٹیں ہوں گی۔۔۔؟ کتنے مصائب جھیلنے ہوں گے۔۔۔؟ کتنی تکالیف کا سامنا ہوگا۔۔۔؟ کتنے طعنے برداشت کرنے پڑیں گے۔۔۔؟ پھر اس دعوت کی کامیابی کی کوئی امید بھی ہے یا نہیں۔۔۔؟ اور اگر کامیابی ہوگی تو ہمیں کتنا فائدہ ہوگا۔۔۔؟ مال وجائیداد اور دولت دنیا ملے گی۔۔۔؟ زر۔۔۔ زن اور زمین میں سے کچھ حاصل ہوگا۔۔۔؟ اقتدار میں سے کچھ حصہ مل جائے گا۔۔۔؟

ہر نئی آواز اٹھتے ہی اور ہر نئی تحریک کے شروع ہوتے ہی یہ بنیادی سوال اور یہ سوچ ہر شخص کے ذہن میں ضرور پیدا ہوتی ہے۔۔۔۔۔ پھر دعوتِ حق، اعلانِ رسالت، پیغامِ نبوت اور دعوتِ توحید کی تحریک کے لیے تو بہت دشواری ہوتی ہے، بہت مشکلات ہوتی ہیں۔۔۔ اس میں دنیا کا کوئی فائدہ نظر نہیں آتا۔۔۔ باپ دادا کے مذہب پر زد پڑتی ہے۔۔۔ مخالفت اور مشکلات کا سامنا کرنا ہوتا ہے اور اس دعوت کو قبول کر لینے کے بعد سر دھڑ کی بازی لگانی ہوتی ہے۔۔۔ جان ہتھیلی پر رکھنی ہوتی ہے۔۔۔ آسمان وزمین کی مخالفت مول لینی پڑتی ہے۔۔۔ مال نرغے میں، آبرو خطرے میں، کامیابی کی کوئی امید۔۔۔؟ کہ جی یہ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اچھا اگر کامیاب ہوگئے تو کوئی دولت مال، اور جائیداد ملنے کی کچھ

امید، حکومت، عہدہ، زروزن زمین کا وعدہ۔۔۔ کہ بالکل نہیں بلکہ جو دنیا کا خواہش منداور طلب گار ہے وہ ادھر کا رخ بھی نہ کرے۔۔۔ پھراس تحریک میں شمولیت اور اس کے لیے محنت سے فائدہ اور مقصد کیا ہوگا کہ صرف نیلی چھت والے کی رضااور خوشنودی کا حصول۔

اب ایسی بظاہر خشک دعوت کو کون قبول کرے۔۔۔؟ اور اپنے آپ کو مصائب ومشکلات کے حوالے کون کرے؟ دکھ کون سہے؟ اور بن دیکھے معبود کی رضا کے لیے دکھوں کی آگ میں کون کودے۔۔۔؟ ہر شخص اپنے دل اور دماغ سے سوچے گا۔۔۔ سوچ وبچار کرے گا اور غور وتدبر کرے گا کہ اس دعوت پر اٰمَنَّا وَصَدَّقْنَا کہہ دوں یا کچھ انتظار کروں۔۔۔؟ انتظار کروں آگے کیا ہوتا ہے، تیل دیکھوں تیل کی دھار دیکھوں۔۔۔ کچھ بات واضح ہوجائے۔۔۔ معاملہ نکھر جائے اور حقیقت عیاں ہوجائے پھر اس دعوت کو تسلیم کرنے یا رد کرنے کے بارے سوچوں گا۔

مگر جو خوش قسمت لوگ اور مخلص اشخاص پہلے دن ہی بلاسوچے سمجھے داعی کی صداقت وحقانیّت اور اخلاص پر اعتماد کر کے اس دعوت پر لبیک کہہ دیتے ہیں وہی لوگ تاریخ میں امر ہوجاتے ہیں۔

اسی لیے رحمت کائنات، سرورِ کونین ﷺ نے فرمایا ہے کہ میں نے جس کسی کے سامنے اپنی دعوت پیش کی ہے اس نے نشانی مانگی ہے۔۔۔ معجزہ طلب کیا ہے۔۔۔ کہ چاند کو دوٹکڑے کردو مان لیں گے۔۔۔ کنکریاں کلمہ پڑھ لیں مان جائیں گے۔۔۔ فلاں کام ہوجائے مان جائیں گے۔۔۔ میں نے جس کسی کے سامنے بھی دعوت پیش کی ہے اس نے معجزہ مانگا ہے۔۔۔ نشانی مانگی ہے، ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کیا ہے، مشورہ کروں گا، بابا سے پوچھوں گا پھر کلمہ پڑھوں گا۔۔۔ مگر لوگوں میں صرف ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی ایسا ہے جس نے مجھ سے کوئی نشانی طلب نہیں کی، کوئی معجزہ نہیں مانگا، مہلت نہیں مانگی، میں نے کہا میں اللہ کا رسول ہوں اور اس نے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر کہا اگر تم اللہ کے رسول ہوں تو ابوبکر تیرا پہلا امتی

ہے۔

میں اس دعوت میں آپ کا رفیق ہوں، میں آپ کا ساتھی ہوں، میں آپ کا دوست ہوں، پھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اس دنیا میں ہر شخص کے ایک دو رفیق اور دوست ضرور ہوتے ہیں۔ مگر دو شخصوں کے درمیان دوستی اور رفاقت کس طرح ہوتی ہے۔۔۔؟ دوستی اور محبت دراصل مزاج اور عادات کی ہم آہنگی سے پیدا ہوتی ہے۔ دو شخصوں کے درمیان جتنی ہم آہنگی اور یگانگت ہوگی اتنی ہی ان کے درمیان محبت زیادہ ہوگی، اتنی ہی ان کے مابین دوستی پروان چڑھے گی اور پیار بڑھتا جائے گا۔

مگر رفاقت اور یگانگت زندگی کے تمام شعبوں، گوشوں اور حصوں میں نہیں ہوتی۔ بعض حصوں میں رفاقت اور یگانگت ہوگی تو بعض میں نہیں ہوگی۔ اگر دونوں کے معاملات ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہوں گے تو ضروری نہیں کہ ان کے نظریات بھی ملتے ہوں۔۔ مذہب میں ہم آہنگی ہوگی تو سیاست میں نہیں ہوگی۔۔۔ صلح کے معاملات میں موافقت اور یگانگت ہوگی تو جنگ میں نہیں ہوگی۔۔۔ مزاج میں اور عادات میں یگانگت ہوگی تو ہوسکتا ہے ان کی ادائیں مختلف ہوں۔۔۔ دنیا کے معاملات میں موافقت و یگانگت ہوگی تو دین داری میں نہیں ہوگی۔

مگر دنیا میں صرف نبی ﷺ اور صدیق رضی اللہ عنہ کی رفاقت اور دوستی ایسی مکمل اور کلی رفاقت اور دوستی ہے کہ ان دونوں کے صرف مزاج میں نہیں، اداؤں میں بھی یگانگت ہے۔ زندگی کی ہر بات آپس میں ملتی ہے۔۔۔ بچپن سے لے کر جوانی تک۔۔۔ جوانی سے نبوت تک۔۔۔ نبوت سے ہجرت تک۔۔۔ اور ہجرت سے بدر تک۔۔۔ بدر سے فتح مکہ تک۔۔۔ فتح مکہ سے حجۃ الوداع تک۔۔۔ اور حجۃ الوداع سے وفات تک۔۔۔ ہر ہر لمحہ دوستی میں ڈھل گیا۔۔ ایک ایک ادا میں اتحاد اور یگانگت ہے۔۔۔ دین میں، سیاست میں، معاملات میں، رہن سہن میں، رفتار میں، گفتار میں، چال ڈھال میں، نشست و برخاست

میں، شادی وغمی میں، کردار میں، اعمال میں، افعال میں، فطرت میں، غرضیکہ ایک ایک بات میں موافقت ہے، اتحاد ہے، یگانگت ہے اور ہم آہنگی ہے۔

ساری زندگی اس دوستی میں بال برابر فرق نہیں آیا بلکہ دن بدن یہ رفاقت پروان چڑھتی رہی اور بڑھتی رہی۔۔۔ دوستی کا یہ رشتہ کسی موڑ پر ٹوٹا نہیں اور ساتھ کبھی چھوٹا نہیں۔۔۔ یہ آپس میں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوئے۔

کچھ چیزیں اور کچھ کام انسان کے بس میں ہوتے ہیں، ان چیزوں میں مُحبّ کوشش کرتا ہے کہ اپنے محبوب کی ادائیں اپنا لے اور اپنے مزاج کو محبوب کے مزاج کے تابع کر دے، اپنی طبیعت کو محبوب کی طبیعت کے مطابق بنا لے۔ شاعر کہتا ہے:

عاشقی چیست بگو بندۂ جاناں بودن

کہ عاشقی محبوب کی غلامی کا نام ہے۔ چلو ان چیزوں میں جو اختیاری تھیں اور انسان کے اختیار اور بس میں تھیں ان میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے آپ کو نبوت کے رنگ میں رنگ لیا۔۔۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ادائیں اپنا لیں۔۔۔ مگر جو چیزیں اور افعال انسان کے بس میں نہیں ہیں بلکہ غیر اختیاری ہیں اور اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان باتوں میں بھی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وصدیق رضی اللہ عنہ کو اکٹھا اور جمع کر دیا۔۔۔ دونوں کی عمریں ایک سی 63 سال۔۔۔ دونوں کی آخری بیماری بھی ایک۔۔۔ مرض کا سبب بھی ایک۔۔۔ مرض کی مدت بھی ایک۔۔۔ وفات کا دن بھی ایک۔۔۔ وفات کا وقت بھی ایک۔۔۔ بیماری کی نوعیت، بیماری کی شدت اور مدت بھی ایک۔۔۔ زندگی کے آخری الفاظ بھی ایک۔۔۔ اور آخری وصیّت بھی ایک۔۔۔ آخری دعا بھی ایک۔۔۔ جس تختے پر دونوں کو غسل دیا گیا وہ تختہ بھی ایک۔۔۔ دفن کا وقت (دونوں کی تدفین رات کو ہوئی) بھی ایک۔۔۔ اور دونوں کی آخری آرام گاہ بھی ایک۔۔۔ دونوں نے کوئی ترکہ نہیں چھوڑا۔۔۔ اور دونوں کی میراث تقسیم نہیں ہوئی۔

ہر ہر بات خواہ اختیاری ہو یا غیر اختیاری، اس میں ابو بکر رضی اللہ عنہ اور محمد کریم ﷺ کے مابین یگانگت اور اتحاد ہے، موافقت اور ہم آہنگی ہے۔ امام الانبیاء، سرورِ کونین ﷺ نے فرمایا تھا میں اور ابو بکر ایک مٹی اور ایک خمیر سے پیدا ہوئے ہیں۔ ان کا خمیر ایک تھا، ان کا ضمیر ایک تھا، ان کی عادات ایک سی تھیں اور ان کا مزاج ایک سا تھا۔

میں عرض کر رہا تھا نبی ﷺ و صدیق رضی اللہ عنہ دونوں نے کوئی ترکہ، کوئی مال، جائیداد اور دنیا کی کوئی دولت وراثت میں نہیں چھوڑی۔

سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کا جب آخری وقت تھا اور ان کے سرہانے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیمار پرسی کے لیے بیٹھی تھیں۔۔۔۔۔ یہ بھی عجیب اتفاق تھا اور عجیب موافقت تھی کہ جب نبی اکرم ﷺ کا آخری وقت تھا تو اس وقت بھی امام الانبیاء ﷺ کے پاس سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا موجود تھیں اور جب سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کا آخری وقت تھا اس وقت بھی ان کے سرہانے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیٹھی ہوئی تھیں۔

(سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فخر کے ساتھ کہتی تھیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے کچھ فضیلتیں ایسی عطا فرمائیں ہیں جو کائنات میں کسی بھی عورت میں نہیں پائی جاتیں کہ نبی اکرم ﷺ کی وفات میری باری کے روز ہوئی، میری جھولی میں ہوئی، اور میرے حجرے میں ہوئی اور آپ کی آخری آرام گاہ میرا حجرہ بنا۔ میں نبی اکرم ﷺ کی تمام ازواج میں سے کنواری تھی جو آپ کے نکاح میں آئی۔۔۔۔ میرے بستر پر جبریل امین وحی لے کر اترتا رہا، کسی اور بیوی کے بستر پر وحی نہیں اتری۔۔۔ اور صرف وحی نہیں لایا بلکہ کہا یا رسول اللہ! عائشہ سے کہیے گا کائنات کا رب سلام کہتا ہے۔۔۔ اور میں نے جبریل امین کو اس کی اصلی صورت میں دیکھا۔۔۔ جب مجھ پر منافقین نے بہتان باندھا تو میری صفائی کے لیے قرآن کی آیات اتریں۔)

سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنی وہی چادر جو بیماری میں استعمال ہوتی رہی تھی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا

کو دی اور فرمایا بیٹی اسے دھولو اور اس میں مجھے کفن دے دینا کہ آج تیرے باپ کے پاس اس چادر کے سوا کوئی اور کپڑا موجود نہیں ہے۔

ذرا غور کیجیے! یہ لفظ وہ کہہ رہا ہے جو مکہ مکرمہ کا معزز اور متموّل تاجر تھا۔۔۔ کپڑے کی چار دو کانیں اس کی ملکیت تھیں۔۔۔ اور جب ہجرت کے سفر میں رفیق سفر بنا ہے تو چالیس ہزار درہم ساتھ لے کر نکلا ہے۔۔۔ پھر یہ سب کچھ اسلام کی ترقی کے لیے خرچ کر دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے وقف کر دیا۔ گھر بار لٹا دیا اور آج زندگی کے آخری دن اس کے پاس کفن کے لیے بھی کچھ پیسہ نہیں ہے جبکہ وہ مملکت اسلامیہ کا حکمران ہے۔ اُن لوگوں کو شرم و حیا نہیں آتی جو روز و شب کہتے ہوئے نہیں تھکتے کہ ابوبکر تو دنیا کے لالچ میں مسلمان ہوئے تھے۔

بد بختو! سنو! سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے لیے اپنے گھر والوں کے لیے۔۔۔ اپنی اولاد کے لیے کیا جمع کیا ہے؟ کتنا زیور، کتنا سونا چاندی وراثت میں چھوڑا ہے۔۔۔؟ کتنے مویشی چھوڑے ہیں؟ کتنی زمینیں اور باغات بنائے ہیں؟ اس کے ہاں تو آج کفن کے لیے ابھی سوائے پرانی چادر کے کچھ نہیں ہے۔

کہا عائشہ بیٹی! مجھے اس پرانی چادر میں کفن دے دینا۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں بابا! پرانی چادر میں کیوں؟ ہم کفن کے لیے نئی چادریں خریدیں گے۔۔۔ کہا عائشہ بیٹی! نئے کپڑوں کے زیادہ حقدار زندہ لوگ ہوتے ہیں مرنے والے کے لیے نئے کپڑے کیا اور پرانے کپڑے کیا۔

(ایک لمحہ کے لیے یہاں ٹھہریئے۔۔۔ توجہ سے سنیے اور غور کیجیے! خاص کر وہ حضرات ذرا زیادہ سوچیں جو ریشمی اور قیمتی چادریں قبروں پر چڑھا آتے ہیں۔۔۔ اسلام کا مزاج دیکھا ہے ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے لیے نئے کپڑے کا کفن بھی پسند نہیں کر رہے اور اسے اسراف سمجھ رہے ہیں چہ جائیکہ قبر پر مخمل اور ریشم کے کپڑے ڈال دیئے جائیں۔

غریب کی بیٹی کے سر پر یخ بستہ سردیوں میں چادر تک نہیں ہوتی، غریب کا معصوم بیٹا خیمے میں سردی سے ٹھٹھک ٹھٹھک کر جان دے دیتا ہے اور یہاں مزاروں پر چادریں چڑھائی جاتی ہیں۔)

خیر میں عرض کر رہا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صدیق رضی اللہ عنہ کے مزاج و عادات اور اداؤں تک میں ہم آہنگی، یگانگت اور اتحاد پایا جاتا ہے تو اعمال و افعال میں بھی رفاقت اور ہم آہنگی موجود ہے۔

میں اس کی کچھ تفصیل عرض کرنا چاہتا ہوں کہ کہاں کہاں اور کیسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی سیرت و زندگی کے اکثر حصوں میں یگانگت اور مشابہت موجود ہے۔ ذرا دیکھیے۔

اعلانِ نبوت کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تکالیف و مصائب کا سامنا کیا، آپ پر ستم کے پہاڑ ٹوٹے، ظلم کی انتہاء ہوئی لیکن آپ پر آنے والے ان مصائب پر کچھ زیادہ تعجب بھی نہیں ہے کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام اپنی زندگی میں پیغامِ حق پہنچانے اور اس جدوجہد میں اذیت ناک باب اور مرحلے سے گزرے ہیں۔ جو نبی جتنا بلند شان، بالا قدر اور اولوالعزم ہوا وہ اتنا ہی آزمائش میں، امتحان و ابتلاء میں اور مصائب و مشکلات میں مبتلا ہوا۔

تعجب تو اس بات پر ہے کہ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جانشین، ساتھی اور رفیق اس میدان میں اسی طرح پتھر کھاتا ہے جس طرح امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پتھر کھائے۔۔۔ وہ اسی طرح لہولہان ہوتا ہے اور لہولہان ہو کر کعبہ کے فرش کو رنگین بناتا ہے جس طرح اس کے محبوب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زمین طائف کو لہو رنگ کیا۔۔۔۔۔۔۔ وہ اسی طرح بے ہوش ہو کر گرتا ہے جس طرح امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بے ہوش ہو کر گرے۔۔۔ وہ اسی طرح زخموں سے چور بدن کے ساتھ اٹھایا جاتا ہے جس طرح رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زخمی وجود کے ساتھ اٹھایا جاتا ہے۔

یعنی سیرت و کردار کی مماثلت و مشابہت کے بعد وعظ و تبلیغ کے میدان میں بھی ہم آہنگی پائی جاتی ہے اور وعظ و تبلیغ کے بعد مصائب و تکالیف اور آزمائش کے میدان میں بھی مشابہت و یگانگت پائی جاتی ہے۔

امام الانبیاء سرورِ کونین ﷺ نے اعلانِ نبوت اور پیغامِ توحید کے پہلے روز کوہِ صفا پر اپنے بدن کو لہولہان کروایا اور پھر ایک دن طائف کے شہر میں طائف کے سرداروں کو دعوتِ توحید دینے تشریف لے گئے تو وہاں کے اوباش طبع لوگوں نے اپنے سرداروں کے کہنے پر آپ پر پتھر برسائے، بدن لہولہان ہو گیا، خون پاؤں مبارک تک جا پہنچا۔۔۔ اور وہ خون جوتیوں میں جم گیا، آپ نڈھال ہو کر بیٹھ گئے۔۔۔ غنڈوں نے بغل میں ہاتھ دے کر زبردستی کھڑا کر دیا اور پھر پتھروں کی بارش شروع ہوئی، آپ کو اتنا ستایا گیا، اتنی تکلیف دی گئی کہ ایک موقع پر آپ نے فرمایا اگر تمام انبیاء پر آنے والی مصیبتوں اور تکالیف کو جمع کیا جائے تو طائف میں مجھ پر ہونے والے مصائب اور دکھ کا مقابلہ نہ کر سکیں۔

اب ذرا تصویر کا دوسرا رخ بھی دیکھیے!

ذرا رفیقِ ہجرت کو دیکھو! ایک روز نبی اکرم ﷺ سے اجازت مانگی کہ میں بیت اللہ میں اعلانیہ دعوتِ توحید دینا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا ٹھہر جاؤ ابھی وہ وقت نہیں آیا۔ ایک روز پھر اجازت چاہی، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ابھی نہیں کچھ دن اور انتظار کر لیں۔ ایک دن پھر اصرار کر کے اجازت مانگی، آپ نے اجازت دے دی۔

اب امت کا پہلا خطیب بیت اللہ میں آیا اور لاَ اِلٰہ الا اللہ کا نعرۂ مستانہ لگایا۔۔۔ جس سے تین سو ساٹھ معبودوں کی نفی ہوتی تھی اور صرف ایک اللہ کی معبودیت کا اقرار تھا۔۔۔ بھلا مشرکین مکہ اس نعرے کو کب برداشت کر سکتے تھے وہ ٹوٹ پڑے اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اس قدر مارا کہ وہ لہولہان ہو گئے اور بے ہوش ہو گئے۔ برادری کے لوگ اٹھا کر لائے، پورا ایک دن بے ہوش رہے، گھر والوں نے سمجھا بچنا مشکل ہے، ان زخموں

سے جانبر نہ ہوسکیں گے، رات کے وقت ہوش میں آئے تو پہلا سوال لب پر آیا کہ میرے محمد ﷺ کا کیا حال ہے؟ آپ کو تو کوئی تکلیف نہیں پہنچی۔ ماں نے کہا (جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئی تھی) کہ بیٹا! جن کی خاطر مار پڑی ہوش آنے پر انہی کا نام لیتے ہو۔۔۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ماں کے تیور بدلے بدلے سے ہیں اور ماں نبی اکرم ﷺ سے ملاقات کی راہ میں رکاوٹ بن رہی ہے۔۔۔ تو کہا ماں! تیرے ہاتھ کی کوئی شئی اس وقت تک نہیں کھاؤں گا اور نہ پیوں گا جب تک محمد کریم ﷺ کا چہرۂ پُرانوار کو نہیں دیکھ لیتا۔

پھر دونوں بازوؤں سے دو آدمی سہارا دے کر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دارِ ارقم لائے جہاں نبی اکرم ﷺ تشریف فرما تھے۔ پھر یہ منظر آسمان نے بھی دیکھا اور فرشتوں نے بھی دیکھا کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ جب کمرے میں داخل ہوئے تو کائنات کے آقا ﷺ استقبال کے لیے آگے بڑھے اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو سینے سے لگا لیا اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ والے سینے سے چمٹ گئے۔

اب رحمت کائنات ﷺ روتے بھی جاتے ہیں اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بوسے بھی لیتے جاتے ہیں۔۔۔ پوچھا ابوبکر! زیادہ چوٹیں تو نہیں آئیں، تمہارے زخم کیسے ہیں؟ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا آقا! جو کچھ بھی ہوا آپ کا چہرۂ پُرانوار دیکھ کر سب دکھ اور زخم بھول گیا ہوں۔

☆ اب ذرا استقامت و مضبوطی میں نبی و صدیق میں مماثلت اور مطابقت دیکھیے۔۔ امام الانبیاء ﷺ کی بے مثال دعوت و تحریک کو غیر مؤثر بنانے کے لیے دشمنانِ دین نے کبھی لالچ دیا اور کبھی مصائب اور دکھ کے پہاڑ توڑے۔۔۔ گالیاں بکیں۔۔۔ خطرناک نتائج کی دھمکیاں دیں۔۔۔ بہتان باندھے۔۔۔ مذاق اڑایا۔۔۔ کانٹے بچھائے مگر تاجدار کائنات ﷺ نے پوری جرأت سے فرمایا مجھے قسم ہے کعبہ کے رب کی میں کفار سے دین کی سربلندی کے لیے لڑتا رہوں گا یہاں تک کہ کفر مٹ جائے اور اللہ کا دین غالب آجائے یا

میری جان چلی جائے۔

ایک موقع پر جب کفارِ مکہ نے ابو طالب سے کہا تھا کہ تیرے بھتیجے کی دعوت وتبلیغ سے ہم تنگ آ گئے ہیں وہ ہمارے معبودوں کی توہین کرتا ہے، ہمارے معبودوں کو گالیاں نکالتا ہے (جب بھی مسئلہ توحید بیان کیا جائے اور مشرکین کی دکھتی رگوں پر ہاتھ رکھا جائے تو وہ تلملا اٹھتے ہیں اور دلائل کا خانہ گالیوں سے پُر کرتے ہیں۔۔۔ کہتے ہیں یہ نبیوں کے دشمن ہیں۔۔۔ یہ معجزات کے منکر ہیں۔۔۔ پیروں کو نہیں مانتے۔۔۔ کرامات سے انکاری ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بڑے بھائی جیسا سمجھتے ہیں)

مشرکین نے کہا: ابو طالب تم اپنے بھتیجے کو سمجھاؤ اور اسے ہماری طرف سے پیشکش کرو کہ وہ عرب کی سرداری چاہتا ہے تو ہم اسے دینے کے لیے تیار ہیں۔۔۔ اس کی بیوی عمر میں اس سے پندرہ سال بڑی ہے وہ مکہ کی جس عورت سے شادی کرنا چاہتا ہے ہم اس کے لیے بھی تیار ہیں۔۔۔ اور اگر دولت دنیا چاہتا ہے جتنی دولت اور مال مانگ سکتا ہے مانگے تو ہم منہ مانگی دولت اس کے قدموں میں ڈھیر کر دیتے ہیں۔۔۔ دولت، عورت، حکومت میں سے جو کچھ لینا چاہتا ہے لے لے ہمارا مطالبہ صرف اتنا ہے کہ اِئْتِ بِقُرْاٰنٍ غَیْرِ ھٰذَآ۔۔۔ اس قرآن کے علاوہ کوئی اور قرآن لائے۔ اس قرآن میں بڑے سخت مسئلے ہیں۔۔۔ یہ قرآن ہمارے مشکل کشاؤں کے پلّے کچھ نہیں چھوڑتا۔۔۔ اور اگر پورا قرآن ہماری مرضی کے مطابق نہیں لا سکتا تو کم از کم۔۔۔ بَدِّلْهُ۔۔۔ اس میں تھوڑی سی تبدیلی کر دے۔۔۔ تھوڑی سی ترمیم کر دے۔۔۔ جن آیات میں بڑے واضح انداز میں ہمارے معبودوں اور مشکل کشاؤں کی بے بسی، بے کسی بیان ہوئی ہے اس میں معمولی تبدیلی کر دے۔

یہ جو کہتا ہے کہ تمہارے سارے معبود مل جائیں، اپنی پوری قوت لگائیں، ہمت لگائیں تو ایک مکھی بھی نہیں بنا سکتے۔۔۔ آگے کہا:

وَإِنْ يَسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَا يَسْتَنْقِذُوهُ مِنْهُ

مکھی بنانا تو بہت دور کی بات ہے۔ مکھی بنانا پڑی تو اس کی آنکھیں بنانی پڑیں گی، کان بنانے ہوں گے، منہ بنانا ہوگا، دل، معدہ اور جگر بنانا ہوگا، پَر بنانے ہوں گے، ہاتھ پاؤں بنانے ہوں گے، پھر روح ڈالنی ہوگی۔۔۔ فرمایا جنہیں تم مشکل کشا کہتے ہو، جنہیں تم حاجت روا سمجھتے ہو، جن کی قبروں مزاروں پر سجدے کرتے ہو، دیگیں چڑھاتے ہو، انہیں غائبانہ حاجات میں پکارتے ہو، ان سے اولاد مانگتے ہو، انہیں نفع ونقصان کا مالک سمجھتے ہو، ان سے شفائیں طلب کرتے ہو، ان کے نام کی نذر ونیاز دیتے ہو، منتیں مانتے ہو، اور جن کے متعلق کہتے ہو وہ کرنیاں بھرنیاں والے ہیں، کھوٹی قسمتیں کھری کر دیتے ہیں، جنہیں سب کچھ سمجھتے ہو وہ زندہ ہوں یا موت کا جام پی چکے ہوں اگر ان سے مکھی کوئی شئی چھین کر لے جائے تو تمہارے سارے معبود اور مشکل کشا مل کر مکھی سے اپنا نقصان واپس نہیں لے سکتے۔

ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوبُ (الحج 73)

مانگنے والا بھی کمزور اور جس سے مانگا جا رہا ہے وہ بھی کمزور۔

مشرکین کہنے لگے ہمارے معبودوں کی اتنی توہین۔۔۔ اس لیے تو اپنے بھتیجے سے اتنا کہہ دے۔۔۔ اَوْ بَدِّلْهُ۔۔۔ اس قرآن کو بدل دے اور تھوڑی سی نرمی اختیار کرلے۔۔۔ اور اگر تیرا بھتیجا ہماری اس آفر کو قبول نہیں کرتا تو تم اپنا ہاتھ اس سے اٹھا لو پھر ہم جانیں اور وہ جانے۔۔۔ تم راستے سے ہٹ جاؤ۔

ابو طالب تاجدارِ کونین ﷺ کی خدمت میں آیا، مشرکین کی پیشکش کا ذکر کیا اور کہا بھتیجے میں بوڑھا ہو گیا ہوں تیرا دفاع بھی اچھی طرح نہیں کر سکتا تو اُن کی بات مان لے اور کچھ نرمی اختیار کرلے۔۔۔ کونین کے امام ﷺ نے کہا چچا۔۔۔! آپ کو یہ غلط فہمی کب سے ہوئی ہے کہ میں دعوتِ حق تیرے سہارے دے رہا ہوں، آپ کل نہیں ابھی اور اسی

وقت مجھ سے جدا ہو جائیں اور جا کے مشرکین سے کہہ دے کہ دیں تم دنیا کی دولت اور مال کی بات کرتے ہو، عورت اور بادشاہی کی بات کرتے ہو۔۔۔ مجھے قسم ہے رب کائنات کی اگر تم میرے دائیں ہاتھ پر سورج کا نظام لاکر رکھ دو اور بائیں ہاتھ پر چاند کا نظام رکھ دو پھر بھی میں اپنے موقف سے دستبردار ہونے کے لیے تیار نہیں ہوں۔۔۔ میں نرمی اختیار کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں اس راستے میں۔۔۔ میں اکیلا رہ جاؤں، میرا کوئی رفیق نہ ہو، غمگسار نہ ہو، مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں، میں تنہا اللہ کے دین کی سربلندی و سرفرازی کے لیے لڑوں گا اور پیغامِ حق سنانے میں کوتاہی نہیں کروں گا۔

☆ اب ذرا تصویر کا دوسرا رخ بھی ملاحظہ فرمایئے اور رفیق نبوت سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی دین کے معاملے میں استقامت اور پختگی بھی دیکھیے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں رومیوں کے مقابلے میں ایک لشکر روانہ فرمایا جس کا سپہ سالار اور کمانڈر سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو بنایا جو اٹھارہ سال کے نوجوان اور سیدنا زید رضی اللہ عنہ آزاد کردہ غلام کے فرزند ارجمند تھے جن کا نہ کوئی حسب نہ کوئی نسب، نہ مال و دولت، نہ سرمایہ داری اور ان کی سربراہی میں جو لشکر روانہ ہونا تھا اس میں سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما اور دوسرے بڑے بڑے صحابہ شامل تھے۔

یہ لشکر ابھی مدینہ سے باہر ہی پڑاؤ کیے ہوئے تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتقال ہو گیا اور یہ لشکر اس جاں گداز خبر کو سن کر واپس آ گیا۔۔۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ خلیفہ اور امیر منتخب ہو گئے تو مدینہ کے قرب و جوار کے چند لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا اور اس طرح بغاوت نے سر اٹھایا۔۔۔ دوسری طرف نبوت کے جھوٹے دعویدار سر اٹھانے لگے۔۔۔ ایسے موقع پر جب آگ اپنے گھر میں لگ رہی تھی کچھ کلمہ گو۔۔۔۔ زکوٰۃ کے انکاری ہو گئے تھے۔ سب صحابہ کرام نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سمیت سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا کہ فی الحال اپنے اندرونی حالات درست کیے جائیں۔۔۔ منکرین زکوٰۃ سے بات چیت کی

جائے۔۔۔بغاوت کا سر کچلا جائے اور سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کی روانگی کچھ دنوں کے لیے ملتوی کر دی جائے۔

مگر استقامت کے پہاڑ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کہا جس لشکر کو محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے روانہ فرمایا تھا ابوبکر اس لشکر کو ضرور روانہ کرے گا چاہے کچھ ہو جائے۔۔۔پھر لوگوں نے کہا اگر لشکر کی روانگی لازمی اور ضروری ہے تو اس کا سالار سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ کی بجائے کسی اور کو بنایا جائے۔۔۔اسامہ رضی اللہ عنہ نوعمر ہیں اور بڑے بڑے صحابہ لشکر میں موجود ہیں۔۔۔سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا جس اسامہ رضی اللہ عنہ کو میرے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سالار بنایا ہے ابوبکر اسے اس عہدے سے نہیں ہٹا سکتا، اسامہ رضی اللہ عنہ ہی سالار ہو گا۔

پھر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ لشکر روانہ فرمایا اور اس کا فائدہ یہ ہوا کہ جہاں جہاں سے یہ لشکر گذرتا چلا گیا فتنے کی آگ ٹھنڈی پڑتی گئی۔۔۔فتنہ پردازوں نے سوچا مسلمانوں کے پاس اتنی طاقت اور قوت تو ہے کہ انہیں ہمارے فتنے کی پرواہ نہیں اور انہوں نے لشکر اسامہ کو رومیوں کے مقابلہ میں روانہ کر دیا ہے۔

زکوٰۃ کے انکاری جب سر اٹھانے لگے تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان سے بھی جہاد کا اعلان فرمایا۔ اکثر صحابہ اور خاص کر سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بار بار عرض کیا: امیر المومنین! یہ لوگ کلمہ پڑھتے ہیں ان کے ساتھ جنگ کرنے سے پہلے سوچنا ہو گا، دوسری طرف کذّاب مدعیانِ نبوت ہیں ان سے نمٹنا بہت ضروری ہے۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جو استقامت کا پہاڑ تھے۔۔۔کہا جو شخص میرے محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ایک رسّی زکوٰۃ کی مد میں دیتا تھا آج اگر وہ اس رسّی کے دینے سے انکار کرے گا تو ابوبکر اس سے جنگ کرے گا۔۔۔اور اگر تم نے میرا ساتھ نہ دیا تو مجھے کوئی پرواہ نہیں جنگل کے درندے میری بوٹیاں نوچ لیں میں برداشت کر لوں گا مگر میں یہ برداشت نہیں کروں گا کہ کوئی شخص کلمہ پڑھنے کے بعد زکوٰۃ سے انکاری ہو جائے۔۔۔وحی کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے میں زندہ

رہوں اور کوئی دین میں کمی کرے یہ ناممکن ہے۔۔۔ اَیُنْقَصُ الدِّیْنُ وَاَنَا حَیٌّ۔

آیئے آپ کو تاریخ کی سیر کراتا ہوں اور بتاتا ہوں کہ نبی ﷺ و صدیق رضی اللہ عنہ کے مزاج اور طبیعت کی یگانگت اور ہم آہنگی اتنی بے مثال ہے کہ ایک شخص اگر نبی محترم ﷺ کی تعریف میں کوئی لفظ کہتا ہے تو دوسرا شخص کسی اور موقع پر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تعریف میں بھی وہی لفظ دہراتا ہے۔۔۔ ذرا سنیئے گا!

نبی اکرم ﷺ پر پہلی وحی اتری ہے۔۔۔ دل میں خوف ہے۔۔۔ گھر آکر اپنی زوجۂ محترمہ ام المومنین سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے فرماتے ہیں آج ایک عجیب واقعہ ہوا ہے۔ ایک شخص نے مجھے اپنے ساتھ ملا کر اس زور سے بھینچا ہے کہ میری پسلیاں دائیں سے بائیں اور بائیں سے دائیں ہو رہی ہیں۔۔۔ مجھے سخت سردی محسوس ہو رہی ہے۔۔۔ مجھے کمبل اڑھا دو۔۔۔ کہیں میری موت نہ واقع ہو جائے۔۔۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ کو تسلی دیتے ہوئے کہتی ہیں:

بیشک اللہ آپ کو ضائع نہیں کرے گا۔۔۔ کیونکہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں۔۔۔ کمزور اور محتاج لوگوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔۔۔ فقیروں، بے کسوں کی مدد کرتے ہیں۔۔۔ آپ مہمان نواز ہیں اور حق کی حمایت کرنے والے ہیں۔

اب ذرا دوسری شخصیت ابن الدغنہ کے الفاظ بھی ملاحظہ کیجیے جو انہوں نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے اس وقت کہے تھے جب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حبشہ کی طرف ہجرت کرنا چاہتے ہیں اور ابن الدغنہ نے آپ کو امان دے کر تسلی دیتے ہوئے کہا تھا:

ابوبکر! تم جیسا آدمی مکہ چھوڑ رہا ہے بلاشبہ آپ محتاج اور بے کس لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔۔۔ کمزوروں اور ناداروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔۔۔ صلہ رحمی کرتے ہیں۔۔۔ مہمان نوازی کرتے ہیں۔۔۔ اور حق کی حمایت کرنے والے ہیں۔

ذرا غور فرمائیے! الفاظ ادا کرنے والے شخص الگ الگ ہیں۔۔۔ایک سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا ہیں جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں کہہ رہی ہیں۔۔۔اور دوسرے ابن الدغنہ ہیں جو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہہ رہے ہیں۔ الفاظ ادا کرنے کا وقت بھی مختلف ہے۔۔۔ زمانہ بھی مختلف ہے۔۔۔ مگر الفاظ ایک جیسے ہیں۔ تو معلوم ہوتا ہے نبی علیہ السلام وصدیق رضی اللہ عنہ کے خصائل وشمائل ایک جیسے تھے۔۔۔ اخلاق ایک جیسے تھے۔۔۔ طبیعت ومزاج ایک جیسا تھا۔

آپ کہیں گے امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھی اور رفیق تو اور بھی تھے پھر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خصوصیت کیا ہے؟ میں کہتا ہوں ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رفاقت دائمی، ازلی اور ابدی رفاقت ہے۔۔۔ پھر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ہر جگہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہم خیال نظر آتا ہے۔

ذرا صلح حدیبیہ کے موقع پر جب اہل مکہ کی طرف سے سہیل بن عمرو معاہدۂ صلح کر چکے اور اس معاہدہ میں ایک شق یہ لکھی جا چکی کہ مکہ سے کوئی شخص اگر بھاگ کر مدینہ چلا جائے گا تو اسے واپس کیا جائے گا مگر مدینہ سے کوئی آدمی بھاگ کر مکہ آ گیا تو ہم اسے واپس نہیں کریں گے۔ ابھی اس معاہدہ پر دستخط نہیں ہوئے تھے کہ اچانک اسی مقام پر مشرکین کے نمائندہ سہیل کے بیٹے ابوجندل رضی اللہ عنہ زخمی ومخدوش حالت میں آ پہنچے۔۔۔ جسے سہیل نے قبولِ اسلام کی پاداش میں قید کر رکھا تھا اور اسے آہنی زنجیروں سے مارا جاتا تھا، اس کا بدن زخموں سے چور تھا۔ سہیل نے کہا معاہدہ تب ہوگا جب میرے بیٹے کو میرے حوالے کرو گے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ابھی معاہدہ زیر تکمیل ہے، ابھی اس پر دستخط نہیں ہوئے، تم ابوجندل رضی اللہ عنہ کو اس سے مستثنیٰ کر دو۔

مگر سہیل رضامند نہ ہوا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ابوجندل بیٹا! تم اپنے مشرک باپ کے ساتھ واپس چلے جاؤ۔ ابوجندل رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اور صحابہ کو اپنے جسم پر زخموں کے اور ظلم کے نشان دکھائے اور فریاد کی کہ میں بڑی مشکل سے بھاگ کر آیا ہوں۔۔۔

اب مجھے والد کے حوالے کرنا موت کے حوالے کرنے کے مترادف ہے۔۔۔ مجھ پر رحم کرو اور مجھے واپس نہ کرو۔۔۔ میں مسلمان ہو کر تمہارے پاس آ گیا ہوں۔

سیدنا ابو جندل رضی اللہ عنہ کے زخموں کو دیکھ کر اور اس کا بیان سن کر اور اس کی آنکھوں سے بہتے ہوئے آنسو دیکھ کر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم تڑپ اٹھے۔۔۔ مگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ابو جندل بیٹا! میرے وعدے کی لاج رکھ لو۔۔۔ میرے معاہدہ کا پاس کر لو۔۔۔ تم واپس چلے جاؤ اور ان مصائب پر صبر کرو۔۔۔ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے نجات کی کوئی صورت نکال دے گا۔۔۔ اب زخمی ابو جندل رضی اللہ عنہ پابہ زنجیر اپنے مشرک باپ کے ساتھ واپس ہو گیا۔۔۔ یہ منظر اتنا دردناک اور المناک تھا کہ تمام صحابہ مضطرب ہو گئے۔۔۔ پہلے ہی معاہدہ کی یہ شق پریشان کن تھی۔۔۔ اب اس واقعہ نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جو قدرتی طور پر جلالی طبیعت رکھتے تھے۔۔۔ دامن صبر کو قابو میں نہ رکھ سکے اور عالم وارفتگی میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچے اور کہا یا رسول اللہ! کیا آپ اللہ کے نبی برحق نہیں۔۔۔ فرمایا کیوں نہیں، میں اللہ کا سچا نبی ہوں۔۔۔ کہا: کیا ہم حق پر اور ہمارے دشمن باطل پر نہیں۔۔۔ فرمایا: ہاں ایسا ہی ہے۔۔۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: پھر اس طرح دب کر صلح کیوں کریں؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: عمر! بلاشبہ میں اللہ کا سچا رسول ہوں، میں کسی حال میں اس کی نافرمانی نہیں کر سکتا وہی میرا حامی و ناصر ہے۔

اس گفتگو کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچے۔۔۔۔ اور وہاں بھی یہی سوال کرتے ہیں مگر ذرا سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کا جواب سننا۔۔۔ وہ جواب کس طرح محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جواب سے مماثلت اور مشابہت رکھتا ہے۔

پوچھا: کیا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اللہ کے نبی برحق نہیں؟ فرمایا: کیوں نہیں، نبی برحق ہیں۔۔۔ کہا: کیا ہم حق پر نہیں ہیں اور ہمارے دشمن باطل پر نہیں؟ فرمایا یقیناً ایسا ہی ہے۔۔۔ کہا: پھر ہم دین میں ایسی کمزوری کیوں گوارا کریں؟ فرمایا: عمر! بلاشبہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔۔۔

وہ اپنے رب کی نافرمانی نہیں کر سکتے۔۔۔ وہی رب ان کا حامی وناصر ہے۔۔۔ تم رسول اللہ ﷺ کی اطاعت وفرمانبرداری کرو اور ثابت قدم رہو۔۔۔ اللہ کی قسم! آپ حق پر ہیں۔

دیکھیے! جو جواب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو جن الفاظ میں نبی اکرم ﷺ نے دیا تھا وہی جواب انہی الفاظ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دیا۔۔۔ جس جگہ نبی اکرم ﷺ کی نظر پہنچی تھی۔۔۔ اور جو فوائد صلح حدیبیہ سے حاصل ہونے تھے، ان تک سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سمیت کسی صحابی کی نظر نہیں پہنچی۔۔۔ اُن فوائد تک نظر پہنچی تو صرف رفیق نبوت سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نظر پہنچی۔

جب دونوں میں اس قدر مشابہت ومماثلت پائی جاتی تھی تو اللہ رب العزت نے غارِ ثور میں دونوں کو ایک صیغے میں جمع کیا ہے۔۔۔ یوں نہیں کہا:

اِنَّ اللّٰہَ مَعِیَ وَمَعَكَ

ابوبکر اللہ میرے ساتھ بھی ہے اور تیرے ساتھ بھی۔۔۔ بلکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔۔۔ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا۔۔۔ بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔۔۔ ابوبکر جس طرح اللہ میرے ساتھ ہے اسی طرح اللہ تیرے ساتھ بھی ہے۔

نبی ﷺ وصدیق رضی اللہ عنہ کے مابین وجود، مزاج، طبیعت اور اداؤں تک میں تو مماثلت تھی ہی۔۔۔ اُن کے اہل خانہ واقارب کے مابین بھی رب نے مماثلت، مشابہت اور یگانگت رکھ دی ہے۔

دونوں کی بیٹیاں کائنات کی عظیم عورتیں۔۔۔ دونوں کی بیٹیوں کے گھر معاشی بدحالی۔۔۔ دونوں کی بیٹیاں اپنے گھر کے کام کاج خود کرتی ہیں۔۔۔ دونوں کی بیٹیاں اپنے گھر میں ملازمہ اور خادمہ نہیں رکھتیں۔۔۔ دونوں کی بیٹیوں پر تلوار سے حملہ ہوتا ہے۔۔۔ سیدہ زینب بنت رسول اللہ رضی اللہ عنہا پر بوقت ہجرت اور جنگ جمل میں سیدہ

عائشہ بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما پر۔۔۔جس وقت زینب بنت رسول اللہ رضی اللہ عنہا پر حملہ ہوا تو وہ اونٹ پر سوار تھیں اور جس وقت سیدہ عائشہ بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما پر حملہ ہوا تو وہ بھی اونٹ پر سوار تھیں۔۔۔دونوں کے نواسے سیدنا حسین اور سیدنا زبیر رضی اللہ عنہما نے یزید کی بیعت سے انکار کیا۔(سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے ابتداً بیعتِ یزید سے انکار کیا مگر کوفیوں کی بے وفائی ظاہر ہونے پر بیعت کرنے کے لیے تیار ہو گئے تھے۔تفصیل کے لیے خطباتِ بندیالوی جلد چھٹی دیکھیے)

دونوں کے نواسوں نے تنگی کے عالم میں مدینہ چھوڑا اور مکہ آ گئے۔۔۔دونوں کا محاصرہ ہوا اور دونوں جامِ شہادت نوش کر گئے۔

دیکھا آپ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وصدیق رضی اللہ عنہ میں کتنی یگانگت اور مشابہت ہے۔ان کے گھر بار میں۔۔۔رہن سہن میں۔۔۔اور آل واولاد میں بھی کتنی ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔

اللہ رب العزت اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک دوسرے سے جدا نہیں دیکھنا چاہتے بلکہ اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔۔۔وہ اِس دنیا میں بھی ایک تھے اور اب اُس دنیا میں بھی ایک ہیں۔۔۔دونوں ایک ہی جگہ آرام فرما ہیں۔۔۔وہ قیامت کے دن بھی ایک ساتھ ہوں گے۔۔۔جس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا ایک ہاتھ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے کندھے پر اور دوسرا ہاتھ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے کندھے پر رکھ کر فرمایا تھا:

هٰكَذَا نُبْعَثُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (ترمذی 208/2)

ہم اسی طرح قیامت کے دن اٹھائے جائیں گے۔

وہ میدانِ محشر میں بھی اکٹھے ہوں گے۔۔۔حوضِ کوثر پر بھی اکٹھے ہوں۔۔۔اور جنت الفردوس میں بھی اکٹھے ہوں۔

وما علینا الا البلاغ المبین

افضیلت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

رضی اللہ عنہم — رضی اللہ عنہم

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ الْاَمِیْنِ

وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ (الزمر 33)

سامعین گرامی قدر! آج میں خطبۂ جمعۃ عظمت وافضیلت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے موضوع اور عنوان پر دینا چاہتا ہوں۔ اللہ رب العزت مجھے اس کی توفیق عطا فرمائے۔

ہمارا یہ نظریہ اور ایمان ہے کہ اللہ رب العزت کے تمام انبیاء کرام علیہم السلام مجتبیٰ اور مرتضیٰ ہیں۔

اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰٓی اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰھِیْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ (آل عمران 33)

یقیناً اللہ نے آدم کو چنا اور نوح کو چنا ابراہیم کی اولاد کو اور عمران کی اولاد کو منتخب فرمایا۔

مگر انبیاء کرام علیہم السلام کی مقدس جماعت میں مراتب اور درجات کا اللہ نے فرق رکھا ہے۔ قرآن کریم اس پر گواہ ہے:

تِلْکَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَھُمْ عَلٰی بَعْضٍ (البقرہ 253)

رسولوں کی جماعت کو ہم نے ایک دوسرے پر فضیلت عطا فرمائی ہے۔

سب انبیاء کرام علیہم السلام ۔۔۔ مکرم، معظم اور محترم ہیں ۔۔۔ مگر سب انبیاء علیہم السلام سے افضل، اعلیٰ، برتر اور بالا قدر کوئی ہستی ہے تو وہ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے۔

جس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب انبیاء علیہم السلام سے اعلیٰ اور افضل ہیں اسی طرح آپ کے اصحاب بھی تمام انبیاء علیہم السلام کے اصحاب سے اعلیٰ اور افضل ہیں۔

میرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سب صحابہ رضی اللہ عنہم مخلص مومن ہیں۔۔۔ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى (الحدید: 10) کے تحت جنتی ہیں۔۔۔ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ کے مصداق ہیں۔۔۔ اَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ کا ان سب سے وعدہ ہوا ہے۔۔۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔۔۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ۔۔۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ۔۔۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ اور اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ان آیات میں اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم کی تعریف اور مدح سرائی ہورہی ہے۔

یہ حقیقت ناقابل تردید ہے کہ جس طرح انبیاء کرام علیہم السلام کی جماعت میں سب سے اعلیٰ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اسی طرح اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم کی جماعت میں سب سے افضل، اعلیٰ، برتر اور بالاقدر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں۔

آپ یقین کریں یہ صرف اہل سنت کا فیصلہ نہیں ہے بلکہ اللہ کی منشا بھی یہی ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ امتوں میں سب سے افضل ہیں۔۔۔ خود امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نظریہ وخیال بھی یہی ہے کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ امت میں سب سے اعلیٰ اور افضل ہیں۔۔۔ اصحابِ رسول کی مقدس جماعت یہی سمجھتی تھی کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تمام صحابہ میں بلند مقام رکھتے ہیں۔۔۔ کمال یہ ہے کہ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور خاندان علی کا عقیدہ بھی یہی تھا کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اصحابِ رسول میں سب سے اعلیٰ اور افضل ہیں۔۔۔ مشرکین مکہ تک کا خیال یہی تھا کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تمام صحابہ میں بلند مقام رکھتے ہیں۔

منشاءِ الٰہی اللہ تعالیٰ کا منشا اور مرضی یہی ہے کہ امت محمدیہ میں اور اصحابِ رسول کی جماعت میں سب سے اعلیٰ اور افضل سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی اس منشا کا اظہار ہجرت کے سفر میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو

اپنے نبی مکرم ﷺ کا ہم سفر بنا کر کیا۔

اہل تشیع کی تفسیر۔۔۔ تفسیر حسن عسکری میں ہے کہ جبریل امین نے نبی اکرم ﷺ سے کہا:

اَمَرَكَ اَنْ تَسْتَصْحِبَ اَبَا بَكْرٍ

اللہ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ سفر ہجرت میں ابوبکر کو اپنا رفیق بنائیے۔

شیعہ کے معتبر عالم قاضی نور اللہ شوستری نے مجالس المومنین میں لکھا ہے:

بیرون ابوبکر بے فرمانِ خدا نبود

نبی اکرم ﷺ کا ابوبکر کو ساتھ لے کر جانا اللہ کے حکم کے بغیر نہیں تھا۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نبی اکرم ﷺ کا اپنے گھر تشریف لانا۔۔۔ اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے جانے کا خود تذکرہ کرتی ہیں۔۔۔ حدیث کی معتبر ترین کتاب بخاری جلد 1 صفحہ 553 میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت موجود ہے۔

نبی اکرم ﷺ اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ دونوں۔۔۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مکان کی عقبی کھڑکی سے باہر نکلے اور کوہِ ثور کی طرف روانہ ہو گئے جو مکہ سے تین میل کے فاصلے پر ہے۔۔۔ جب آپ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے گھر سے نکلے تو آپ کی زبان مبارک پر یہ کلمات جاری تھے:

اَللّٰهُمَّ اَخْرَجْتَنِيْ مِنْ اَحَبِّ الْبِلَادِ اِلَيَّ فَاَسْكِنِّيْ فِيْ اَحَبِّ الْبِلَادِ اِلَيْكَ

(البدایہ والنہایہ 202/3)

اے میرے مولا! تو نے مجھے اس شہر سے نکالا جو مجھے تمام شہروں میں سب سے زیادہ پیارا ہے اب مجھے اس شہر میں بسا جو تجھے سب سے بڑھ کر محبوب ہو۔

مشرکین کو معلوم ہوا کہ نبی اکرم ﷺ اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ دونوں ہمارے ہاتھ سے نکل گئے ہیں تو دو کھوجیوں کی مدد سے وہ غار کے منہ پر پہنچ گئے۔۔۔ ان کی باتیں غار میں

سنائی دینے لگیں۔۔۔۔نبی اکرم ﷺ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی گود میں سر رکھ کر آرام فرما تھے۔ نبی اکرم ﷺ جاگے اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی پریشانی کی وجہ دریافت فرمائی۔۔۔حقیقت حال کا علم ہوا تو فرمایا:

مَا ظَنُّكَ يَا اَبَا بَكْرٍ بِاثْنَيْنِ اَللّٰهُ ثَالِثُهُمَا (بخاری $\frac{516,558}{1}$)

ابوبکر تیرا کیا گمان ہے کہ غار میں ہم دو ہیں۔۔۔نہیں تیسرا اللہ بھی ہمارے ساتھ ہے۔

اسی کو سورت التوبہ میں ذکر کیا گیا:

إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا (التوبہ 40)

جب وہ (نبی اکرم ﷺ) اپنے ساتھی سے کہہ رہے تھے غم نہ کر یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

(یہاں سے معلوم ہوا کہ مشکل کی اس گھڑی میں نبی اکرم ﷺ نے اپنے اللہ کو پکارا اور اللہ سے مدد مانگی۔۔۔یہ نہیں فرمایا کہ ابوبکر غم نہ کر، پریشان نہ ہو۔۔۔میں چھو کر کے انہیں اندھا کر دوں گا بلکہ آپ نے پوری توجہ اللہ کی ذات پر رکھی)

سورت التوبہ کی آیت نمبر 40 اس پر گواہ ہے۔

إِلَّا تَنْصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فَأَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَىٰ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا وَاللّٰهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ (التوبہ 40)

اگر تم لوگ نبی اکرم ﷺ کی (غزوۂ تبوک کے موقع پر) مدد نہیں کرو گے (تو اپنا ہی نقصان کرو گے) اللہ نے اپنے نبی کی پہلے بھی مدد کی ہے جب کافروں نے انہیں مکہ سے نکال دیا تھا جبکہ وہ دو میں سے دوسرا تھا جب وہ دونوں غار میں تھے جس وقت آپ اپنے

ساتھی سے کہہ رہے تھے کہ غم نہ کر اللہ ہمارے ساتھ ہے پس اللہ نے اس پر اپنی سکینت اور تسکین اتاری اور ایسے لشکروں سے اس کی مدد فرمائی جن کو تم نے نہیں دیکھا اور اللہ نے کفار کی بات کو نیچا کر دیا اور اللہ کی بات ہمیشہ بلند و بالا رہتی ہے (کیونکہ) اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔

سامعین گرامی قدر! سورت التوبہ کی اس آیت کریمہ میں اللہ رب العزت نے خلیفہ اول بلافصل سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ایسی خصوصیات اور ایسے فضائل و مراتب کا ذکر کیا ہے کہ اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم کی پوری جماعت میں یہ فضیلتیں اور یہ عظمتیں کسی کو بھی حاصل نہیں ہیں۔۔۔ میں کوشش کرتا ہوں کہ ان فضیلتوں اور ان عظمتوں میں سے کچھ تذکرہ آپ حضرات کے سامنے کروں۔

1۔۔۔اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے سوائے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے تمام عالم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد نہ کرنے پر عتاب فرمایا ہے اور اس آڑے اور نازک وقت میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رفاقت اور مصاحبت کو بطور مدح ذکر کیا ہے۔

2۔۔۔اللہ تعالیٰ نے ''ثانی اثنین'' کے الفاظ استعمال کر کے تمام لوگوں کو یہ بتا دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد مرتبہ اور فضیلت میں دوسرا شخص سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہے۔ چنانچہ امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ''ثانی اثنین'' کا لفظ اس بات کی دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد خلیفہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ہوں گے کیونکہ خلیفہ بادشاہ کا ثانی ہوتا ہے۔ (قرطبی)

3۔۔۔اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ۔۔۔ان الفاظ میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ''یارِ غار'' کہا گیا ہے جو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لیے ایک بہت بڑا اعزاز ہے۔

4۔۔۔لِصَاحِبِه۔۔۔میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صحابی قرار دیا گیا۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ واحد صحابی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے خود ''صحابی'' کا خطاب عطا فرمایا۔ اسی وجہ سے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے علماء نے لکھا کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

کی صحابیت کا منکر کافر ہے کیونکہ وہ قرآن کریم کی اس آیت کا منکر ہے۔

5۔۔۔ لَا تَحْزَنْ ۔۔۔۔۔۔ میں یہ بتایا گیا کہ اس نازک وقت میں بھی جب کہ کافر غارِ ثور کے باہر پھر رہے تھے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنی جان کا خوف نہیں تھا بلکہ انہیں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں غم اور ملال تھا کیونکہ ''حزن'' دوسرے کے بارے میں ہوتا ہے اور ''خوف'' اپنے بارے میں۔ یہاں اللہ نے لَا تَخَفْ نہیں فرمایا بلکہ لَا تَحْزَنْ فرمایا جو کہ اس بات کی بین دلیل ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محبِّ صادق تھے اور انہیں اپنی جان کا نہیں بلکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جان کا خوف تھا۔ چنانچہ قرآن میں سیدنا یعقوب علیہ السلام کے بارے میں ہے:

يَٰٓأَسَفَىٰ عَلَىٰ يُوسُفَ وَٱبْيَضَّتْ عَيْنَاهُ مِنَ ٱلْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيمٌ

(یوسف 84)

اے دیکھنا ہوگا ہائے یوسف! ان کی آنکھیں بوجہ غم کے سفید ہو چکی تھیں اور وہ غم کو دبائے ہوئے تھے۔ یہ آنکھوں کا سفید ہونا یوسف علیہ السلام کے غم کی وجہ سے تھا، نہ کہ اپنی جان کے خوف کی وجہ سے۔ چنانچہ قرآن کریم میں ''خوف'' کا لفظ جہاں بھی آیا ہے وہ اپنے بارے میں ہے اور ''حزن''، غم کے معنوں میں آیا ہے جو دوسرے کے بارے میں ہوتا ہے۔

6۔۔۔ إِنَّ اللهَ مَعَنَا ۔۔۔۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو تسلی دی کہ إِنَّ اللهَ مَعَنَا ۔۔۔۔ ابوبکر تم غمگین نہ ہو، اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہیں۔۔۔ اس سے یہ بھی پتا چلا کہ مشرکین کو جس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دشمنی تھی اسی طرح سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بھی دشمنی تھی وگرنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں کیوں تسلی دیتے۔

پھر اللہ نے ''مَعَنَا'' کے لفظ سے دونوں کی اکٹھی معیت کو بیان فرمایا۔۔۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح اللہ رب العزت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہے اسی طرح سیدنا

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہے پھر ''اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا'' جملہ اسمیہ استعمال فرمایا جو دوام واستمرار پر دلالت کرتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معیت ونصرت ہمیشہ ان دونوں کے ساتھ رہے گی۔۔۔ کبھی ان سے جدا نہ ہو گی۔۔۔ ''اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا'' سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی معیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نفس ذات کے ساتھ ہے کسی شرط اور وصف پر موقوف نہیں کیونکہ قرآن کریم میں جہاں بھی معیت کا ذکر کیا گیا ہے وہ کسی شرط پر موقوف ہے جیسے ''اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ'' (اللہ تعالیٰ مومنوں کے ساتھ ہے) یہ معیت ایمان کی شرط پر موقوف ہے۔۔۔ لیکن یہاں اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے کسی وصف کا ذکر نہیں فرمایا بلکہ ان کی ذوات کا ذکر کیا ہے۔

قرآن کریم میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ہے کہ انہوں نے فرمایا۔۔۔

اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ۔۔۔ میرے ساتھ میرا پروردگار ہے۔

اگرچہ یہاں سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی ذات کے ساتھ معیت کا ذکر کیا گیا لیکن یہ معیت ربانیہ تھی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ساتھ جس معیت کا ذکر کیا گیا ہے وہ ''معیت الٰہیہ'' ہے۔ ''رب'' اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے اور ''اللہ'' اس کا اسمِ ذات ہے جو تمام صفاتِ کمال کو جامع ہے۔

7۔۔۔ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ۔۔۔ اللہ تعالیٰ نے آپ پر سکینت نازل فرمائی۔۔۔ پھر آپ کی برکت سے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بھی اس سکینت سے حصہ ملا۔

سکینت کیا ہے؟ اس بارے میں کئی اقوال ہیں۔۔۔ ہمیں اس سے بحث نہیں لیکن وہ سکینت جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئی۔۔۔ ان کی وجہ سے پھر وہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آئی لیکن سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ''عَلَيْهِ'' کی ضمیر کا مرجع سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں۔۔۔ تو معنی یہ ہوئے کہ جب سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں مغموم اور محزون تھے۔۔۔ تو اللہ نے ان پر سکینت نازل فرمائی تاکہ ان کا غم دور ہو اور

قلب کوسکون اوراطمینان حاصل ہو۔ (روح المعانی $\frac{87}{10}$ تفسیر کبیر $\frac{451}{4}$)

عبارت کی ترتیب بھی اسی بات کا تقاضا کرتی ہے کہ "عَلَیۡهِ" کی ضمیر کا مرجع ابوبکر رضی اللہ عنہ ہوں۔۔۔کیونکہ سکینت اس پر نازل ہوتی ہے جس کو غم ہو۔۔۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تو کوئی غم اور حزن تھا ہی نہیں ان پر سکینت وطمانیت پہلے سے موجود تھی۔۔۔لہٰذا ان پر سکینت اورطمانیت نازل ہونے کا کیا مقصد؟

8۔۔۔ وَاَیَّدَهٗ بِجُنُوۡدٍ لَّمۡ تَرَوۡهَا ۔۔۔(یعنی اور قوت دی اللہ نے آپ کو ایسے لشکروں کے ساتھ جن کو تم نہیں دیکھتے تھے) یہاں بھی "اَیَّدَهٗ" کی ضمیر کا مرجع بعض علماء کے نزدیک ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں جس کی تائید میں علامہ سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث بھی نقل کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

اے ابوبکر! اللہ تعالیٰ نے تجھ پر اپنی سکینت اتاری اور تجھ کو قوت اور مدد پہنچائی۔
(روح المعانی $\frac{87}{10}$)

اللہ رب العزت کی منشا اور اللہ کی مرضی کی تفصیل آپ حضرات نے سن لی کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہی امت میں سب سے افضل ہے۔

نظریہ نبوت انتقال سے کچھ دن پہلے ایک عورت کسی کام کی غرض سے خدمت نبوی میں حاضر ہوئی۔۔۔ اس نے اپنے آنے کی غرض بیان فرمائی۔۔۔آپ نے فرمایا پھر آنا۔۔۔ میں تمہارا مسئلہ حل کر دوں گا (اگر وہ عورت کوئی مسئلہ دریافت کرنے آئی ہوتی تو آپ اسے اسی وقت مسئلہ بتا دیتے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ مسئلہ کا تعلق سربراہِ مملکت سے تھا) وہ عورت کہنے لگی۔۔۔ اِنۡ جِئۡتُ وَلَمۡ اَجِدۡكَ (كَاَنَّهَا تُرِيۡدُ الۡمَوۡتَ) اگر میں آؤں اور آپ کو نہ پاؤں (اس کے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ آپ موت کا جام پی لیں۔۔۔تو پھر نہ میں آپ سے بات کر سکوں گی۔۔۔ نہ آپ میری بات کو سن سکیں گے۔۔۔ نہ جواب دینے کی سکت اور طاقت رکھیں گے۔۔۔ جواب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ کیوں

نہیں۔۔۔ میں تیری آواز کو سنوں گا بھی سہی جواب بھی دوں گا اور تجھے پہچان بھی لوں گا)

بلکہ آپ نے جواب میں فرمایا۔۔۔اِنْ لَّمْ تَجِدِیْنِیْ فَأْتِیْ اَبَابَکْرٍ

(بخاری $\frac{516}{1}$، مسلم $\frac{273}{2}$)

اگر تم آؤ اور مجھے نہ پاؤ تو پھر ابو بکر کے ہاں چلی جانا۔

امامت ابو بکر رضی اللہ عنہ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے انتقال سے تقریباً دو دن پہلے ہفتہ کے دن ظہر کی نماز مسجد نبوی میں پڑھائی اور نماز کے بعد خطبہ ارشاد فرمایا جس میں کہا:

اللہ نے ایک بندے کو اختیار دیا ہے کہ وہ دنیا کی زندگی کو اختیار کرنا چاہتا ہے یا آخرت کی زندگی کو پسند فرماتا ہے۔۔۔فَاخْتَارَ الْاٰخِرَةَ۔۔۔اس بندے نے آخرت کی زندگی کو پسند کر لیا۔

اسی خطبہ میں آپ نے سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی فضیلتوں کا ذکر فرمایا، کہا:

میرے صحابہ میں سے جس کسی نے مجھ پر کوئی احسان کیا ہے میں نے سب کے احسانات کا بدلہ اتار دیا ہے مگر ابو بکر کے احسانوں کا بدلہ اللہ خود اتارے گا۔

لَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا مِّنْ اُمَّتِیْ خَلِيْلًا لَا تَّخَذْتُ اَبَابَكْرٍ خَلِيْلًا

(بخاری $\frac{516}{1}$، مسلم $\frac{273}{2}$)

اگر میں رب کے سوا کسی کو اپنا خلیل بناتا تو ابو بکر کو اپنا خلیل بناتا۔

مسجد نبوی کی جانب مختلف گھروں کی جو کھڑکیاں کھلی ہوئی تھیں۔۔۔آپ نے سب کھڑکیوں کو بند کرنے کا حکم دیا۔۔۔اور ساتھ ہی فرمایا۔۔۔صرف ایک گھر کی کھڑکی کھلی رہے گی اور وہ گھر ابو بکر کا ہوگا۔ (بخاری $\frac{516}{1}$

اسی دن عشاء کی نماز کے لیے بیماری کی شدت کی بنا پر آپ مسجد میں تشریف نہ لا سکے۔۔۔بار بار پوچھتے رہے۔۔۔ اَصَلَّی النَّاسُ۔۔۔کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی ہے۔۔۔؟ جواب ملتا۔۔۔ لَا يَا رَسُوْلَ اللهِ وَهُمْ يَنْتَظِرُوْنَكَ۔۔۔لوگوں نے نماز

نہیں پڑھی وہ آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔۔۔ جب یقین ہو گیا کہ میرا مسجد میں جانا اور نماز پڑھانا ممکن نہیں تو فرمایا۔۔۔ مُرُوْا اَبَا بَکْرٍ فَلْیُصَلِّ بِالنَّاسِ۔۔۔ میری طرف سے ابوبکر کو حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔۔۔ اس طرح مسجد نبوی میں نبی اکرم ﷺ کے مصلٰی پر سترہ نمازیں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے پڑھائیں۔

(سوال میرا یہ ہے کہ۔۔۔۔ جس وقت آپ یہ حکم فرما رہے تھے اس وقت سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کہاں تھے۔۔۔؟ وہ مدینہ سے باہر تھے یا اپنے گھر میں تھے۔۔۔؟ آپ کے چچا سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کہاں تھے۔۔۔؟ ان کے بیٹے عبداللہ، عبیداللہ اور فضل رضی اللہ عنہم کہاں تھے۔۔۔؟ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بھائی سیدنا عقیل رضی اللہ عنہ کہاں تھے۔۔۔؟ یہ سب لوگ میرے نبی ﷺ کے رشتے دار مدینہ میں تھے۔۔۔ مگر میرے نبی ﷺ نے حکم فرمایا میرے رشتے دار پیچھے ہوں گے ابوبکر آگے ہوگا)

آج لوگ مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاہُ۔۔۔۔ سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بلافصل ثابت کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں۔۔۔۔ کیا مولیٰ کا معنی خلیفہ اور امام ہے۔۔۔؟ مولیٰ کے کئی معنی ہیں۔۔۔ آقا، سردار، دوست، مالک، غلام۔۔۔ معنی ہوگا جس کا میں دوست اس کا علی دوست۔۔۔ مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ۔۔۔ کے الفاظ سے خلافت اور امامت ثابت نہیں ہوتی۔۔۔ آ میں تجھے بتاؤں کہ خلافت اور امامت کیسے ثابت ہوتی ہے۔۔۔ مُرُوْا اَبَا بَکْرٍ فَلْیُصَلِّ بِالنَّاسِ۔۔۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہو میرے مصلٰی پر کھڑے ہو کر لوگوں کو نماز پڑھائے۔

بخاری کی ایک اور روایت بھی سنیے جس سے ثابت ہو رہا ہے کہ نبی اکرم ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مقدس جماعت میں سب سے اعلیٰ اور برتر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو سمجھتے تھے۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے دوران بیماری ایک دن فرمایا کہ میرا ارادہ ہوا تھا کہ ابوبکر اور ان کے بیٹے عبدالرحمن کو اپنے ہاں بلاؤں اور

ابو بکر کو اپنا جانشین مقرر کردوں تا کہ خلافت کی تمنا کرنے والے کچھ تمنا نہ کرسکیں مگر پھر میں نے اپنا ارادہ بدل لیا اور سمجھا کہ وصیت کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ۔۔۔ یَأْبَى اللّٰهُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلَّا اَبَابَكْرٍ (بخاری $\frac{1072}{2}$)

عرش پر اللہ اور فرش پر مومن انکار کریں گے کہ ابو بکر کے علاوہ کوئی اور خلیفہ ہو۔

(بخاری کی اس روایت سے اس طرف اشارہ ہو رہا ہے کہ کاغذ، قلم اور دوات طلب کرنے سے مقصد سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت کی تحریر لکھوانا مقصود تھا۔۔ مگر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ۔۔۔ کہنے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی فراست سے سمجھ گئے کہ جب یہ کتاب اللہ کو کافی سمجھ رہے ہیں تو کتاب اللہ تو نبی کے بعد صدیق کا درجہ بتاتی ہے۔۔۔ لہٰذا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جانشین صدیق ہی ہوسکتا ہے اور دوسرا کوئی نہیں۔

پھر عجیب اتفاق دیکھیے کہ جس عمر رضی اللہ عنہ نے حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ کہا تھا۔۔۔ اسی فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے کتاب اللہ کی روشنی میں سقیفہ بنی ساعدہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خلیفہ اور جانشین سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ ہی کو مقرر فرمایا اور تمام صحابہ کرام نے سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ سمیت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلہ سے اتفاق کیا)

امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کئی مرتبہ اپنے نظریہ کا اظہار فرمایا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مقدس جماعت میں سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ ہی سب سے افضل اور سب سے اعلیٰ ہیں۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ایک موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا:

هَلْ لِاَحَدٍ مِنَ الْحَسَنَاتِ عَدَدَ نُجُوْمِ السَّمَاءِ

آپ کے ساتھیوں میں کوئی ایسا ہے جس کی نیکیاں آسمان کے ستاروں کے برابر ہوں (یعنی بے شمار اور لاتعداد نیکیاں ہوں) آپ نے فرمایا ہاں ہے۔۔۔ میری ماں نے عرض کیا۔۔۔ مَنْ هُوَ۔۔۔ وہ خوش نصیب کون ہے۔۔۔؟ فرمایا خطاب کا بیٹا عمر ہے۔

ام المومنین رضی اللہ عنہا کے ذہن میں تھا کہ میرے بابا کا نام لیں گے مگر آپ نے خلافِ توقع سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا نام لے دیا۔۔۔ پھر میری ماں نے بھی دل والی بات دل میں نہیں رکھی۔۔۔ (میں کہتا ہوں اللہ نے دل میں رکھنے نہیں دی۔۔۔ اللہ نے کہا عائشہ! دل والی بات زبان پر لا میں آج لوگوں کو تیرے بابا کی عظمتیں بتانا چاہتا ہوں)

ام المومنین رضی اللہ عنہا نے عرض کیا۔۔۔ فَاَیْنَ حَسَنَاتُ اَبِیْ۔۔۔ ستاروں کے برابر نیکیاں اگر عمر رضی اللہ عنہ کی ہیں تو پھر میرے بابا کی نیکیاں کہاں گئیں۔

میرے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔۔۔ اِنَّمَا جَمِیْعُ حَسَنَاتِ عُمَرَ کَلَیْلَۃٍ وَاحِدَۃٍ لِاَبِیْ بَکْرٍ

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی تمام نیکیاں تیرے بابا کی ایک رات کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔

جب تیرے بابا نے نبوت کو کاندھے پر اٹھا لیا۔۔۔ اور غار تک پہنچایا۔۔۔ وہاں ان دونوں نے تین دن اور تین راتیں گزاریں۔ (فتح الباری 336/7)

سفر ہجرت میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا پورا گھرانہ نبوت کی خدمت میں مصروف ہے۔۔۔ بیٹا عبداللہ دن بھر کی ڈائری نبی تک پہنچانے کے لیے رات کے اندھیرے میں آتے اور رات غار ہی میں بسر کرتے۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے غلام عامر بن فہیرہ۔۔۔ بکریوں کا تازہ دودھ پلانے غار تک آتا یہ بھی رات یہیں بسر کرتا۔ (بخاری 553/1)

سیدہ اسما رضی اللہ عنہا تاجدارِ نبوت کو کھانا کھلانے کے لیے سفری کھانا تیار کیا اور اپنے کمر بند کو دو ٹکڑے کر کے باندھ دیا۔۔۔ اس لیے ذات النطاقین کا لقب پایا۔ ابو جہل نے انہی کے چہرے پر تھپڑ مار کر پوچھا تھا کہ تیرا بابا اور محمد کہاں گئے ہیں۔۔۔ اس نے کہا تھا مر جاؤں گی محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا راز فاش نہیں کروں گی۔

اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم کا خیال

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام صحابہ کا نظریہ اور خیال یہی

تھا کہ اصحابِ رسول کی پوری جماعت میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سب سے افضل واعلیٰ ہیں۔۔۔اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں نمازوں کی امامت کے لیے نامزد فرمایا۔۔۔سقیفہ بنی ساعدہ میں سیدنا فاروق اعظم، سیدنا ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہما۔۔۔اور انصار کے دونوں قبیلوں (اوس، خزرج) کی موجودگی میں سیدنا عمر کی تحریک پر بیعت خلاف ہوئی۔۔۔سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بیعت خلافت کے لیے سیدنا عمر اور سیدنا ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہما کا نام پیش فرمایا تھا۔۔۔مگر ان دونوں نے کہا ہم خلافت کا معاملہ آپ کے سپرد کرتے ہیں۔۔۔کیوں؟ اس لیے کہ۔۔۔ اَنْتَ اَفْضَلُ الْمُهَاجِرِيْنَ وَخَلِيْفَةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ فِي الصَّلٰوةِ وَهِيَ اَفْضَلُ دِيْنِ الْمُسْلِمِيْنَ (البدایہ والنہایہ $\frac{247}{5}$)

مہاجرین میں آپ سب سے افضل ہیں اور نماز میں اللہ کے رسول کے خلیفہ ہیں اور نماز مسلمانوں کے دین کا سب سے اعلیٰ رکن ہے۔

سقیفہ بنی ساعدہ میں بیعت خلافت کے بعد۔۔۔دوسرے دن مسجد نبوی میں عام بیعت ہوئی۔۔۔اس موقع پر سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد تمہارا خلیفہ ایسے شخص کو چنا گیا ہے جو تم سب سے افضل اور بہتر ہے اور یہی شخص ہے جسے ہجرت کے سفر میں آپ کی رفاقت کا شرف حاصل ہوا، جو آپ کا رفیقِ غار ہے لہٰذا کھڑے ہو جاؤ اور ان کے ہاتھ پر بیعت کرو چنانچہ تمام صحابہ نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت خلافت کرلی۔ (بخاری $\frac{1072}{2}$)

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ منبر پر آئے اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم جن کی تعداد تقریباً تیس ہزار تھی سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔۔۔حدیث میں جتنی روایات آئی ہیں اور تاریخ کی کتب نے جو کچھ لکھا ہے کہ فلاں فلاں صحابی نے بیعت نہیں کی یا اسی دن بیعت نہیں کی۔۔۔ان روایات کے راویوں میں تشیع پایا جاتا ہے۔۔۔وہ سب غیر معتبر روایات ہیں۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا نظریہ

سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے

مکتوب کے جواب میں ایک خط ان کے نام تحریر فرمایا۔۔۔اسے ذرا غور سے سنیے۔

وَكَانَ اَفْضَلُهُمْ فِي الْاِسْلَامِ كَمَا زَعَمْتَ وَاَنْصَحُهُمْ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۔۔۔

وَلَعَمْرِيْ اِنَّ مَكَانَهُمَا فِي الْاِسْلَامِ لَعَظِيْمٌ (شرح نہج البلاغہ ابن میثم 486)

اے معاویہ! جیسے تمہارا گمان اور خیال ہے واقعی نبی اکرم ﷺ کے خلیفہ ابوبکر اور ابوبکر کے خلیفہ عمر سب سے افضل تھے اور اللہ کے دین کے اور نبی اکرم ﷺ کے سب سے زیادہ خیر خواہ تھے میں اپنی زندگی کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ان دونوں کا مقام اور درجہ اسلام میں بہت بڑا ہے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔۔۔ان کے پیچھے نمازیں پڑھتے رہے۔۔۔اہل تشیع کی معتبر کتاب تفسیر قمی صفحہ نمبر 295 میں ہے:

ثُمَّ قَامَ وَتَهَيَّا لِلصَّلٰوةِ وَحَضَرَ الْمَسْجِدَ وَوَقَفَ خَلْفَ اَبِيْ بَكْرٍ

(احتجاج طبرسی 53، مراۃ الفصول 388)

پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ اٹھے نماز کا ارادہ کیا مسجد میں آئے اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی۔

سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ایک بیٹے محمد بن علی (ابن حنفیہ) نے اپنے والد گرامی سے پوچھا کہ نبی اکرم ﷺ کے بعد سب لوگوں میں افضل کون ہے۔۔۔؟ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔۔۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ سب سے افضل ہیں۔۔۔ بیٹے نے کہا۔۔۔ ثُمَّ مَنْ۔۔۔ان کے بعد کون ہے۔۔۔؟ فرمایا۔۔۔ ثُمَّ عُمَرُ۔۔۔ پھر عمر رضی اللہ عنہ سب سے افضل ہیں۔۔۔ بیٹا کہتا ہے۔۔۔ پھر مجھے خیال آیا کہ میں پوچھوں ثُمَّ مَنْ۔۔۔ پھر کون۔۔۔؟ تو یہ عثمان رضی اللہ عنہ کا نام لیں گے۔۔۔ میں نے سوال کی نوعیت بدلی اور کہا۔۔۔ ثُمَّ اَنْتَ۔۔۔ پھر آپ نا۔۔۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔۔۔ میں تو مسلمانوں میں سے ایک مسلمان ہوں۔ (بخاری 518/1)

یہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی تواضع، عاجزی، انکساری اور کسرِ نفسی ہے۔۔۔ ورنہ پہلے تین خلفاء کو چھوڑ کر سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے افضل سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی ذاتِ گرامی ہے۔

اسی طرح کا ایک ارشاد سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا اہل تشیع کی معتبر کتاب ''کتاب الشافی طوسی'' میں موجود ہے۔۔۔ جس میں ذکر ہوا کہ کوفہ کے بازار میں ایک شخص نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر کہا۔۔۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سب سے افضل اور اعلیٰ ہیں۔۔۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کوفہ کی مسجد میں لوگوں کو جمع فرمایا اور خطبہ ارشاد فرمایا:

خَیْرُ الْخَلَائِقِ بَعْدَ نَبِیِّ اللّٰهِ اَبُوْ بَکْرٍ ثُمَّ عُمَرُ

لوگو! اللہ کے نبی کے بعد بہترین مخلوق ابوبکر ہیں اور ان کے بعد عمر ہیں۔

پھر فرمایا: جو شخص مجھے ابوبکر وعمر پر فضیلت دے گا میں اس پر حد قذف (اسی کوڑے) جاری کروں گا۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی زندگی میں دوسری شادی نہیں کی۔۔۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے اللہ رب العزت نے آپ کو دو بیٹے اور دو بیٹیاں عطا فرمائیں تھیں۔۔۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کئی نکاح فرمائے اور اللہ نے انہیں اٹھارہ بیٹوں سے نوازا۔۔۔ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اپنے اٹھارہ بیٹوں میں سے ایک بیٹے کا نام ابوبکر رکھا اور اپنے ایک بیٹے کا نام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک نام پر محمد (جسے مؤرخین محمد بن حنفیہ کہتے ہیں) رکھا۔۔۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنا نظریہ واضح فرمایا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد مرتبہ ومقام سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ہے۔

(اس کی تفصیل آپ اسی جلد میں ابوبکر وعلی رضی اللہ عنہما کے مابین تعلقات کے عنوان پر لکھی گئی تقریر میں پڑھیں گے، ان شاء اللہ)

کفارِ مکہ بھی یہی سمجھتے تھے

سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا نظریہ آپ نے سن لیا کہ وہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امت میں سب سے افضل اور برتر سمجھتے تھے۔

آیئے میں آپ کو بتاتا ہوں کہ کفارِ مکہ تک کا خیال یہی تھا کہ اصحابِ رسول کی جماعت میں سب سے اعلیٰ اور افضل اور مدعیٔ نبوت کے سب سے زیادہ قریب اور مدعیٔ نبوت کا رفیق ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی ہے۔

ہجرت کے واقعہ میں جب مشرکین مکہ پر یہ حقیقت واضح ہوئی کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو اپنے مکان سے جا چکے ہیں تو وہ سیدھے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مکان پر پہنچے جو مسفلہ محلہ میں تھا کیونکہ مشرکین کو یقین تھا کہ اگر آپ اپنے گھر میں نہیں ہیں تو پھر یقیناً ابوبکر کے گھر میں ہوں گے۔ (البدایہ والنہایہ $\frac{176}{3}$)

غزوۂ اُحد مشرکین اور مومنین کے مابین معرکۃ الآراء جنگ تھی۔۔۔ جنگ جب شروع ہوتی ہے تو صرف اسلحہ کی جنگ نہیں ہوتی۔۔۔ ہر چیز کی جنگ ہوتی ہے۔۔۔ ہاتھ پاؤں کی جنگ۔۔ ہتھیاروں اور اسلحہ کی جنگ۔۔۔ دولت و مال کی جنگ۔۔۔ قلم و قرطاس کی جنگ۔۔۔ دل و دماغ کی جنگ۔۔۔ زبان کی جنگ۔

زبان کی جنگ اور اس جنگ میں مخالفین کا مقابلہ کرنے کی ایک واضح مثال ہمیں غزوۂ اُحد میں ملتی ہے۔۔۔ جنگ جب تھم گئی اور جنگ کے نتیجے میں دونوں فریق جسمانی اعتبار سے تھک گئے۔۔۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زخمی حالت میں پہاڑ کے اوپر ایک چھوٹی سی غار میں پہنچا دیا گیا۔۔۔ میدان جنگ میں شیطان نے یہ افواہ پھیلا دی تھی۔۔۔ قَدْ قُتِلَ مُحَمَّدٌ۔۔۔ کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہید ہو گئے ہیں۔۔۔ اس خبر سے کئی مسلمانوں کے حوصلے پست ہو گئے تھے۔۔۔ اور کفار کے ہاں خوشی اور شادمانی کے ترانے گائے جا رہے تھے۔

اچانک کفار کے لشکر کے سپہ سالار ابوسفیان (فتح مکہ کے دن اللہ رب العزت نے ایمان کی دولت سے مشرف فرمایا اور انہوں نے اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے بہت سی جنگوں میں حصہ لیا۔۔۔ ان کی آنکھیں اللہ کے راستے میں کام آ گئیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے دن ان کے گھر کو دارالامن قرار دیا) سامنے والی پہاڑی پر آئے اور آواز لگائی:

اَیْنَ مُحَمَّدٌ۔۔۔محمد ﷺ کہاں ہیں؟

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جواب دینے لگے تو نبی اکرم ﷺ نے روک دیا کہ ذاتی حملوں کے جواب دینے کی ضرورت نہیں ہے۔۔۔ ابوسفیان کو یقین ہو گیا کہ آپ دنیا میں نہیں رہے۔۔۔اگر زندہ ہوتے تو جواب بھی آتا۔

اب اس نے نعرہ لگایا:

اَیْنَ اَبُوْبَکْرٍ۔۔۔ابوبکر کہاں ہیں؟

ابوسفیان کو علم تھا کہ مسلمانوں میں نبی اکرم ﷺ کے بعد دوسری شخصیت۔۔۔ اور ثانوی قیادت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ہے۔۔۔مسلمانوں کی طرف سے جواب نہیں آیا۔۔۔ذاتی حملوں کے جواب دینے کی چنداں ضرورت نہیں ہوتی۔۔۔ابوسفیان نے پھر آواز دی:

اَیْنَ عُمَرُ۔۔۔عمر کہاں ہیں؟

جواب نہ آنے پر خوشی اور مسرت سے سرشار ہو کر نعرہ لگایا:

اُعْلُ هُبُلْ۔۔۔ہبل کا نام بلند ہو۔۔۔ہبل کی جے ہو۔۔۔یعنی ہماری مدد ہبل نے کی ہے۔

(سامعین گرامی قدر! یہ ہبل کون ہے۔۔۔؟ آپ کا جواب ہو گا بت کا نام ہے۔۔۔میں کہوں گا یہ سیدنا آدم علیہ السلام کے بیٹے ہابیل کا نام ہے۔۔۔جو دنیا کا پہلا شہید ہے جسے اپنے بھائی نے قتل کر دیا تھا۔۔۔ہابیل کا یہ نام بدلتے بدلتے عرب میں ہبل ہو گیا۔۔۔یہ پیغمبر زادہ ہے۔۔۔ہاں جی! صاحبزادہ یا پیرزادہ، نہیں نبی زادہ اور پھر دنیا کا پہلا شہید ہے۔۔۔مشرکین مشکلات وحاجات میں اور جنگوں میں فتح کے لیے اسے پکارا کرتے تھے)

امام الانبیاء ﷺ کے کانوں تک یہ نعرہ پہنچا تو فرمایا۔۔۔عمر اٹھ! اللہ کی توحید پر حملہ کر رہا ہے۔۔۔پوری جرأت سے جواب دو۔

اَللّٰہُ اَعْلٰی وَاَجَلُّ۔۔۔اللہ سب سے بلند و بالا ہے۔

ابوسفیان پھر بولا:

لَنَا عُزّٰی وَلَا عُزّٰی لَکُمْ۔۔۔ہمارے پاس عُزّٰی ہے اور تم عُزّٰی سے محروم ہو۔۔۔تم عزّٰی کو نہیں مانتے ہو۔۔۔اس کے گستاخ اور بے ادب ہو (عُزّٰی ایک دیوی کا نام ہے)

دیکھا آپ نے۔۔۔مشرک کے معبود اور مشکل کشا کیسے بدلتے رہتے ہیں۔۔۔ ایک لمحہ پہلے ہبل کو آواز لگا رہا تھا۔۔۔اور اب اسے چھوڑ کر عزّٰی کو پکارنا شروع کر دیا۔۔۔

اسی کو سیدنا یوسف علیہ السلام نے یوں بیان فرمایا تھا:

ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَیْرٌ اَمِ اللّٰہُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ (یوسف 39)

کیا الگ الگ رب (ضروریاتِ زندگی پوری کرنے والے) بہتر ہیں یا اللہ اکیلا غالب؟

مسلمانوں کا معبود بھی ایک۔۔۔الٰہ بھی ایک۔۔۔مسجود بھی ایک۔۔۔مقصودِ حقیقی بھی ایک۔۔۔مشکل کشا اور حاجت روا بھی ایک۔۔۔مسلمانوں کا داتا بھی ایک۔۔۔گنج بخش بھی ایک۔۔۔دستگیر بھی ایک۔۔۔غوثِ اعظم بھی ایک۔۔۔غریب نواز بھی ایک۔۔۔لجپال بھی ایک۔۔۔مسلمان ہر حاجت کے لیے اور ہر مشکل کے حل کے لیے ایک ہی دروازہ کھٹکھٹاتا ہے۔

اور مشرک کبھی ایک در پر۔۔۔کبھی دوسرے در پر۔۔۔کبھی ایک دربار پر۔۔۔ اور کبھی دوسرے دربار پر۔۔۔کبھی ایک آستانے پر۔۔۔اور کبھی دوسرے آستانے پر۔۔۔ کبھی تعزیے پر۔۔۔کبھی تابوت پر۔۔۔کبھی جھنڈے کے آگے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان کے نعرے کا جواب دیا: (بخاری $\frac{579}{2}$)

اَللّٰہُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلٰی لَکُمْ

ہمارا مولا اور مددگار اللہ ہے جس کی مدد سے تم محروم ہو۔

ابوسفیان اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے مابین ہونے والی نعرہ بازی سے ایک نتیجہ یہ بھی نکلا کہ جو میرے نبی کے دشمن، مخالف اور میرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے لڑنے والے ہوتے ہیں۔۔۔ وہ مشکلات میں اور جنگوں میں بزرگوں کو پکارتے ہیں۔۔۔ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جیسے محب رسول ہر حالت میں اللہ ہی کو پکارتے ہیں۔

سامعین گرامی قدر! میں نے اختصار کے ساتھ یہ حقیقت آپ کو دلائل کے زور سے سمجھا دی ہے کہ امت کا متفقہ عقیدہ اور نظریہ ہے کہ امت محمدیہ میں سب سے افضل و اعلیٰ اور برتر و بالا شخصیت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ہے۔

اَفۡضَلُ النَّاسِ بَعۡدَ الۡاَنۡبِیَاءِ۔۔۔ خَیۡرُ الۡخَلَائِقِ بَعۡدَ الۡاَنۡبِیَاءِ۔۔۔

صرف اور صرف سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ذاتِ گرامی ہے۔

اللہ کا منشا یہی ہے۔۔۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نظریہ یہی ہے۔۔۔ اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم کا خیال یہی ہے اور سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا نقطہ نظر بھی یہی ہے۔۔۔ اور مشرکین مکہ بھی یہی سمجھتے تھے کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد مسلمانوں کا محور اور مرکز سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی ہے۔

وما علینا الا البلاغ المبین

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ الْاَمِیْنِ

وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ تَرٰھُمْ رُکَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانًا سِیْمَاھُمْ فِیْ وُجُوْھِھِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِکَ مَثَلُھُمْ فِی التَّوْرٰۃِ وَمَثَلُھُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ کَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَہٗ فَاٰزَرَہٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰی عَلٰی سُوْقِہٖ یُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِیَغِیْظَ بِھِمُ الْکُفَّارَ وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْھُمْ مَّغْفِرَۃً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا (الفتح 29)

سامعین گرامی قدر! آج کی محفل میں۔۔۔ میں کوشش کروں گا کہ آپ کو سمجھا سکوں کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے مابین تعلقات دوستانہ اور برادرانہ تھے۔۔۔ وہ آپس میں شیر و شکر تھے۔۔۔ اور بھائی بھائی تھے۔۔۔ ایک دوسرے کی خوشی غمی میں شریک ہوتے۔۔۔ اور ایک دوسرے کے کام آتے تھے۔

آپ میں سے کون واقف نہیں۔۔۔؟ کہ جس معاشرے میں اور جس ماحول میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوئے تھے وہ معاشرہ بدامنی۔۔۔ انتشار وافتراق کا شکار تھا۔۔۔ وہ لوگ خاندانی چپقلش اور جھگڑوں میں مبتلا تھے۔۔۔ ہر برادری دوسری برادری

کی دشمن تھی۔۔۔ مکہ مکرمہ میں ایک دادا کی اولاد آپس میں دست بگریبان تھے۔۔۔ بات بات پر جھگڑا۔۔۔ لڑائی ان کا معمول تھا۔

رحمت عالم ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو مدینہ میں انصار کے دو قبیلے اوس اور خزرج کے درمیان عداوت اور دشمنی سالہا سال سے جاری تھی۔۔۔ ہزاروں لوگ اس لڑائی کی بھینٹ چڑھ چکے تھے۔۔۔ مکہ مکرمہ کے مختلف قبائل کا آپس میں مل بیٹھنا اور بھائی بھائی بن جانا۔۔۔ پرانی رنجشوں کا مٹ جانا۔۔۔ کوئی آسان اور سہل کام نہیں تھا۔۔۔ یہ ڈور اتنی الجھ چکی تھی کہ اس کے سرے کا ملنا ہی مشکل تھا۔۔۔ اسی طرح مدینہ منورہ کے انصار کے دو قبیلے اوس اور خزرج کا ایک جگہ جمع ہونا۔۔۔ اختلاف کا مٹ جانا اور صلح کے راستے پر آنا بھی ناممکن دکھائی دیتا تھا۔

مگر قرآن مجید گواہ ہے کہ جب اس منتشر معاشرے میں اور بگڑے ہوئے ماحول میں اور پراگندہ خیال لوگوں میں نبی اکرم ﷺ نے اعلانِ حق فرمایا۔۔۔ اور کلمۂ توحید کی دعوت دی تو وہ سب قبائل اور برادریاں نکتۂ توحید پر جمع ہو گئے۔۔۔ سب کے سب اسلام کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے۔۔۔ پرانی دشمنیاں ترک کر کے وہ بھائی بھائی بن گئے۔۔۔ لوگوں میں نفرت کی جگہ محبت کے جذبات امڈ آئے۔۔۔ ان کے دلوں میں نرمی اور الفت پیدا ہو گئی۔۔۔ آپس میں ایک دوسرے کی خیر خواہی اور ہمدردی ان کا وطیرہ بن گیا۔۔۔ وہ اتحاد و اتفاق کے خوگر ہو گئے۔

رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی نے نبی اکرم ﷺ کی زندگی میں پوری کوشش کی کہ ان کے درمیان نفرت کا بیج بویا جائے۔۔۔ ان کے مابین اختلاف اور افتراق پیدا کر کے اسلام کی ساکھ کو نقصان پہنچایا جائے۔۔۔ اور مسلمانوں کی متفقہ طاقت کو کمزور کر دیا جائے۔۔۔ مگر وہ اس وقت اپنی مذموم کوشش میں کامیاب تو نہ ہوا مگر اس وقت سے لے کر آج تک یہودی النسل منافقین اس کوشش میں مصروف ہیں کہ سادہ لوح لوگوں کو باور کرایا

جائے کہ نبی اکرم ﷺ کے صحابہ ایک دوسرے کے دشمن تھے۔۔۔ ان کے درمیان مخاصمت تھی۔۔۔ اور عداوت تھی۔۔۔ خاص کر کے خلفاءِ ثلاثہ اور خاندانِ علی کے مابین اور سیدنا معاویہ اور خانوادۂ علی رضی اللہ عنہم کے مابین تعلقات کشیدہ تھے۔۔۔ ان کی آپس میں مخالفت تھی۔۔۔ انہوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا حق دبایا۔۔۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا پر ظلم کے پہاڑ توڑے اور ان کا حق غصب کیا۔

آیئے۔۔۔! قرآن مجید کی روشنی میں دیکھتے ہیں کہ اس بات میں کتنی حقیقت ہے۔۔۔؟ اگر قرآن انہیں بھائی بھائی۔۔۔ اور ایک دوسرے کے دوست۔۔۔ اور خیر خواہ کہے تو پھر روایات اور تاریخ کی تاریکیوں میں بھٹکنے کی ضرورت نہیں۔۔۔ اصحابِ رسول کو تاریخ وسیرت کی کتابوں میں نہ دیکھو۔۔۔ بلکہ انہیں قرآن وحدیث کے آئینے میں دیکھنے کی عادت ڈالو۔۔۔ قرآن نے کہا:

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ (الحجرات 10)

بیشک مومن آپس میں بھائی ہیں پس اپنے دو بھائیوں کے درمیان اصلاح کرو اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

ذرا غور کیجیے۔۔! قرآن کے پہلے مخاطب کون ہیں۔۔؟ ظاہر ہے اصحابِ رسول ابوبکر وعمر اور عثمان وعلی رضی اللہ عنہم ہیں۔۔۔ تو قرآن میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آپس میں بھائی بھائی کہا ہے۔

قرآن مجید نے ایک اور مقام پر فرمایا:

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلَى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا (آل عمران 103)

اور مضبوط پکڑو اللہ کی رسی (قرآن) کو سب مل کر اور تفرقہ نہ ڈالو اور اپنے اوپر ہونے والی نعمت کو یاد کرو جب تم دشمن تھے پس اللہ نے تمہارے دلوں کے درمیان محبت پیدا کر دی پھر تم رب کے انعام سے بھائی بھائی ہو گئے اور تم تھے آگ کے گڑھے کے کنارے پھر اللہ نے تمہیں اس سے بچا لیا۔

اس آیت کے اولین مخاطب بھی اصحابِ رسول ہیں جن کے بارے میں ارشاد ہو رہا ہے کہ اللہ نے ان کی دشمنی کو الفت میں بدل ڈالا اور اس طرح وہ بھائی بھائی بن گئے۔

ایک اور مقام پر ارشاد باری ہوا:

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوا وَّنَصَرُوا أُولَٰئِكَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ (الانفال 72)

بیشک جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے ان مہاجرین کو جگہ دی اور مدد کی وہ ایک دوسرے کے رفیق اور دوست ہیں۔

ذرا غور فرمایئے! یہ آیت کریمہ کن لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔۔۔؟ کون تھے جو اس کٹھن گھڑی اور دشوار ترین ماحول میں ایمان لائے۔۔۔؟ کون تھے وہ لوگ جنہوں نے دین حق کے لیے اپنے پیارے وطن مکہ مکرمہ اور بیت اللہ کو خیر باد کہہ دیا۔۔۔ اپنی تجارت اور کاروبار سب کچھ قربان کر دیا۔۔۔ بیوی بچوں کو بھی چھوڑ دیا۔۔۔ اور رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت کو اختیار کیا۔۔۔ کون تھے وہ لوگ جو ہجرت کر کے مدینہ آ گئے۔۔۔؟

کیا سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ان میں شامل نہیں۔۔۔؟ کیا سیدنا فاروق اعظم اور سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہما ان میں شامل نہیں۔۔۔؟ کیا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ان میں شامل نہیں۔۔۔؟ اللہ رب العزت ان سب کو مہاجرین کو بھی اور مہاجرین کو ٹھکانے دینے والے

اور ہر قسم کا تعاون کرنے والے انصار کو بھی ایک دوسرے کا دوست، ہمدرد، غم خوار اور رفیق کہہ رہا ہے۔

ایک آیت اور سنیے۔۔۔قرآن میرے نبی ﷺ کے صحابہ کے بارے میں کہہ رہا ہے:

هُوَ الَّذِيٓ أَيَّدَكَ بِنَصْرِهِۦ وَبِالْمُؤْمِنِينَ (62) وَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ لَوْ أَنفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَّآ أَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ (الانفال 62)

وہی ذات ہے جس نے آپ کو قوت وطاقت بخشی اپنی نصرت ومدد سے اور مومنوں کے ذریعہ اور مومنوں کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے الفت ومحبت ڈال دی، اگر آپ زمین بھر کا خزانہ خرچ کر ڈالتے تب بھی ان کے دلوں میں محبت والفت پیدا نہیں کر سکتے تھے۔

اب میں آپ کے سامنے وہ آیت پیش کرنا چاہتا ہوں۔۔۔جو آپ میں سے اکثر لوگوں کو یاد ہے۔۔۔اگر یاد نہ بھی ہو تو اس کا مفہوم آپ کے ذہن میں لازماً ہوگا۔

مُّحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُۥٓ أَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ (الفتح 29)

محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں (یہ دعویٰ ہے اور اس کی دلیل کیا ہے) جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں وہ کفار کے معاملے میں بڑے سخت اور آپس میں بڑے رحم دل ہیں۔

اس آیت نے بڑی تفصیل اور وضاحت کے ساتھ اور صاف انداز میں اس حقیقت کو بیان فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ کی سنگت اور رفاقت میں رہنے والے لوگ کفار کے معاملے میں بڑے سخت ہیں۔۔۔کفار سے دبنے والے نہیں ہیں وہ آپس میں ایک دوسرے کے لیے نرم دل اور مہربان ہیں۔

قرآن مجید کی ان آیات سے ثابت ہوا۔۔۔کہ محمد عربی ﷺ کے صحابہ اور ساتھی ایک دوسرے کے بھائی اور دوست تھے۔ان کے مابین الفت اور محبت تھی۔۔۔وہ ایک

دوسرے کے ہمدرد اور غمگسار تھے۔

حدیث وسیرت اور تاریخ کی کتب ہماری راہنمائی کرتی ہیں کہ اصحاب رسول ایک دوسرے کے خیر خواہ۔۔۔ ہمدرد۔۔۔ غمگسار۔۔۔ اور ایک دوسرے کی بھلائی چاہنے والے تھے۔۔۔ وہ خوشی اور غمی کے لمحات میں ایک دوسرے کے کام آتے۔۔۔ ایک دوسرے کے دکھ اور سکھ میں شریک ہوتے۔

سلسلہ وار ہمارے خطبات کا جو موضوع ہے آج اس سلسلہ میں اہل سنت۔۔۔ اور اہل تشیع کی کتب کی روشنی میں دیکھتے ہیں کہ سیدنا صدیق اکبر اور سیدنا علی رضی اللہ عنہما کے مابین عداوت تھی یا محبت۔۔۔؟ مخالفت تھی یا موافقت۔۔۔؟ دشمنی تھی یا دوستی۔۔۔؟ جنگ اور لڑائی تھی یا صلح اور ہمدردی۔۔۔؟

سیدہ فاطمہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہما کی شادی

اہل تشیع کی معتبر کتاب جلاء العیون (گیارہویں صدی کے شیعہ عالم ملا باقر مجلسی کی تصنیف ہے) میں بھی یہ بات تحریر شدہ ہے اور ملا باقر مجلسی کی دوسری تصنیف بحار الانوار صفحہ نمبر 37 جلد 10 میں بھی ہے اور اہل تشیع کی معتبر کتاب کتاب الامالی صفحہ نمبر 39 جلد نمبر 1 میں بھی لکھا ہوا ہے کہ

سیدنا علی اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہما کے نکاح کی تحریک سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما نے شروع فرمائی تھی۔۔۔ یہ دونوں انصار کے سربراہ سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ہاں پہنچے تھے اور انہیں آمادہ کیا کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ آپ کے نکاح کی ہم کوشش کرتے ہیں آپ تیاری کریں اور اگر مالی لحاظ سے کوئی تنگی ہو تو ہم اس سلسلہ میں بھی تعاون کریں گے۔

اہل تشیع کی ایک اور معتبر کتاب کشف الغمہ جلد نمبر 1 صفحہ نمبر 483 میں ہے اور اسے بحار الانوار جلد نمبر 10 صفحہ نمبر 38 میں بھی نقل کیا گیا کہ

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے رشتے کی بات ہو چکی تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ وہاں سے نکل کر باہر

تشریف لائے تو راستے میں سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما سے ملاقات ہوئی۔۔۔۔۔سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے خوشی کی یہ خبر انہیں سنائی، دونوں حضرات اس خبر سے کس قدر خوش ہوئے اور مسرور ہوئے۔۔۔ذرا اسے خود سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی مبارک زبان سے سنیے:

فَفَرِحَا بِذٰلِكَ فَرَحًا شَدِيْدًا۔۔۔دونوں میرے رشتے کی بات کو سن کر بہت زیادہ خوش ہوئے۔۔۔وَرَجَعَا مَعِيَ إِلَى الْمَسْجِدِ۔۔۔دونوں میرے ساتھ مسجد میں تشریف لائے۔۔۔۔ہم مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی تشریف لے آئے۔۔۔وَاَنَّ وَجْهَهٗ يَتَهَلَّلُ سُرُوْرًا وَفَرَحًا۔۔۔نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرۂ مبارک فرحت اور خوشی سے چمک اور دمک رہا تھا۔

حضراتِ گرامی! سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما کا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو خواستگاریٔ فاطمہ کے لیے آمادہ کرنا۔۔۔اور مالی پریشانی میں ان کے ساتھ تعاون کی یقین دہانی۔۔۔اور اس رشتے پر فرحت و مسرت اور خوشی کا اظہار۔۔۔کیا اس حقیقت کا بیّن ثبوت نہیں ہے؟ کہ یہ ایک دوسرے کے خیر خواہ، ہمدرد اور غمگسار اور دوست تھے۔

جہیز فاطمہ کی خریداری جلاء العیون اور کتاب الامالی جلد نمبر 1 صفحہ نمبر 39 میں یہ بھی موجود ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر کے ضروری سامان کی خریداری کے لیے (سامان کی یہ رقم سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے زرہ بیچ کر آپ کی خدمت میں پیش کی تھی۔۔۔۔یہ زرہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے خریدی اور رقم کی ادائیگی کے بعد زرہ بھی بطور تحفہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو واپس کر دی) سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں صحابہ کو بھیجا تھا۔۔۔کسی چیز کی حتمی خریداری اس وقت تک نہ ہوتی جب تک سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اسے پسند نہ فرماتے۔

نکاحِ فاطمہ کے گواہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نکاحِ فاطمہ کے وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے کہا۔۔۔جاؤ

فَادْعُ لِیْ اَبَا بَکْرٍ وَّ عُمَرَ وَّعُثْمَانَ وَعَلِیًّا وَطَلْحَۃَ وَالزُّبَیْرَ وَبِعَدِھِمْ مِنَ الْاَنْصَارِ (کشف الغمہ 471/1)

ابوبکر، عمر وعثمان، علی، طلحہ، زبیر اور اتنی ہی تعداد میں انصار کو بلا لا۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کے یہی لوگ گواہ بنے۔۔۔تعجب ہے ان بدبختوں پر جو انہی مقدس لوگوں کے ایمان میں اور اخلاص میں شک کر رہے ہیں جو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کے گواہ ٹھہرے۔۔۔سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کوئی مخلص مومن گواہ نہ مل سکا۔۔۔اگر سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما کے ایمان میں شک کرو گے تو معاملہ بہت دور نکل جائے گا۔۔۔لیکن تمہیں کیا۔۔۔تم جس طرح اصحابِ پیغمبر کے دشمن ہو در پردہ تم خانوادۂ علی سے بھی مخلص نہیں ہو۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بیمار ہوئیں اور شدید بیمار ہو گئیں تو مصیبت اور دکھ کی اس گھڑی میں ان کی تیمارداری اور بیمار پرسی کی سعادت جس خاتون کے حصے میں آئی وہ خلیفۂ وقت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی زوجۂ محترمہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا تھیں۔۔۔سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اتنی حیادار خاتون تھیں کہ انہیں فکر لاحق تھی کہ ان کا جنازہ ایسے نہ اٹھایا جائے کہ کفن جسم کے ساتھ ہو اور لوگوں کی نظر اس پر پڑے۔۔۔سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا نے انہیں تسلی دی اور بتایا کہ میں نے حبشہ میں عورتوں کا جنازہ باپردہ چارپائی پر رکھا ہوا دیکھا ہے۔۔۔کہ چارپائی کے چار کونوں پر لکڑی لگا کر انہیں چارپائی سے کچھ اونچا کر دیا جائے۔۔۔اور ان کے اوپر چادر ڈال دی جائے۔۔۔پھر سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا نے چارپائی پر اس طرح لکڑیاں لگا کر دکھائیں تو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اس پر خوش ہوئیں اور تبسم فرمایا۔۔۔یہ ان کی زندگی کا آخری تبسم تھا جو سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کی وجہ سے ان کے چہرے پر نمودار رہا۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو غسل بھی سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا (زوجۂ ابوبکر صدیق) نے دیا تھا۔۔۔اہل تشیع کی کتب نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے۔ (دیکھیے کشف الغمہ 61/2) اہل سنت کی

کتاب مصنف عبدالرزاق $\frac{410}{3}$ میں بھی اس واقعہ کو بیان کیا گیا ہے۔

سامعین گرامی قدر! اس سے کیا ثابت ہوا؟۔۔۔ کہ ان دونوں گھرانوں کے مابین عداوت اور مخالفت تھی۔۔۔ مخاصمت تھی۔۔۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ستایا تھا۔۔۔ ان پر ظلم کیا تھا۔۔۔ ان کا حق غصب کیا تھا۔۔۔ انہیں بھری عدالت میں رُلایا تھا۔۔۔ اگر ایسا ہوتا تو سیدنا علی اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا خلیفہ وقت کی اہلیہ کو ایسے وقت میں اپنے گھر میں قدم بھی نہ رکھنے دیتے۔۔۔ چہ جائیکہ تیمارداری کرنا۔۔۔ چہ جائیکہ غسل دینا۔

اس واقعہ سے تو ثابت اور واضح ہو رہا ہے کہ ان دونوں گھرانوں کے مابین بڑے قریبی مراسم اور گہرے تعلقات تھے۔۔۔ اسی لیے تو مصیبت کی گھڑی میں اور دکھ کے دنوں میں اور ضرورت کے اوقات میں ایک دوسرے کے کام آتے۔۔۔ معاونت کرتے۔۔۔ خدمت کرتے۔۔۔ مشورے دیتے۔۔۔ اور ساتھ نبھاتے تھے۔

یہ بات بھی یقیناً آپ کے لیے نئی ہوگی کہ امیر المومنین سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد ان کی اہلیہ سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کے ساتھ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے نکاح فرمایا۔۔۔ اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے چھوٹے بیٹے محمد۔۔۔ جو سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھے ان کی پرورش بھی سیدنا علی نے فرمائی۔

باغِ فدک

باغِ فدک مالِ فیئے میں ملا تھا جس کی آمدنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھرانے پر۔۔۔ ازواجِ مطہرات پر خرچ ہوتی۔۔۔ اور آپ کے رشتے داروں کو بھی ان کا حصہ ملتا۔۔۔ جتنا حصہ آمدنی کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک دور میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد پر خرچ ہوتا تھا۔۔۔ آمدنی کا وہی حصہ آمدنی خلافت ابوبکر میں خانوادۂ علی کو ملتا رہا۔۔۔ اور وہ وصول کرتے رہے۔۔۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اختیار کردہ طریقہ سے بال برابر بھی انحراف یا تجاوز نہیں کرنا چاہتے تھے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا فدک کی آمدنی میں سے حصہ وصول کرنا ثابت کرتا ہے کہ وہ سیدنا

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے فیصلے سے راضی تھے۔

طحاوی شریف میں ایک روایت ہے کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد باغ فدک کی آمدنی سے اپنا حصہ پائے گی اللہ کی قسم میں صدقاتِ رسول کو اس حال سے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وقت میں تھا کسی چیز کو اس کی جگہ سے نہیں بدلوں گا اور اس میں میرا طریقہ کار وہی رہے گا جو طریقہ کار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تھا۔

(طحاوی 298/1)

بخاری کی ایک روایت بھی سن لیجیے! سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اِنَّمَا یَأْکُلُ اٰلُ مُحَمَّدٍ فِیْ هٰذَا الْمَالِ وَاللّٰهِ لَقَرَابَةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَحَبُّ اِلَیَّ اَنْ اَصِلَ مِنْ قَرَابَتِیْ (بخاری 576/2)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد اسی مال سے کھائے گی اللہ کی قسم! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رشتے دار مجھے اپنے رشتے داروں سے زیادہ عزیز ہیں کہ میں انہیں اپنے ساتھ ملا کر رکھوں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مالِ خمس کی تقسیم کا نگران سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بنایا۔۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں۔۔۔۔ میں ہی اسے تقسیم کرتا تھا۔۔۔ ثُمَّ وَلَّانِیْهِ اَبُوْ بَکْرٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی فَاَقْسِمُهُ فِیْ حَیَاتِهٖ۔۔۔ پھر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھے اموالِ خمس کا متولی بنایا اور ان کی زندگی میں میں ہی اسے تقسیم کرتا رہا۔۔۔ پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مجھے ہی متولی برقرار رکھا اور خلافت عمر میں بھی میں ہی اسے تقسیم کرتا رہا۔ (مسند احمد 85)

آج مجالس کے اندر اس سلسلہ میں دردناک کہانیاں بیان ہوتی ہیں۔۔۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا پر ہونے والے ظلم کی کہانیاں رو، رو کر بیان کی جاتی ہیں۔۔۔ دربار میں حاضریاں۔۔۔ خاتونِ جنت کو دھکے۔۔۔ دروازے کو آگ۔۔۔ فدک کا غصب کر لینا۔۔۔ اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو حق سے محروم رکھنا۔۔۔ یاد رکھیے یہ ساری باتیں اور کہانیاں بے وقعت اور بے وزن اور بے دلیل ہیں۔

اگر بالفرض سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا حق غصب کیا۔۔۔اور خلاف شریعت فیصلہ کیا۔۔۔اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا پر ظلم ہوا۔۔۔تو جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ امیر المومنین بنے اور تمام تر اختیارات کے وہ مالک ٹھہرے تو انہوں نے باغِ فدک سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ورثاء کو کیوں نہیں لوٹایا۔۔۔؟ انہوں نے اس غلط فیصلے کو کیوں نہیں بدلا۔۔۔؟ انہوں نے اس ظلم وزیادتی کا خاتمہ کیوں نہیں کیا۔۔؟ باغِ فدک کا ورثاءِ فاطمہ کو لوٹانا اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے فیصلے کو بدلنا تو بہت دور کی بات ہے خلافت علی میں کچھ شرارتی عنصر نے فدک کی بات کو اٹھانا چاہا تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کیا فرمایا۔۔۔؟ اسے اہل تشیع کے علم الھدیٰ سید مرتضیٰ نے کیسے بیان کیا:

فَلَمَّا وَصَلَ الْاَمْرُ اِلٰی عَلِیٍّ کُلِّمَ فِیْ رَدِّ فَدَكٍ۔۔۔ جب خلافت کے امور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے سپرد ہوئے۔۔۔تو آپ سے کہا گیا کہ فدک سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ورثاء کو لوٹا دیں۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جوب میں فرمایا:

اِنِّیْ لَاَسْتَحْیِیْ مِنَ اللّٰہِ اَنْ اَرُدَّ شَیْئًا مَنَعَهٗ مِنْهُ اَبُوْبَكْرٍ وَاَمْضَاهُ عُمَرُ

(کتاب الشافی 231)

مجھے اللہ سے حیا اور شرم آتی ہے کہ میں اس چیز کو واپس کروں جسے ابوبکر نے منع فرمایا تھا اور عمر نے بھی اسے باقی رکھا تھا۔

بیعت علی رضی اللہ عنہ امت کے تمام علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال کے بعد سب صحابہ کے مشورے اور اتفاق سے **سیدنا** صدیق اکبر رضی اللہ عنہ خلافت کے منصب پر فائز ہوئے اور تمام صحابہ نے اپنی مرضی، خوشی اور رضا کے ساتھ ان کے ہاتھ پر بیعت خلافت کی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اگرچہ خلافت کے لیے کسی کو نامزد نہیں فرمایا تھا مگر اشاروں اور

کنایوں میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت وامارت کا تذکرہ فرمایا۔

ایک عورت کے آنے پر جب اس نے کہا میں دوبارہ آؤں اور آپ موت کا جام پی لیں تو پھر میں کیا کروں۔۔۔آپ نے فرمایا:

اِنْ جِئْتِ فَلَمْ تَجِدِيْنِيْ فَأْتِيْ اَبَابَكْرٍ

اگر تم آؤ اور مجھے نہ پاؤ تو ابوبکر کے ہاں چلی جانا۔

اہل تشیع کی معتبر کتاب احتجاج طبرسی میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زوجہ سیدہ حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہما سے فرمایا۔۔۔ میں تمہیں ایک خوشخبری سناؤں، انہوں نے عرض کی: یارسول اللہ! ضرور سنایئے، آپ نے فرمایا:

اِنَّ اَبَابَكْرٍ يَلِي الْخِلَافَةَ بَعْدِيْ ثُمَّ مِنْ بَعْدِهٖ اَبُوْكِ

میرے بعد خلافت کا والی ابوبکر ہوگا اور ابوبکر کے بعد تمہارے والد محترم سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ہوں گے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد مسجد نبوی میں بیعت عامہ ہوئی۔۔۔سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے بھی شروع ہی میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

قَدِ اتَّفَقَ الصَّحَابَةُ عَلٰى بَيْعَةِ الصِّدِّيْقِ فِيْ ذَالِكَ الْوَقْتِ حَتّٰى عَلِيُّ بْنُ اَبِيْ طَالِبٍ وَالزُّبَيْرُ (البدایہ والنہایہ 249/5)

اصحابِ رسول کا اسی وقت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بیعت پر اتفاق ہوگیا تھا سیدنا علی اور سیدنا زبیر رضی اللہ عنہما نے بھی بیعت اسی وقت کرلی تھی۔

شیعہ عالم علامہ طبرسی کہتا ہے:

سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما نے مسجد نبوی میں دیکھا کہ صحابہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گرد جمع

ہیں۔۔سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی موجود ہیں۔۔۔سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔۔ هَلْ بَايَعْتَهُ۔۔کیا آپ نے بھی ابوبکر کی بیعت کر لی ہے۔۔سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔۔ نَعَمْ يَا أُسَامَةُ۔۔۔ہاں میں نے بھی بیعت کر لی ہے۔ (کتاب الامالی 131/2)

اہل تشیع بھی اس بات کے قائل ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بیعت کی ہے۔۔۔مگران کا کہنا یہ ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے تقیۃً بیعت کی ہے۔۔۔یہ بیعت جبر سے لی گئی۔۔۔زبردستی بیعت ہوئی۔

فروع کافی جلد: 3 صفحہ نمبر 115 کتاب الروضہ میں محمد بن یعقوب کلینی نے ایک سے زائد جگہوں پر اس حقیقت کا اقرار کیا ہے کہ فَبَايَعَ مُكْرَهًا۔۔۔سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے زبردستی بیعت لی گئی۔۔۔ یا سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے شر کو دفع کرنے کے لیے بیعت کر لی۔۔۔انہوں نے فتنہ کو مٹانے کے لیے بیعت کر لی۔ (کتاب الشافی 209)

کئی غیر ذمہ دار حضرات تو اسے بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہیں کہ گلے میں رسی ڈال کر لایا گیا اور بیعت لی گئی۔۔۔گھر کے دروازے کو آگ لگا دی گئی۔۔۔اور اس طرح بیعت لی گئی۔

اگر اہل تشیع کی یہ بات تسلیم کر لی جائے کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت علی تقیۃً تھی اور فتنہ وفساد سے بچنے کے لیے ہوئی تھی تو پھر سوال ہے کہ سیدنا معاویہ اور سیدہ عائشہ کے معاملہ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے تقیہ کیوں نہیں کیا۔۔۔؟ وہاں خاموشی اختیار کیوں نہیں کی۔۔۔؟

پھر سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے یزید کے معاملے میں تقیہ کیوں نہیں کیا؟ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے اپنا کنبہ ذبح کروا دیا۔۔۔ چھ مہینے کا علی اصغر اور کڑیل جوان علی اکبر شہید کروا دیے مگر فتنہ وفساد سے بچنے کے لیے یزید کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی۔ (بقول تمہارے)

اگر سیدنا صدیق اکبر، سیدنا فاروق اعظم اور سیدنا عثمان (رضی اللہ عنہم) بھی یزید کی طرح

ہوتے تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بھی کم از کم سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی طرح ہونا چاہیے تھا۔۔۔بڑی عجیب بات ہے کہ باپ نے تقیہ کر کے اور فتنہ وفساد سے بچنے کے لیے ظالموں سے نباہ کر لیا اور اپنا کنبہ اور اولاد بچالی۔۔۔اور بیٹے نے ظالم سے نباہ نہیں کیا بلکہ اپنا سب کچھ قربان کر دیا۔

اگر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی پوزیشن اور دامن بچانا چاہتے ہو تو تسلیم کرو کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بخوشی ورضا بیعت کی تھی۔۔۔اور نمازیں ان کی اقتداء میں امامت کا اہل سمجھ کر پڑھتے رہے۔

تفسیر قمی صفحہ 395، احتجاج طبرسی صفحہ 53، مرأۃ العقول شرح اصول صفحہ 388، ترجمہ مولوی مقبول دہلوی ضمیمہ صفحہ 415۔۔۔ان کتابوں کو کھولو۔۔۔دیکھو۔۔۔اور غور سے پڑھو۔۔۔تاکہ تم پر یہ حقیقت واضح ہو کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ خلافت ابوبکر میں۔۔۔مسجد نبوی میں۔۔۔نمازیں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں ادا کرتے رہے۔۔۔سیدنا علی رضی اللہ عنہ خلافت ابوبکر میں حکومتی مراعات (جو ان کا حق بنتی تھیں) لیتے رہے۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں۔۔۔سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں اسلامی فوج نے بنو تغلب پر چڑھائی کی۔۔۔جنگی قیدیوں میں صہباء نامی ایک لونڈی بھی تھی۔۔۔جو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو عنایت کر دی۔۔۔سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا بیٹا عمر اسی باندی کے بطن سے تھا۔۔۔اسی صہباء کو ام حبیب بھی کہتے ہیں۔

(طبقات ابن سعد $\frac{86}{5}$)

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں مسیلمہ کذّاب کے خلاف جو لشکر کشی ہوئی اور جنگ ہوئی جس میں مسیلمہ کو شکست ہوئی اور مسلمان فتح سے ہمکنار ہوئے۔۔۔قیدیوں میں ایک لونڈی خولہ بنت جعفر المعروف بہ حنفیہ بھی تھیں۔۔۔سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے یہ لونڈی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو دی۔۔۔اور اسی کے بطن سے محمد پیدا ہوئے جو محمد بن حنفیہ کے نام سے معروف ہیں۔ (البدایہ والنہایہ $\frac{331}{7}$، طبقات ابن سعد $\frac{66}{5}$)

ملا باقر مجلسی اپنی شہرۂ آفاق کتاب جلاء العیون میں لکھتا ہے:

در روایات شیعہ وارد شدہ است کہ چوں اسیراں را بہ نزد ابوبکر آوردند مادرِ محمد بن حنفیہ درمیاں آنہا بود

شیعہ کتب میں موجود ہے کہ جب قیدی سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس لائے گئے ان میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بیٹے محمد کی ماں بھی موجود تھیں۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے وہ لونڈیاں قبول کیں جو ان لڑائیوں میں گرفتار ہو کر آئیں تھیں جو خلافت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ میں ہوئیں۔۔۔ یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کو خلافت حقہ اور ان کی جنگوں کو جہاد اسلامی سمجھتے تھے اور ان کے مابین خوشگوار دوستانہ اور برادرانہ تعلقات تھے۔

اگر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت (معاذ اللہ) غاصبانہ تھی۔۔۔ اگر ان کی خلافت۔۔۔ خلافت حقہ نہیں تھی تو پھر ان کے دور میں ہونے والی جنگیں۔۔۔ جہاد کیسے ہو گئیں۔۔۔؟ اور ان کے دورِ خلافت میں ہونے والی جنگوں میں گرفتار عورتیں بطور لونڈیاں کیسے حلال ہو گئیں۔۔۔؟

سنو!!! اس حقیقت کو تسلیم کیے بنا کوئی چارہ نہیں ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کو اسلامی خلافت مانتے تھے۔۔۔ انہوں نے اس خلافت کو برضا وخوشی تسلیم کیا تھا۔۔۔ اور ان کے ہاتھ پر بیعت کر کے۔۔۔ ان کی اقتداء میں نمازیں ادا کرتے رہے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دور میں علمی مجالس جس میں خلیفۂ وقت فقہی مسائل میں مشورے لیتے تھے۔۔۔ جو مجلس صاحب الرائے اور صائب الرائے صحابہ پر مشتمل تھی اس میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شخصیت نمایاں تھی۔ (طبقات ابن سعد $\frac{109}{3}$)

بلکہ بہت سے فیصلے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمائے۔۔۔ اہل تشیع کی فقہ کی کتب میں مستقل باب موجود ہے۔۔۔ بَابُ قَضَاءِ عَلِیٍّ فِیْ اَیَّامِ اَبِیْ بَکْرٍ۔۔۔ اس باب میں وہ

فیصلے درج ہیں جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے خلافت ابو بکر میں فرمائے تھے۔

سیاسی امور اور جنگی مہمات میں بھی سیدنا علی رضی اللہ عنہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مشیر رہے۔۔۔ سیدنا صدیق اکبر نے مانعین زکوٰۃ سے جنگ کا ارادہ کیا تب بھی سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مشورہ لیا۔

سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے روم کے خلاف لڑائی کا ارادہ کیا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا۔۔۔ تاریخ یعقوبی اور ناسخ التواریخ میں ہے۔۔۔ فَاسْتَشَارَ عَلِيًّا فَأَشَارَ أَنْ يَّفْعَلَ قَالَ اِنْ فَعَلْتَ ظَفِرْتَ۔۔۔ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیا انہوں نے مشورہ دیتے ہوئے فرمایا۔۔۔ آپ یہ جنگ کریں اللہ آپ کو کامیابی عطا فرمائے گا۔۔۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے یہ مشورہ سن کر فرمایا۔۔۔ بَشَّرْتَ بِالْخَيْرِ

(تاریخ یعقوبی 132، ناسخ التواریخ $\frac{158}{2}$)

آپ نے بھلائی اور خیر کی خوشخبری دی ہے۔

سامعین گرامی قدر! میں نے فریقین کی مختلف کتب سے یہ بات واضح کر دی ہے کہ دشمنانِ صحابہ کی پھیلائی ہوئی یہ بات سراسر غلط ہے۔۔۔ کہ سیدنا ابو بکر اور سیدنا علی رضی اللہ عنہما کے مابین تعلقات خوشگوار نہیں تھے اور ان کے درمیان عداوت اور مخالفت تھی۔۔۔ میں نے دلائل کے ساتھ ثابت کر دیا ہے کہ ان دونوں کے مابین برادرانہ اور دوستانہ تعلقات تھے۔۔۔ ان کے مابین محبت والفت کی فضائیں تھیں۔۔۔ اور آپس میں پیار تھا۔

سامعین گرامی قدر! اب میں آپ کے سامنے ایسا حوالہ پیش کرنا چاہتا ہوں جس سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح نکھر کر سامنے آجائے گی۔۔۔ کہ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا نظریہ اور خیال یہ تھا کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم کی جماعت میں سب سے اعلیٰ اور افضل اور بالا قدر ہیں۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا ایک خطبہ۔۔۔ فصاحت وبلاغت سے بھرپور خطبہ۔۔۔ مقفّٰی اور مسجع

عبارت سے مزین خطبہ۔۔۔اہل تشیع کی کتاب محب طبری کی ریاض النضرہ میں درج ہے۔

يَرْحَمُكَ اللهُ

ابوبکر اللہ تجھ پر رحمتیں نازل کرے۔۔۔تم اللہ کے رسول کے محبوب تھے۔۔۔ ان کے غم خوار اور دوست تھے۔۔۔ابوبکر رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رازوں کے امین اور آپ کے مشیر تھے۔

كُنْتَ أَوَّلَ الْقَوْمِ إِسْلَامًا

ابوبکر تم ہی وہ ہو جو سب سے پہلے ایمان لائے۔

وَأَخْلَصَهُمْ إِيْمَانًا

اور پوری امت میں ایمان میں سب سے زیادہ مخلص۔

وَأَشَدَّهُمْ يَقِيْنًا

ساری امت میں یقین کے اعتبار سے سب سے زیادہ مضبوط۔

وَأَخْوَفَهُمْ لِلّٰهِ

اللہ سے سب سے زیادہ ڈرنے والے۔

أَعْظَمَهُمْ غِنًا فِيْ دِيْنِ اللهِ

اللہ کے دین کے راستے میں سب سے بڑھ کر سخاوت کرنے والے۔

وَأَحْفَظَهُمْ عَلَى رَسُوْلِ اللهِ

(مخلوق میں سے) اللہ کے رسول کی محافظت سب سے بڑھ کر کرنے والا

وَأَخْدَمَهُمْ عَلَى الْإِسْلَامِ

پوری امت میں اسلام کی خدمت کرنے میں سب سے آگے۔

وَأَكْثَرَهُمْ مَنَاقِبًا

امت میں سب سے زیادہ فضائل اور مناقب رکھنے والا۔

وَاَقْرَبَهُمْ وَسِیْلَةً

نبی اکرم ﷺ کا سب سے زیادہ مقرب۔

وَاَشْرَفَهُمْ مَنْزِلَةً

اللہ کے رسول کے لیے سب صحابہ سے اشرف۔

وَاَكْرَمَهُمْ عِلْمِيَّةً

علم کے اعتبار سے سب سے بڑھ کر عزت و مرتبہ والا۔

كُنْتَ عِنْدَهٗ بِمَنْزِلَةِ السَّمْعِ وَالْبَصَرِ

اے صدیق اکبر! تم اللہ کے رسول کے لیے ایسے تھے جس طرح جسم کے لیے آنکھ اور کان ہوتے ہیں۔

صَدَّقْتَ الرَّسُوْلَ حِيْنَ كَذَّبَهُ النَّاسُ

اے ابوبکر! تم نے نبی اکرم ﷺ کی اس وقت تصدیق کی تھی جب سب لوگ آپ کی تکذیب کر رہے تھے۔

فَسَمَّاكَ اللهُ تَنْزِيْلًا صِدِّيْقًا

اللہ نے خود تمہارے لیے صدیق کا لقب اتارا ہے۔

فَقَالَ وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖ

(قرآن میں اللہ نے فرمایا) اور وہ (محمد ﷺ) جو سچ لے کر آیا اور جس نے (ابوبکر رضی اللہ عنہ) اس سچ کی تصدیق کی۔

اَلَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ مُحَمَّدٌ وَصَدَّقَ اَبُوْبَكْرٍ

جو سچ لے کر آیا محمد کریم ﷺ ہیں اور جس نے اس سچ کی سب سے پہلے تصدیق کی وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں۔

ثَانِيَ اثْنَيْنِ

ابو بکر تم وہ ہو جسے دو میں سے دوسرا فرمایا گیا۔۔۔ نبی پہلا اور تم دوسرے۔۔۔
پوری امت میں نبی کے لیے اگر کوئی دوسرا ہے تو ابو بکر تم ہو۔

وَصَاحِبُهٗ فِی الْغَارِ

تم وہ ہو جو یارِ غار ہو۔

وَالْمُنَزَّلُ عَلَيْهِ السَّكِيْنَةُ

تم ہی ہو جس پر تسکین اور سکینت اتاری گئی۔

وَرَفِيْقُهٗ فِی الْهِجْرَةِ

اللہ نے تمہیں ہجرت میں رفیق نبوت بنایا۔

وَخَلِيْفَتُهٗ فِیْ دِيْنِ اللهِ

تم ہی ہو جو اللہ کے دین کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلیفہ بنے۔

وَاَحْسَنُ الْخِلَافَةِ

اور پھر خلافت کرنے کا حق ادا کر دیا۔۔۔ بہترین خلافت کرنے والے تم ہی ہو۔

قُمْتَ بِالْاَمْرِ حِيْنَ فَشَلُوْا۔۔۔ وَمَطٰى بِنُوْرِ اللهِ حِيْنَ وَقَفُوْا۔۔۔ تم اس وقت اللہ کے حکم کو نافذ کرنے کے لیے جرأت کے ساتھ کھڑے ہوئے جب لوگ بزدلی کا مظاہرہ کرنے لگے تھے۔ (یہ سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ان حالات کی طرف اشارہ فرمایا ہے جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد منافقین اور منکرین زکوۃ اور جھوٹے مدعیانِ نبوت دین کے لیے خطرہ بنے۔۔۔ ایسے نازک وقت میں اور مشکل کی گھڑی میں پہاڑ کی طرح اگر کوئی ثابت قدم رہا تو وہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تھے۔

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جیسا عظیم المرتبت اور عبقری انسان کہا کرتا تھا:

ابو بکر۔۔۔! میری زندگی بھر کی نیکیاں لے لو اور ایک رات اور ایک دن کی نیکی ہمیں دے دو۔

رات وہ جب تم ہجرت کے سفر میں رفیق نبوت بنے۔۔۔۔۔اور دن وہ جب نبی اکرم ﷺ کے انتقال کے بعد کچھ لوگوں نے زکوۃ کی ادائیگی سے انکار کر دیا۔۔۔اور تم نے پوری جرأت اور استقامت سے کہا تھا کہ نبی اکرم ﷺ کی زندگی میں جو شخص زکوۃ کی مد میں ایک رسی دیتا تھا آج انکار کرے گا تو ابوبکر اس سے جہاد کرے گا۔

سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی عظمتوں اور خوبیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے آخر میں فرمایا:

ضَعِيفًا فِي بَدَنِكَ وَقَوِيًّا فِي أَمْرِ اللهِ

ابوبکر وہ ہے جو جسمانی اعتبار سے تو اتنا قوی نہیں ہے مگر اللہ کے راستے میں اور اللہ کے حکم نافذ کرنے میں بڑا طاقتور ہے۔

وَمُتَوَاضِعًا فِي نَفْسِكَ عَظِيمًا عِنْدَ اللهِ

عاجزی وانکساری کا پیکر اللہ کے ہاں بڑا عظیم المرتبت ہے۔

جَلِيلًا فِي أَعْيُنِ النَّاسِ كَبِيرًا فِي أَنْفُسِهِمْ

لوگوں کی نگاہوں میں جلیل القدر اور بڑے درجے والا ہے۔ (ریاض النضرہ)

آیئے! ایک حوالہ جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کا بھی سن لیجیے۔۔۔ جو اہل تشیع کے چھٹے امام ہیں اور فقہ جعفری کی نسبت بھی انہی کی طرف ہے۔۔۔ان سے کسی نے پوچھا:

کیا تلوار کے دستے کو مزین کرنا اور سنوارنا جائز ہے؟

حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں فرمایا:

ہاں جائز ہے، صدیق نے اپنی تلوار کو مزین کیا تھا۔

پوچھنے والا حیران ہو کر کہتا ہے:

أَتَقُولُ الصِّدِّيقُ

کیا آپ بھی انہیں صدیق کہہ رہے ہیں۔

یہ سن کر حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ جوش اور غصے میں اپنی جگہ سے کھڑے

ہو گئے اور کہا:

نَعَمْ اَلصِّدِّيْقُ فَمَنْ لَّمْ يَقُلْ الصِّدِّيْقُ فَلَا صَدَّقَ اللهُ قَوْلَهٗ فِي الدُّنْيَا

وَالْاٰخِرَةِ (کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ 220/2)

ہاں میں اسے صدیق کہتا ہوں اور جو اسے صدیق نہیں کہتا اللہ اس کی کسی بات کی

تصدیق نہ کرے۔

میں آخر میں اس سلسلہ میں زبردست حقیقت آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں۔

حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کے بعد آپ کے ہاں بیٹا پیدا ہوا تو آپ نے اس کا نام

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک نام پر محمد رکھا۔۔۔ جسے مورخین محمد بن حنفیہ کہتے ہیں (تاکہ عام

لوگوں کو پتہ نہ چلے کہ یہ بھی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا بیٹا ہے کیونکہ اس نے کربلا جاتے ہوئے سیدنا

حسین رضی اللہ عنہ کا ساتھ نہیں دیا بلکہ انہیں کوفیوں کی غداری یاد دلا کر روکا بھی تھا) اس کے بعد

آپ کے ہاں بیٹا ہوا سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس کا نام ابوبکر رکھا۔۔۔ پھر بیٹا ہوا اس کا عمر

رکھا۔۔۔ اللہ نے پھر بیٹا دیا اس کا نام عثمان رکھا۔

خاندانِ علی سے محبت اور عشق کا دعویٰ کرنے والوں سے سوال ہے کہ تم آج

گھوڑے کی تعریف کرتے ہو بلکہ گھوڑے کا نام وضو کر کے لیتے ہو۔۔۔ اسے چھونا باعث

سعادت سمجھتے ہو۔۔۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ان بیٹوں کے نام کیوں نہیں لیتے ہو۔۔۔ جو

کربلا میں اپنے بڑے بھائی سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہے اور جامِ شہادت نوش فرمایا۔

اس کے باوجود تم خاندانِ علی کے محب کہلاتے ہو۔۔۔ اور ہمیں اعداء علی کا طعنہ

دیتے ہو۔۔۔ تم سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بیٹوں کا نام لینا گوارا نہ کرو پھر بھی عاشقوں کے زمرے

میں شامل۔۔۔

سنو!!! یہ نام نہاد محب علی۔۔۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بیٹوں کے نام لے بھی نہیں

سکتا۔۔۔اس کی جرأت اور ہمت ہی نہیں کہ فرزندانِ علی کا نام اس کی زبان پر آئے۔

کیونکہ پورے مذہب کی بنیاد تو ہے ہی اس بات پر کہ پہلے تینوں خلفاء (سیدنا ابوبکر، سیدنا عمر، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہم) سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے دشمن تھے۔۔۔خلافت کے غاصب تھے۔۔۔باغِ فدک کے معاملہ میں ظالم تھے۔۔۔منافق تھے۔۔۔ان کی سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے دشمنی تھی۔۔۔اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا ان سے کوئی تعلق نہیں تھا۔

اب اگر لوگوں کو اور عوام کو بتائیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے تین بیٹوں کے نام "ابوبکر، عمر، عثمان" تھے۔۔۔تو برادری ثابت ہوتی ہے۔۔۔ان کے مابین محبت اور الفت ثابت ہوتی ہے۔۔۔واضح ہوتا ہے کہ ان کے مابین دشمنی نہیں تھی دوستی تھی۔۔۔بغض نہیں تھا پیار تھا۔۔۔عداوت نہیں تھی محبت تھی۔۔۔اختلاف نہیں تھا محبت تھی۔

سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے ایک بیٹے کا نام بھی سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ابوبکر تجویز فرمایا۔

(تاریخ الائمہ 63)

اور سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے ایک بیٹے کا نام بھی ابوبکر پسند فرمایا۔

(تاریخ الائمہ 83)

ملا باقر مجلسی نے اپنی کتاب جلاء العیون میں تحریر کیا کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا فرزند ابوبکر کربلا کے معرکہ میں اپنے چچا کے ساتھ شریک ہوا۔

اس سے ثابت ہوا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور ان کے عظیم المرتبت بیٹوں سیدنا حسن اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہما کو سب سے زیادہ محبت اور عقیدت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے تھی۔

وما علینا الا البلاغ المبین

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ الْاَمِیْنِ

وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سامعین گرامی قدر! تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی امتوں میں سب سے بڑی امت۔۔۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت ہے خود رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جنت کی ایک سو بیس صفوں میں اسی صفیں میری امت کی ہوں گی۔

آج امت محمدیہ کروڑوں نہیں بلکہ اربوں تک پہنچ گئی ہے۔۔۔ مگر کبھی آپ نے اس بات پر غور فرمایا کہ اس امت کا پہلا فرد کون ہے۔۔۔؟ جتنی بڑی رقم کیوں نہ ہو وہ پہلے ایک اکائی تھی۔۔۔ اسی طرح آج امت محمدیہ اربوں میں ہے مگر بتاؤ تو سہی کہ اس کی گنتی کہاں سے شروع ہوئی۔

نبوت کا محل جو اللہ رب العزت نے تعمیر فرمایا اس کی آخری اینٹ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں (یہاں کچھ گفتگو خطیب ختم نبوت کے حوالے سے بھی کرسکتا ہے) اور قصر امت کی پہلی اینٹ یقیناً سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں۔

جہالت کے اندھیروں میں رسالت محمدی کا چراغ روشن ہوا تو مردوں میں سب سے پہلے جو پروانہ وار اس چراغ پر سو جان سے قربان ہونے کے لیے آگے بڑھا (اور پھر آگے ہی آگے بڑھتا گیا) جس نے بارگاہِ نبوت میں نذرانۂ دل پیش کرنے سے پہلے کوئی

نشانی، دلیل اور معجزہ طلب نہیں کیا۔

سب سے پہلا مومن اس امت کے اعتبار سے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہے جو میرے نبی کا مصدِّق بنا۔۔۔ ہم انبیاء کرام علیہم السلام کی زندگیوں کو دیکھتے ہیں اور ان کی سیرتوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ہر نبی اپنے سے پہلے نبیوں کا مصدّق بنا اور آنے والے نبیوں کی خوشخبری سناتا رہا۔

میرے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مبعوث ہوئے تو آپ نے پہلے سب انبیاء کرام علیہم السلام کی تصدیق فرمائی۔۔۔ مگر چونکہ آپ ختم نبوت کا تاج پہن کر آئے تھے اس لیے آپ کسی آنے والے پیغمبر کے لیے مبشّر نہیں بنے۔

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے لیے مصدّق کی حیثیت رکھتے تھے اور ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے مبشّر بن کر آئے تھے۔۔۔

مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ (الصّف 6)

اپنے سے پہلے اترنے والی کتاب تورات کی تصدیق کرنے والا اور اپنے بعد آنے والے ایک رسول کی خوشخبری دینے والا ہوں جس کا نام احمد ہے۔

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی آنے والے نبی کے (بوجہ ختم نبوت) مبشّر نہیں بنے تو آپ کا مصدّق کوئی نبی کیسے ہو سکتا ہے؟ جب ہر نبی کا آنے والا نبی مصدّق ہوتا ہے تو ہمارے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو سب سے اعلیٰ، اولیٰ اور افضل ہیں تو پھر آپ کا مصدّق کون بنے گا؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ ختم نبوت کی وجہ سے حالات بدل چکے تھے اس لیے مصدّق کی بجائے صدیق کا منصب تجویز ہوا۔ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق اب مصدّق نہیں بلکہ صدیق کرے گا۔

صدیق نبی تو نہیں ہوگا مگر نبوت کے ساتھ ایسے چلے گا جیسے سایہ اصل کے ساتھ چلتا

ہے۔۔۔وہ ہر جگہ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ ہوگا جیسے انسان کا سایہ ہر وقت اس کے ساتھ ہوتا ہے۔

نبی مکہ میں، صدیق ساتھ۔۔۔ نبی دارارقم میں، صدیق ساتھ۔۔۔ نبی غار میں، تب بھی صدیق ساتھ۔۔۔ نبی ہجرت کے سفر میں، تو صدیق ساتھ۔۔۔ نبی قبا میں، صدیق ساتھ۔۔۔ نبی مدینہ میں، صدیق ساتھ۔۔۔ نبی مسجد نبوی کی تعمیر میں، صدیق ساتھ۔۔۔ نبی بدر میں، صدیق ساتھ۔۔۔ نبی احد میں، صدیق ساتھ۔۔۔ نبی غزوۂ خندق میں، صدیق ساتھ۔۔۔ نبی خیبر میں۔۔۔ طائف میں۔۔۔ حنین میں۔۔۔ فتح مکہ میں۔۔۔ تبوک میں۔۔۔ ہر جگہ صدیق نبی کے ساتھ ساتھ۔۔۔ نبی گنبد خضریٰ میں آرام فرما۔۔۔تو صدیق وہاں بھی نبی کے ساتھ۔

اب یہ حقیقت آسانی کے ساتھ سمجھ آ گئی کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کے دعوتِ اسلام دینے کے جواب میں کسی نشانی، دلیل اور معجزے کا مطالبہ کیوں نہیں کیا؟

بلکہ زبان رسالت سے دعوت ایمان ملنے کے بعد ایک لمحہ ضائع کیے بغیر اس دعوت پر لبیک کہا۔۔۔ کیوں؟ اس لیے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ تو پیدا ہی اس لیے ہوا تھا کہ وہ آخری نبوت کا مصدّق بنے گا۔۔۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے کئی مرتبہ انہیں صدیق کے لقب سے یاد فرمایا۔

ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ احد پہاڑ پر چڑھ رہے تھے، سیدنا صدیق اکبر، سیدنا عمر اور سیدنا عثمان (رضی اللہ عنہم) آپ کے ہمراہ تھے۔۔۔ اچانک احد پہاڑ ہلنے لگا، آپ نے فرمایا:

اُسْكُنْ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ نَبِيٌّ وَصِدِّيْقٌ وَشَهِيْدَانِ

(بخاری $\frac{282}{2}$، مسلم $\frac{519}{1}$)

اے اُحد ٹھہر جا تجھ پر ایک اللہ کا نبی ہے دوسرا صدیق ہے اور دو شہید ہیں۔

نبی اکرم ﷺ نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا تذکرہ اپنے ساتھ فرما کر قرآن کی اس آیت کی گویا تفسیر فرمادی:

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَأُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ أُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا (النساء 69)

جولوگ اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرتے ہیں وہ انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے اور ان کی رفاقت کیا خوب رفاقت ہوگی۔

اس سے معلوم ہوا کہ صدّیقیّت کے اوپر سوائے نبوت کے اور کوئی درجہ نہیں ہے۔۔۔ نبی نیچے دیکھے تو صدیق نظر آتا ہے اور صدیق اوپر دیکھے تو نبی نظر آتا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے صدیق کے کچھ اوصاف بیان فرمائے ہیں۔۔۔ صدیق وہ ہوتا ہے کہ وہ اس دعوتِ حق کے لیے جو نبی پر نازل ہوتی ہے اپنا مال اور جان تک قربان کر دیتا ہے۔۔۔ حق کے ساتھ ایسی محبت ہوتی ہے کہ وہ کسی موقع پر داعی کی مخالفت بھی نہیں کرتا۔۔۔ وحی کے انوار نبی کی ذات سے صدیق کی ذات پر لگاتار پڑتے رہتے ہیں۔ (حجۃ اللہ البالغہ $\frac{70}{2}$)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے صدیق کے جتنے اوصاف بیان کیے ہیں یہ سب کے سب اوصاف سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ذات میں مکمل پائے جاتے ہیں اور امت میں یہی صدیق اکبر کہلانے کا حقدار ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

صدیقیت کی مثال اس نہایت قوی بصارت کی سی ہے جو سب سے پہلے دور کی چیز دیکھ لیتی ہے اور باریک سے باریک ذرہ کو بھی ڈھونڈ نکالتی ہے حالانکہ کمزور آنکھیں اس وقت دیکھتی ہیں جب وہ چیز بالکل سامنے آجاتی ہے یا اجالا بہت زیادہ ہو چکتا ہے۔
(تذکرہ 110)

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تمام اصحاب رسول میں صدیق کے لقب کے ساتھ ایک

امتیازی شان رکھتے ہیں۔۔۔سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صدیق کا یہ لقب انہیں اللہ نے عطا فرمایا اور نبوت کی سچی زبان نے اسے لوگوں تک پہنچایا۔۔سیدنا علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

لَاَنْزَلَ اللّٰهُ اِسْمَ اَبِیْ بَکْرٍ مِنَ السَّمَاءِ الصِّدِّیْق

(کنزل العمال 314/6، التاریخ الکبیر بخاری 99/1)

اللہ رب العزت نے ابوبکر کا نام "الصدیق" آسمان سے نازل فرمایا۔

یہ تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے جو آپ نے سنا۔۔۔ذرا ان کے پوتے اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے لخت جگر علی بن حسین المعروف بہ زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد بھی سنیے! اور ہر قسم کی ضد اور عناد سے ہٹ کر اور ہر قسم کی دھڑے بندی سے کنارہ کش ہو کر سنیے:

زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ سے ایک شخص نے کہا کچھ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں بتلایئے۔

سیدنا زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تو "الصدیق" کے بارے میں پوچھتا ہے۔۔۔۔یہ سن کر وہ شخص کہنے لگا آپ بھی اسے الصدیق کہتے ہیں۔۔۔۔۔اس پر زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

تیری ماں تجھ پر روئے۔۔۔صدیق کا لقب تو انہیں اس ہستی نے عطا کیا تھا جو مجھ سے اور تجھ سے بہتر ہے یعنی امام الانبیاء سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین وانصار نے انہیں یہ لقب دیا تھا پھر سیدنا زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

جو شخص سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو "الصدیق" کے نام سے یاد نہ کرے اللہ اس کی بات کو دونوں جہانوں میں سچا نہ کرے۔

(فضائل ابی بکر عشاری 9)

ایک ارشاد پانچویں امام سیدنا محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ کی زبان مبارک سے بھی سنیے۔۔ میں اسے اس نیت سے بیان کر رہا ہوں کہ

تو اگر میرا نہیں بنتا تو نہ بن اپنا تو بن

یا

انہی کے مطلب کی کہہ رہا ہوں زبان میری ہے بات ان کی

کسی نے محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔عَنْ حِلْيَةِ السَّيْفِ هَلْ يَجُوْزُ۔۔۔کیا تلوار کو زیور سے مرصّع کرنا جائز ہے؟

انہوں نے فرمایا ہاں جائز ہے۔۔۔ قَدْ حَلّٰى اَبُوْبَكْرِ نِ الصِّدِّيْقُ سَيْفَهٗ ۔۔۔دلیل اس کی یہ ہے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی تلوار کو زیور سے مرصّع کیا ہوا تھا۔

پوچھنے والے نے تعجب سے پوچھا۔۔۔ اَتَقُوْلُ هٰكَذَا۔۔۔کیا آپ بھی انہیں صدیق کہہ رہے ہیں؟

فَوَثَبَ الْاِمَامُ عَنْ مَّقَامِهٖ۔۔۔محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ غضبناک ہو کر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمانے لگے:

نَعَمْ الصِّدِّيْقُ، نَعَمْ الصِّدِّيْقُ، نَعَمْ الصِّدِّيْقُ ۔۔۔ہاں وہ صدیق ہے تین مرتبہ دہرایا۔ (کچھ علماء نے نَعَمْ نہیں نِعْمَ پڑھا ہے معنی ہو گا بہت اچھا صدیق)

فَمَنْ لَّمْ يَقُلْ لَّهُ الصِّدِّيْقُ فَلَا صَدَّقَ اللّٰهُ قَوْلَهٗ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ

(کشف الغمہ 220/2)

جو اسے صدیق نہیں کہتا اللہ اسے دنیا و آخرت میں جھوٹا کرے (اس کی کسی بات کی دنیا و آخرت میں تصدیق نہ کرے)

معراج کی تصدیق

طائف میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت ستایا گیا، آپ بے ہوش ہو کر تین مرتبہ گرے۔۔۔خون جوتیوں میں جم گیا۔۔۔ طائف کے بدمعاش آپ کے پیچھے تالیاں پیٹتے رہے۔۔۔ادھر آپ کے چچا ابو طالب کا بھی انتقال ہو گیا۔۔۔اور آپ کی رفیقۂ حیات سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی داغ مفارقت دی گئیں۔۔۔اس سال کو عام الحزن کہا جاتا

ہے یعنی غم کا سال۔۔۔ نبی اکرم ﷺ بہت زیادہ مغموم، غمگین اور پریشان رہنے لگے تو اللہ نے آپ کے غم کو دور کرنے کے لیے اور تسلی کے لیے معراج کا سفر کروایا۔

پہلے بیت اللہ سے بیت المقدس تک جسے ''اسراء'' کہتے ہیں اور اسی رات بیت المقدس سے ساتویں آسمان تک یا اس سے بھی آگے جہاں تک اللہ لے گیا جسے معراج کہتے ہیں۔۔۔ جسد مع الروح۔۔۔ عالم بیداری میں یہ سفر ہوا۔

معراج کا یہ سفر چونکہ عالم بالا سے تعلق رکھتا ہے اور رات کے ایک قلیل حصے میں یہ محیر العقول سفر پیش آیا۔۔۔ لوگ اسے آسانی کے ساتھ قبول کرنے کے لیے کب تیار ہو سکتے تھے۔

صبح کے وقت آپ نے سفر معراج کا مشرکین کے سامنے ذکر کیا تو انہیں تمسخر اُڑانے اور مذاق بنانے کا ایک اور موقع ہاتھ آ گیا۔۔۔ ابوجہل اور دیگر مشرکین نے اسے نبی اکرم ﷺ کی تکذیب کے لیے بطور حربہ استعمال کرنا چاہا۔۔ کچھ مشرکین سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاں پہنچے۔۔۔ اور کہنے لگے۔۔۔ آپ کا دوست کیا کہہ رہا ہے۔۔۔؟ کیا آپ ان کی اتنی بڑی خلاف عقل بات کی بھی تصدیق کریں گے۔۔۔؟ فرمایا انہوں نے ایسی کونسی بات کہہ دی ہے۔۔۔؟ مشرکین بولے۔۔۔ وہ کہہ رہے ہیں میں راتوں رات بیت المقدس اور وہاں سے آسمانوں تک ہو کر آیا ہوں۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر محمد کریم ﷺ کہتے ہیں تو صحیح کہتے ہیں۔۔۔ مشرکین کہنے لگے تم ان کی اس بات کی تصدیق کر رہے ہو۔۔۔؟ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں تو اس سے بھی بعید از عقل باتوں کی تصدیق کر چکا ہوں۔۔۔ وہ کہتے ہیں مجھ پر رب کی طرف سے وحی نازل ہوتی ہے۔۔۔ مجھ پر کتاب اترتی ہے۔۔۔ میں ان کی اس بات کی بھی تصدیق کرتا ہوں۔

نبی اکرم ﷺ کو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اس حسین اور دلربا جواب کا علم ہوا تو

آپ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو صدیق کا عظیم لقب عطا فرمایا۔ (ابن ہشام 399/1)

معراج کے سفر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل سے کہا۔۔۔ اِنَّ قَوْمِیْ لَا یُصَدِّقُوْنِیْ۔۔۔ میری قوم اس معجزے کی تصدیق نہیں کرے گی تو جبریل نے کہا۔۔۔ یُصَدِّقُكَ اَبُوْ بَكْرٍ وَهُوَ صِدِّیْقٌ۔۔۔ ابوبکر آپ کی تصدیق کرے گا اور وہ صدیق ہے۔
(ریاض النضرہ 67/1)

سفرِ ہجرت کا رفیق

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت عطا ہوئے تقریباً تیرہ سال بیت چکے تھے۔۔۔ مدینہ کے کچھ لوگ دعوتِ حق پر لبیک کہہ چکے تھے۔۔۔ مشرکین مکہ کے ظلم وستم میں بھی تیزی آ گئی تھی۔۔۔ حالات ایسے پیدا ہو چکے تھے کہ مسلمانوں کا مکہ مکرمہ میں رہنا ناممکن نہ سہی مگر محال اور دشوار ضرور ہو گیا تھا۔

حکمِ الٰہی سے ہجرت کے لیے یثرب کا فیصلہ ہوا۔۔۔ مسلمانوں نے یثرب کی جانب ہجرت شروع کر دی۔۔۔ کوئی تنہا جا رہا ہے اور کوئی مال بچوں سمیت۔۔۔ مگر ہر کوئی مشرکین مکہ سے چھپ چھپا کر ہجرت کر رہا ہے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے فرمایا مجھے تمہارا مقامِ ہجرت دکھایا گیا ہے۔۔۔ یہ دو پہاڑیوں کے درمیان ایک نخلستانی علاقہ ہے۔۔۔ اس شہادت کے بعد مسلمانوں نے یثرب (مدینہ منورہ) کی طرف ہجرت شروع کر دی۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بھی مدینہ جانے کی خواہش کا اظہار کیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔۔۔ آپ ابھی کچھ دن ٹھہریں کیونکہ مجھے امید ہے کہ مجھے بھی ہجرت کا حکم ہو گا (تو پھر اکٹھے چلیں گے) اس کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ ٹھہر گئے تاکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں ہجرت کا سفر کریں۔۔۔ ان کے ہاں دو اونٹنیاں تھیں انہیں ہجرت کے سفر میں سواری کے لیے تیار کر رکھا تھا۔ (بخاری 553/1)

مشرکین کی میٹنگ ہوئی جس میں آپ کو قتل کر دینے کا مشورہ طے پایا۔۔۔

دار الندوہ میں قریش کے سردار جمع تھے۔۔۔اور داعی اسلام کو قتل کرنے کا حتمی فیصلہ کر چکے تھے۔۔۔ادھر رب العالمین۔۔قادر وقدیر۔۔ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ۔۔۔کی قدرت خندہ زن تھی۔۔۔تقدیر الٰہی مسکرا رہی تھی کہ تم جس ہستی کو مٹانے کا فیصلہ کر رہے ہو۔۔۔میں اسے کائنات کا سردار بنا چکا ہوں۔۔۔میں اسے ایسی عظمت، رفعت، بلندی اور عزت سے نوازوں گا کہ یہ ساری کائنات کا فخر ہوگا۔۔۔دنیا تو دنیا رہ گئی۔۔۔آخرت میں بھی ساری کائنات کے لیے یہی فخر ہوگا۔۔۔تم اس کے قتل کے مشورے اور فیصلے کر رہے ہو۔۔۔تم میں سے کچھ تو اس کے ماننے والوں کی تلواروں کے لقمے بنو گے۔۔۔اور جو بچ جاؤ گے تو اس کی غلامی میں فخر سمجھو گے۔

جبریل امین نے نبی اکرم ﷺ کو اسی وقت مشرکین کے اس فیصلے سے آگاہ کر دیا اور اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچایا کہ آپ ہجرت فرمائیں۔۔۔اور ہجرت کے رفیقِ سفر کا تعین بھی فرما دیا۔۔۔سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے جبریل امین سے پوچھا۔۔۔ میرا رفیق سفر کون ہوگا۔۔۔؟ جبریل نے کہا ابوبکر کے سوا کون ہو سکتا ہے۔۔۔؟

(زرقانی $\frac{226}{1}$)

مدینے کا سفر تقریباً پانچ سو کلومیٹر کا تھا۔۔۔سفر بھی اَن دیکھا تھا۔۔۔پھر دشمن کے خطرات بھی تھے۔۔۔تعاقب بھی ہو سکتا تھا۔۔۔اس لیے ایک ایسے خادم اور ہم سفر ساتھی کی ضرورت تھی جو جان نثار بھی ہو۔۔۔باوفا بھی ہو۔۔۔ہم راز بھی ہو۔۔۔مخلص بھی ہو۔۔۔ایثار کا جذبہ رکھتا ہو۔۔۔شجاع اور بہادر بھی ہو۔۔۔زیرک اور دانشمند بھی ہو۔۔۔ عقلمند اور مدبر بھی ہو۔

یہ سب اوصاف اکیلے ابوبکر میں پائے جاتے ہیں۔۔۔اسی لیے اللہ رب العزت نے انہیں سفر ہجرت میں رفیق نبوت بنایا۔۔۔مشرکین نے اپنے منصوبے کی تکمیل کے لیے کاشانۂ نبوت کو گھیر لیا۔۔۔اور دروازے پر جم کر بیٹھ گئے کہ جونہی نبی باہر نکلیں گے یکبارگی

حملہ کر کے کام تمام کر دیں گے۔

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن

آپ حکم الٰہی پا کر اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اپنے بستر پر سلا کر۔۔۔ بغیر کسی گھبراہٹ، خوف اور پریشانی کے نہایت اطمینان سے باہر تشریف لائے۔۔۔ سورت یٰسین کی تلاوت آپ کے لبوں پر ہے۔۔۔ آپ مشرکین کی صف کو چیرتے ہوئے بلکہ آپ ان کے سروں پر مٹی ڈالتے ہوئے نکل گئے۔۔۔ اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو اندھا کر دیا۔۔۔ سورت یٰسین میں ہے:

وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا (یٰسین 9)

اور ہم نے ایک دیوار ان کے سامنے کر دی اور ایک آڑ ان کے پیچھے کر دی جس سے ہم نے ان کو اوپر سے ڈھانک دیا پس وہ نہیں دیکھ سکتے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے گھر سے بحفاظت نکل کر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لائے۔۔۔ مشرکین کو یقین تھا کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے گھر میں نہیں ہیں تو پھر یقینا سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر میں ہوں گے۔۔۔ وہاں پہنچے تو سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا سے پوچھا تمہارا ابا کہاں ہیں۔۔۔؟ سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا نے لاعلمی کا اظہار کیا تو ابوجہل نے نہایت غصے سے ان کے چہرے پر اتنی زور سے طمانچہ مارا کہ کان کی بالی گر گئی۔ (البدایہ والنہایہ $\frac{176}{3}$)

شیعہ اور سنی مذہب کی کتابیں اس پر شاہد ہیں۔۔۔ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو سفر ہجرت میں رفیق اور ساتھی خود نہیں بنایا اللہ رب العزت کے حکم کو پا کر بنایا ہے۔ (تفسیر حسن عسکری 212، حملۂ حیدری $\frac{48}{1}$)

اور ساتھ یہ بھی فرمایا کہ اگر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس سفر میں۔۔۔ کٹھن اور مشکل ترین سفر میں آپ کا ساتھ دیا۔۔۔ كَانَ فِي الْجَنَّةِ مِنْ رُفَقَائِكَ۔۔۔ تو پھر وہ جنت میں بھی آپ کا رفیق ہوگا۔۔۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔۔۔ أَرَضِيتَ

اَنْ تَکُوْنَ مَعِیَ یَا اَبَا بَکْرٍ تُطْلَبُ کَمَا اُطْلَبُ۔۔۔ کیا تم میرے ساتھ جانے کے لیے راضی ہو اور کیا تم پسند کرتے ہو کہ جس طرح مشرکین میری تلاش اور قتل کے درپے ہیں اسی طرح تمہاری تلاش اور قتل کے بھی درپے ہوں۔

پھر واقعی مشرکین نے آپ کی تلاش کے لیے تگ و دو شروع کی اور اعلان کیا کہ جو دونوں کو (نبی و صدیق) زندہ گرفتار کر کے لائے۔۔۔ یا ان دونوں کا سر لائے تو دو سو اونٹ انعام میں دیں گے۔۔۔ اور دونوں میں سے کسی ایک کا سر لائے (نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا صدیق رضی اللہ عنہ کا) یا دونوں میں سے کسی ایک کو گرفتار کر کے لائے تو سو اونٹ انعام میں دیں گے۔

زہے نصیب ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ! آج تیری قیمت بھی نبوت کے برابر پڑ گئی۔۔۔ حالانکہ کہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور کہاں ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔۔۔ دونوں میں عرش وفرش سے زیادہ فرق ہے۔۔۔ ایک نبی ہے دوسرا امتی ہے۔۔۔ ایک آقا ہے دوسرا غلام ہے۔۔۔ ایک آسمان ہے دوسرا زمین ہے۔۔۔ ایک مقتدا ہے دوسرا مقتدی ہے۔۔۔ کہاں نبوت اور کہاں صداقت۔۔۔ مگر آج ابوبکر رضی اللہ عنہ کی قیمت بھی نبوت کے برابر پڑ گئی۔۔۔ سبحان اللہ!

یہ قیمت ویسے نہیں پڑی۔۔۔ اس کے لیے ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بہت دکھ اٹھائے ہیں۔۔۔ بڑی مصیبتیں برداشت کی ہیں۔۔۔ اور بڑی قربانیاں دی ہیں۔

کبھی دودھ اور پانی بھی برابر ہو سکتے ہیں۔۔۔ یا ہم قیمت ہو سکتے ہیں۔۔۔ جب حلوائی دودھ میں پانی ڈالتا ہے تو دودھ بہت چیختا ہے۔۔۔ دودھ پانی سے کہتا ہے۔۔۔ تیرا رنگ میرے رنگ جیسا نہیں۔۔۔ تیرا ذائقہ میرے ذائقہ جیسا نہیں۔۔۔ تیرا مزا میرے مزے جیسا نہیں۔۔۔ تیری قیمت میری قیمت جیسی نہیں۔۔۔ تم کہاں آ رہے ہو۔۔۔؟ پانی جواب میں کہتا ہے۔۔۔ تیری یہ بات درست اور صحیح ہے کہ میرا رنگ تیرے رنگ جیسا نہیں۔۔۔ میرا ذائقہ تیرے ذائقے جیسا نہیں۔۔۔ اور میری قیمت تیری قیمت

جیسی نہیں۔۔۔مگر میں ہوں وفادار اور جانثار۔۔۔ میری قدر و قیمت کا اندازہ تمہیں اس وقت ہو گا جب حلوائی تجھے ڈالے گا کڑاہی میں۔۔۔ نیچے جلائے گا آگ۔۔۔ جب تک میرا ایک بھی قطرہ تیرے اندر موجود رہا۔۔۔ ساری آنچ خود سہہ لوں گا اور تجھ پر آنچ نہیں آنے دوں گا۔

یہ سب کچھ سن کر دودھ کہتا ہے۔۔۔ اگر تم اتنے وفادار ہو تو آ جاؤ۔۔۔ جو قیمت میری وہی قیمت تیری۔۔۔ میرا نبی دودھ کی طرح ہے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ پانی کی طرح۔۔۔ مگر یار باوفا ہے۔۔۔ اور جانثار ہے۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سفر ہجرت میں کبھی نبوت کے آگے اور کبھی پیچھے چلنے لگتے۔۔۔ کبھی ابوبکر رضی اللہ عنہ نبوت کے دائیں اور کبھی بائیں۔۔۔ دیوانہ وار چکر لگا رہے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی وجہ دریافت کی۔۔۔ تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا آگے چلتا ہوں تو خیال آتا ہے کہیں دشمن پیچھے سے نہ آ جائے۔۔۔ پھر پیچھے آ جاتا ہوں۔۔۔ پھر خیال آتا ہے کہیں دشمن دائیں جانب سے نہ آ جائے۔۔۔ اس لیے نبوت کے گرداگرد گھوم رہا ہوں کہ کسی طرف سے بھی حملہ ہو اور تیر آئے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے جسم میں پیوست ہو اور نبوت پر کوئی آنچ نہ آئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔۔۔ ابوبکر تمہیں اپنی جان کا خطرہ نہیں۔۔۔ عرض کیا میری جان تو ہے ہی نبوت پر قربان ہونے کے لیے۔

(فتح الباری $\frac{189}{2}$)

سفر ہجرت میں خطرہ تھا کہ مشرکین ہمارا تعاقب کریں گے۔۔۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ زمین پر پورا پاؤں نہیں رکھ رہے تھے بلکہ پنجوں کے بل چل رہے تھے تاکہ کھوج لگانے والوں کو ہماری رہگزر کا پتہ نہ چلے۔۔۔ یہ تقریباً پانچ کلومیٹر کا سفر تھا۔۔۔ نبوت کے پاؤں کی نازک تلیاں زخمی ہونے لگیں تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نبوت کو کندھے پر اٹھا لیا۔۔۔ وَجَعَلَ يَشْتَدُّ بِهِ۔۔۔ اور تیز قدم اٹھا کر۔۔۔ دوڑتے ہوئے۔۔۔ پہاڑ کی

چڑھائی پر چڑھے اور نبوت کو غارِ ثور میں پہنچا دیا۔

پہاڑ پر چڑھنا۔۔۔ اپنی جگہ خود ایک مشکل کام ہے اور نبوت کا وزن اٹھا کر چڑھنا ہر کسی کے بس کا کام نہیں ہے۔۔۔۔۔۔ یہ پچاس سال کا ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی تھا جس نے بارِ نبوت کو اٹھایا۔

کہتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا تم میرے کندھے پر آؤ اور بیت اللہ کے اندر سب سے اوپر جو تصویریں ہیں انہیں توڑ دو۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے مناسب نہ سمجھا کہ میں نبوت کے کاندھے پر سوار ہوں۔۔۔ عرض کیا یا رسول اللہ۔۔۔! آپ میرے کندھے پر آئیں اور اپنے ہاتھ سے ان تصویروں کو توڑ دیں۔۔۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی عمر اس وقت تقریباً تیس سال ہے۔۔۔ تیس سال کا جوان علی رضی اللہ عنہ۔۔۔ بہادر علی رضی اللہ عنہ۔۔۔ مگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔۔۔ علی تم نبوت کا بوجھ نہیں اٹھا سکو گے۔ (یہ پچاس سال کا ابوبکر ہی تھا جس نے نبوت کو کندھوں پر اٹھایا اور پہاڑ پر چڑھ کر غار میں پہنچایا)

آج ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بارِ نبوت کو اٹھایا تو یہیں سے ثابت ہوا کہ جس ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے کندھوں پر بارِ نبوت کو اٹھایا ہے وہی ابوبکر رضی اللہ عنہ وفاتِ نبی کے بعد بارِ خلافت کو اٹھائے گا۔

سامعین گرامی قدر! ہجرت کا سفر ایک انقلابی سفر تھا۔۔۔ اور اسی سفر میں ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رفیق نبوت بن کر اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم کی مقدس جماعت میں نمایاں مقام پایا ہے۔۔۔ اسی رفاقت نبوی نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اتنا اونچا اور اعلیٰ و عظیم بنا دیا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ زندگی کی تمام نیکیاں اس کے بدلے میں دینے کے لیے تیار تھے۔

میرے پیارے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو عظیم سفر فرمائے ہیں۔۔۔ ایک معراج کا سفر اور دوسرا ہجرت کا سفر۔۔۔ دونوں سفروں میں اللہ رب العزت نے میرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو

ہم سفر عطا فرمائے۔۔۔۔معراج کے سفر میں جبریل امین اور ہجرت کے سفر میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ۔۔۔جو معراج کے سفر میں ہم سفر بنا وہ نوریوں کا سردار تھا۔۔۔اور جو ہجرت کے سفر میں ہم سفر بنا وہ تمام امتوں کا سردار تھا۔۔۔وہ ساتھی بنا تو چل کر نبوت کے دروازے پر آیا۔۔۔اور یہ ساتھی بنا تو نبوت چل کر اس کے دروازے پر آئی۔۔۔وہ ساتھی بنا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کس پر جانا ہے۔۔۔؟ اس نے کہا جنت سے سواری ساتھ لایا ہوں۔۔۔۔اور یہ ساتھی بنا تو نبوت نے پوچھا کس پر جانا ہے تو اس نے کہا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے کندھے حاضر ہیں۔۔۔وہ ساتھی بنا تو دونوں راستے میں بولتے گئے۔۔۔اور یہ ساتھی بنا تو یہ بھی بولتے گئے۔۔۔مگر اُس (جبریل) کے بولوں کو رب نے قرآن نہیں بنایا۔۔۔اور اس (ابوبکر رضی اللہ عنہ) کے ساتھ گفتگو کو رب نے قرآن بنا دیا۔۔۔وہ ساتھی بنا تو توڑ گیا؟ (یعنی آخر تک ساتھ رہا؟) نہیں راستے میں چھوڑ گیا۔۔۔اور یہ ساتھی بنا تو توڑ گیا کہ راستے میں چھوڑ گیا؟۔۔۔ابوبکر ایسا توڑ (آخر) گیا کہ آج تک ان دونوں کو کوئی توڑ (الگ) نہ سکا۔

مسجد نبوی کے لیے جگہ

ہجرت فرما کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کچھ دنوں کے لیے قبا میں ٹھہرے رہے۔۔۔وہاں آپ نے مسجد قبا کی تعمیر فرمائی۔۔۔قبا سے مدینہ تشریف لائے تو مسجد کے لیے جس جگہ کا انتخاب کیا گیا وہ دو یتیم بچوں کی ملکیت تھی، اگرچہ ان دونوں بچوں نے مسجد کے لیے جگہ وقف کرنے کی پیشکش کی مگر آپ نے فرمایا کہ ہم قیمتاً یہ جگہ لیں گے۔۔۔دس دینار اس جگہ کی قیمت طے ہوئی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ وہ مسجد کی جگہ کی قیمت ادا کریں۔۔۔مسجد نبوی کے لیے جگہ کی فراہمی سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پیسوں سے ہوئی۔

(بخاری $\frac{552}{1}$ ، فتح الباری $\frac{193}{7}$)

یہ سعادت جو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے حصے میں آئی۔۔۔سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

کے فضائل میں امتیازی اور نمایاں مقام کی حامل ہے۔

غزوۂ بدر اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

غزوۂ بدر کی ابتداء کیسے ہوئی۔۔۔؟

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تین سو تیرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو لے کر ابوسفیان کے تجارتی قافلے کو روکنے کے لیے نکلے تھے۔۔۔ ابوسفیان کو خبر ہوئی تو انہوں نے متبادل راستہ اختیار کر کے مکہ خبر پہنچائی۔۔۔ ابوجہل ایک ہزار کے مسلح لشکر کے ساتھ میدانِ بدر میں پہنچ گیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سخت تشویش ہوئی کہ نہ ہماری تیاری ہے۔۔۔ نہ ہمارے پاس گھوڑے نہ اسلحہ۔۔۔ نہ تلواریں۔۔۔ آپ نے اپنے ساتھیوں سے رائے طلب فرمائی کہ اب ہمیں کیا کرنا چاہیے؟

سب سے پہلے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اٹھے اور کہا۔۔۔ یارسول اللہ! ہم آپ کے ہر حکم کی تعمیل کریں گے اور آپ کے لیے ہمارے مال اور جانیں حاضر ہیں۔

یہاں بھی سب سے پہلے ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی بولے۔۔۔ میدانِ بدر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ایک چبوترہ بنایا گیا تھا تاکہ آپ اس کے اندر قیام فرمائیں۔۔۔ اور پورے میدان کا جائزہ لے سکیں۔۔۔ اور سکون کے ساتھ عبادت بھی کر سکیں۔۔۔ اس چھپر اور چبوترے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کے لیے کس نے اپنی خدمات پیش کیں۔۔۔؟

اس کے لیے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت سنیے:

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے پوچھا۔۔۔ اَخْبِرُوْنِیْ عَنْ اَشْجَعِ النَّاسِ۔۔۔ مجھے بتلاؤ تمام مسلمانوں میں سب سے بڑھ کر شجاع اور بہادر کون ہے۔۔۔؟ لوگوں نے کہا آپ سب سے زیادہ بہادر ہیں۔۔۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔۔۔ اَشْجَعُ النَّاسِ اَبُوْ بَکْرٍ۔۔۔ سب سے بڑھ کر بہادر ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں اس کی دلیل یہ ہے کہ میدانِ بدر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک چھپڑ بنایا تھا۔۔۔ اس چھپر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کون تھا۔۔۔؟ تاکہ کوئی مشرک اس طرف آنے کا ارادہ بھی نہ کرے۔۔۔ ہم میں سے کوئی شخص اس ڈیوٹی کے لیے تیار نہ ہوا۔۔۔ تو ابوبکر رضی اللہ عنہ آگے بڑھے۔۔۔ انہوں نے ساری رات

پہرہ دیا اور تلوار سونت کر کھڑے ہو گئے جو مشرک بھی اس چھپر کا قصد کرتا تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ حملہ روکنے کے لیے مستعد نظر آتے۔ (سیرت حلبیہ $\frac{166}{2}$، مسند بزار)

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی تھے جو میدان بدر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عریش (چھپر) کے پہرے دار بنے اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے فرمان کے مطابق اَشْجَعُ النَّاس تھے۔

غزوۂ اُحد اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ

غزوۂ اُحد میں درّہ چھوڑنے کی وجہ سے لشکر اسلام کو جس مصیبت کا سامنا کرنا پڑا وہ سب تاریخ کا حصہ ہے۔۔۔ کفار کے یکبارگی اور دونوں جانب سے حملے نے مسلمانوں کے پاؤں اکھاڑ دیئے۔۔۔ اسی اثنا میں دشمن نے افواہ اڑا دی۔۔۔ قَدْ قُتِلَ مُحَمَّدٌ۔۔۔ کہ محمد کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی شہید ہو گئے ہیں۔

اس اندوہناک افواہ نے رہی سہی کسر بھی پوری کر دی۔۔۔ بڑے بڑے لوگوں کے اوسان خطا ہو گئے۔۔۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ چند جانثار ہی رہ گئے ان میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔

سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف آنے والے تیروں کو روک رہے تھے۔۔ سیدنا ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ بھی تلوار کے جوہر دکھاتے ہوئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب آ رہے تھے۔۔۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ مبارک زخمی اور خون آلود ہو گیا۔

(البدایہ والنہایہ $\frac{30}{4}$)

غزوۂ اُحد کی جنگ ختم ہوئی تو ابوسفیان نے جب کہا: محمد کہاں ہیں۔۔۔؟ ابوبکر کہاں ہیں۔۔۔؟ عمر کہاں ہیں۔۔۔؟ تو اس وقت بھی سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس موجود تھے بلکہ ابوسفیان کے نعروں کا جواب بھی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ہی نے دیا تھا۔

غزوۂ تبوک اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ | غزوۂ تبوک کو جیش العسرہ بھی کہا جاتا ہے۔۔۔

مشکل اور دشوار ترین غزوہ۔۔۔ ایک تو موسم کی شدت تھی۔۔۔ سخت گرمی کا موسم۔۔۔ ریتلے علاقے کا سفر۔۔۔ بلا کا حبس۔۔۔ کھجوریں پکی ہوئی۔۔۔ اور ساری معیشت کا دارو مدار کھجوروں پر۔۔۔ سواریوں کا فقدان۔۔۔ پیشہ ور فوج سے جنگ۔۔۔ سواریوں کی بھی ضرورت تھی۔۔۔ زادِ راہ کی بھی ضرورت تھی۔۔۔ اسلحہ اور سامان جنگ کے لیے بھی رقم کی ضرورت تھی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چندے کی اپیل فرمائی۔۔۔۔ مالیّت کے اعتبار سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سب سے بڑھ کر مال پیش کیا۔۔۔ اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم نے اپنی بساط کے مطابق اپنا مال خدمت نبوی میں پیش کیا۔۔۔ عورتوں نے اپنے زیورات اتار کر اس مہم میں حصہ لیا۔۔۔ مگر پھر بھی اتنے بڑے لشکر (تقریباً چھتیس ہزار) کے لیے سواریوں اور زادِ راہ کا پورا سامان نہ ہو سکا۔۔۔ اور غریب صحابہ سواری نہ ہونے کی وجہ سے روتے روتے واپس چلے گئے۔

اگر چہ اس جنگ میں سب سے زیادہ مال سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے دیا۔۔۔ ابن عساکر نے کہا کہ پورے لشکر کے ایک تہائی کا سارا خرچہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے ذمہ لیا۔

مگر اس کے باوجود غزوۂ تبوک کے چندے کے معاملے میں جو شرف، عظمت اور امتیازی شان سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نظر آتی ہے وہ کسی صحابی کے حصے میں نہیں آئی۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوۂ تبوک کے موقع پر جب چندے کی اپیل فرمائی۔۔۔۔ تو اس وقت میرے مالی حالات بہت اچھے تھے اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اس وقت مالی پریشانی کا شکار تھے۔۔۔ میں نے دل ہی دل میں کہا۔۔۔ ابوبکر ہمیشہ ہر کام میں آگے نکل جاتے ہیں آج پتہ چلے گا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کیسے آگے نکلتا ہے؟

میں اپنے مال کا آدھا حصہ لے کر خدمت نبوی میں حاضر ہوا۔۔۔ واقعی حجم کے

اعتبار سے میرا مال بہت زیادہ تھا۔۔۔اتنے میں سیدنا ابوبکر بھی آ گئے۔۔۔میں نے دیکھا کہ ان کے ہاتھ میں تھوڑا سا مال ہے۔۔۔میں خوش ہو گیا کہ آج میں ابوبکر رضی اللہ عنہ سے آگے نکل گیا ہوں۔

پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوال کی نوعیت نے پانسہ ہی پلٹ دیا۔۔۔آپ نے یہ نہیں پوچھا عمر تم کتنا مال لائے ہو۔۔۔؟ اور ابوبکر تم کتنا مال لائے ہو۔۔۔؟ بلکہ آپ نے فرمایا عمر تم گھر والوں کے لیے کیا چھوڑ کر آئے ہو۔۔۔؟ میں نے کہا آدھا مال گھر والوں کے لیے اور آدھا آپ کی خدمت میں۔۔۔ابوبکر تم گھر والوں کے لیے کیا چھوڑ کر آئے ہو۔۔؟ شمع نبوت کے پروانے نے جواب دیا۔۔۔مال مانگا ہو یار نے۔۔۔اور ابوبکر کچھ مال گھر میں چھوڑ آئے۔۔۔یارسول اللہ گھر میں جھاڑو دے کر سب کچھ لے آیا ہوں۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔۔۔اس وقت مجھے یقین ہو گیا کہ میں ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کسی صورت میں آگے نہیں بڑھ سکتا۔ (ترمذی $\frac{208}{2}$)

یہی وہ موقع تھا جب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے گھر کا سامان خدمت نبوی میں پیش کیا تو انہوں نے ایسی قبا پہنی ہوئی تھی جس کو انہوں نے اپنے سینہ پر کانٹوں سے اٹکایا ہوا تھا۔

اس وقت جبریل امین علیہ السلام نازل ہوئے تو انہوں نے بھی ایسا ہی لباس پہنا ہوا تھا۔۔۔نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جبریل امین سے پوچھا۔۔۔جبریل یہ نیا لباس کیسا؟

انہوں نے عرض کیا۔۔۔اللہ رب العزت کو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا یہ لباس اتنا پسند آیا کہ تمام فرشتوں کو حکم دیا کہ سب ایسا ہی لباس پہنیں جیسا ابوبکر پہنے ہوئے ہیں۔

جبریل امین نے کہا۔۔۔یارسول اللہ! آج ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایسا لباس کیوں پہنا ہوا ہے۔۔؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔۔۔انہوں نے اپنے گھر کا سب مال اسلام اور دین کی نشوونما کے لیے خرچ کر دیا ہے۔۔۔جبریل امین نے کہا۔۔۔یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ

نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو سلام بھیجا ہے اور کہا ہے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے پوچھو۔۔۔لوگ یاروں کے لیے مال خرچ کرتے رہتے ہیں۔۔۔کیا ابوبکر رضی اللہ عنہ سب کچھ خرچ کرکے راضی ہے یا ناراض ہے۔۔۔؟

یہ سن کر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا۔۔۔ میں اپنے رب سے ناراض کیسے ہوسکتا ہوں۔۔۔میں تو اپنے رب سے راضی ہوں۔۔۔خوش ہوں اور بہت خوش ہوں۔۔۔ اَنَا عَنْ رَبِّیْ رَاضٍ۔۔۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا دین کے لیے اور اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لیے مال خرچ کرنا ایسا عظیم عمل ہے جس کا تذکرہ اللہ رب العزت نے اپنی آخری کتاب مقدس میں بھی فرمایا ہے:

فَأَمَّا مَنْ أَعْطٰى وَاتَّقٰى (5) وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى (6) فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى (اللیل 7)

پس جس نے (اللہ کے راستے میں) مال دیا اور تقویٰ اختیار کیا اور اچھی بات کی تصدیق کی ہم اس کے لیے راحت تک پہنچنا آسان کردیں گے۔

اس آیت میں کس کی خبر دی جارہی ہے۔۔۔؟ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی۔۔۔آپ کا مال خرچ کرنا صرف اور صرف رضائے الٰہی کے لیے تھا۔۔۔کسی کے احسان چکانے کے بدلے میں نہیں تھا۔۔۔جس کے لیے اللہ نے اس کی تعریف فرمائی اسی صورت میں آگے جا کر فرمایا:

وَمَا لِأَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰى (19) إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلٰى (20) وَلَسَوْفَ يَرْضٰى (اللیل 21)

اور اس پر کسی کا احسان نہیں ہے جس کا بدلہ دیا جارہا ہے مگر یہی کہ وہ اپنے بلند و بالا رب کی رضا حاصل کرلے اور یقیناً اللہ بھی راضی ہوجائے گا۔

ان آیات میں بھی سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی منقبت اور فضیلت بیان ہورہی

ہے۔۔۔اور بتایا جارہا ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ صرف رضائے الٰہی کی طلب میں مال خرچ کر رہے ہیں۔۔۔ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اخلاص پر یہ آیت بڑی دلیل ہے۔

مشہور مفسر امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے:

اَجْمَعَ الْمُفَسِّرُوْنَ مِنَّا عَلٰی اَنَّ الْمُرَادَ اَبُوْبَکْرٍ (تفسیر کبیر 417/8)

ہمارے تمام مفسرین کا اجماع ہے کہ یہ آیاتِ قرآنی سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئیں۔

اہل تشیع کے معتبر مفسر علامہ طبرسی نے اس آیت کی تفسیر میں کیا لکھا ہے، ذرا سنیے:

اِنَّ الْاٰیَةَ نَزَلَتْ فِیْ اَبِیْ بَکْرٍ لِاَنَّہٗ اِشْتَرَی الْمَمَالِیْكَ الَّذِیْنَ اَسْلَمُوْا مِثْلَ بِلَالٍ وَعَامِرِ بْنِ فُهَیْرَةَ وَغَیْرِهِمَا وَاَعْتَقَهُمْ (مجمع البیان 501/10)

یہ آیت سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی اس لیے کہ انہوں نے اسلام قبول کرنے والے غلاموں (سیدنا بلال، سیدنا عامر بن فہیرہ اور ان کے علاوہ اور بھی کئی غلاموں) کو خرید کر آزاد کروایا تھا۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کرنے کے بعد۔۔۔اسلام کی ترقی کے لیے اور مظلوم مسلمانوں کی خدمت کے لیے اپنا مال سخاوت کے ساتھ خرچ کیا۔۔۔اسلام قبول کرنے کے دن وہ چالیس ہزار درہم کے مالک تھے۔۔۔وہ مکہ میں کپڑے کے تاجر تھے۔۔۔ہجرت کے دن ان کے ہاں صرف پانچ ہزار درہم موجود تھے۔۔۔مکہ کی تیرہ سالہ زندگی میں انہوں نے اسلام کی ترقی کے لیے ہزاروں درہم خرچ کیے۔

مکہ مکرمہ میں جن غلاموں نے اسلام کی آواز پر لبیک کہا۔۔۔اور وہ دامن ایمان سے وابستہ ہوئے تو ان پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے گئے۔۔انہیں تپتے ہوئے کوئلوں پر لٹایا گیا۔۔۔ان کی آنکھوں میں لوہے کی گرم سلاخیں پھیری گئیں۔۔۔ان کے سینے پر کود کر ان کی پسلیاں تک توڑی جاتیں۔۔۔انہیں تھپڑ مارے جاتے۔۔۔گلے میں رسیاں ڈال کر

بچوں کے حوالے کر دیا جاتا۔۔۔ ان کی سسکیاں اور آہیں آسمان تک جاتیں۔۔۔ مگر وہ غلام۔۔۔ توحید میں ایسے مضبوط تھے۔۔۔۔ اور شرک سے اتنے متنفر تھے کہ تپتے ہوئے کوئلوں پر لیٹ کر بھی احد، احد، کے نعرے لگاتے۔۔۔۔ وہ کہتے ہم کٹ جائیں گے مگر محمد عربی ﷺ کا دامن نہیں چھوڑیں گے۔۔۔ ہمارے خون کے ایک ایک قطرے سے حق کی صدا بلند ہو گی۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے ایسے تمام غلاموں کو منہ مانگی قیمت دے کر خریدا اور پھر آزاد کر دیا۔۔۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے وادئ بطحا سے گزرتے ہوئے دیکھا کہ بلال رضی اللہ عنہ تپتے ہوئے کوئلوں پر ہے۔۔۔ ظلم کا ہر حربہ آزمایا جارہا ہے۔۔۔ یہ دیکھ کر ان کا دل بھر آیا اور بلال رضی اللہ عنہ کے مالک امیہ کو منہ مانگی قیمت دے کر خریدا اور انہیں آزاد کر دیا۔ (طبقات ابن سعد $\frac{165}{3}$)

سیدنا عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کو بھی سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خرید کر آزاد فرمایا۔۔۔ سیدنا ابوفکیہ رضی اللہ عنہ کا نام یسار تھا۔۔۔ یہ بھی مشرکین کے غلام تھے۔۔۔ انہیں تپتی ہوئی زمین پر منہ کے بل لٹا کر پیٹھ پر بھاری پتھر رکھ دیئے جاتے تھے تاکہ حرکت نہ کر سکیں اور سزا کا سلسلہ ان کے بے ہوش ہونے تک جاری رہتا۔۔۔ ایک دن انہیں گھسیٹ کر جلتی زمین پر ڈالا گیا۔۔۔ ان کے گلے کو دبایا گیا۔۔۔ نیم مردہ حالت میں چھوڑا گیا۔۔۔ اتفاق سے اسی وقت وہاں سے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا گزر ہوا۔۔۔ انہوں نے انہیں خرید کر آزاد فرمادیا۔ (اسد الغابہ $\frac{273}{5}$)

حدیث کی کتب میں آیا ہے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

رَحِمَ اللّٰهُ اَبَابَکْرٍ زَوَّجَنِی ابْنَتَهٗ وَحَمَلَنِی اِلٰی دَارِ الْهِجْرَةِ وَاَعْتَقَ بِلَالًا (مسلم $\frac{272}{2}$ ، ترمذی $\frac{212}{2}$)

اللہ ابوبکر رضی اللہ عنہ پر رحم کرے انہوں نے اپنی بیٹی کا نکاح میرے ساتھ کیا اور مجھے ہجرت کی رات اٹھا کر غار تک پہنچایا اور اپنا مال خرچ کر کے بلال کو غلامی سے آزاد کر دیا۔

کشت ملت را چوں ابر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں خدمت اسلام، مسلمانوں کی دلجوئی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور اشارۂ ابرو پر سب کچھ قربان کرنے کا جذبہ رکھتے تھے۔۔۔ انہوں نے ہر مشکل کی گھڑی میں نبوت کا ساتھ نبھایا۔۔۔مشرکین مکہ کے مقابلے میں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دفاع میں سد سکندری بنے رہے۔۔۔ان کے مضبوط قدم کبھی بھی ڈگمگائے نہیں بلکہ ہمیشہ ثابت قدم رہے۔

حقیقت یہ ہے اور یہ حقیقت ناقابل تردید ہے کہ ایمان کی پختگی اور دین کی مضبوطی اور اتباعِ نبوی کے جو روح پرور نظارے۔۔۔اور مناظر ہمیں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی زندگی کے شب و روز میں نظر آتے ہیں وہ اپنی مثال آپ ہیں۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی قوتِ ایمانی، ثابت قدمی اور اتباعِ پیغمبر کا جذبہ اس وقت قابل دید تھا جب رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وسلم دنیائے فانی سے کوچ فرما گئے۔۔۔اصحابِ پیغمبر کے دل پریشان۔۔۔آنکھیں افسردہ۔۔۔اور اعضاء مضمحل ہو گئے۔۔۔سارے مدینہ پر افسردگی کے بادل چھا گئے۔

اردگرد سے ارتداد اور بغاوت کی مذموم خبریں آنے لگیں۔۔۔۔ جھوٹے مدعیانِ نبوت کا فتنہ سر اٹھانے لگا۔۔۔ان حالات میں سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کی روانگی ایک مسئلہ تھا۔

خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس لشکر کو روانہ فرما چکے تھے۔۔۔لشکر ابھی مدینہ سے باہر قیام پذیر تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا۔۔۔اور لشکر اسامہ واپس آ گیا۔۔۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین کے بعد اور منصب خلافت سنبھالنے کے بعد سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لشکر اسامہ کو روانگی کا حکم دیا۔۔۔ بڑے بڑے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے خلیفۃ المسلمین کے اس اقدام کو صحیح

نہیں سمجھا۔۔۔صحابہ عرض کرتے ہیں کہ کچھ وقت کے لیے اسامہ کے لشکر کی روانگی کو ملتوی کر دیا جائے۔

بڑے بڑے جنگجو اور تجربہ کار اور جنگ آزما شجاع اس لشکر میں شامل ہیں۔۔۔ اگر یہ تمام لوگ ایک دور دراز مہم پر روانہ ہو گئے تو کہیں ایسا نہ ہو کہ دشمنانِ دین مدینہ پر ہلّہ بول دیں۔۔۔پہلے منکرین زکوٰۃ سے دو دو ہاتھ کر لیں۔۔۔ارتداد کا قلع قمع کر لیں۔

اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم کا مشورہ یقیناً اخلاص پر مبنی تھا۔۔۔ حالات یقیناً دگرگوں تھے۔۔۔خطرات کے سائے منڈلا رہے تھے۔۔۔مگر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان سب لوگوں کو جواب دیا:

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ۔۔۔ مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اگر جنگل کے درندے بھی مدینے میں گھس کر مجھے اچک لیں پھر بھی میں اس لشکر کو ضرور روانہ کروں گا جس لشکر کو میرے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روانہ فرمایا تھا۔

ادھر اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم میں سے۔۔۔بعض حضرات نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو قاصد بنا کر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیجا کہ خلیفۃ المسلمین کی خدمت میں جا کر ہم سب کی طرف سے آپ عرض کریں کہ اگر لشکر لازماً بھیجنا ہے تو کم از کم اتنا کریں کہ اسامہ رضی اللہ عنہ نوجوان، کم عمر اور نا تجربہ کار ہے اس کی جگہ کسی تجربہ کار صحابی کو لشکر کا قائد بنا دیں۔

تاریخ و سیرت کی کتب میں ہے کہ جونہی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ تجویز سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کی تو آپ غصے سے کانپنے لگے۔۔۔پہلے بیٹھے ہوئے تھے پھر کھڑے ہو گئے اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے کہا:

ثَکِلَتْكَ اُمُّكَ یَا ابْنَ الْخَطَّابِ۔۔۔۔اے خطاب کے بیٹے تیری ماں تجھے روئے۔۔۔اِسْتَعْمَلَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَتَاْمُرُنِیْ اَنْ اَعْزِلَهٗ۔۔۔جس اسامہ رضی اللہ عنہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لشکر کا سالار مقرر کیا ہے تم مجھے کہتے ہو کہ میں اسے اس کے عہدے سے

ہٹادوں۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اتباعِ نبوی کا عملی نمونہ پیش کرتے ہوئے سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ ہی کی قیادت میں لشکر کو روانہ فرمایا اور لشکر کو روانہ کرنے کے لیے خود مدینہ سے باہر تشریف لائے۔۔۔ حالت یہ تھی کہ سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ گھوڑے پر سوار تھے اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ پیدل ساتھ ساتھ جا رہے تھے اور برابر نصیحتیں بھی کر رہے تھے۔

سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ نے گزارش کی۔۔۔ خلیفۃ المسلمین یا تو آپ بھی سوار ہو جائیں۔۔۔ یا پھر میں گھوڑے سے اترتا ہوں۔۔۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا نہ تم گھوڑے سے اترو گے اور نہ میں سوار ہوں گا۔۔۔ کیا تم نہیں چاہتے ہو کہ اللہ کے راستے میں میرے قدم بھی غبار آلود ہوں۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ایمان کی پختگی اور جرأت و بہادری کا ایک اور نمونہ آپ کو دکھانا چاہتا ہوں۔

مدینہ کے اردگرد رہنے والے چند قبائل نے کہا ہم کلمہ بھی پڑھتے ہیں۔۔۔ نماز کی ادائیگی کے پابند ہیں مگر ہم زکوٰۃ نہیں دیں گے۔۔۔ دوسری جانب جھوٹے مدعیانِ نبوت نے اسلامی مملکت کے دور دراز گوشوں میں بغاوت کا علم بلند کر دیا۔

ان حالات میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے خلیفۃ المسلمین کو مشورہ دیا کہ آپ فی الحال منکرین زکوٰۃ کے ساتھ نرم رویہ اختیار کریں۔۔۔ کیونکہ یہ لوگ کلمہ پڑھتے ہیں۔۔۔ نماز ادا کرتے ہیں۔۔۔ روزے اور حج کو بھی مانتے ہیں۔۔۔ اگر اسلام کے ایک رکن زکوٰۃ کا انکار کر رہے ہیں تو ان سے فی الحال جنگ نہیں کرنی چاہیے۔۔۔ بلکہ اپنی طاقت اور قوت کو مجتمع کر کے نبوت کے جھوٹے مدعیان کے خلاف لشکر کشی کر کے ان کا خاتمہ کرنا چاہیے۔

جہاں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا نورِ بصیرت پہنچا وہاں تک کسی اور کی رسائی نہ ہو سکی۔۔۔ انہوں نے محسوس کر لیا کہ اگر آج منکرین زکوٰۃ کے بارے میں نرمی اختیار کر لی گئی

تو یہ سلسلہ مزید دراز ہو جائے گا اور آہستہ آہستہ لوگ اسلام کے دوسرے ارکان اور دین کے اصولوں سے روگردانی شروع کر دیں گے، چنانچہ انہوں نے تمام مصلحتوں کو پس پشت ڈالتے ہوئے پوری جرأت اور بہادری کے ساتھ اعلان فرمایا:

جس نے نماز اور زکوٰۃ میں فرق کیا میں اس سے جنگ کروں گا، جو شخص میرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں ایک رسی زکوٰۃ میں دیتا تھا۔۔۔ اگر آج دینے سے انکار کرے گا تو میں اس سے جنگ کروں گا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا جو کلمۂ اسلام کا اقرار کرتے ہیں۔۔۔ اور نمازیں بھی ادا کرتے ہیں آپ ان سے کس طرح جنگ کریں گے۔۔۔؟ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بڑی سختی سے فرمایا:

اَجَبَّارٌ فِی الْجَاهِلِیَّةِ وَخَوَّارٌ فِی الْاِسْلَامِ

(کنز العمال 222/6 کتاب الفضائل، فضل الصدیق)

عمر! تم جاہلیت میں تو بڑے سخت تھے اب اسلام کے معاملات میں نرم ہو گئے ہو۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ان بروقت فیصلوں اور جرأت مندانہ اقدام کا نتیجہ یہ نکلا کہ دشمنوں اور سازش کرنے والوں کے دلوں پر مسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی اور ان کے حوصلے پست ہو گئے۔۔۔ اسلام کے خلاف سر اٹھانے والوں نے سوچا کہ مسلمان ان پُرخطر اور نازک حالات میں اتنے طویل سفر پر لشکر روانہ کر رہے ہیں تو ان کے پاس بڑی قوت ہے۔۔۔ سپاہ ہے۔۔۔ لشکر ہے۔۔۔ اسلحہ ہے۔۔۔ طاقت ہے۔۔۔ حوصلہ ہے۔۔۔ پھر ان کی سازشیں دم توڑ گئیں اور ہر میدان میں مسلمانوں کو کامیابی اور کامرانی نصیب ہوئی۔۔۔ فتح نے ان کے قدم چومے۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے دو سال اور چار ماہ کی مختصر سی مدتِ خلافت میں ان تمام

فتنوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا۔

مشہور صحابی سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اسی بات کو خوبصورت انداز میں بیان فرمایا:

لَقَدْ قُمْنَا بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مَقَامًا كِدْنَا نُهْلِكُ فِيْهِ لَوْ لَا اِنَّ اللّٰهَ مَنَّ عَلَيْنَا بِاَبِيْ بَكْرٍ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ہم سب ایسے مقام پر پہنچ گئے تھے کہ اگر اللہ نے ہمیں صدیق جیسا خلیفہ دے کر احسان نہ کیا ہوتا تو ہم ہلاک ہو گئے ہوتے۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی اسی بات کو علامہ محمد اقبال مرحوم نے کس انداز میں پیش فرمایا:

آں امن الناس بر مولائے ما
آں کلیم اول سینائے ما

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے زیادہ احسان کرنے والے۔۔سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں۔

علامہ محمد اقبال مرحوم اس حدیث کو بیان کر رہے ہیں جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے صرف چار دن پہلے بیان فرمائی:

اِنَّ مِنْ اَمَنِّ النَّاسِ عَلَيَّ فِيْ صُحْبَتِهٖ وَمَالِهٖ اَبُوْبَكْرٍ (بخاری 516/1)

تمام لوگوں میں اپنے مال اور دوستی وصحبت کے ذریعے مجھ پر سب سے زیادہ احسان کرنے والا ابوبکر ہے۔

آں کلیم اول سینائے ما۔۔۔ابوبکر رضی اللہ عنہ ہمارے کوہ طور کے پہلے کلیم ہیں۔

ہمت او کشت ملت را چوں ابر
ثانی اسلام وغار وبدر وقبر

ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ہمت وطاقت اور استقامت نے ملت اسلامیہ کے کھیت کو بادل بن کر سیراب کیا۔

زمین اور کھیت جب خشک ہونے لگے تو بادل امڈ کر آتے ہیں اور کھیت پر برس کر اور اسے سیراب کر کے آباد اور سرسبز وشاداب بنا دیتے ہیں۔

اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال کے بعد اسلام کا کھیت خشک ہونے جا رہا تھا (سب کے دل مضطرب تھے۔۔۔ اُداسی تھی۔۔۔ افسردگی چھا گئی تھی۔۔۔ ہر طرف سے مخالفت میں آوازیں تھیں۔۔۔ جھوٹے مدعیانِ نبوت نے سر اٹھایا تھا۔۔۔ منکرین زکوۃ، زکوۃ دینے سے انکاری تھے۔۔۔ سب صحابہ رضی اللہ عنہم پریشان تھے) پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ بادل بن کر برسا اور ملت اسلامیہ کے کھیت کو سرسبز وشاداب کر دیا۔۔۔ ثانی اسلام وغار وبدر وقبر ۔۔۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ ہر جگہ نبوت کے ساتھ ساتھ رہا۔۔۔ اسلام قبول کرنے میں۔۔۔ غار میں۔۔۔ بدر کے میدان میں۔۔۔ اور آج تک قبر میں۔

سامعین گرامی قدر! آخر میں میں چند احادیث آپ کے سامنے بیان کرنا چاہوں گا جن میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی منقبت، ان کی فضیلت اور عظمت کو بیان کیا گیا ہے۔

پہلی حدیث سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَتَانِیْ جِبْرِیْلُ فَاَخَذَ بِیَدِیْ۔۔۔ میرے پاس جبریل آیا اور اس نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے لے جا کر جنت کا دروازہ دکھلایا جس دروازے سے میری امت جنت میں داخل ہوگی، یہ سن کر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ!

وَدِدْتُّ اَنِّیْ کُنْتُ مَعَکَ حَتّٰی اَنْظُرَ اِلَیْہِ۔۔۔ کبھی میں بھی آپ کے ساتھ ہوتا اور جنت کا دروازہ دیکھ پاتا۔۔۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی تمنا کو سن کر فرمایا:

اَمَا اَنَّکَ یَا اَبَابَکْرٍ اَوَّلُ مَنْ یَّدْخُلُ الْجَنَّۃَ مِنْ اُمَّتِیْ (ابوداؤد 640/2)

اے ابوبکر! میری امت میں سے تم سب سے پہلے جنت میں داخل ہوگے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد اس حقیقت کو واضح کر رہا ہے کہ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ ہی نے سب سے پہلے ایمان قبول کیا تھا۔۔۔اس لیے کہ یہ بات قرآن کی آیت سے ثابت ہے کہ جنت کا داخلہ سبقت ایمانی پر ہوگا۔

سورت الواقعہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ (10) أُولَئِكَ الْمُقَرَّبُونَ (11) فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ (الواقعہ 10)

اور جو سبقت لے جانے والے ہیں وہی لوگ آگے آگے ہوں گے وہ لوگ بہت نزدیک ہوں گے آرام دہ باغات میں۔

امت میں سے سب سے پہلے جنت میں داخل ہونا سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے افضل الامت ہونے کی واضح دلیل ہے۔

دوسری حدیث

جنت کے مختلف دروازے ہیں۔۔۔اِنَّ لِلْجَنَّةِ ثَمَانِيَةَ أَبْوَابٍ

جنت کے آٹھ دروازے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

فَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الصَّلٰوةِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الصَّلٰوةِ۔۔۔جو شخص نمازی ہوگا (یعنی جس کا زیادہ رجحان نفلی نمازوں کی طرف ہوگا) اسے باب الصلوٰۃ سے آواز دی جائے گی۔۔۔وَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الْجِهَادِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الْجِهَادِ۔۔۔جو جہاد والوں میں سے ہوگا۔ (یعنی جس نے زندگی جہاد میں گزار دی) اسے باب الجہاد سے بلایا جائے گا۔۔۔اسی طرح جو شخص صدقہ وخیرات بہت کرتا ہے اسے باب الصدقہ سے بلایا جائے گا۔۔۔اور جس شخص کو روزے رکھنے کا زیادہ شوق اور رغبت ہوگی اسے باب الریان سے آواز دی جائے گی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانِ مقدس سے یہ الفاظ سن کر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ! جانا تو ایک ہی دروازے سے ہے۔۔۔ مگر کوئی ایسا خوش نصیب بھی ہے۔۔۔ هَلْ يُدْعٰى مِنْهَا كُلِّهَا اَحَدٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ۔۔۔ جسے تمام دروازوں سے آواز دی جائے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

نَعَمْ وَاَرْجُوْا اَنْ تَكُوْنَ مِنْهُمْ (بخاری $\frac{517}{1}$)

ہاں اے ابوبکر میں امید کرتا ہوں کہ تو ان میں سے ہوگا۔

یہ عظیم مرتبہ اور بلند درجہ اسی کو مل سکتا ہے جو تمام نیکیوں اور تمام خوبیوں کا جامع ہو۔۔۔ اس کی ذات میں اعمالِ صالحہ میں سے ہر عمل پر شہادت موجود ہو۔

تیسری حدیث سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ اَصْبَحَ مِنْكُمُ الْيَوْمَ صَائِمًا۔۔۔ تم میں سے آج روزہ کس نے رکھا ہے۔۔۔؟ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ! میں نے روزہ رکھا ہے۔۔۔ آپ نے فرمایا۔۔۔ مَنِ اتَّبَعَ مِنْكُمُ الْيَوْمَ جَنَازَةً۔۔۔ آج تم میں سے کس نے جنازہ میں شرکت کی۔۔۔؟ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ پھر بولے ہاں یا رسول اللہ! میں شریک ہوا۔۔۔ آپ نے فرمایا۔۔۔ مَنْ اَطْعَمَ مِنْكُمُ الْيَوْمَ مِسْكِيْنًا۔۔۔ آج تم میں سے کسی نے مسکین کو کھانا کھلایا۔۔۔؟ ابوبکر رضی اللہ عنہ پھر بولے میں نے کھلایا۔۔۔ آپ نے فرمایا۔۔۔ مَنْ عَادَ مِنْكُمُ الْيَوْمَ مَرِيْضًا۔۔۔ تم میں سے کس نے آج کسی بیمار کی تیمارداری اور عیادت کی۔۔۔؟ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی بولے یا رسول اللہ! میں نے مریض کی عیادت کی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سن کر فرمایا جس شخص میں یہ تمام اعمال جمع ہو جائیں وہ جنت میں داخل ہوگا۔ (مسلم $\frac{274}{2}$)

چوتھی حدیث | نبی اکرم ﷺ کا ایک بڑا معروف ارشاد ہے:

اَرْحَمُ اُمَّتِیْ بِاُمَّتِیْ اَبُوْبَکْرٍ۔۔۔ میری امت میں سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ابوبکر رضی اللہ عنہ ہے۔۔۔ وَاَشَدُّھُمْ فِیْ اَمْرِ اللّٰہِ عُمَرُ۔۔۔ اور اللہ کے معاملے میں سب سے زیادہ سخت عمر رضی اللہ عنہ ہے۔۔۔ وَاَصْدَقُھُمْ حَیَاءً عُثْمَانُ۔۔۔ اور حیا کے معاملے میں سب سے زیادہ سچا عثمان رضی اللہ عنہ ہے۔۔۔ وَاَعْلَمُھُمْ بِالْحَلَالِ وَالْحَرَامِ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ۔۔۔ اور حلال وحرام کی حدود کو سب سے زیادہ جاننے والا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ہے۔۔۔ وَاَفْرَضُھُمْ زَیْدُ بْنُ ثَابِتٍ۔۔۔ اور علم وراثت پر گہری نظر رکھنے والا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ہے۔ وَاَقْرَأُھُمْ اُبَیُّ بْنُ کَعْبٍ۔۔ اور سب سے زیادہ قرآن پڑھنے والا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ہے۔۔۔ اور اس امت کا امین سیدنا ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ ہے۔ (ترمذی $\frac{590}{2}$)

ایک اور روایت میں ہے۔۔۔ وَاَقْضَاھُمْ عَلِیٌّ۔۔۔ اور بہترین فیصلہ کرنے والا علی ہے۔ (مشکوٰۃ 566)

اس حدیث میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اَرْحَمُ اُمَّتِیْ کے لقب سے یاد کیا گیا۔۔۔ آپ خود فیصلہ کریں۔۔۔ رحم کون کرتا ہے۔۔۔؟ بڑا آدمی چھوٹے پر رحم کرتا ہے یا چھوٹا بڑے پر رحم کرتا ہے۔۔۔؟ واضح بات ہے کہ بڑا شخص چھوٹوں پر رحم کرتا ہے۔۔۔ خود رحمت کائنات ﷺ نے فرمایا:

لَیْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ یَرْحَمْ صَغِیْرَنَا وَلَمْ یُوَقِّرْ کَبِیْرَنَا (ترمذی $\frac{33}{2}$)

جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہیں کرتا اور جو بڑوں کا احترام نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

برسر اقتدار طبقہ کے لوگوں کا کام ہوتا ہے کہ وہ رعیت پر رحم کا معاملہ کریں۔۔۔ نبی اکرم ﷺ کی سکھائی ہوئی یہ دعا کسے یاد نہیں۔۔۔ اَللّٰھُمَّ لَا تُسَلِّطْ عَلَیْنَا مَنْ لَّا یَرْحَمُنَا

اے اللہ ہم پر ایسے حکمران مسلط نہ کرنا جو ہم پر رحم نہ کریں۔

رب العالمین کی دو صفتیں اسی رحم سے ہیں۔۔۔ رحمن اور رحیم۔۔۔ اللہ تعالیٰ کے یہ دونوں صفاتی نام ہیں۔۔۔ یہ دونوں مبالغہ کے صیغے ہیں معنی ہوگا کثیر الرحم۔۔۔ بہت زیادہ رحم کرنے والا۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ رب العزت ارحم الراحمین ہے۔۔۔ اس رحمن اور رحیم نے جو نبی ہمیں عطا فرمایا وہ رحمۃ اللعالمین ہے۔۔۔ اور جس خوش نصیب نے رحمۃ اللعالمین کا جانشین بننا تھا اسے اَرْحَمُ اُمَّتِیْ بِاُمَّتِیْ (میری امت میں سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا) کے خوبصورت لقب سے نوازا گیا۔

پانچویں حدیث

خلیفہ رابع، دامادِ نبی سیدنا علی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک دن میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھا کہ اتنے میں سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما تشریف لائے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں دیکھ کر فرمایا:

نبیوں اور رسولوں کے علاوہ تمام پختہ عمر کے جنتی لوگوں کے سردار ابوبکر و عمر ہیں۔ پھر آپ نے فرمایا۔۔۔ علی! تم انہیں اس بشارت کی فی الحال اطلاع نہ دینا۔۔۔ پھر آپ کے حکم اور وصیت کے مطابق سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان دونوں حضرات کی اس فضیلت کو لوگوں میں بیان فرما دیا۔ (ترمذی، باب مناقب ابوبکر 207/2)

چھٹی حدیث

سیدنا حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اِنِّیْ لَا اَدْرِیْ مَا بَقَائِیْ فِیْکُمْ۔۔۔ میں نہیں جانتا کہ میں تم میں کب تک زندہ رہوں۔

(نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد گرامی پر وہ حضرات غور فرمائیں جن کا دعویٰ اور

عقیدہ یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ عالم الغیب ہیں اور ہر ہر بات کو جانتے ہیں۔۔۔ یہاں تو آپ فرما رہے ہیں کہ مجھے اپنی زندگی کے بارے میں بھی معلوم نہیں کہ میں نے کب تک تمہارے اندر رہنا ہے۔۔۔ کیا اتنی واضح اور روشن بات آپ کو سمجھ نہیں آ رہی کہ جنہیں اپنی زندگی کے بارے میں۔۔۔ دنیا میں رہنے کی مدت کے بارے میں اور اپنی موت کے وقت کے بارے میں علم نہ ہو وہ ہر ہر چیز کو جاننے والا اور عالم الغیب کیسے ہو سکتا ہے)

فَاقْتَدُوا بِالَّذَيْنِ مِنْ بَعْدِيْ وَاَشَارَ اِلٰى اَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ (ترمذی 207/2)

میرے بعد ان دونوں کی اقتداء کرنا (جو میرے بعد میرے جانشین ہوں گے)

آپ نے یہ کہتے ہوئے سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما کی طرف اشارہ فرمایا۔

ساتویں حدیث سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَا لِاَحَدٍ عِنْدَنَا يَدٌ اِلَّا وَقَدْ كَافَيْنَاهُ مَا خَلَا اَبُوْ بَكْرٍ فَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا يَدًا يُكَافِيْهِ اللّٰهُ بِهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ

جس کسی نے بھی ہم پر کوئی احسان کیا ہے ہم اس کا بدلہ چکا چکے ہیں سوائے ابوبکر کے یقیناً اس کے احسانات کا بدلہ قیامت کے دن اللہ خود دے گا۔

وَمَا نَفَعَنِيْ مَالُ اَحَدٍ قَطُّ مَا نَفَعَنِيْ مَالُ اَبِيْ بَكْرٍ

مجھے کسی کے مال نے اتنا نفع نہیں پہنچایا جتنا نفع مجھے ابوبکر کے مال نے دیا۔

وَلَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيْلًا لَاتَّخَذْتُ اَبَا بَكْرٍ خَلِيْلًا اَلَا وَاِنَّ صَاحِبَكُمْ خَلِيْلُ اللّٰهِ (ترمذی 207/2)

اگر میں نے کسی کو خلیل بنانا ہوتا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیل بناتا، سنو! تمہارا صاحب (یعنی نبی اکرم ﷺ) اللہ رب العزت کا خلیل ہے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ اگر میں کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیل بناتا۔۔۔

وَلٰكِنَّهٗ اَخِيْ وَصَاحِبِيْ۔۔۔ لیکن ابوبکر رضی اللہ عنہ میرا بھائی اور ساتھی ہے۔۔۔ وَقَدِ اتَّخَذَ اللّٰهُ

صَاحِبَكُمْ خَلِيْلًا (بخاری $\frac{273}{2}$، مسلم $\frac{516}{1}$)

اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھی (یعنی مجھے) اپنا خلیل بنالیا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رفاقت اور دوستی دائمی ہے۔۔۔ دونوں کا ساتھ ہمیشہ کا ہے۔۔۔ یہ ایک دوسرے سے جدا اور الگ نہیں ہوسکتے۔۔۔ ان کا خمیر ایک ہی مٹی سے لیا گیا تھا۔۔۔ اور دونوں اسی مٹی میں دفن ہوئے۔۔۔ اور وہیں سے قیامت کے دن اکٹھے اٹھیں گے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔۔۔ اَنَا اَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْهُ الْاَرْضُ ثُمَّ اَبُوْ بَكْرٍ ثُمَّ عُمَرُ (ترمذی $\frac{210}{2}$، مشکوٰۃ 556)

قیامت کے دن سب سے پہلے میں قبر منور سے اٹھوں گا پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ اٹھیں گے اور پھر عمر رضی اللہ عنہ۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صدیق رضی اللہ عنہ کے درمیان ایسی لازوال دوستی ہے کہ میرے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

يَا اَبَا بَكْرٍ اَنْتَ صَاحِبِيْ عَلَى الْحَوْضِ وَصَاحِبِيْ فِي الْغَارِ (ترمذی $\frac{208}{2}$)

اے ابوبکر! تو حوض کوثر پر بھی میرے ساتھ ہوگا اور غار میں بھی تو میرے ساتھ تھا۔

اللہ رب العزت ہمیں اصحاب پیغمبر رضی اللہ عنہم کے ساتھ سچی محبت عطا فرمائے اور محبت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اللہ رب العزت ہمیں بھی سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا سوز اور شوق اور جذبہ عطا فرمائے۔

وما علینا الا البلاغ المبین

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِیْمِ الْاَمِیْنِ

وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سامعین گرامی قدر! انبیاء کرام علیہم السلام کی مقدس جماعت میں یہ انفرادی مقام اور امتیازی شرف صرف امام الانبیاء، خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاصل ہے کہ انہیں جد الانبیاء سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے جھولی پھیلا کر رب سے مانگا تھا۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ کو تعمیر کرتے ہوئے تین دعائیں مانگیں۔۔۔اور رب العزت نے ان کی تینوں دعائیں قبول فرمالیں۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا۔۔۔ پہلی دعا ہے چنانچہ اللہ نے شرفِ قبولیت سے مالا مال فرما دیا۔

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَا اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ۔۔۔ہم دونوں باپ بیٹے کو بھی اور ہماری اولاد میں بھی ایک جماعت ایسی ضرور رکھنا جو ہمیشہ فرمانبردار ہوں۔۔۔وہ مرتے مرجائیں مگر تیرا دروازہ چھوڑ کر کہیں نہ جائیں۔

تیسری دعا مقصودی دعا ہے۔۔۔ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ (البقرہ 129)

ہمارے پروردگار! تیرا حکم مان کر ہم نے تیرا سادہ سا گھر تعمیر کر دیا ہے۔۔۔مگر

مولا! گھر اچھے لگتے ہیں رہنے والوں سے اور مکان اچھے لگتے ہیں مکینوں سے۔۔۔ گھر ہم نے بنا دیا ہے اسے آباد کرنے والا محمد ﷺ تو بھیج دے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کہنا چاہتے ہیں۔۔۔ مولا! پہلے تو کہتا رہا اور میں مانتا رہا۔۔۔ تو نے کہا گھر چھوڑ دے میں نے کہا لبیک۔۔۔ تو نے کہا آگ میں کود جا میں نے کہا جیسے تیری مرضی۔۔۔ تو نے کہا وطن چھوڑ دے میں نے کہا سر تسلیم خم ہے۔۔۔ تو نے کہا دودھ پیتے بچے کو بیابان جنگل میں جہاں کوئی آبادی اور سبزہ نہیں چھوڑ کر چلے آؤ اور پیچھے مڑ کر دیکھنا بھی نہیں، میں نے کہا جیسے تیرا حکم۔۔۔ تو نے کہا اپنے ساتھ دوڑتے ہوئے اسماعیل کی گردن پر چھری رکھ دو میں نے کہا مولا! حاضر ہوں۔

مولا! پہلے تو کہتا رہا میں مانتا رہا۔۔۔ اب باری میری ہے۔۔۔ مولا! میں نے امتحانوں میں کامیابی کا انعام کوئی معمولی شئ نہیں مانگنی ہے؟۔۔۔ مولا! میں نے بھی وہ مانگنا ہے جو تیرے خزانے میں ایک ہی ہے۔۔۔ میرے پالنہار! میری ذریّت میں بیت اللہ کو آباد کرنے والا عظیم الشان اور رفیع المرتبہ پیغمبر محمد کریم ﷺ تو بھیج دے۔

جس طرح انبیاء کرام علیہم السلام کی مقدس جماعت میں یہ امتیازی شرف امام الانبیاء ﷺ کو حاصل ہے کہ انہیں خلیل اللہ نے رب کے حضور مانگا تھا۔۔ اسی طرح اصحاب رسول رضی اللہ عنہم کی قدوسی جماعت میں یہ شرف اور امتیازی مقام صرف سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو حاصل ہے کہ انہیں امام الانبیاء ﷺ نے جھولی پھیلا کر رب سے مانگا تھا۔۔۔ بس دونوں کی طلب اور دعا میں معمولی سا فرق ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو اپنی دعا کا نتیجہ دنیا میں دیکھنا نصیب نہیں ہوا۔۔۔ اور خاتم الانبیاء ﷺ نے اپنی دعا کا ثمر خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مجسم دعا بن کر میرے نبی کے دامن میں آ گئے۔

مکہ مکرمہ میں جب مسلمانوں پر ظلم و ستم کی انتہا کر دی گئی۔۔۔۔۔ مسلمانوں کا گھروں سے باہر نکلنا دوبھر ہو گیا۔۔۔ اسلام کا نام لینا مشکل بنا دیا گیا۔۔۔ ان حالات

میں رحمت کائنات ﷺ نے اللہ کے حضور دامن پھیلایا:

اَللّٰھُمَّ اَعِزَّ الْاِسْلَامَ بِاَبِیْ جَھْلِ بْنِ ھِشَامٍ اَوْ بِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ

(ترمذی $\frac{209}{2}$)

سنن ابن ماجہ میں الفاظ ہیں:

اَللّٰھُمَّ اَعِزَّ الْاِسْلَامَ بِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ خَاصَّۃً (ابن ماجہ 11)

میرے مولا! میں تجھ سے عمر مانگتا ہوں۔۔۔عمر عطا کر دے تاکہ دین طاقت والا ہو جائے۔۔۔اسلام کو تقویت عطا ہو۔

اسے شیعہ کتب نے بھی روایت کیا ہے۔ ملا باقر مجلسی کی شہرۂ آفاق تصنیف بحارالانوار اور کتاب السماء والعالم میں ہے۔۔۔نبی اکرم ﷺ نے دعا مانگی تھی:

اَللّٰھُمَّ اَعِزَّ الْاِسْلَامَ بِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ اَوْ بِاَبِیْ جَھْلِ ابْنِ ھِشَامٍ

(شرح نہج البلاغہ ابن حدید $\frac{59}{1}$)

ذہن میں رکھیے! میرے آقا ﷺ جس وقت دعا مانگ رہے ہیں اور رب کے حضور عمر کو طلب کر رہے ہیں۔۔۔اس وقت تک صدیق اکبر۔۔۔عثمان ذوالنورین۔۔۔ علی بن ابی طالب، طلحہ و زبیر، عبدالرحمن بن عوف، سعید بن زید (رضی اللہ عنہم) جیسے لوگ دامن اسلام میں آ چکے تھے۔۔۔مگر اسلام کو طاقت اور قوت نہیں مل رہی تھی۔۔۔اسلام کی گاڑی رواں دواں نہیں ہو رہی تھی۔۔۔اسی لیے کائنات کے سرتاج نے رب کے حضور درخواست کی۔۔۔مولا! اسلام کی گاڑی چلانا چاہتا ہے تو خطاب کا بیٹا عمر دے دے۔

نبی اکرم ﷺ نے دعا مانگی۔۔۔وہ عرش کا سینہ چیر کر رب کے حضور جا پہنچی۔۔۔ رب کے دروازے پر دعا نے دستک دی۔۔۔اِدھر رحمت کائنات ﷺ رب سے عمر مانگ رہے ہیں اور اُدھر مکہ کے چوہدری اعلان کر رہے ہیں کہ جو شخص محمد (ﷺ) کی گردن قلم کر کے لائے گا اسے سو اونٹ انعام میں ملیں گے۔۔۔اس زمانے میں سو اونٹوں کا انعام

بہت بڑا انعام تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے میری سب سے بڑھ کر تمنا یہ تھی کہ میری ملکیت میں سو اونٹ ہوں۔۔ قتل کرنے کا قرعہ فال عمر کے نام نکلا کہ یہ جرأت و بہادری کا کام تم ہی کر سکتے ہو۔

عمر میرے نبی کی زندگی کا چراغ گل کرنے کے لیے ننگی تلوار سونت کر میرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قیام گاہ کی جانب نکلے۔۔۔ راستے میں ایک صحابی نے غصے سے بھرے ہوئے عمر سے پوچھا کہاں کے ارادے ہیں۔۔۔؟ کہا تمہارے نبی کا سر لینے جا رہا ہوں۔۔۔ اس صحابی نے کہا پہلے اپنے گھر کی خبر لو۔۔۔ تیری بہن اور تیرا بہنوئی نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دامن سے وابستہ ہو چکے ہیں۔۔۔ یہ سن کر عمر نے راستہ بدلا۔۔۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر کے بجائے بہن کے گھر کا رخ کر لیا۔

دروازہ پر دستک دی۔۔۔ بہنوئی کچھ پریشان ہوئے مگر خطاب کی بیٹی جرأت کے ساتھ آگے بڑھی، دروازہ کھولا۔۔۔ عمر کا رعب، دبدبہ، جلال، ہیبت، طاقت اور دہشت۔۔۔ پوچھا میں کیا سن رہا ہوں۔۔۔؟ بہن نے کہا تم نے صحیح سنا ہے، میں بھی اسلام کے دامن سے وابستہ ہو گئی ہوں۔۔ اور میرا خاوند بھی محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غلام ہو چکا ہے۔۔۔ غصے سے بھرے ہوئے عمر نے بہنوئی کو پکڑا کہ تم نے میری بہن کو آباء و اجداد کے دین سے برگشتہ کیا۔۔۔ بہن سامنے آ گئی کہ اسے کچھ نہ کہو جو کچھ کرنا ہے۔۔۔ مارنا ہے یا گردن کاٹنی ہے میں حاضر ہوں۔۔۔ لیکن یاد رکھ! جس ماں کا دودھ تم نے پی رکھا ہے اسی ماں کا دودھ میں نے بھی پی رکھا ہے۔۔۔ جس باپ کا خون تیری رگوں میں دوڑتا ہے اسی باپ کا خون میری رگوں میں بھی جاری ہے۔۔۔ اگر تم کفر پر پختہ ہو چکے ہو تو میں اس سے بڑھ کر اسلام پر پختہ ہو چکی ہوں۔

عمر نے بہن کی جرأت مندانہ گفتگو سنی۔۔۔ سوچا یہ تو میرے سامنے کبھی بلند آواز سے بات نہیں کرتی تھی آج اسے یہ جرأت، ہمت اور قوت کہاں سے مل گئی؟

عمر کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا۔۔۔تلوار نیام میں چلی گئی۔۔۔لہجہ تبدیل ہو گیا۔۔۔کہا جو قرآن تمہارے نبی پر اترتا ہے ذرا مجھے بھی سناؤ۔۔۔سورت طٰہٰ کی ابتدائی آیات کی تلاوت ہوئی۔۔۔جس میں قرآن کے نزول کا مقصد بیان ہوا۔۔۔پھر رحمن کی صفات کا تذکرہ ہوا۔۔۔عمر سنتے جارہے ہیں اور آنکھوں سے آنسو بہتے جارہے ہیں۔۔۔قرآن دل میں اتر رہا ہے۔۔۔تقدیر بدل رہی ہے۔۔۔قرآن واقعی انقلابی کتاب ہے۔

کتاب ہدیٰ میں یہ تاثیر دیکھی
بدلتی ہزاروں کی تقدیر دیکھی

لرزتے ہونٹوں سے عمر نے کہا مجھے محمد عربی ﷺ کے قدموں میں لے جاؤ تاکہ میری اندر کی نجاست اور کفر و شرک کی گندگی دور ہو جائے۔

نبی اکرم ﷺ دار ارقم میں تشریف فرما ہیں۔۔۔ اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم موجود ہیں۔۔۔اور سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ پہرے دار ہیں۔۔۔پورے مکہ میں یہ خبر گردش کر رہی تھی کہ عمر ننگی تلوار کے ساتھ محمد عربی ﷺ کا کام تمام کرنے کے لیے نکلا ہے۔۔۔صحابہ رضی اللہ عنہم یہ خبر سن کر پریشان۔۔۔کہ آج کیا بنے گا۔۔۔؟

سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ جو میرے نبی مکرم ﷺ کے چچا بھی ہیں اور دودھ شریک بھائی بھی۔۔۔انہوں نے کہا اس میں گھبرانے کی کیا بات ہے۔۔۔؟ آتا ہے تو آنے دو۔۔۔ اگر نیک نیتی سے آ رہا ہے تو اھلاً و سھلاً و مرحبا کہیں گے۔۔۔محبت سے استقبال کریں گے اور اگر برے ارادے سے آ رہا ہے تو پھر اسی کی تلوار سے اس کی گردن اڑا کے دکھ دوں گا۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔۔۔دروازہ کھول دو میں نے عمر کو رب سے التجائیں کر کے مانگا ہے۔۔۔لگتا ہے آج عمر میری دعا کا جواب بن کر آ رہا ہے۔۔۔آج عمر آ نہیں رہا عمر کو عرش کا مالک میرے دربار میں بھیج رہا ہے۔

عمر دار ارقم میں داخل ہوئے۔۔۔ نبی رحمت ﷺ نے آگے بڑھ کر عمر کی چادر کا

کنارہ پکڑا اور فرمایا:

أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللهِ (الحدید 16)

عمر رضی اللہ عنہ نے گردن جھکا دی۔۔۔ رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے سینے سے لگا لیا۔۔۔ مسلمانوں نے اتنے زور سے نعرۂ تکبیر بلند کیا کہ مکہ کی پہاڑیاں گونج اٹھیں۔۔۔ مشرکین مکہ تک خبر پہنچی کہ عمر دامن اسلام سے وابستہ ہو گیا۔۔۔ ان کے گھروں میں صف ماتم بچھ گئی۔۔۔ آج باطل کی دیواریں ہل گئیں اور کفر کے ایوان لرز اٹھے۔

حدیث میں آتا ہے:

لَمَّا أَسْلَمَ عُمَرُ نَزَلَ جِبْرِيلُ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ لَقَدِ اسْتَبْشَرَ أَهْلُ السَّمَاءِ بِإِسْلَامِ عُمَرَ (ابن ماجہ 11)

جب عمر اسلام کے دامن میں آئے تو جبریل اترے اور کہا یا رسول اللہ! عمر کے ایمان قبول کرنے پر آسمان میں بھی خوشیاں منائی گئیں۔

امیر شریعت مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا تھا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ میں کیا فرق ہے۔۔۔؟ امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ کبھی کبھی بڑی عجیب باتیں کہا کرتے تھے۔۔۔ بقول حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ عطاء اللہ کی باتیں عطاء الٰہی ہوتی ہیں۔۔۔ واقعی ان کی باتیں صدری ہوتی تھیں۔

امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں فرمایا:

سیدنا علی مرید محمد ہیں اور سیدنا عمر مرادِ محمد ہیں۔

سیدنا علی اور باقی سب صحابہ خود آئے۔۔۔ ایمان قبول کیا مگر سیدنا عمر آپ نہیں آئے بلکہ میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دامن پھیلا کر انہیں رب سے مانگا تھا۔

ایک بات میں کہتا ہوں کہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طالب تھے۔۔۔ عمر رضی اللہ عنہ صرف طالب نہیں بلکہ مطلوب تھے۔۔۔ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے محب

تھے اور عمر رضی اللہ عنہ صرف محب نہیں بلکہ محبوب تھے۔۔۔ شانِ محبوبیت کا اظہار اس دن ہوا جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عبد اللہ بن ابی کا جنازہ پڑھانے کے لیے تشریف لائے سب صحابہ خاموش تھے۔۔۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ آگے بڑھے۔۔۔ نبوت کا دامن تھاما اور عرض کیا یا رسول اللہ! کس کا جنازہ پڑھانے چلے ہیں۔۔۔؟ اس نے تمام زندگی ہمارے ساتھ کیا سلوک کیا۔۔۔؟ اس کی وجہ سے دین کا کتنا نقصان ہوا۔۔۔؟ اس طرح کی باتیں محبوب ہی کر سکتا ہے جسے ناز ہوتا ہے کہ محب میری تلخ باتیں بھی محبت سے سن لے گا۔

نماز بیت اللہ میں

نماز کی ادائیگی کا وقت ہوا۔۔۔ پوچھا یا رسول اللہ! نماز کہاں پڑھنی ہے۔۔۔؟ فرمایا عمر! اگلے کمرے میں چھپ کر نماز ادا کریں گے۔۔۔ تیری قوم بیت اللہ میں نماز پڑھنے نہیں دیتی۔۔۔ خطاب کے بیٹے نے کہا۔۔۔ یا رسول اللہ! خطاب کا بیٹا عمر مسلمان ہو کر دامن مصطفی سے وابستہ ہو چکا ہے۔۔ نماز پھر چھپ کر۔۔۔ لات وعزیٰ کی پوجا بیت اللہ میں اور اللہ کی عبادت اللہ کے گھر میں کیوں نہیں۔۔۔؟ چلیے آج نماز سر عام بیت اللہ میں ہوگی۔ (ناسخ التواریخ 616)

مسلمانوں کا یہ مختصر سا قافلہ جو تقریباً چالیس افراد پر مشتمل ہے۔۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قیادت میں اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی تنی ہوئی ننگی تلواروں کے سائے میں بسوئے بیت اللہ چلا۔۔۔ بیت اللہ پہنچے اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے للکارا۔۔۔ تم میں سے کون ہے جو محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے ساتھیوں کو بیت اللہ میں نماز پڑھنے سے روکے۔۔۔؟ میرے ہوتے ہوئے کس کی جرأت ہے جو آگے بڑھے اور ہمیں رب کی عبادت سے روکے۔۔۔؟

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ

جب عمر رضی اللہ عنہ اسلام لائے تو مسلمانوں کی عزت وقوت میں اضافہ ہوا۔

وَاللّٰهِ مَا اسْتَطَعْنَا اَنْ نُّصَلِّيَ عِنْدَ الْكَعْبَةِ ظَاهِرِيْنَ حَتّٰى اَسْلَمَ عُمَرُ

(بخاری 520/1 مستدرک حاکم)

اللہ کی قسم ہم کعبہ کے پاس اعلانیہ نماز نہیں پڑھ سکتے تھے یہاں تک کہ عمر رضی اللہ عنہ اسلام لائے۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا مانگی تو اگلے دن ہی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ صبح کے وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور اسلام قبول کر لیا۔

ثُمَّ صَلّٰى فِي الْمَسْجِدِ ظَاهِرًا (ترمذی 209/2)

پھر مسجد میں علی الاعلان نماز ادا کی۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ پر اعتراض کرنے والو۔۔۔! اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ایمان میں شک کرنے والو۔۔۔! غور تو کرو عمر رضی اللہ عنہ تو وہ مومن ہے جس نے اسلام قبول کرنے کے فوراً بعد اسلام کو بند کمرے سے نکال کر بیت اللہ کے صحن میں لا کھڑا کیا۔۔۔ ایمان قبول کرنے کے بعد پہلے دن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اسلام۔۔۔ کو دار ارقم سے نکال کر کھلے میدان میں لایا۔۔۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد اپنی خلافت کے زمانے میں اسلام کو مدینہ اور عرب کے صحراؤں سے نکال کر ایران اور روم کے ایوانوں تک پہنچا دیا۔

ہجرت بھی اعلانیہ تیرہ سال مکہ مکرمہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بڑے دکھ اور مشکلات کی زندگی گزاری۔۔۔ آخر کار مسلمان ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے۔۔۔ سب صحابہ رضی اللہ عنہم نے چھپ کر ہجرت کی۔۔۔۔ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ چھپ کر ہجرت فرمائی۔۔۔۔ مگر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مکہ سے مدینہ کی جانب چھپ کر نہیں اعلانیہ ہجرت کی۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں خطاب کے بیٹے عمر رضی اللہ عنہ کے کیا کہنے۔۔۔ اس شان سے ہجرت کی کہ قریش کے بڑے بڑے سردار اور چوہدری دم بخود اور حیران رہ گئے۔

گلے میں تلوار لٹکائی۔۔۔ کندھے پر کمان رکھی۔۔۔ تیر ہاتھ میں سنبھالے اور بیت اللہ جا پہنچے۔۔۔ بیت اللہ صنادید قریش سے بھرا پڑا تھا۔۔۔ انہوں نے بڑے

اطمینان سے کعبہ کا طوااف کیا اور قریش کے ایک ایک سردار کے پاس گئے اور کہا۔۔۔ قریش کے سردارو! خطاب کا بیٹا عمر آج مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ جا رہا ہے تم میں سے کسی میں ہمت ہے تو مجھے روک کے دکھاؤ۔

ماحول پر سکوت طاری ہو گیا۔۔۔ ہر ایک دم بخود رہ گیا۔۔۔ کسی کو جواب دینے کی بھی ہمت نہ ہوئی۔۔۔ اس طرح سیدنا عمر رضی اللہ عنہ تلوار ہوا میں لہراتے ہوئے مکہ سے رخصت ہوئے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور وحی الٰہی سامعین گرامی قدر! بارہا ایسا ہوا کہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی رائے وحی الٰہی کے موافق اور مطابق ہو گئی۔۔۔ خود سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے:

وَافَقْتُ رَبِّي فِي ثَلَاثٍ (مسلم 276/2)

تین مقام پر میری اور میرے اللہ کی منشا میں موافقت ہوئی۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم پر چار فضیلتیں حاصل ہیں ان میں ایک یہ ہے کہ بعض مقام پر ان کی اور اللہ کی رائے ایک ہو گئی۔ (مشکوٰۃ 550)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ قرآن کی آیات سن کر مسلمان ہوئے۔۔۔ قرآن نے ان کے دل پر لگے ہوئے زنگ کو اتار دیا اور قرآن نے ان کے دل کو صیقل کر دیا۔۔۔ پھر پہلے دن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا تعلق قرآن سے ایسا جڑا کہ زندگی بھر یہ تعلق لازوال رہا۔۔۔ کئی مرتبہ ایسے ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا۔۔۔ مگر بوجوہ آپ نے ان کے مشورے کو قبول نہیں فرمایا۔۔۔ پھر یوں ہوا کہ عمر رضی اللہ عنہ کی رائے وحی الٰہی کے مطابق ہو گئی۔۔۔ اور جبریل قرآن لے کر اتر پڑا۔۔۔ جو مشورہ عمر رضی اللہ عنہ نے فرش پر دیا رب نے عرش پر منظور کر لیا۔

میری یہ بات کتنے لوگ سمجھ پائیں گے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا تعلق پہلے دن قبول ایمان کے وقت قرآن سے ایسا مضبوط جڑا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال سے چند دن پہلے

جب آپ نے قلم دوات منگوائی اس وقت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا۔۔۔ حَسْبُنَا كِتَابُ اللهِ۔۔۔ کہ ہمیں اللہ کی کتاب قرآن کافی ہے۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ اللهَ جَعَلَ الْحَقَّ عَلٰى لِسَانِ عُمَرَ وَقَلْبِهٖ (ترمذی $\frac{209}{2}$)

یقیناً اللہ نے عمر کی زبان اور دل پر حق کو جاری فرما دیا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اس فرمان پر غور فرمائیے! یہاں آپ نے صرف سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی زبان کی بات نہیں بلکہ ان کے دل کی بات بھی کی ہے۔ زبان سے تو منافق بھی حق کی بات کہہ دیتے تھے مگر منافقین کا دل ان کی زبان کا رفیق نہ ہوتا۔۔۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کیسے خوش قسمت اور کتنے خوش نصیب ہیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کتنے احسن انداز میں ان کے مخلصانہ ایمان کی گواہی دی ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی زبان پر بھی حق جاری ہے اور ان کے دل میں بھی حق جاگزین ہے۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اس حدیث کو روایت کرتے ہوئے ساتھ ہی اپنی گواہی بھی بیان فرمائی:

مَا نَزَلَ بِالنَّاسِ اَمْرٌ قَطُّ فَقَالُوْا فِيْهِ وَقَالَ فِيْهِ عُمَرُ اِلَّا نَزَلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ عَلٰى نَحْوِ مَا قَالَ عُمَرُ (ترمذی $\frac{209}{2}$)

صحابہ کرام پر جب بھی کوئی واقعہ رونما ہوا اور انہوں نے اس میں اپنی رائے کا اظہار کیا اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بھی مشورہ دیا تو قرآن نے عمر کے مشورے کی تائید فرمائی۔

بدر کے قیدی سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔۔۔ وَافَقْتُ رَبِّيْ فِيْ ثَلَاثٍ۔۔۔ تین مقام پر میں نے اپنے رب کی موافقت کی۔

ان تین مقاموں میں پہلا مقام بدر کے قیدیوں کا ہے۔۔۔ اسلام اور کفر کی پہلی جنگ بدر کے میدان میں لڑی گئی۔۔۔ یہ کفر اور اسلام کی پہلی جنگ تھی۔۔۔ یہ حق و باطل کا

معرکہ تھا جس میں فرشتوں کو اتار کر صحابہ کرام کی نصرت کی گئی۔۔۔ پھر تین سو تیرہ نہتے جتھے نے ایک ہزار کے مسلح لشکر کو شکست دے دی۔

اس جنگ میں ستر کفار مارے گئے اور ستر صنادید قریش قیدی بن گئے۔۔۔ نبی اکرم ﷺ کے چچا عباس بھی قیدیوں میں شامل تھے۔۔۔ سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے بھائی عقیل بھی قیدیوں میں شامل تھے۔۔۔ نبی اکرم ﷺ کے داماد ابوالعاص بھی قیدیوں میں شامل تھے۔

نبی اکرم ﷺ نے قیدیوں کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ لیا۔۔۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سمیت اکثر صحابہ کا مشورہ یہی تھا کہ اکثر قیدی ہم میں سے کسی نہ کسی کے رشتے دار اور قریبی ہیں۔۔۔ احسان کر کے یا فدیہ لے کر انہیں رہا کر دیا جائے۔۔۔ ہو سکتا ہے انہیں ایمان کی دولت نصیب ہو جائے۔۔۔ یا شاید ان کی اولاد ایمان کے راستے پر آ جائے۔ (تفسیر کبیر 388/4)

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیتے ہوئے عرض کیا:

یہ درست ہے کہ یہ لوگ آپ کی قوم اور برادری کے ہیں۔۔۔ اپنے ہیں۔۔۔ مگر دین اور حق کے مقابلہ میں قوم، قبیلہ، برادری اور رشتے داری کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔۔۔ یہی لوگ ہیں جنہوں نے آپ کی مسلسل تکذیب کی۔۔۔ پھر آپ کو ہجرت پر مجبور کیا۔۔۔ آج بدلہ چکانے کا دن ہے۔۔۔ ان کی گردنیں اڑا دینی چاہئیں۔۔۔ عقیل کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دو۔۔۔ عباس کو سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دو۔۔۔ اور میرے رشتے دار کو میرے حوالے کر دو تاکہ بھائی بھائی کو قتل کرے۔۔۔ باپ بیٹے کی گردن اڑا دے۔۔۔ اور بیٹا باپ کو قتل کر دے۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ مَثَلَكَ يَا اَبَابَكْرٍ مَثَلُ اِبْرَاهِيْمَ

ابوبکر تمہاری مثال سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی طرح ہے جنہوں نے کہا تھا۔

فَمَنْ تَبِعَنِي فَإِنَّهُ مِنِّي وَمَنْ عَصَانِي فَإِنَّكَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (ابراہیم 36)

جس نے میری اطاعت کی وہ میرا ہے اور جس نے میری نافرمانی کی اس کے لیے اے اللہ! تو غفور رحیم ہے۔

ابوبکر تمہاری مثال سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی طرح ہے جنہوں نے فرمایا تھا:

إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ

(المائدہ 118)

اگر تو ان کو عذاب دے گا تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو بخش دے گا تو تو غالب حکمتوں والا ہے۔

وَمَثَلُكَ يَا عُمَرُ مَثَلُ نُوحٍ۔۔۔ اور اے عمر! تیری مثال سیدنا نوح علیہ السلام کی طرح ہے جنہوں نے فرمایا تھا:

رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا (نوح 26)

میرے پالنہار! زمین پر کسی کافر کو بھی نہ رہنے دے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مشورے کو قبول فرما کر قیدیوں سے فدیہ لے کر انہیں رہا کر دیا۔۔۔ اسی وقت وحی نازل ہوئی جس میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے مشورے کی تائید کی گئی۔۔۔ ارشاد ہوا:

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَى حَتَّى يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللَّهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ (الانفال 67)

کسی نبی کو مناسب نہیں کہ ہوں اس کے ہاں قیدی یہاں تک کہ وہ خونریزی کرے زمین میں تم دنیا کا مال چاہتے ہو اور اللہ آخرت چاہتا ہے اور اللہ بڑا زبردست حکمت والا ہے۔

دوسرا مقام | نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بیت اللہ کا طواف کر رہے ہیں۔۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ عرض کرتے ہیں یا رسول اللہ! میرا دل کرتا ہے کہ بیت اللہ کے طواف کے بعد مقام ابراہیم پر دو نفلوں کی ادائیگی ہو۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔۔۔ عمر رضی اللہ عنہ دین کے احکام اور شریعت کے قوانین فرش پر نہیں عرش پر طے پاتے ہیں۔۔۔ عرش والے کی مرضی کے بغیر ہم زبان بھی نہیں کھول سکتے۔۔۔ ابھی یہ گفتگو ہو رہی ہے کہ وحی الٰہی کا نزول ہوا۔۔۔ جس نے عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کی تائید کر دی۔

وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى (البقرہ 125)

مقامِ ابراہیم کو نماز کی جگہ بناؤ۔

تیسرا مقام | نبی اکرم ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے اور آپ کو عزت وعظمت اور فتوحات ملنے لگیں۔۔۔ مالِ غنیمت آنے لگا تو منافقین کے گروہ نے جنم لیا جن کا رئیس عبداللہ بن ابی تھا۔۔۔ اس منافق کے مرنے پر اس کے بیٹے نے جس کا نام بھی عبداللہ ہے اور وہ میرے نبی ﷺ کا مخلص صحابی ہے۔۔۔ اس نے عرض کی یا رسول اللہ! میرے باپ کے کفن کے لیے قمیص بھی عطا فرمائیں۔۔۔ کچھ کتابوں میں آیا کہ عبداللہ بن ابی بیمار ہوا تو اس نے نبی مکرم ﷺ کو بلا کر عرض کی کہ میرا جنازہ بھی آپ پڑھائیں گے اور اس نے کفن کے لیے آپ کے وجود مبارک سے لگی ہوئی قمیص بھی مانگ لی تھی۔

نبی اکرم ﷺ جنازہ پڑھانے کے لیے آگے بڑھے۔۔۔ فَقَامَ عُمَرُ فَقَالَ بَيْنَ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ۔۔۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ اور قبلہ کے درمیان کھڑے ہو گئے۔۔۔ فَقَامَ عُمَرُ فَأَخَذَ بِثَوْبِ رَسُولِ اللهِ۔۔۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اٹھے اور نبی اکرم ﷺ کا دامن پکڑ لیا اور کہا یا رسول اللہ! کیا اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں:

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ إِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِيْنَ (التوبہ 80)

میرے محبوب پیغمبر! آپ ان منافقین کے لیے بخشش کی دعا کریں یا نہ کریں اگر آپ ستر بار بھی بخشش کی دعا کریں گے تو میں ان کو معاف نہیں کروں گا کیونکہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا ہے اور اللہ نافرمانوں کو ہدایت عطا نہیں کرتا۔

نبی اکرم ﷺ فرمایا۔۔۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا ہے۔۔۔ صاف لفظوں میں منع نہیں فرمایا۔۔۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا مقصد یہ تھا اور ان کی منشا یہ تھی کہ آپ رئیس المنافقین کا جنازہ نہ پڑھائیں۔

حدیث کی معتبر کتاب (مسلم $\frac{276}{2}$) میں ہے اور اسے تفسیر کبیر (تفسیر کبیر $\frac{484}{4}$) نے بھی نقل کیا کہ جبریل امین علیہ السلام یہ آیت لے کر اترے جس میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے خیال کی تائید ہو رہی ہے۔

وَلَا تُصَلِّ عَلٰى أَحَدٍ مِّنْهُمْ مَاتَ أَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ (التوبہ 84)

میرے پیارے پیغمبر! ان منافقین میں سے کسی کے مرنے پر آپ اس کی نمازِ جنازہ بھی نہ پڑھائیں اور ان کی قبر پر کھڑے بھی نہ ہوں۔

چوتھا مقام شروع شروع میں خواتین کے لیے پردے کا حکم نہیں تھا۔۔۔۔ بغیر پردہ کے عورتیں گھر سے باہر آجاتی تھیں۔۔۔۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کئی بار رحمت کائنات ﷺ سے عرض کیا کہ غیرت انسانی کا تقاضا ہے کہ ہماری خواتین کو بغیر پردہ کے باہر نہیں آنا چاہیے۔۔۔ نبی اکرم ﷺ خاموشی اختیار فرما لیتے۔۔۔ پھر وحی الٰہی نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی سوچ کی تائید کر دی اور حکم ربانی ہوا:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ

مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ ذٰلِكَ أَدْنٰى أَنْ يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُورًا رَّحِيمًا

(الاحزاب 59)

میرے نبی اپنی بیویوں سے اور اپنی بیٹیوں سے (معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی بیٹی ایک نہیں تھی ورنہ بِنت واحد استعمال ہوتا۔۔۔ یہاں بَنات کہا گیا ہے جو جمع ہے اور اس کا اطلاق کم از کم تین افراد پر ہوتا ہے۔۔۔ فریقین کی کتب اس پر شاہد ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بطن سے چار بیٹیاں عطا کی تھیں، زینب، ام کلثوم، رقیہ اور فاطمہ رضی اللہ عنہن) اور مومنین کی عورتوں سے کہہ دیجیے کہ اپنے اوپر اپنی چادروں کا کچھ حصہ لٹکا لیا کریں یہ (بات) اس لیے فرمائی کہ قریب ہے وہ پہچانی جائیں پھر انہیں ایذاء نہ پہنچائی جائے۔

سامعین گرامی قدر! یہاں میں تھوڑی سی بات پردہ کے عنوان سے کرنا چاہوں گا۔۔۔ شریعت نے عورت کو بلا ضرورت گھر سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں دی۔۔۔ اور اگر ضرورت کے وقت گھر سے باہر آنا ناگزیر ہو جائے تو پورے جسم کو اور چہرے کو ڈھانپنے کی صرف تلقین نہیں بلکہ حکم دیا ہے۔۔۔ اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم سے بھی کہا کہ ازواج النبی۔۔۔ یعنی امہات المومنین سے کچھ مانگنا ہو یا کوئی مسئلہ پوچھنا ہو تو سامنے آکر نہیں پوچھنا بلکہ۔۔۔ فَاسْأَلُوهُنَّ مِنْ وَّرَاءِ حِجَابٍ (الاحزاب 53)

ان سے سوال کرنا ہے پردے کے پیچھے سے۔۔۔ کہاں ہیں وہ ترقی پسند جو کہتے ہیں کہ پردے کا حکم قرآن نے نہیں دیا۔۔۔ بلکہ یہ مولوی کی ایجاد ہے۔۔۔ یہاں سورت الاحزاب میں۔۔۔ مِنْ وَّرَاءِ حِجَابٍ کے الفاظ پر ذرا غور فرمائیے۔۔۔ وہ حضرات بھی غور فرمائیں جو کہتے ہیں پردہ تو دل کا ہوتا ہے چہرے کے پردے کا کیا فائدہ۔۔۔؟

یہاں پردے میں رہ کر گفتگو کرنے کا حکم ازواج مطہرات کو ہو رہا ہے۔۔۔ اور اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم کو ہو رہا ہے جن کے تقویٰ۔۔۔ بلکہ دل کے تقویٰ۔۔۔ أُولٰئِكَ الَّذِينَ

امْتَحَنَ اللهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوٰى (الحجرات: 3) کا تذکرہ قرآن نے کیا ہے جن کے زہد وصداقت پر رب نے شہادت دی۔۔۔ وہ ازواج مطہرات جن کے بارے میں کہا گیا۔۔۔لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ
(الاحزاب 32)

جنہیں مومنوں کی مائیں کہا گیا۔۔۔ انہیں حکم ہو رہا ہے بلال حبشی کو حکم ہو رہا ہے۔ابن مسعود کو کہا جا رہا ہے۔۔عمار بن یاسر کو۔ طلحہ وزبیر کو۔۔عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہم کو کہا جا رہا ہے کہ ازواجِ مطہرات سے بات کرنی ہو تو مِنْ وَّرَاءِ حِجَابٍ۔۔۔ پردے کے پیچھے سے کرنی ہے)

ہاں تو میں عرض کر رہا تھا کہ مسلمان عورتوں کے لیے پردے کا حکم۔۔۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے خیال کی تائید تھی جسے قرآن بنا کر نازل کیا گیا۔

پانچواں مقام غزوۂ بنو مصطلق سے واپسی پر سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا قافلے سے پیچھے رہ گئیں۔۔۔قافلے کے پیچھے پیچھے چلنے والے سیدنا صفوان رضی اللہ عنہ نے انہیں دیکھا تو خود اونٹ سے اتر آئے اور ام المومنین رضی اللہ عنہا کو اونٹ پر بٹھایا اور یوں ام المومنین رضی اللہ عنہا لشکر اسلام تک پہنچیں۔۔۔لشکر میں موجود منافقین نے اسے طوفان بدتمیزی بنا دیا اور ام المومنین رضی اللہ عنہا پر بہتان باندھا بھی اور اسے پھیلایا بھی۔

منافقین نے تہمت کے لیے ایسی خاتون کا انتخاب کیا جو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہے۔۔۔رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ محترمہ ہے اور سب مسلمانوں کی ماں ہے۔

ام المومنین رضی اللہ عنہا کو جب اس تہمت کے بارے میں معلوم ہوا تو وہ بے ہوش ہو کر گر گئیں۔۔۔غم سے نڈھال سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا چھ دن اور سات راتیں مسلسل روتی رہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف صحابہ سے مشورہ کیا۔۔۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنی اپنی رائے کا اظہار کرتے رہے۔۔۔آپ نے اپنی زوجہ محترمہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا سے بھی پوچھا۔۔۔
" سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی سوکن ہیں اور ان دونوں کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زیادہ محبت

بھی کرتے ہیں۔۔۔ان میں بشری تقاضا کے مطابق کچھ اَن بَن بھی رہتی ہے۔۔۔سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی بہن حمنہ رضی اللہ عنہا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے خلاف اس بہتان میں شریک کار بھی ہے۔

مگر قربان جاؤں اپنی ماں سیدہ زینب رضی اللہ عنہا پر انہوں نے کہا یا رسول اللہ! آسمان کی نیلی چھت کے نیچے اور زمین کی پیٹھ پر میں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر پاکدامن کوئی عورت نہیں دیکھی۔۔۔میں نے عائشہ رضی اللہ عنہا میں خیر ہی خیر اور بھلائی ہی بھلائی دیکھی ہے۔

اس سلسلہ میں جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے ان کی رائے دریافت فرمائی۔ تو انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ! عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ آپ نے رشتۂ ازدواج اپنی مرضی سے قائم کیا تھا؟ فرمایا نہیں۔۔۔اپنی مرضی سے نہیں کیا تھا بلکہ عرش پر علّام الغیوب نے اس رشتے کا انتخاب کیا تھا۔۔۔عائشہ رضی اللہ عنہا ریشمی غلاف میں لپیٹ کر مجھے خواب میں دکھائی گئی اور جبریل امین نے کہا کہ اس خاتون سے آپ کا نکاح آسمانوں پر کر دیا گیا ہے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔۔۔پھر ایسا نہیں ہوسکتا کہ اللہ کا انتخاب غلط ہو۔۔۔نبی تو پاکیزہ ہو اور اس کی بیوی پاکیزہ نہ ہو۔۔۔سُبۡحٰنَكَ هٰذَا بُهۡتَانٌ عَظِيۡمٌ۔۔۔عمر رضی اللہ عنہ نے ام المومنین رضی اللہ عنہا کی صفائی میں یہ الفاظ کہے اور وحی الٰہی نے اس کی تائید کردی۔

(ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے واقعۂ افک سے جہاں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عظمت اور شان نمایاں ہوتی ہے، وہیں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی فراست وذہانت بھی واضح ہو رہی ہے۔۔۔نیز مسئلہ علم غیب بھی واضح ہو رہا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عالم الغیب نہیں تھے ورنہ ایک مہینہ تک پریشانی نہ اٹھاتے۔۔۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورے نہ فرماتے۔۔۔سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے استفسار نہ فرماتے، افک عائشہ کے واقعہ کے ایک ایک موڑ سے ثابت ہو رہا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باوجود علو مرتبت کے۔۔۔باوجود رفیع الشان ہونے کے۔۔۔باوجود محبوب الٰہی ہونے کے۔۔۔باوجود اعلیٰ صفات کے، عالم الغیب اور

حاضر وناظر نہیں تھے۔۔۔ عالم الغیب ہونا اور اپنے علم کے اعتبار سے ہر جگہ موجود ہونا اللہ ہی کی صفت ہے)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فاروق کیسے بنے؟

سورت النساء کی آیت نمبر 60 میں ایک واقعہ کی جانب اشارہ کیا گیا ہے جو واقعہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو دربارِ رسالت سے فاروق کا لقب پانے کا سبب بنا۔

بشر نامی ایک کلمہ گو (منافق) اور ایک یہودی کے مابین کسی معاملہ میں جھگڑا ہو گیا۔۔۔ یہودی نے کہا چلو محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دربار میں چلتے ہیں اور اس جھگڑے کا فیصلہ انہیں سے کروالیتے ہیں۔۔۔ (یہودی اگرچہ میرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان نہیں رکھتا تھا لیکن اسے یقین تھا کہ اس دربار میں سفارش، رشوت اور دھڑے بندی نہیں چلتی بلکہ ہمیشہ فیصلہ انصاف اور عدل سے ہوتا ہے)۔۔۔ منافق کہنے لگا۔۔۔ بَلْ نَنْطَلِقُ اِلٰی كَعْبِ بْنِ اَشْرَفَ (تفسیر خازن 397، تفسیر کبیر $\frac{248}{3}$)

کلمہ گو (منافق) کہنے لگا۔۔۔ نہیں یہودیوں کے عالم کعب بن اشرف کے ہاں جاکر فیصلہ کروالیتے ہیں۔

اسی کعب بن اشرف کو قرآن نے طاغوت جیسے قبیح لفظ سے پکارا:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًا بَعِيْدًا (النساء 60)

میرے پیارے نبی! کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو گمان اور دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم اس وحی پر بھی ایمان لاتے ہیں جو آپ کی طرف اتاری گئی اور اس وحی کو بھی مانتے ہیں جو آپ سے پہلے نازل ہوئی اور (اس دعویٰ کے باوجود) چاہتے ہیں کہ فیصلہ کروائیں طاغوت سے حالانکہ انہیں حکم دیا گیا ہے کہ طاغوت کا انکار کریں۔

(کلمہ گو (منافق) چونکہ اس قضیہ میں جھوٹا تھا، اس کا خیال تھا کہ کعب بن اشرف کے ہاں رشوت چلے گی اور میں اپنے حق میں فیصلہ کرا لوں گا)

مگر یہودی کے اصرار پر اسے محمد عربی ﷺ کی خدمت میں آنا ہی پڑا۔۔۔ آپ نے دونوں کی گفتگو اور باتیں سن کر فیصلہ یہودی کے حق میں کر دیا۔

فیصلہ سن کر منافق کہنے لگا۔۔۔ فیصلہ تو ہو گیا لیکن عمر رضی اللہ عنہ سے توثیق نہ کروالیں۔۔

یہودی چونکہ سچا تھا کہنے لگا۔۔۔ چلو عمر کے ہاں بھی جا کر دیکھ لیتے ہیں۔

پھر دونوں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچے تو یہودی کہنے لگا۔۔۔ آپ کے نبی محمد عربی ﷺ اس قضیہ کا فیصلہ فرما چکے ہیں اور انہوں نے میرے حق میں فیصلہ کیا ہے۔۔۔ مگر یہ ان کے فیصلے پر مطمئن نہیں ہے۔۔۔ اور مجھے آپ کے ہاں لے کر آ گیا ہے۔۔۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کلمہ گو سے اس بات کی تصدیق کرنے کے بعد فرمایا۔۔۔ تم ٹھہرو میں ابھی آ کر فیصلہ کرتا ہوں۔۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ گھر گئے۔۔۔ تلوار اٹھائی اور یہ کہتے ہوئے منافق کا سر قلم کر دیا۔

هٰكَذَا اَقْضِيْ لِمَنْ لَمْ يَرْضَ بِقَضَاءِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ

جو اللہ کے رسول کے فیصلے کو تسلیم نہیں کرتا اس کا فیصلہ عمر کی تلوار کرے گی۔

اِدھر کلمہ گو (منافق) قتل ہوا۔۔۔ اُدھر مدینہ میں شور برپا ہو گیا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مسلمان کو قتل کر دیا ہے۔۔۔ مقتول کے وارث نبوت کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ ہمیں قصاص چاہیے۔۔۔ عمر رضی اللہ عنہ نے ایک کلمہ گو کو بلاوجہ قتل کیا ہے۔۔۔ نبی اکرم ﷺ بھی پریشان اور اصحاب نبی رضی اللہ عنہم بھی پریشان کہ کیا بنے گا۔۔۔؟ ایک کلمہ گو۔۔۔ مسلمان اور مومن قتل ہو گیا۔۔۔ اس وقت آیت اتری۔۔۔ میرے نبی! عمر رضی اللہ عنہ نے کسی مومن کو قتل نہیں کیا۔۔۔ جو شخص اپنے تنازعات اور اختلافات میں اور اپنے جھگڑوں میں آپ کو فیصل اور حاکم نہیں مانتا۔۔۔ اور آپ کے فیصلے کو خوش دلی اور رضامندی سے تسلیم نہیں کرتا۔۔۔ وہ

میرے کاغذوں میں ایماندار نہیں ہے۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (النساء 65)

تیرے رب کی قسم ہے اس وقت تک کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے جھگڑوں میں تجھے فیصل اور منصف تسلیم نہیں کرتا پھر آپ کے فیصلے سے دل میں تنگی بھی محسوس نہ کرے اور آپ کے فیصلے کے آگے اپنی گردن جھکا دے۔

اللہ رب العزت نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلے کی تائید فرمائی اور جبریل امین نے اتر کر کہا:

إِنَّ عُمَرَ فَرَّقَ بَيْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ فَسُمِّيَ الْفَارُوقَ

یقیناً عمر رضی اللہ عنہ نے حق اور باطل کے درمیان فرق کر دیا اسی دن سے عمر رضی اللہ عنہ کا لقب فاروق ہو گیا۔

شیعہ کی معتبر کتاب رجال کشی میں ہے:

يَا عُمَرُ أَنْتَ الْفَارُوقُ وَأَنْتَ تَنْطِقُ الْمَلَكُ عَلٰى لِسَانِكَ

اے عمر! تو حق و باطل کے درمیان فیصلہ کرنے والا ہے اور عمر تیری زبان پر فرشتہ بولتا ہے۔

سامعین گرامی قدر! میں نے قرآن مجید کے کئی مقام آپ کے سامنے بیان کیے جن سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ بارہا ایسے ہوا کہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی رائے وحی الٰہی کے مطابق ہوگئی۔۔۔ ایک مشورہ جو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیا۔۔۔ یا کسی خواہش کا اظہار کیا اور رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس مشورے کو بوجوہ نہیں مانا یا عمر رضی اللہ عنہ کی رائے سن کر خاموشی اختیار فرمالی تو اللہ رب العزت نے وحی بھیج کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کی تائید اور تصدیق کر دی کہ جو عمر رضی اللہ عنہ نے فرش پر کہا تیرے رب نے عرش پر مان لیا۔

اب میں یہ بیان کرنا چاہتا ہوں کہ رحمت کائنات ﷺ نے بھی بارہا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی رائے اور مشورے کو پسند فرما کر اپنے ارادے کو ترک فرما دیا۔۔۔اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کی تحسین فرمائی۔۔۔صرف ایک واقعہ حدیث سے آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔

مشہور صحابی سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن نبی اکرم ﷺ ہمارے درمیان تشریف فرما تھے۔۔۔تھوڑی دیر کے بعد آپ اٹھے اور باہر تشریف لے گئے۔۔۔ہم سوچتے رہے کہ کسی کام کی غرض سے گئے ہوں گے یا قضائے حاجت کے لیے گئے ہوں گے۔۔۔مگر آپ نے واپسی میں بہت دیر لگا دی۔۔۔جب کافی وقت گزر گیا تو ہم فکر مند ہوئے کہ اسلام کے اور نبی اکرم ﷺ کے دشمن بہت زیادہ تھے۔۔۔یہود بھی مخالف۔۔۔کفارِ مکہ بھی دشمن۔۔۔اور مدینہ کے منافقین بھی ہر ممکن نقصان پہنچانے کے درپے رہتے تھے۔۔۔میں بھی اور دوسرے صحابہ بھی آپ کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔۔۔ہم تلاش کرتے ہوئے ایک باغ میں پہنچے۔۔۔میں بڑی مشکل سے باغ میں داخل ہوا تو دیکھا کہ کائنات کے آقا ﷺ وہاں تشریف فرما ہیں۔۔۔آپ نے مجھ سے یہاں آنے کی وجہ پوچھی۔۔۔میں نے اپنی فکر اور پریشانی کا ذکر کیا۔۔۔پھر میں نے بتایا کہ آپ کی تلاش میں صرف میں نہیں آیا بلکہ کچھ صحابہ بھی آپ کی تلاش میں نکلے ہوئے ہیں۔۔۔آپ نے بطور علامت اپنے نعلین مبارک مجھے دیئے اور فرمایا:

اِذْهَبْ بِنَعْلَيَّ هَاتَيْنِ فَمَنْ لَقِيَكَ مِنْ وَرَاءِ هٰذَا الْحَائِطِ

میرے نعلین لے جاؤ اور جو شخص تجھے اس دیوار کے باہر ملے۔۔۔يَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ مُسْتَيْقِنًا بِهَا قَلْبُهٗ فَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ۔۔۔وہ صدق دل سے گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود اور الٰہ نہیں ہے (ذرا مُسْتَيْقِنًا بِهَا قَلْبُهٗ کی قید پر غور فرمائیں۔۔۔صرف زبانی کلامی کلمہ کا اقرار نہ کرتا ہو جیسے منافق بھی کرتے تھے بلکہ کلمہ کے لوازمات اور

قیود کو مدنظر رکھ کر شہادت دیتا ہو۔۔۔صدقِ دل سے لا الٰہ الا اللہ کی شہادت دینے والے کے دل میں شرک کے جراثیم نہیں رہ سکتے۔۔۔ایک شخص لا الٰہ الا اللہ کا اقرار بھی کرتا ہو پھر شرکیہ اعمال بھی کرے۔۔۔ناممکن ہے۔۔۔ایک شخص لا الٰہ الا اللہ بھی پڑھتا ہو اور غیر اللہ کے سجدے بھی کرتا ہو۔۔۔غیر اللہ کے نام کی نیازیں بھی دیتا ہوں۔۔غیر اللہ کو عالم الغیب اور مختار کل بھی مانتا ہو۔۔۔ناممکن ہے۔۔۔یہاں جو بشارت اور خوشخبری نبی اکرم ﷺ سنا رہے ہیں وہ ایسے شخص کے لیے ہے جو صدقِ دل سے کلمے کا اقرار کرتا ہو۔۔۔شرک سے اپنے دامن کو بچاتا ہو) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ایسی گواہی دینے والے کو جنت کی خوشخبری سنا دے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں آپ کے نعلین لے کر باغ سے باہر نکلا تو باغ کے باہر سب سے پہلے میری ملاقات سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے ہوگئی۔۔۔اس سے پہلے کہ میں انہیں نبی اکرم ﷺ کی عطا کردہ خوشخبری سناتا، انہوں نے از خود دریافت فرمایا:

مَا هَاتَانِ النَّعْلَانِ يَا اَبَا هُرَيْرَةَ۔۔۔دو نعلین کیوں اٹھائے پھرتے ہو اور یہ نعلین کن کے ہیں؟

میں نے کہا یہ نعلین نبی اکرم ﷺ کے ہیں مجھے نعلین دے کر آپ نے بھیجا ہے کہ اس دیوار کے باہر جو شخص صدقِ دل سے لا الٰہ الا اللہ کی شہادت دیتے ہوئے ملے میں اسے جنت کی بشارت سناؤں۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے میری یہ بات سنی۔۔۔ فَضَرَبَ عُمَرُ بَيْنَ ثَدْيَيَّ فَخَرَرْتُ لِاَسْتِي۔۔۔انہوں نے میرے سینے پر اتنے زور سے تھپڑ مارا کہ میں سرینوں کے بل پیچھے جا گرا۔۔۔مجھے کہا۔۔۔اِرْجِعْ يَا اَبَا هُرَيْرَةَ۔۔۔واپس پلٹ جاؤ (یہ بات کسی سے نہ کہنا) میں روتا ہوا نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں پہنچا تو اسی وقت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی پہنچ گئے۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔۔۔مَا لَكَ يَا اَبَا هُرَيْرَةَ۔۔۔ابو ہریرہ تیرے ساتھ

کیا بنی۔۔۔؟ کیوں رو رہے ہو۔۔۔؟ میں نے ساری بات آپ کو بتائی۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔۔۔ یَا عُمَرُ مَا حَمَلَكَ عَلٰی مَا فَعَلْتَ۔۔۔ اے عمر! آپ نے ایسا کیوں کیا؟

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جواب میں کہا۔۔۔ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ اَبُعِثْتَ اَبَا هُرَیْرَۃَ بِنَعْلَیْكَ۔۔۔ میرے ماں باپ آپ پر قرآن یا رسول اللہ! کیا آپ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو یہ نعلین دے کر بھیجا ہے کہ جو شخص صدقِ دل سے لا الٰہ الا اللہ کی شہادت دے اسے جنت کی خوشخبری سنائے۔

آپ نے فرمایا۔۔۔ نَعَمْ۔۔۔ ہاں میں نے بھیجا ہے۔

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔۔۔ فَلَا تَفْعَلْ۔۔۔ یا رسول اللہ ایسا نہ کیجیے۔۔۔ فَاِنِّیْ اَخْشٰی اَنْ یَّتَّکِلَ النَّاسُ عَلَیْهَا۔۔۔ مجھے خطرہ ہے کہ لوگ اس پر بھروسہ کر کے عمل کرنا چھوڑ دیں گے۔۔۔ لوگ سمجھیں گے ایمان قبول کر لیا ہے۔۔۔ عقیدہ درست ہو گیا ہے اب عمل کرنے کی کیا ضرورت ہے۔۔۔؟ جنت تو لا الٰہ الا اللہ کی شہادت دینے سے ملنی ہی ملنی ہے۔۔۔ فَخَلِّهِمْ یَعْمَلُوْنَ۔۔۔ لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیجیے اور انہیں ایمان کی قبولیت کے بعد اعمال صالحہ کرنے دیجیے۔

فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ فَخَلِّهِمْ (مسلم، مشکوٰۃ 15)

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ابو ہریرہ لوگوں کو اپنے حال پر چھوڑ دے اور اب یہ بات کسی کو نہ بتانا۔

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ تاریخ اسلام کی ایسی عبقری شخصیت ہے جن کی بلند نظری، صائب الرائے، دور رس نگاہ، نتیجہ خیز سوچ اور دقیق نظر کی رحمت کائنات ﷺ نے بھی تائید، توثیق اور تصدیق فرمائی۔

وما علینا الا البلاغ المبین

نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ الْاَمِیْنِ

وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قَالَ النَّبِیُّ ﷺ لَوْ کَانَ بَعْدِیْ نَبِیٌّ لَکَانَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ (ترمذی 563/2)

سامعین گرامی قدر! نبی اکرم ﷺ کے چار مناصب قرآن کی مختلف سورتوں میں بیان کیے گئے ہیں۔۔۔۔ پہلا منصب ہے تلاوتِ کلام اللہ۔۔۔ دوسرا منصب ہے تعلیم کلام اللہ۔۔۔ تیسرا منصب ہے حکمت کی تعلیم دینا، یعنی اپنی سنت کی تعلیم دینا۔۔ اور چوتھا منصب ذکر ہوا۔۔ وَیُزَکِّیْهِمْ۔۔ تزکیۂ نفس یعنی جو لوگ آپ کی خدمت میں پہنچیں۔۔۔ آپ کی مجلس اور محفل میں آئیں۔۔ وہ شرک وکفر کی دلدل میں پھنسے ہوئے۔۔ ظلمات میں گھرے ہوئے۔۔ شراب نوشی اور سود خوری میں جکڑے ہوئے۔۔۔ زنا کے عادی۔۔۔ چوری چکاری کے خوگر۔۔ ڈاکہ زنی کے ماہر۔۔ لڑکیوں کو زندہ قبروں میں گاڑنے والے ہوں۔۔ میرا نبی ﷺ قرآن وسنت کی تعلیمات سے ان کے دلوں کا تزکیہ کرے۔۔۔ صفائی کرے۔۔ کفر وشرک کو کھرچ دے۔۔ فسق وفجور اور نفاق سے پاک کردے۔۔۔

آنے والے زمین کے ذرے ہوں انہیں آسمان کے تارے بنا کر رکھ دے۔

یہ حقیقت ہے کہ میرے نبی ﷺ اپنے تمام مناصب میں کامیابیوں سے ہمکنار ہوئے۔۔۔ آپ نے ایسی پاکیزہ جماعت تیار کی کہ ان کے مرتبے اور مقام کو اور ان کی عزت و رفعت کو دنیا کا کوئی انسان نہیں پہنچ سکتا۔

آپ کی تیار کردہ جماعت ایسی اعلیٰ صفات اور پاکیزہ خصال جماعت تھی کہ اللہ نے انہیں اپنی رضا کی سند عطا کی۔۔۔ انہیں جنت کی بشارتیں عطا ہوئیں۔۔۔ وہی درحقیقت مقدمۂ نبوت کے عینی گواہ ہیں۔۔۔ ہم تک دین، شریعت، احکام، ارکانِ اسلام، نبوت اور قرآن پہنچنے کا سبب بھی وہی ہیں۔۔۔ احادیث کا تمام تر ذخیرہ انہی کی وساطت سے ہم تک پہنچا ہے۔

تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنی اپنی جگہ پر عظیم ہیں۔۔۔ مگر اللہ رب العزت نے اصحابِ رسول کے مرتبوں میں فرق رکھا ہے۔۔۔ تمام اصحابِ رسول کُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰی۔۔۔ کے وعدے کے تحت جنت کے حقدار ہیں۔۔۔ مگر اللہ رب العزت نے اصحابِ رسول کے مرتبوں میں فرق رکھا ہے۔۔۔ اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم کی مقدس جماعت میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بعد سب سے افضل ترین شخصیت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی ہے۔

سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اِنِّیْ لَا اَدْرِیْ مَا بَقَائِیْ فِیْکُمْ۔۔۔ میں نہیں جانتا کہ میں تم میں کتنی مدت تک زندہ رہوں گا۔

(وہ حضرات اس جملے پر اور میرے نبی ﷺ کے اس ارشاد پر ٹھنڈے دل و دماغ سے غور کریں جن کا خیال یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ عالم الغیب ہیں اور ہر ہر چیز کا علم رکھتے ہیں۔۔۔ عالم الغیب ہونا اور ہر ہر چیز کو جاننا یہ تو بہت دور کی بات ہے آپ فرما رہے

ہیں کہ مجھے اپنی زندگی کا علم نہیں کہ میں کتنی مدت تک تم میں زندہ رہوں گا۔۔۔ جسے اپنی زندگی۔۔۔ زندگی کی مدت اور اپنی عمر کی میعاد تک کا علم نہ ہو۔۔۔ وہ عالم الغیب کیسے ہوسکتا ہے۔۔۔؟ اس لیے ہم لوگوں کو سمجھاتے ہیں کہ علم غیب صفت اور خاصہ انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء عظام کا نہیں بلکہ رب العالمین کا ہے)

آپ نے فرمایا مجھے معلوم نہیں کہ میں کب تک زندہ رہوں گا اس لیے۔۔۔

فَاقْتَدُوْا بِالَّذِیْنَ مِنْ بَعْدِیْ وَاَشَارَ اِلٰی اَبِیْ بَکْرٍ وَّعُمَرَ (ترمذی 207/2)

پس میرے بعد ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کی اقتدا کرنا اور ان کے دامن کو تھام لینا۔

امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک اور حدیث سماعت فرمایئے۔۔۔ سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَا مِنْ نَبِیٍّ اِلَّا وَلَهٗ وَزِیْرَانِ مِنْ اَهْلِ السَّمَاءِ وَوَزِیْرَانِ مِنْ اَهْلِ الْاَرْضِ فَاَمَّا وَزِیْرَایَ مِنْ اَهْلِ السَّمَاءِ فَجِبْرِیْلُ وَمِیْکَائِیْلُ وَاَمَّا وَزِیْرَایَ مِنْ اَهْلِ الْاَرْضِ فَاَبُوْبَکْرٍ وَّعُمَرُ (ترمذی 209/2، مشکوۃ 460)

ہر نبی کے لیے چار وزیر ہوتے ہیں، دو آسمانوں میں اور دو زمین میں۔۔۔ آسمانوں پر میرے وزیر جبریل اور میکائیل ہیں۔۔۔ اور زمین پر میرے وزیر ابوبکر اور عمر ہیں۔

آیئے! آپ کو سناؤں کہ اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم کا نظریہ اور خیال کیا تھا۔۔۔؟ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی مبارکہ میں ہم صحابہ آپس میں گفتگو کرتے تو کہا کرتے تھے:

فَنُخَیِّرُ اَبَابَکْرٍ ثُمَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ ثُمَّ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ

(بخاری 516/1)

اس امت میں اللہ کے نبی کے بعد سب سے افضل ابوبکر ہیں اور ابوبکر کے بعد عمر ہیں اور ان کے بعد عثمان ہیں۔ (رضی اللہ عنہم)

امیر المومنین سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد فریقین کی کتب میں موجود ہے۔
چنانچہ بخاری میں ہے کہ محمد بن حنفیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے والد سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا:

اَیُّ النَّاسِ خَیْرٌ بَعْدَ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ اَبُوْبَکْرٍ قَالَ قُلْتُ ثُمَّ مَنْ قَالَ عُمَرُ الخ (بخاری 518/1)

خَیْرُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ بَعْدَ نَبِیِّنَا اَبُوْبَکْرٍ ثُمَّ عُمَرُ (تلخیص الشافی طوسی)

اس امت میں اللہ کے نبی کے بعد سب سے اعلیٰ و بہتر ابوبکر ہیں پھر عمر ہیں۔

اہل تشیع کی معتبر کتاب، کتاب الشافی میں ہے کہ اہل تشیع کے چھٹے امام حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ امت میں نبی اکرم ﷺ کے بعد سب سے افضل کون ہے، انہوں نے جواب میں فرمایا:

اَفْضَلُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ بَعْدَ نَبِیِّنَا اَبُوْبَکْرٍ ثُمَّ عُمَرُ (کتاب الشافی 428/2)

نبی اکرم ﷺ کے بعد اس امت میں سب سے افضل ابوبکر ہیں ان کے بعد عمر ہیں۔ (رضی اللہ عنہما)

آج کے خطبے میں۔۔ میں بیان کروں گا کہ رحمت کائنات ﷺ نے مختلف اوقات میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی کن کن فضیلتوں کا تذکرہ فرمایا۔۔ اور نبی اکرم ﷺ نے انہیں کس انداز میں خراجِ تحسین پیش کیا۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ امام الانبیاء ﷺ نے فرمایا:

بَیْنَا اَنَا نَائِمٌ رَاَیْتُنِیْ عَلٰی قَلِیْبٍ

میں سویا ہوا تھا اور میں نے خواب میں اپنے آپ کو ایک کنویں پر دیکھا۔

(ذہن میں رہے کہ نبی کا خواب ہمارے خواب کی طرح نہیں ہوتا بلکہ نبی کے خواب کی حیثیت وحی کا درجہ رکھتی ہے۔۔۔ نبی کے علاوہ ہر ایک کا خواب ظنی ہوتا ہے چاہے خواب دیکھنے والا ولی ہو یا عالم ہو۔۔۔ مفسر ہو۔۔۔ یا محدث ہو۔۔۔ مفتی ہو۔۔۔ یا

فقیہ ہو۔۔۔ مجتہد ہو۔۔۔ کوئی تابعی ہو یا صحابی ہو۔۔۔ کسی کا خواب دین میں حجت نہیں بن سکتا۔۔۔ مگر نبی کا خواب قطعی ہوتا ہے۔۔۔ وحی کا درجہ رکھتا ہے۔۔۔ اور دین میں حجت ہوتا تھا۔۔۔ اسی لیے آپ میں سے کوئی خواب دیکھے کہ میں اپنے بیٹے کے گلے پر چھری رکھ رہا ہوں۔۔۔ تو اس کے لیے جائز نہیں کہ صبح میدان میں جائے اور بیٹے کے گردن پر چھری رکھ دے مگر ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام دیکھیں تو پھر ضروری ہے کہ وہ اسماعیل کی گردن پر چھری رکھیں)

میں نے دیکھا کہ کنویں پر ایک ڈول ہے۔۔۔ فَنَزَعْتُ مِنْهَا مَا شَاءَ اللّٰهُ۔۔۔ جتنا اللہ نے چاہا میں نے کنویں سے پانی نکالا (اور کھیت کو سیراب کیا)

ثُمَّ اَخَذَهَا ابْنُ اَبِي قُحَافَةَ۔۔۔ پھر وہ ڈول ابوبکر نے پکڑ لیا۔

فَنَزَعَ مِنْهَا ذَنُوْبًا اَوْ ذَنُوْبَيْنِ۔۔۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایک دو ڈول ہی نکالے اور ان کے ڈول نکالنے میں ضعف تھا۔

(یہ اشارہ تھا کہ ان کی خلافت کی مدت قلیل ہو گی اور فتنے سر اٹھائیں گے جیسے جھوٹے مدعیانِ نبوت نے سر اٹھایا اور منکرین زکوٰۃ نے شورش بپا کی)

پھر وہ ڈول بڑا ہو گیا۔۔۔ فَاَخَذَهَا ابْنُ الْخَطَّابِ۔۔۔ پھر ڈول سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے لے لیا۔۔۔ پس میں نے لوگوں میں اتنا بہادر، قوی اور باہمت کسی کو نہیں دیکھا۔۔۔ کہ خطاب کا بیٹا ڈول پر ڈول نکالے جا رہا ہے۔۔۔ کھیت سیراب ہو گیا۔۔۔ لوگ کنویں پر جمع ہو گئے۔ (بخاری 1/519)

اس خواب کی تعبیر واضح ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں لوگ اسلام کے چشمے سے خوب سیراب ہوں گے اور وہ دین اور ایمان کے کھیت کو سرسبز و شاداب کر دیں گے۔۔۔ فتوحات کا سلسلہ وسیع ہو گا۔۔۔ دین اسلام کو غلبہ نصیب ہو گا۔۔۔ اور دین کی عظمت میں ترقی ہو گی۔۔۔ مسلمانوں کی شان و شوکت میں اضافہ ہو گا۔۔۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ

بھی دین کی خدمت کریں گے مگران کے پاس وقت تھوڑا ہوگا اور فتنے زیادہ ہوں گے۔۔۔
اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ دین اسلام کو دنیا کے کناروں تک پہنچا دیں گے اور اس میں کسی قسم کی کوئی کمزوری اور ضعف بھی نہیں آئے گا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں جو پیشینگوئی کی گئی۔۔۔۔۔ وہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں پوری ہوئی۔۔۔اور دنیا کی دو عظیم طاقتیں اور اپنے آپ کو سپر پاور سمجھنے والی حکومتیں ایران اور روم ان دونوں پر اسلامی فوجیں حملہ آور ہوئیں اور ان کے تاج وتخت کو پاؤں کی ٹھوکر سے اڑا دیا اور محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پرچم ایران وروم کے ایوانوں پر لہرا دیا۔

دوسری حدیث سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے:

بَيْنَا اَنَا نَائِمٌ ثُمَّ اُتِيْتُ بِقَدَحِ لَبَنٍ
میں سویا ہوا تھا کہ دیکھتا ہوں کہ مجھے دودھ کا ایک پیالہ دیا گیا۔
فَشَرِبْتُ حَتّٰى اِنِّيْ لَاَرَى الرِّيَّ يَخْرُجُ فِيْ اَظْفَارِيْ
میں نے اس دودھ کو پیا یہاں تک کہ دودھ کی سیرابی میرے ناخنوں سے ظاہر ہونے لگی۔
ثُمَّ اَعْطَيْتُ فَضْلِيْ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ
پھر میں نے اپنا بچا ہوا دودھ خطاب کے بیٹے عمر کو دے دیا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس خواب کی تعبیر دریافت کی۔۔۔تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔۔۔اَلْعِلْمُ۔۔۔اس کی تعبیر علم ہے۔ (بخاری 520/1 ، مشکوٰۃ 557)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب کی تعبیر بتا کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی شان وعظمت کو بیان فرمایا اس لیے کہ ایمان کے بعد علم بلندئ درجات کا ایک بڑا سبب ہے۔

ذرا غور تو فرمائیے! جس عمر رضی اللہ عنہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بچا ہوا دودھ۔۔۔ پینے کے

لیے عطا ہوا۔۔۔ پھر اس عمر رضی اللہ عنہ کی زبان پر ہمیشہ صدق اور سچ ہی آئے گا۔۔۔ اس کی زبان پر حق ہی بولے گا۔۔۔ اسی لیے رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

تیسری حدیث اِنَّ اللّٰهَ جَعَلَ الْحَقَّ عَلٰى لِسَانِ عُمَرَ وَقَلْبِهٖ (ترمذی $\frac{209}{2}$)

اللہ نے عمر رضی اللہ عنہ کی زبان اور دل پر حق کو جاری فرمادیا۔

چوتھی حدیث سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

بَيْنَا اَنَا نَائِمٌ رَأَيْتُ النَّاسَ يُعْرَضُوْنَ عَلَيَّ

میں نیند میں تھا کہ میں نے دیکھا کہ لوگ مجھ پر پیش کیے جا رہے ہیں۔

وَعَلَيْهِمْ قُمُصٌ مِنْهَا مَا يَبْلُغُ الثُّدِيَّ وَمِنْهَا مَا دُوْنَ ذَالِكَ

وہ لوگ قمیص پہنے ہوئے ہیں کچھ کی قمیص سینے تک ہیں اور بعض کی اس سے بھی کم۔

وَعُرِضَ عَلَيَّ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَعَلَيْهِ قَمِيْصٌ يَجُرُّهٗ

سیدنا عمر بھی میرے سامنے سے گزرے اور ان کی قمیص ایسی لمبی تھی جو زمین پر گھسٹتی جا رہی تھی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دریافت کیا یا رسول اللہ! اس خواب کی کیا تعبیر ہے۔۔۔؟

فرمایا۔۔۔ اَلدِّيْنُ (بخاری $\frac{521}{1}$ ، مشکوۃ 557)

اس کی تعبیر دین ہے جو مجھے کرتے کی شکل میں دکھلائی گئی ہے۔

پہلے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک خواب میں بیان کر چکا ہوں۔۔۔۔ بچا ہوا دودھ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو عطا کرنا جس کی تعبیر علم سے دی گئی اور اس خواب میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دین کو یعنی عمل کو قمیص کی لمبائی کی صورت میں دکھایا گیا ہے۔

قمیص کا زمین پر گھسٹتے ہوئے دیکھنا اس کی وجہ غالباً یہ ہوگی کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عمل کی

پیروی امت کے افراد میں جاری رہے گی۔۔۔خواب کی تعبیر دین کے ساتھ دی گئی ہے۔۔۔مطلب یہ ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی وساطت سے دین محمدی زمین کے دور دراز علاقوں تک پہنچ جائے گا۔

پانچویں حدیث سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ (یکے از عشرۂ مبشرہ) روایت کرتے ہیں کہ ایک دن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے خدمت نبوی میں حاضر ہونے کے لیے اجازت طلب کی۔۔۔اس وقت آپ کے پاس ازواجِ مطہرات نان ونفقہ کے بارے میں گفتگو کر رہی تھیں اور اونچی آواز میں باتیں کر رہی تھیں۔ (شاید قریش کی کچھ اور عورتیں بھی ان میں شامل ہوں)

جونہی ان عورتوں کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے آنے کی اطلاع ہوئی۔۔۔ قُمْنَ فَبَادَرْنَ الْحِجَابَ۔۔۔وہ عورتیں اٹھیں اور دوڑتی ہوئی پردے میں چلی گئیں۔۔۔ فَدَخَلَ عُمَرُ وَرَسُوْلُ اللّٰہِ یَضْحَكُ۔۔۔سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اندر گئے دیکھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرا رہے ہیں۔۔۔سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو مسکراتے ہوئے دیکھا تو عرض کی۔۔۔ اَضْحَكَ اللّٰہُ سِنَّكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ۔۔۔ یا رسول اللہ! اللہ آپ کو ہمیشہ مسکراتا رکھے، کس بات پر مسکرا رہے ہیں۔۔۔؟ آپ نے فرمایا۔۔۔ عَجِبْتُ مِنْ ھٰؤُلَاءِ اللَّاتِیْ کُنَّ عِنْدِیْ۔۔۔میں ان عورتوں پر تعجب کر رہا ہوں کہ یہ میرے پاس بیٹھی ہوئی بلند آواز سے باتیں کر رہی تھیں۔۔۔ فَلَمَّا سَمِعْنَ صَوْتَكَ اِبْتَدَرْنَ الْحِجَابَ۔۔۔جونہی انہوں نے تمہاری آواز سنی تو بھاگ کر پردے کے پیچھے چلی گئیں۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان عورتوں سے کہا:

یَا عَدُوَّاتِ اَنْفُسِھِنَّ۔۔۔اے اپنی جانوں سے دشمنی کرنے والی عورتو! تم مجھ سے خوف کھا رہی ہو اور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تمہیں ڈر نہیں لگتا۔۔۔ قُلْنَ نَعَمْ اَنْتَ اَفَظُّ وَاَغْلَظُ۔۔۔وہ عورتیں جواب میں کہنے لگیں ہاں آپ سے ڈر اس لیے لگتا ہے کہ آپ کے

مزاج میں بڑی سختی اور تیزی ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رحمت ہی رحمت اور شفیق ہی شفیق ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا:

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ مَا لَقِیَكَ الشَّیْطَانُ سَالِكًا فَجًّا قَطُّ اِلَّا سَلَكَ فَجًّا غَیْرَ فَجِّكَ (بخاری 520/1 ، مشکوٰۃ 556)

مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے تیرے چلتے ہوئے کسی راستے میں شیطان نہیں ملتا مگر وہ تیری راہ چھوڑ کر دوسری راہ اختیار کر لیتا ہے۔

چھٹی حدیث اسی سے ملتی جلتی ایک اور حدیث بھی سن لیجیے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک غزوہ میں تشریف لے گئے۔۔۔ خیر وعافیت سے واپسی ہوئی تو کالے رنگ کی ایک لونڈی نے عرض کی۔۔۔ یا رسول اللہ! میں نے منت مانی تھی کہ اگر اللہ آپ کو بخیر وعافیت مدینہ واپس لائے گا تو آپ کے سامنے دف بجاؤں گی اور گنگناؤں گی۔۔۔ اجازت ہو تو اپنی منت پوری کر لوں۔۔۔؟

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔۔۔ اِنْ كُنْتِ نَذَرْتِ فَاضْرِبِیْ وَاِلَّا فَلَا۔۔۔ اگر واقعی تم نے منت مانی ہے تو اپنی منت پوری کر لو بصورتِ دیگر اجازت نہیں ہے۔۔۔ اس نے دف بجانی شروع کی اتنے میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے مگر وہ دف بجاتی رہی۔۔۔ پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ آئے مگر وہ برابر دف بجاتی رہی۔۔۔ پھر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ آ گئے مگر اس نے دف بجانا نہیں چھوڑا۔۔۔ ثُمَّ دَخَلَ عُمَرُ فَاَلْقَتِ الدَّفَّ تَحْتَ اِسْتِهَا ثُمَّ قَعَدَتْ عَلَیْهَا۔۔۔ جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ داخل ہوئے اس نے دف اپنے نیچے رکھی اور اس پر بیٹھ گئی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ منظر دیکھا تو فرمایا:

اِنَّ الشَّیْطَانَ لَیَخَافُ مِنْكَ یَا عُمَرُ۔۔۔ یقیناً شیطان تجھ سے خوف کھاتا ہے اے عمر!

اِنِّیْ کُنْتُ جَالِسًا۔۔۔میں بیٹھا ہوا تھا مگر وہ دف بجاتی رہی۔۔۔۔فَدَخَلَ اَبُوْ بَکْرٍ وَّھِیَ تَضْرِبُ۔۔۔ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے وہ دف بجاتی رہی۔۔پھر علی رضی اللہ عنہ آئے مگر اس نے دف بجانا بند نہیں کیا۔۔۔اتنے میں عثمان رضی اللہ عنہ آگئے مگر وہ برابر دف بجاتی رہی۔۔۔

فَلَمَّا دَخَلْتَ اَنْتَ یَا عُمَرُ اَلْقَتِ الدَّفَّ (ترمذی 210/2 ، مشکوٰۃ 558)

عمر! جب تم داخل ہوئے تو اس نے دف کو پھینک دیا۔

سبحان اللہ! رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے ہیں عمر رضی اللہ عنہ شیطان تم سے خوف کھاتا ہے۔۔۔تیرے راستے میں آئے تو وہ راستہ چھوڑ کے بھاگ جاتا ہے۔۔۔نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بتلانا چاہتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ میں اور شیطان میں بُعد اور دوری ہے۔۔۔اور یہ بُعد فطری اور دائمی ہے۔

ذرا غور فرمائیے۔۔۔! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان ارشادات میں کتنے نفیس طریقے اور خوبصورت انداز میں یہ خوشخبری سنائی کہ یہ معصومیت تو نہیں (کیونکہ معصومیت انبیاء علیہم السلام کی صفت اور نبوت کی خاصیّت ہے) مگر عصمت الٰہی کے رنگ میں رنگا جانا کوئی کم فضیلت کی بات نہیں ہے۔

میں ایک حدیث آپ کو سنانا چاہتا ہوں جس سے ثابت ہوگا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے بھاگنے والے صرف شیاطین الجن ہی نہیں بلکہ جو انسان۔۔۔شیطان صفت ہوں گے وہ بھی عمر رضی اللہ عنہ کے نام سے بھاگیں گے۔

ساتویں حدیث

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما تھے کہ ہم نے باہر شور کی آواز سنی۔۔۔اس شور میں بچوں کا شور زیادہ تھا۔۔۔نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ ایک حبشی لونڈی رقص کر رہی ہے اور اس کے گرداگرد بچے یہ تماشا دیکھنے کے لیے جمع ہیں۔۔۔نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

تَعَالَیْ فَانْظُرِیْ۔۔۔عائشہ! آؤ اور دیکھو۔۔سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔۔۔

میں نے اپنی ٹھوڑی نبی اکرم ﷺ کے کندھے پر رکھ کر یہ منظر دیکھنا شروع کیا۔۔۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ نے فرمایا۔۔۔ اَمَا شَبِعْتِ، اَمَا شَبِعْتِ۔۔۔ عائشہ! تم یہ منظر دیکھ دیکھ کر سیر نہیں ہوئیں۔۔۔ میں نے کہا کچھ دیر اور دیکھنے دیجیے۔

اِذْ طَلَعَ عُمَرُ فَارْفَضَّ النَّاسُ عَنْهَا۔۔۔ اچانک کہیں سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ پہنچ گئے تو۔۔۔ لوگ ناچتی لونڈی کو چھوڑ کر دور ہٹ گئے۔۔۔ نبی اکرم ﷺ نے یہ سارا منظر دیکھ کر فرمایا:

اِنِّی لَاَنْظُرُ اِلٰی شَیَاطِیْنِ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ قَدْ فَرُّوْا مِنْ عُمَرَ

(ترمذی $\frac{210}{2}$ ۔مشکوٰۃ 558)

میں دیکھتا ہوں کہ شیطان خواہ انسانوں میں سے ہوں یا جنوں میں سے وہ عمر رضی اللہ عنہ سے بھاگتے ہیں۔

میں چشم دید گواہ ہوں 1987ء میں مجھے اللہ رب العزت نے حج بیت اللہ کی سعادت نصیب فرمائی۔۔۔ آج تو مسجد نبوی بڑی وسیع ہوگئی ہے۔۔۔ اس وقت مسجد نبوی کے شمال میں دروازہ ''باب عمر، اور باب مجیدی'' ہوتے تھے۔

میری رہائش بھی اسی جانب تھی۔۔۔ اور میں ہمیشہ باب عمر سے مسجد نبوی میں داخل ہوتا تھا۔۔۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ایک مخصوص ملک سے آنے والے حاجی ''باب عمر'' کے سامنے سے گزر کر ''باب مجیدی'' سے مسجد نبوی میں داخل ہوتے۔۔۔ ''باب عمر'' سے داخل ہونا تو کجا اس طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی بھی انہیں جرأت نہ ہوتی۔۔۔ یہ سب کچھ دیکھ کر مجھے نبی اکرم ﷺ کی حدیث اور ارشاد پر عین الیقین ہوگیا کہ۔۔۔۔۔ ''عمر جس گلی سے گزرتا ہے وہاں سے شیطان بھاگ جاتا ہے'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی ذات تو رہی ایک طرف۔۔۔ جس دروازے پر عمر رضی اللہ عنہ کا نام تحریر ہو جائے شیطان الانس اور شیطان الجن اس دروازے سے بھی داخل نہیں ہوتے۔

آٹھویں حدیث

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں۔۔۔ میں نے کچھ خوابوں کا ذکر کیا ہے۔۔۔ جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھے اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے علم اور دین کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں اشارے کیے گئے۔۔۔ اب ایک اور خواب کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں۔

سیدنا جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں جنت میں داخل ہوا۔۔وَسَمِعْتُ خَشْفَةً۔۔ میں نے کسی کے قدموں کی آواز سنی۔۔۔ فَقُلْتُ مَنْ هٰذَا۔۔۔ میں نے کہا یہ کون ہے۔۔۔؟ جس کے قدموں کی آوز آرہی ہے۔۔۔ مجھے جواب دیا گیا۔۔۔ هٰذَا بِلَالٌ۔۔۔ یہ آپ کا غلام بلال ہے۔۔۔ پھر میں نے ایک محل دیکھا جو بہت خوبصورت تھا۔۔۔جس کے سامنے ایک باندی کھڑی تھی۔۔۔ فَقُلْتُ لِمَنْ هٰذَا۔۔۔میں نے پوچھا یہ کس کا محل ہے۔۔۔؟ مجھے جواب دیا گیا۔۔۔لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ۔۔۔یہ محل خطاب کے بیٹے عمر کا ہے۔۔۔ فَأَرَدْتُّ اَنْ اَدْخُلَهٗ فَاَنْظُرَ اِلَيْهِ۔۔۔ میرا ارادہ ہوا کہ تمہارے محل میں داخل ہو کر دیکھوں۔۔۔ یہ اندر سے بھی اتنا ہی پیارا ہے جتنا باہر سے نظر آرہا ہے۔۔۔ مگر عمر پھر تیری غیرت کا خیال آگیا۔۔۔ فَقَالَ عُمَرُ بِاَبِيْ وَاُمِّيْ يَا رَسُوْلَ اللهِ اَعَلَيْكَ اَغَارُ (بخاری $\frac{520}{1}$)

یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں کیا میں نے آپ پر غیرت کرنی تھی۔

(سامعین گرامی قدر! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خواب عام آدمی کے خواب کی طرح نہیں ہے۔۔۔ بلکہ امام ترمذی نے یہاں سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت نقل کی ہے۔۔۔ رُؤْيَا الْاَنْبِيَاءِ وَحْيٌ۔۔۔ کہ انبیاء کرام علیہم السلام کا خواب بھی وحی کا درجہ رکھتا ہے۔۔۔ امام ترمذی اس جانب توجہ دلانا چاہتے ہیں کہ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہاں سیدنا

عمر رضی اللہ عنہ کو جنت کے محل کی بشارت دی ہے وہ وحی الٰہی اور حکم الٰہی پر مبنی ہے۔

آج اسلام کا دعویٰ کرنے والے ایسے بھی ہیں جو ایسی عبقری شخصیت پر تبرأ کا بازار گرم کرتے ہیں۔۔۔ جب تک ایسی عظیم شخصیت پر لعنت نہ بھیج لیں انہیں چین نہیں آتا۔۔۔ انہیں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ایمان واخلاص میں شک ہے۔۔۔ عمر رضی اللہ عنہ کی غیرت کو مدنظر رکھ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محل کے اندر داخل نہیں ہوئے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام لینے والے ایسے بے غیرت ہوئے کہ اسی عمر رضی اللہ عنہ پر طعن وتشنیع اور تبرأ ودشنام اور کفر ونفاق کے فتوے لگانے سے باز نہیں آتے)

نویں حدیث

امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک بڑا ہی مشہور ومعروف ارشاد ہے۔

لَوْ کَانَ بَعْدِیْ نَبِیٌّ لَکَانَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ (ترمذی $\frac{209}{2}$ ، مشکوٰۃ 558)

اگر میرے بعد کسی نبی نے آنا ہوتا تو وہ عمر بن الخطاب ہوتے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان میں حرف ''لَوْ'' پر غور فرمائیے۔۔۔ یہ ''لَوْ'' فرضیہ ہے جیسے لَوْ کَانَ فِیْهِمَا اٰلِهَةٌ۔۔۔ اگر زمین وآسمان میں میرے سوا کوئی الٰہ ہوتا۔

اسی طرح یہاں فرمایا۔۔۔ اگر میرے بعد نبوت کا دروازہ کھلا ہوتا۔۔۔ اور کسی نے شرف نبوت سے سرفراز ہونا ہوتا تو یقیناً خطاب کے بیٹے عمر رضی اللہ عنہ میں وہ صلاحیتیں موجود تھیں کہ وہ نبی ہوتے۔۔۔ عمر رضی اللہ عنہ میں وہ جوہر رسالت موجود تھا جو نبی کے لائق ہوتا ہے۔

دسویں حدیث

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

اَنَا اَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْهُ الْاَرْضُ ثُمَّ اَبُوْبَکْرٍ ثُمَّ عُمَرُ

میں ہی پہلا شخص ہوں گا جس کی قبر کھلے گی۔

ثُمَّ اَبُوْبَکْرٍ ثُمَّ عُمَرَ

پھر ابوبکر کی قبر کھلے گی اور پھر عمر کی قبر کھلے گی۔ (ترمذی $\frac{210}{2}$)

کتنے خوش قسمت ہیں سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما کہ انہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ قیامت تک کے لیے ہمسائیگی کا شرف حاصل ہوا۔۔۔اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ان کے مدفن بنے۔۔۔سوال میرا یہ ہے کہ جب انہیں دفن کیا جا رہا تھا اس وقت سیدنا علی کہاں تھے۔۔۔؟ کیا وہ مدینہ میں نہیں تھے۔۔۔؟ حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کہاں تھے۔۔۔؟ کیا وہ مدینہ میں نہیں تھے۔۔۔؟ خانوادۂ علی کے باقی افراد کہاں تھے۔۔۔؟ وہ کیوں آڑے نہیں آئے۔۔۔؟ انہوں نے کیوں مزاحمت نہیں کی۔۔۔۔؟ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس بات پر تلوار کیوں نہیں لہرائی کہ میں غاصبوں اور منافقوں کو اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے دشمنوں کو روضۂ رسول میں دفن نہیں ہونے دوں گا۔۔۔سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی تلوار تو زمین کو چیر کر تہہ تک پہنچ گئی تھی۔۔۔اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ اتنے قوی اور طاقتور تھے کہ بقول تمہارے خیبر کے قلعہ کا دروازہ جسے سینکڑوں لوگ اٹھاتے تھے اکیلے سیدنا علی نے اٹھا لیا تھا۔

اس حقیقت کو تسلیم کرو کہ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے ان دونوں کو روضۂ رسول میں لٹایا اور دنیا والوں کو بتایا کہ میرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سب سے بڑھ کر رفاقت اور دوستی ان دونوں کی تھی۔۔۔ یہ دنیا میں بھی اکٹھے رہے۔۔۔قبر میں بھی ساتھ ساتھ اور کل حشر میں بھی اکٹھے ہوں گے۔

تمہیں شرم نہیں آتی۔۔۔روسیاہو۔۔۔!تم انہیں جہنمی کہتے ہو۔۔۔کبھی کافر اور منافق کے طعنے دیتے ہو۔۔۔رب کا قرآن پڑھو۔۔۔کفار اور منافقین کا ٹھکانہ کہاں ہو گا۔۔۔؟

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ (التحریم 9)

میرے نبی! کفار اور منافقین سے جہاد کرو ان پر سختی کرو ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

کفار اور منافقین کا ٹھکانہ جہنم بتایا گیا اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما تو اس وقت بھی جنت

میں ہیں۔۔۔میرے آقا ﷺ نے فرمایا تھا:

مَا بَیْنَ بَیْتِیْ وَمِنْبَرِیْ رَوْضَةٌ مِنْ رِّیَاضِ الْجَنَّةِ (بخاری 253/1)

میرے حجرے اور میرے منبر کا درمیانی حصہ جنت کے باغوں میں سے ایک ہے۔

انسان کو جس مٹی سے بنایا جاتا ہے (بعض روایات میں آیا ہر بچے کی ناف میں اس مٹی کا حصہ ہوتا ہے جس سے اسے بنایا گیا) اسی مٹی میں دفن کیا جاتا ہے۔۔۔وہیں سے اسے قیامت کے دن اٹھایا جائے گا۔۔۔اگر یہ صحیح ہے اور یقیناً صحیح ہے تو پھر ماننا پڑے گا کہ جس مٹی سے نبی اکرم ﷺ کا خمیر بنایا گیا اسی مٹی سے ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کو بھی بنایا گیا۔۔۔اسی سے ملتی جلتی اور اسی مضمون کی تائید کرتی ایک اور حدیث سماعت فرمائیے۔

گیارہویں حدیث

ایک دن نبی اکرم ﷺ مسجد میں داخل ہوئے اور مسکراتے ہوئے داخل ہوئے۔۔۔آپ کا ایک ہاتھ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے کندھے پر تھا اور دوسرا ہاتھ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے کندھے پر تھا۔۔۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہ منظر دیکھ کر خوش ہوئے اور مسکرا دیئے کہ آقا ﷺ آج اس حالت میں بہت خوبصورت اور حسین نظر آ رہے ہیں۔۔۔آپ نے فرمایا:

هٰكَذَا نُبْعَثُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (ترمذی 208/2)

ہم قیامت کے دن اسی طرح اٹھائے جائیں گے۔

سامعین گرامی قدر! سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں بے شمار حدیثیں ہیں انہیں سنانا شروع کر دوں تو گفتگو بڑی طویل ہو جائے گی۔۔۔عقل مند اور منیب شخص کے لیے ایک حدیث ہی کافی ہے جسے سن کر وہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت اور شان کا قائل ہو جائے اور نادان کے لیے اور ضدی وعنادی شخص کے لیے دلائل کا ڈھیر بھی لگا دیا جائے تو بے سود ہوگا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی عظمت کے لیے یہی کافی ہے کہ انہیں اللہ کے نبی نے رو، رو کر اور

جھولی پھیلا کر رب سے مانگا تھا۔۔۔وہ مرادِ محمد ہیں۔۔۔وہ مطلوب محمد ہیں۔۔۔اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ خلیفہ ثانی لاثانی ہیں۔۔۔اور میرے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا میرے بعد نبوت کا دروازہ کھلا ہوتا تو عمر میں ایسی خصوصیات اور اوصاف پائے جاتے ہیں کہ وہ نبوت کے منصب پر فائز ہوتے۔۔۔وہ نبی تو نہیں مگر محدَّث ہیں جن کی زبان پر حق بولتا ہے۔

وما علینا الا البلاغ المبین

10

نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ الْاَمِيْنِ

وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا (الفتح 18)

سامعین گرامی قدر! سورت آل عمران کی آیت نمبر 164 میں اللہ رب العزت نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کو مومنوں پر عظیم احسان قرار دیا ہے، ارشاد ہوا۔۔۔ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ۔۔۔ احسان اور بڑھ گیا کہ آنے والا نبی دوسری جنس سے نہیں بلکہ انہی میں سے ہے۔۔۔ کسی کا بیٹا ہے۔۔۔ کسی کا بھتیجا ہے۔۔۔ کسی کا شوہر ہے۔۔۔ کسی کا چچازاد بھائی ہے۔۔۔ کسی کا داماد ہے۔

پھر اس پیغمبر کے چار منصب بیان کیے گئے۔۔۔ ان میں دوسرا منصب بیان ہوا۔۔۔ وَيُزَكِّيْهِمْ۔۔۔ وہ پیغمبر اپنے پاس بیٹھنے والوں کا تزکیہ کرتا ہے۔

جن لوگوں کو عربی زبان سے کچھ شد بد ہے وہ جانتے ہیں کہ تزکیہ کا مادہ "زکا" ہے، یہ فعل لازم ہے، معنی ہوگا پاک صاف ہونا اور سنورنا۔۔ اور یہی متعدی ہو جائے جیسے تزکیہ تو یہ باب تفعیل کا مصدر ہو گیا تو پھر معنی ہوگا۔۔ پاک صاف کرنا۔۔ درست کرنا۔۔ اور سنوارنا۔۔ زکوٰۃ کو بھی زکوٰۃ اسی لیے کہتے ہیں کہ اس کی ادائیگی سے بقیہ مال پاک ہو جاتا ہے۔

زمیندار زمین میں بیج ڈالنے سے پہلے تزکیۃ الارض کرتے ہیں یعنی زمین کا تزکیہ۔۔۔ جو کانٹے دار جھاڑیاں ہیں انہیں باہر نکال دینا۔۔۔ نقصان دہ پودے اکھاڑ دینا۔۔۔ اور زمین کو فصل کے لیے تیار کر دینا۔

نبی اکرم ﷺ نے تزکیۃ القلوب۔۔۔ تزکیۃ النفوس فرمایا۔۔۔ اپنے پاس آنے والوں کے دلوں کو اور نفوس کو ہر قسم کے رذائل سے۔۔۔ خباثتوں سے۔۔۔ شرک و کفر کی گندگی سے۔۔۔ اور نجاستوں سے پاک صاف کر دیا۔۔۔ اور سنوار دیا۔۔۔ قرآن کریم نے بہت جگہوں پر اور نبی اکرم ﷺ نے بار بار ہر قسم کی بدی اور برائی سے منع کیا۔۔۔ ہر منکر سے نفرت دلائی۔۔۔ والدین کی نافرمانی سے بار بار منع کیا۔۔۔ کسی کو قتل کرنے سے روکا۔۔۔ یتیم کے مال کھانے اور ہر قسم کے ناجائز طریقے سے مال کھانے سے روکا۔۔۔ زنا کو فاحشہ اور ظلم قرار دیا۔۔۔ سود خوری کو اللہ اور رسول سے جنگ کرنا قرار دیا۔۔۔ کم تولنے اور ماپنے کو فساد فی الارض کے مترادف قرار دیا۔۔۔ بچوں کو بھوک کے ڈر سے قتل کر دینا ظلم قرار دیا۔۔۔ تکبر سے۔۔۔ غرور سے روکا اور فخر کرنے کی حوصلہ شکنی کی۔۔۔ دشنام طرازی۔۔۔ عیب جوئی۔۔۔ غیبت و بہتان۔۔۔ چغل خوری۔۔۔ گمان کی پیروی۔۔۔ نام بگاڑنے سے سختی کے ساتھ روکا۔

شریعت نے تمام رذائل و نقائص اور عیوب اور ہر قسم کے گناہوں سے مسلمانوں کو منع کیا۔۔۔ میرے نبی ﷺ نے تزکیۃ القلوب فرمایا۔۔۔ مگر سب سے پہلے اور سب سے زیادہ بلکہ بڑی شدت کے ساتھ جس گناہ سے روکا وہ شرک ہے۔۔۔ میرے نبی ﷺ نے مکہ مکرمہ کی تیرہ سالہ زندگی میں ایک ہی دعوت دی اور وہ دعوتِ توحید تھی۔۔۔ اور ایک پیغام دیا اور وہ پیغامِ توحید تھا۔۔۔ ایک ہی اعلان کیا اور وہ اعلان توحید تھا۔۔۔ لا الٰہ الا اللہ کی دعوت تھی۔۔۔ آپ نے کہا ساری کائنات کا الٰہ صرف اکیلا اللہ ہے۔۔۔ اور اللہ کے علاوہ کوئی الٰہ بننے کے لائق نہیں۔

تیرہ سال مسلسل میرے نبی ﷺ نے ایمان بنانے پر اور عقیدہ درست کرنے پر محنت فرمائی۔۔۔ اس لیے کہ اعمالِ صالحہ کی قبولیت کے لیے عقیدے کا صحیح ہونا لازمی ہے۔۔۔ اگر عقیدے میں رائی کے دانے کے برابر بھی شرک موجود ہے تو پھر کوئی عمل بھی عند اللہ مقبول نہیں ہوتا۔۔۔ شرک اعمالِ صالحہ کے لیے زہر قاتل ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اور نبی اکرم ﷺ نے جب لوگوں کو رذائل اور منکرات سے منع فرمایا تو سب سے پہلے توحید کی دعوت دی اور شرک سے منع کیا۔

سورت بنی اسرائیل کی آیت نمبر 23 سے لے کر آیت نمبر 39 تک تقریباً چھبیس رذائل اور منکرات کا ذکر فرمایا۔۔۔ مگر ابتداء میں کہا۔۔۔ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّاۤ اِیَّاہُ۔۔۔ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور سب رذائل کو شمار کر کے آخر میں پھر کہا۔۔۔ وَلَا تَجۡعَلۡ مَعَ اللّٰہِ اِلٰـہًا اٰخَرَ۔۔۔ اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود نہ بنا۔

ابتداء میں اور پھر آخر میں توحید کی دعوت اور شرک کی نفی کر کے اللہ تعالیٰ اس طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ سب رذائل و منکرات اور گناہوں سے بچو مگر شرک ظلم عظیم ہے اس سے لازماً بچو اور اپنے دامن کو شرک کی آلودگیوں سے محفوظ رکھو۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ آپ نے اپنے صحابہؓ سے کہا میرے ہاتھ پر ان شرائط کے ساتھ بیعت کرو۔۔۔ اَنۡ لَّا تُشۡرِکُوۡا بِاللّٰہِ شَیۡـًٔا۔۔۔ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا۔۔۔ وَلَا تَسۡرِقُوۡا۔۔۔ چوری نہ کرنا۔۔۔ وَلَا تَزۡنُوۡا۔۔۔ زنا نہیں کرنا۔۔۔ وَلَا تَقۡتُلُوۡۤا اَوۡلَادَکُمۡ۔۔۔ اپنی اولاد کو قتل نہیں کرنا۔۔۔ وَلَا تَاۡتُوۡا بِبُہۡتَانٍ تَفۡتَرُوۡنَہٗ بَیۡنَ اَیۡدِیۡکُمۡ وَاَرۡجُلِکُمۡ۔۔۔ کسی پر بہتان نہیں تراشنا۔۔۔ وَلَا تَعۡصُوۡا فِیۡ مَعۡرُوۡفٍ۔۔۔ نیکی کے کسی کام میں نافرمانی نہیں کرو گے۔ (بخاری 7/1 حدیث نمبر 18)

دیکھا آپ نے نبی اکرم ﷺ نے بیعت لیتے ہوئے جتنی شرائط رکھیں۔۔۔ ان میں سب سے مقدم اور سب سے پہلی شرط کیا ہے۔۔۔؟ اَنۡ لَّا تُشۡرِکُوۡا بِاللّٰہِ شَیۡـًٔا۔۔۔

اللہ کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ بنانا۔

اللہ رب العزت نے بھی قرآن کریم میں اسے اسی ترتیب کے ساتھ ذکر فرمایا:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ عَلَىٰ أَن لَّا يُشْرِكْنَ بِاللَّهِ شَيْئًا وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَأْتِينَ بِبُهْتَانٍ يَفْتَرِينَهُ بَيْنَ أَيْدِيهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِينَكَ فِي مَعْرُوفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (الممتحنہ 12)

اے میرے نبی! جب ایمان والی عورتیں آپ سے ان شرائط پر بیعت کرنے کے لیے آئیں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گی، چوری نہیں کریں گی، زنا نہیں کریں گی، اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گی، کسی پر از خود گھڑ کے بہتان نہیں لگائیں گی، کسی نیکی کے کام میں آپ کی نافرمانی نہیں کریں گی، تو آپ ان عورتوں سے بیعت لے لیں اور ان کے لیے بخشش کی دعا کیا کریں، یقیناً اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے اپنے صحابہ کا تزکیہ فرمایا۔۔۔ کفر کی جگہ اسلام نے لے لی۔۔۔ شرک کی جگہ توحید نے لے لی۔۔۔ فسق و فجور۔۔۔ اطاعت و فرمانبرداری میں بدل گئے۔۔۔ چوری چکاری کے عادی اور ڈاکہ زنی کے ماہر دوسروں کے اموال کے رکھوالے بن گئے۔۔۔ راہزن رہبر ہو گئے۔۔۔ مشرک موحد بن گئے۔۔۔ عورتوں کی عزتوں کے لٹیرے کفار کی عورتوں تک کے محافظ بن گئے۔

آج کے خطبہ میں۔۔۔ اتنی طویل تمہید کے بعد۔۔۔ میں بیان یہ کرنا چاہتا ہوں کہ ویسے تو سب صحابہ پختہ موحد اور توحید پرست تھے۔۔۔ وہ سب کے سب غیر اللہ کی پوجا پاٹ سے متنفر اور شرک کی ہر قسم اور شرک کی ہر نوع سے دور تھے۔۔۔ انہیں توحید الٰہی سے شدید ترین محبت تھی۔۔۔ شرک سے بے پناہ نفرت اور بیزاری تھی۔۔۔ میرے نبی ﷺ کا ہر ساتھی توحید کا دیوانہ اور محبت الٰہی میں سرشار تھا۔۔۔ اور شرک سے کوسوں دور بھاگنے والا

تھا۔۔۔مگر سب صحابہ کرام میں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اس معاملے میں انتہائی حساس تھے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو چند خصوصیات ایسی حاصل تھیں جن کی بنا پر وہ سب صحابہ سے ممتاز نظر آتے ہیں۔۔۔ان میں ایک بڑی خصوصیت یہ تھی کی شرک کی جس چنگاری نے مستقبل میں جا کر بھڑکتی آگ کی صورت اختیار کرنی تھی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس چنگاری کو وہیں بجھا دیا۔

شرک کی چنگاری میں بھڑکنے والی آگ کو دیکھ لینا۔۔۔اتنی دور رس نگاہ۔۔۔صرف اور صرف سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو نصیب ہوئی تو میں اس سلسلہ میں چند واقعات آپ کے سامنے بیان کرنا چاہتا ہوں۔

حجر اسود کا بوسہ بیت اللہ کے طواف کے دوران ہر چکر کے شروع میں حجر اسود کا بوسہ مسنون عمل ہے۔ بوسہ دینا ممکن نہ ہو تو استلام کر لے۔

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اپنے دورِ خلافت میں بیت اللہ کے طواف کے لیے آئے۔۔۔حجر اسود کو بوسہ دے کر اور چوم کر طواف کا آغاز کرنا تھا۔۔۔چومنے کے لیے جھکے۔۔۔تو فوراً خیال آیا کہ نئے نئے مسلمان ہونے والے لوگ یہ منظر دیکھ رہے ہیں۔۔۔وہ کیا سمجھیں گے۔۔۔؟ کہ ہمیں تو منع کرتے ہیں کہ بتوں کی پرستش نہ کرو اور ان کی تعظیم نہ کرو اور خود ایک پتھر کو چوم رہے ہیں۔۔۔اور اس کی تعظیم کر رہے ہیں۔

یہ خیال آتے ہی سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ چار ہاتھ پیچھے ہٹ جاتے ہیں اور پیچھے ہٹ کر حجر اسود کو خطاب کرتے ہیں:

اِنِّیْ اَعْلَمُ اَنَّکَ حَجَرٌ لَا تَنْفَعُ وَلَا تَضُرُّ

میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تو ایک بے جان پتھر ہے نہ تو نفع پہنچا سکتا ہے اور نہ نقصان دے سکتا ہے۔

(یہاں میں ایک بات آپ کو سمجھا دوں تو میری بات آسانی کے ساتھ سمجھ آ جائے گی۔۔۔جو لوگ مردوں کے سننے کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ اگر مردے نہیں سنتے تو تم

انہیں اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اَھْلَ الْقُبُوْر ۔۔۔ (اے قبر والو تم پر اللہ کی سلامتی اور سلام ہو) کیوں کہتے ہو۔۔۔؟ یَا اَھْلَ الْقُبُوْر تو خطاب ہے۔۔۔ اگر وہ سنتے نہیں تو خطاب کیوں۔۔۔؟ ہم کہتے ہیں کہ خطاب کو سننا لازم نہیں۔۔۔ یعنی یہ ضروری نہیں کہ جسے خطاب کیا جائے وہ سن بھی رہا ہو۔۔۔ یہاں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ حجر اسود کو خطاب کر رہے ہیں اَنَّکَ حَجَرٌ ۔۔۔ تو ایک پتھر ہے نہ تو نفع دے سکتا ہے اور نہ نقصان پہنچا سکتا ہے۔۔ تو کیا سیدنا عمر اس نظریے سے خطاب کر رہے تھے کہ حجر اسود آپ کی بات کو سن رہا ہے۔۔۔؟

مؤذن صبح کی اذان میں کہتا ہے۔۔۔ اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْم ۔۔۔ ان الفاظ کو سننے والا اپنے گھر کے کمرے میں موجود ہے وہ وہاں سے کہتا ہے۔۔۔ صَدَقْتَ وَبَرَرْتَ ۔۔۔ تو نے سچ کہا ہے اور تو نے نیکی کی بات کی ہے۔۔۔ کیا یہ کلمات کہنے والے کا بھی یہی عقیدہ ہوتا ہے کہ مؤذن اپنے کمرے میں میری آواز کو سن رہا ہے۔۔۔؟

میں اس پر کتنی مثالیں پیش کروں۔۔۔ کہ خطاب کو سماع لازم نہیں ہے۔۔۔ شاعر لوگ پہاڑوں کو، چاند ستاروں کو، سمندروں اور دریاؤں کو خطاب کرتے ہیں۔۔۔ علامہ محمد اقبال نے کہا تھا۔۔۔ اے کوہ ہمالیہ۔۔۔ کیا اس نظریے سے کہا تھا کہ کوہ ہمالیہ میری بات کو سن رہا ہے۔۔۔؟ نحو کے امام رضی نے لکھا ہے کہ خطاب کو سماع لازم نہیں)

سامعین گرامی قدر! ذرا غور کیجیے! کس پتھر کو چومنے سے پہلے اسے خطاب کر رہے ہیں۔۔۔ جسے انبیاء کرام علیہم السلام بوسے دیتے رہے۔۔۔ جسے جد الانبیاء علیہ السلام نے چوما۔۔۔ جسے امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بوسہ دیا۔۔۔ جس پتھر پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک لب لگے۔۔۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اسے بوسہ دیا۔۔۔ اس پتھر کو خطاب کر رہے ہیں جسے بیت اللہ کی کوکھ میں نصب ہونے کا شرف حاصل ہوا۔۔۔ اس پتھر کو خطاب ہو رہا ہے جو جنت سے بھیجا گیا ہے۔۔۔ اور جس کے بوسہ لینے کا شریعت نے حکم بھی دیا ہے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے عقیدے کی اور نئے نئے مسلمان ہونے والوں کے

نظریے کی اصلاح کرنے کی خاطر فرمایا۔۔۔ میں تجھے اپنے نفع اور نقصان کا مالک سمجھ کر نہیں چومتا۔۔۔ میں اس لیے نہیں چومتا کہ تیرے چومنے کی وجہ سے میری حاجات پوری ہوتی ہیں یا میری جان اور مال میں برکتیں ہوتی ہیں۔

وَلَوْ لَا رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يُقَبِّلُكَ مَا قَبَّلْتُكَ

(بخاری، کتاب الحج، حدیث نمبر 1593)

اگر میں نے نہ دیکھا ہوتا کہ اللہ کے پاک پیغمبر ﷺ تجھے چومتے تھے تو میں تجھے کبھی بھی نہ چومتا۔۔۔ میں تو صرف اس لیے تجھے چومتا ہوں کہ میرے مصطفی ﷺ نے تجھے بوسہ دیا تھا۔

(آپ نے غور فرمایا۔۔۔! توحید کے معاملے میں اور شرک کی سرکوبی میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی نگاہ کتنی دوررس ہے اور وہ توحید کے معاملے میں کتنے حساس ہیں۔

اس کے برعکس آج کے کلمہ گو کو دیکھیے وہ ہر قبر کو چومنے میں لگا ہوا ہے۔۔۔ قبر کی چوکھٹ کو بوسے دینے میں مصروف ہے۔۔۔ درباروں کی سیڑھیاں چومنے کو اپنی سعادت سمجھ رہا ہے۔۔۔ تعزیوں اور تابوتوں کو چھونے میں اور چومنے میں برکتیں تلاش کر رہا ہے۔

پوچھو تو جواب میں کہتا ہے تم اپنے بچوں کو نہیں چومتے۔۔۔ اگر بچوں کو چومنا صحیح ہے تو بزرگوں کی قبروں اور چوکھٹوں کو چومنے میں کیا حرج ہے؟

اسے کون سمجھائے۔۔۔ کہ حجر اسود کے چومنے کو اس عقیدے نے عبادت بنایا ہے کہ جو رب مجھے اپنے وطن میں دیکھ رہا تھا وہ مجھے یہاں بیت اللہ کی کوکھ میں لگے ہوئے پتھر کو چومتے ہوئے بھی دیکھ رہا ہے۔۔۔ اگر میں حجر اسود کو بوسہ دوں گا تو اللہ خوش ہو گا۔۔۔ خوش ہو گا تو مجھے نفع پہنچائے گا۔۔۔ اس نظریے نے اور اس عقیدے نے حجر اسود کے چومنے کو عبادت اور ثواب بنا دیا۔

میرے بھائی! جب بچوں کو چومتے ہیں تو اس وقت یہ نظریہ اور عقیدہ نہیں ہوتا۔۔۔

اور جب کسی قبر کو، مزار کو، قبر کی چوکھٹ کو چوما جاتا ہے تو چومنے والے کا یقیناً یہی عقیدہ ہوتا ہے کہ صاحب قبر میرے چومنے کو دیکھ رہا ہے اور خوش ہو رہا ہے۔۔۔اسی عقیدے نے تو حجر اسود کے چومنے کو عبادت بنایا تھا۔۔۔اسی نظریے اور عقیدے سے جب قبر کو چوما تو یہ چومنا صاحب قبر کی عبادت ہوگی اور عبادت اللہ کے سوا کسی کی بھی جائز نہیں ہے)

شجرۃ الرضوان

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی توحید پرستی اور شرک کی بیخ کنی۔۔۔اور شرک کی ایسی چنگاری جس نے مستقبل میں آگ کی شکل اختیار کر لینی ہے۔۔۔اس چنگاری کو وہیں بجھا دینا۔۔۔آیئے اور سنیئے!

قرآن کریم میں اللہ رب العزت نے ایک ایسے درخت کا تذکرہ فرمایا جس کے ساتھ پیٹھ لگا کر کائنات کے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیٹھے تھے۔۔۔اور اس درخت کے نیچے تقریباً چودہ سو صحابہ نے آپ کے ہاتھ پر قصاصِ عثمان کے لیے بیعت کی تھی۔۔۔سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جیسے رفیق نبوت اس درخت کے نیچے تشریف فرما ہوئے۔۔۔سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جیسے عبقری صحابی اس درخت کے نیچے بیٹھے۔۔۔سیدنا علی رضی اللہ عنہ جیسے بہادر اور شجاع اس درخت کے نیچے بیٹھے۔۔۔طلحہ و زبیر، بلال و ابوذر، عبدالرحمن بن عوف، ابوعبیدہ بن الجراح (رضی اللہ عنہم) کس کس کا نام لوں۔۔۔کتنے عظیم لوگ تھے۔۔۔دنیا کے سارے اولیاء اللہ جمع ہو کر بھی ایک صحابی کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتے۔

پھر اس درخت کا تذکرہ قرآن کریم نے فرمایا:

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ (الفتح 18)

اللہ ان مومنوں سے راضی ہو گیا جب انہوں نے ایک درخت کے نیچے آپ کی بیعت کی تھی۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنے دورِ خلافت میں حدیبیہ کے اس مقام سے گزرتے ہوئے تھوڑی دیر کے لیے ٹھہرے اور رکے۔۔۔تو دیکھا کہ ایک درخت کے نیچے لوگ نمازیں پڑھ

رہے ہیں۔۔دوڑ دوڑ کر پہنچ رہے ہیں۔۔اور درخت کے نیچے نوافل کی ادائیگی ہو رہی ہے۔

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا یہ لوگ اتنے شوق اور ذوق سے اس درخت کے نیچے نوافل کے لیے کیوں جمع ہو رہے ہیں؟ بتلانے والوں نے بتایا۔۔۔۔ امیر المومنین یہ وہی درخت ہے جس کا تذکرہ قرآن میں ہوا۔۔۔۔۔جس کے نیچے رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما ہوئے اور اپنی مبارک پیٹھ اس درخت سے لگائی۔۔۔ چودہ سو صحابہ نے اس درخت کے نیچے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔۔۔ یہ وہی درخت ہے جسے شجرۃ الرضوان کہا جاتا ہے۔

لوگ اس درخت کو اور اس کے نیچے والی جگہ کو متبرک سمجھ کر نوافل ادا کر رہے ہیں۔۔۔کہ یہ جگہ مبارک ہے یہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیٹھے تھے۔۔۔اصحاب پیغمبر تشریف فرما ہوئے تھے۔

سیدنا عمر نے سنا تو اپنے عملہ کو حکم دیا کہ کدالیں اور ہتھیار لے جاؤ اور اس درخت کو جڑ سے اکھاڑ دو۔ دیکھنا اس کی جڑیں بھی زمین میں باقی نہیں رہنی چاہئیں، کہیں یہ پھر نہ پھوٹ پڑے۔ (طبقات ابن سعد، فتح الباری $\frac{345}{7}$، شرح مواہب لدنیہ، ازالۃ الخفاء $\frac{91}{2}$)

آج تو لوگ صرف تبرکاً نوافل ادا کر رہے ہیں (ان کا عقیدہ درست ہے) مگر کہیں ایسا نہ ہو کہ بعد میں آنے والے لوگ اس کی زیارت کے لیے سفر شروع کر دیں۔۔۔اسے چومنے لگیں۔۔۔اس کے پتے چبانے لگیں۔۔۔اور اس کی پوجا پاٹ شروع ہو جائے۔۔۔ لہٰذا اس درخت کو جڑ سے اکھاڑ دو اور شرک کی اس چنگاری کو یہیں خاکستر کر دو کہیں ایسا نہ ہو کہ آگے جا کر خطرناک آگ کی شکل اختیار کر جائے جس کا بجھانا مشکل ہی نہیں ناممکن ہو جائے۔

سامعین گرامی قدر! ذرا بتلایئے! جو کام سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کیا تھا۔۔۔اگر ایسا کام آج ہمارے معاشرے میں کوئی کرتا تو نتیجہ کیا ہوتا۔۔۔؟ طوفان بدتمیزی بپا ہوتا۔۔۔کفر کے فتوے لگتے۔۔۔گستاخ رسول کے طعنے دیئے جاتے۔۔۔دشمن پیغمبر کی پھبتی کسی

جاتی۔۔۔توہین رسالت کے پرچے کاٹے جاتے۔۔۔ وہابی ہے۔۔۔ منکر ہے۔۔۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دشمن ہے۔۔۔ سب کچھ کہا جاتا۔۔۔ مگر کسی میں ہمت ہے۔۔۔ اور کسی میں جرأت ہے تو ایک لفظ بھی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں بولو۔۔۔ لگاؤ کوئی فتویٰ۔۔۔ دو قلم کو حرکت۔۔۔ کرو جرأت۔۔۔ مگر نہیں۔۔۔ تو پھر تسلیم کرلو کہ جو کچھ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے کیا وہ صحیح اور درست کیا۔۔۔ پھر مان لو کہ کسی جگہ پر کسی نیک بندے کے بیٹھنے سے وہ جگہ متبرک نہیں ہو جاتی۔۔۔ پھر تسلیم کرو کہ دین یہ نہیں ہے کہ جہاں کوئی بزرگ کچھ دیر کے لیے بیٹھا اس جگہ کو متبرک سمجھ کر وہاں سے حاجتیں طلب کی جائیں۔۔۔ اور مرادیں مانگی جائیں۔۔۔ اور اس جگہ کی زیارت کے لیے سفر کیے جائیں۔

ہمارے ہاں کیا ہوتا ہے؟ حسن ابدال شہر میں پہاڑی کے سرے پر آپ کو نیلے پیلے اور سبز جھنڈے نظر آئیں گے۔۔۔ مت سمجھیے کہ کوئی بابا پہاڑی کی چوٹی پر مدفون ہے۔۔۔ بلکہ اس جگہ کا نام ہے ''زندہ پیر'' یہ جگہ اس لیے متبرک ہوگئی کہ کوئی بزرگ تھوڑی دیر کے لیے اس جگہ پر بیٹھے تھے۔۔۔ ان کے بیٹھنے سے اس جگہ کو برکت کا مقام مل گیا۔

جس عورت کی اولاد نہ ہو رہی وہ جمعرات کے دن نیچے سے منہ میں پانی لے کر جائے اور چوٹی پر جا کر اس جگہ پر چھڑک دے تو عورت کی گود ہری ہو گی اور ہو گا بھی بیٹا۔۔۔ یہ عمل جمعرات کے علاوہ کسی اور دن میں نہیں ہو سکتا۔۔۔ اگر کوئی عورت منہ میں پانی لے کر چوٹی پر نہیں پہنچ سکی تو وہ اگلی جمعرات کا انتظار کرے۔

شیطان نے کیسی کیسی کمندیں لگا کر سادہ لوح لوگوں کو گمراہی اور شرک و بدعات کے اندھیروں میں بھٹکا رکھا ہے اور اللہ کی رحمت اور فضل و کرم سے کیسے محروم کر رکھا ہے۔

اسی واقعہ سے ملتا جلتا واقعہ ایک اور بھی ہے جسے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف ازالۃ الخفاء جلد نمبر 2 صفحہ نمبر 91 میں بیان فرمایا ہے اور علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے الفاروق صفحہ نمبر 326 میں درج کیا ہے کہ

ایک دفعہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سفر حج سے واپس تشریف لا رہے تھے۔۔۔ راستے میں مسجد نظر آئی جس میں ایک موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز ادا فرمائی تھی۔

اسی وجہ سے لوگ دوڑ دوڑ کر اور بھاگ بھاگ کر اس مسجد میں نماز پڑھنے کی غرض سے جا رہے تھے۔۔۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ منظر دیکھا تو لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔۔۔تم سے پہلے لوگ انہی باتوں کی وجہ سے تباہ و برباد ہوئے کہ انہوں نے پیغمبروں کی یادگاروں کو عبادت گاہ بنالیا تھا۔

دیکھا آپ نے! اس دور کے لوگ تو صرف اس وجہ سے وہاں نماز ادا کرنے کا شوق رکھتے ہیں کہ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک قدم یہاں لگے ہیں مگر یہ معمولی سی چنگاری مستقبل میں آگ کی شکل اختیار کر سکتی تھی۔۔۔۔ بعد میں آنے والے لوگ یہاں سے مٹی اٹھاتے۔۔۔ منتیں مانتے۔۔۔ عرضیاں لٹکاتے۔۔۔ مرادیں مانگتے۔۔۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی دوررس نگاہ اسے بھانپ گئی اور انہوں نے سختی کے ساتھ لوگوں کو اس عمل سے روک دیا۔

دعائے استسقاء سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں بارشیں بند ہوگئیں اور علاقے میں قحط سالی کے مسلط ہونے کے خطرات بڑھنے لگے۔۔۔۔۔۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا سیدنا عباس رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کو لے کر کھلے میدان میں آئے۔۔۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کیسے دعا مانگی:

اَللّٰھُمَّ اِنَّا کُنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَیْکَ بِنَبِیِّکَ فَتَسْقِیْنَا وَاِنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَیْکَ بِعَمِّ نَبِیِّکَ فَاسْقِنَا قَالَ فَیُسْقَوْنَ (بخاری $\frac{137}{1}$)

اے اللہ! (جب تک تیرے نبی زندہ تھے) ہم اپنے نبی سے توسل کیا کرتے (یعنی ان سے دعا کی درخواست کرتے) تھے تو بارش برسا دیتا تھا اب ہم اپنے نبی کے چچا سے توسل کرتے ہیں پس تو بارش عطا فرما۔

یہ زندہ بزرگ سے دعا کروانے کی بڑی مضبوط دلیل ہے۔۔ آیئے ذرا دیکھیے اور

اس دعا کو سنیے جو سیدنا عباس رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کے حضور مانگتے تھے۔۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس دعا کو نقل فرمایا۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّہٗ لَمْ یُنْزَلْ بَلَاءٌ اِلَّا بِذَنْبٍ وَّلَمْ یُکْشَفْ اِلَّا بِتَوْبَۃٍ وَقَدْ تَوَجَّہَ الْقَوْمُ بِیْ اِلَیْكَ لِمَکَانِیْ مِنْ نَّبِیِّكَ وَھٰذِہٖ اَیْدِیْنَا اِلَیْكَ بِالذُّنُوْبِ وَنَوَاصِیْنَا اِلَیْكَ بِالتَّوْبَۃِ فَاسْقِنَا (فتح الباری)

اے اللہ! مصیبتوں کا نزول گناہ کی وجہ سے ہوتا ہے اور وہ توبہ کے ذریعے دور کی جاسکتی ہیں اور لوگوں نے مجھے تیری طرف متوجہ کیا ہے کیونکہ تیرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے میرا رشتہ ہے یہ ہمارے گنہگار ہاتھ تیری طرف اٹھے ہوئے ہیں اور ہماری پیشانیاں تیری بارگاہ میں توبہ سے جھکی ہوئی ہیں پس ہمیں بارش سے سیراب فرما۔

یہاں ایک منٹ کے لیے رکیے اور غور فرمایئے! اگر بعد از وفات بھی کسی کو دعا کی درخواست اور دعا کی التجا کرنا جائز ہوتا تو سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اور ہزاروں صحابہ کرام مہاجرین وانصار بارش کی دعا کے لیے قبر نبی پر حاضر ہوتے۔۔۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کرتے کہ بارش کے لیے دعا فرمائیں۔۔۔ لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا۔۔۔ بلکہ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ سے درخواست کی اور انہیں دعا کے لیے آگے کیا۔۔۔ کسی ایک صحابی نے بھی اس سے اختلاف نہیں کیا۔۔۔ بلکہ اس مسئلے پر صحابہ کرام کا اجماع سکوتی ہو گیا جو متواتر کے درجہ میں ہے۔

وَلَوْ اَنَّھُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰہَ وَاسْتَغْفَرَ لَھُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰہَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا (النساء 64) یہ آیت انہیں یقیناً یاد ہوگی۔۔۔ مگر وہ جانتے تھے کہ اس کا حکم صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک زندگی تک تھا۔۔ اور بعد از وفات آپ سے دعا کی درخواست نہیں کی جاسکتی۔ چنانچہ علامہ محمود آلوسی حنفی رحمۃ اللہ علیہ نے اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد تحریر فرمایا:

فَإِنَّهُ لَوْ كَانَ التَّوَسُّلُ بِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ بَعْدَ انْتِقَالِهِ مِنْ هٰذِهِ الدَّارِ لَمَا عَدَلُوا إِلَى غَيْرِهِ... دَلِيْلٌ وَّاضِحٌ عَلَى أَنَّ الْمَشْرُوْعَ مَا سَلَكُوْهُ دُوْنَ غَيْرِهِ

(روح المعانی 126/6)

اگر نبی اکرم ﷺ کے اس دنیا سے انتقال کے بعد آپ سے دعا کی درخواست کی جاسکتی ہوتی تو صحابہ کرام آپ کے علاوہ کسی دوسرے کی طرف رجوع نہ کرتے (جس طرح انہوں نے سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کی طرف رجوع کیا) اصحابِ رسول معمولی سی گنجائش بھی پاتے تو نبی اکرم ﷺ کو چھوڑ کر آپ کے چچا سے دعا کی درخواست نہ کرتے، صحابہ تو سابقون الاولون تھے اور وہ اللہ اور رسول کو ہم سے بہتر جانتے تھے وہ اللہ اور رسول ﷺ کے حقوق کو ہم سے بہتر سمجھتے تھے، وہ دعا کرنے کے جائز اور ناجائز طریقوں کو بھی ہم سے زیادہ جانتے تھے، وہ مجبوری اور ضرورت کے وقت نزولِ بارش کے خواہش مند تھے، مگر اس کے باوجود صحابہ کرام کا نبی اکرم ﷺ سے دعا کی درخواست نہ کرنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ دعا مانگنے کا صحیح طریقہ وہی تھا جو انہوں نے اختیار کیا نہ کہ کوئی اور طریقہ۔

آپ نے محسوس کیا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا نظریۂ توحید کتنا مضبوط تھا۔۔۔ اور وہ شرک سے کوسوں دور تھے۔۔۔ انہوں نے اپنے اس عمل سے شرک کی باریک سے باریک رگوں کو کاٹ کر رکھ دیا۔

دانیال علیہ السلام کی قبر مبارک

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے ایک نبی ہوئے ہیں جن کا نام دانیال یا دانی ایل ذکر کیا گیا ہے۔

جس قوم میں وہ مبعوث ہوئے انہیں معلوم تھا کہ پیغمبر کے وجود کو بعد از وفات مٹی اور کیڑے مکوڑے نہیں کھاتے۔۔۔ اس میں تغیر وتبدل واقع نہیں ہوتا (سیدنا سلیمان علیہ السلام کا وجود مقدس بعد از انتقال لاٹھی کے سہارے ایک مدت تک برقرار رہا اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں آئی)

یہ انبیاء کرام علیہم السلام کی خصوصیت ہے کہ وفات کے بعد ان کے وجود اطہر کو مٹی اور کیڑے نہیں کھاتے بلکہ وہ قبروں میں اَلْآنَ کَمَا وُضِعَ۔۔۔ آج بھی اسی طرح ہیں جس طرح پہلے دن قبروں میں مدفون ہوئے۔

انبیاء کرام علیہم السلام کے ابدان کی محفوظیت کے بارے میں ہمارا یہی نظریہ ہے کہ ان کے ابدان زمینی قبروں میں محفوظ اور تروتازہ موجود ہیں اور قیامت تک ایسے ہی رہیں گے۔

میں کہتا ہوں اگر بدن میں روح موجود ہو اور مٹی نہ کھائے تو یہ کوئی کمال کی بات نہیں ہے۔۔۔ میرے وجود کو بھی مٹی نقصان نہیں پہنچاتی۔۔۔ اصحابِ کہف تین سو نو سال تک غار میں سوئے رہے اور ان کے وجود محفوظ رہے۔۔۔ اس لیے کہ ان کے بدن میں روح موجود تھی۔۔۔ اگر بدن میں روح موجود ہو اور بدن کو مٹی نہ کھائے تو یہ کوئی کمال نہیں۔۔۔ بلکہ کمال یہ ہے کہ روح انبیاء کرام علیہم السلام کی جنت الفردوس میں ہے۔۔۔ زمینی قبر والے وجود مقدس میں موجود نہیں ہے پھر بھی مٹی ان کے جسموں کو نہیں کھاتی۔

جیسے کچھ نادان کہتے ہیں کہ بشر ہو کے عرشاں تے جا کوئی نہیں سکدا (بشر ہو کر عرش پر کوئی جا نہیں سکتا) میں نے کہا۔۔۔ اگر محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات نور ہوتی پھر آسمانوں پر جاتے تو کمال کیسا۔۔۔؟ نوری تو رہتے ہی وہاں ہیں۔۔۔ پھر لوگ کہتے نوری ہے گیا کیوں نہیں۔۔۔؟ کمال اور خوبی یہ ہے کہ آمنہ کا لختِ جگر ہو۔۔۔ عبداللہ کا درّ یتیم ہو۔۔۔ عبدالمطلب کا پوتا ہو۔۔۔ بشر اور انسان ہو۔۔۔ پھر بلندی کے اس مقام تک جا پہنچے جہاں نوریوں کے سردار جبریل امین کا خیال بھی کبھی نہ پہنچے۔

یہاں ایک اور بات کہنا چاہتا ہوں۔۔۔ بند کمرے میں۔۔۔ جہاں دیکھنے والی آنکھ کوئی نہ ہو۔۔۔ اور بتلانے والی زبان کوئی نہ ہو۔۔۔ اور روکنے والا ہاتھ کوئی نہ ہو۔۔۔ اور زلیخا دعوتِ گناہ دے رہی ہو۔۔۔ مصر کا حسن خود خواہشمند ہو۔۔۔ وہاں زلیخا کے سامنے جبریل امین ہوتا اور زلیخا کی پیشکش کے جواب میں جبریل کہتا۔۔۔ مَعَاذَ اللہ۔۔۔ تھا کوئی

کمال۔۔۔؟ کوئی کمال نہ ہوتا۔۔۔کمال یہ ہے کہ یوسف کی جوانی ہے۔۔۔حسن کا پیکر ہے۔۔۔پھر مجرد ہے۔۔۔شباب اور جوبن کی عمر ہے۔۔۔گھر کی ملکہ دعوتِ گناہ خود دے رہی ہے۔۔۔اور یوسف نگاہیں چھت کی جانب اٹھا کر کہتا ہے۔۔۔مَعَاذَ اللّٰہ۔

بات دور نکل گئی۔۔۔میں عرض کر رہا تھا کہ سیدنا دانیال علیہ السلام کی قوم نے وفات کے بعد انہیں دفن نہ کیا تا کہ ان کی زیارت سے محروم نہ ہو جائیں۔۔۔سیدنا دانیال علیہ السلام کو ایک چارپائی پر لٹا کر ان کے سر کے نیچے تکیہ رکھ دیا۔۔۔پھر وہ صبح و شام زیارت کے لیے وہاں حاضر ہوتے۔۔۔آہستہ آہستہ اور رفتہ رفتہ ایک نسل جب ختم ہو گئی اور ان کی جگہ دوسری نسل نے لے لی تو یہ زیارت کرنا اور محبت کا اظہار شرکیہ افعال میں تبدیل ہو گیا۔۔۔لوگ سجدے کرنے لگے اور مرادیں طلب کرنے لگے۔

زمانہ بیت گیا۔۔۔قوم کے لوگ سیدنا دانیال علیہ السلام کی پوجا پاٹ میں مصروف رہے۔۔۔امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد ہو گئی مگر اس علاقے تک آپ کی رسائی نہ ہو سکی۔۔۔آپ اپنا فرض ادا کر کے اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔۔۔۔سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت آیا مگر ان کے دورِ خلافت میں بھی مسلمانوں کی رسائی وہاں تک نہ ہو سکی۔۔۔ان کے بعد سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت آیا۔۔۔ان کے سنہری دور میں دانیال پیغمبر کا علاقہ مسلمانوں نے فتح کر لیا۔۔۔تو سیدنا دانیال علیہ السلام کا وجود مبارک بھی لشکرِ اسلام کے ہاتھ آیا۔۔۔صحابہ کرام نے دیکھا کہ لوگ کس طرح ان کے وجود کی پوجا پاٹ کرتے ہیں۔۔۔ان کے آگے سجدہ ریز ہوتے ہیں۔۔۔اور ان کے نام کی نذر و نیاز دیتے ہیں۔

وہاں کے سپہ سالار یا گورنر نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو حقیقت حال سے آگاہ کیا اور مشورہ اور حکم بھی طلب کیا کہ میں ان کے وجود کے ساتھ کیا معاملہ کروں؟

آپ کا کیا خیال ہے۔۔۔؟ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا ہو گا کہ اللہ کے پیغمبر کی قبر بناؤ۔۔۔اور قبر بھی پختہ بناؤ۔۔۔اوپر گنبد بھی ضرور بنانا۔۔۔پھر اس پر جھنڈیاں بھی

لگاؤ۔۔۔لوگوں میں بھرپور تشہیر کرو۔۔۔۔عرس کا اہتمام کرو۔۔۔۔یہ تو مستقل آمدنی ہے۔۔۔لوگ منتیں مانیں گے۔۔۔نذریں چڑھائیں گے۔۔۔نیازیں پکائیں گے۔۔۔بکرے چھترے ذبح ہوں گے۔۔۔۔یہی دین محمدی ہے۔۔۔۔؟ یہی قرآن کی تعلیم ہے۔۔۔؟اسی کا نام انبیاء سے محبت ہے۔۔۔؟اسی کو عقیدت کہتے ہیں۔۔۔؟

نہیں ہرگز نہیں۔۔۔! سیدنا عمر رضی اللہ عنہ یہ نہیں کہہ سکتے تھے کیونکہ ان کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یہ تعلیم نہیں دی تھی۔۔۔ان کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں قبر پرستی نہیں بلکہ رب پرستی سکھائی تھی۔۔۔ان کے نبی نے تو انہیں منع کیا تھا کہ میری قبر کو بھی میلہ گاہ اور سجدہ گاہ نہ بنانا۔

امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی توحید پرستی دیکھیے۔۔۔اور شرک سے نفرت ملاحظہ فرمائیے۔۔۔انہوں نے مستقبل میں آگ کی شکل اختیار کرنے والی چنگاری کو کیسے بجھا دیا اور اسے خاکستر کر دیا۔

گورنر کو لکھا۔۔۔رات کی تاریکی میں دجلہ وفرات کے دوآبہ میں چودہ قبریں تیار کرو۔۔اور پھر رات کے اندھیرے میں ان چودہ میں سے کسی ایک قبر میں سیدنا دانیال علیہ السلام کے جسد اطہر کو دفن کر کے چودہ کی چودہ قبریں زمین کے برابر کر دو تاکہ کوئی بدعقیدہ مشرک شخص سیدنا دانیال علیہ السلام کی قبر کو سجدہ گاہ نہ بنا سکے۔۔۔اور وہاں مشرکانہ افعال سرانجام نہ دے سکے۔۔۔قبر کا نشان اگر باقی رہ گیا تو آج نہیں تو کل۔۔۔کل نہیں تو آنے والی نسلیں اللہ کے نبی کی قبر کی پوجا پاٹ شروع کر دیں گی۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی توحید پرستی کی یہ خوبی انہیں دوسرے صحابہ سے ممتاز کرتی ہے۔ انہوں نے ہر اس چنگاری کو بجھا دیا۔۔۔ان کی دوررس نگاہ نے ہر ایک ایسی چنگاری کو خاکستر کر دیا جس نے مستقبل میں آگ کی صورت اختیار کر لینی تھی۔

(سیدنا دانیال علیہ السلام کا یہ واقعہ قصص الانبیاء لابن کثیر 699 میں موجود ہے)

وما علینا الا البلاغ المبین

11

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ الْاَمِيْنِ

وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ

(الفتح 29)

سامعین گرامی قدر! امام الانبیاء حضرت سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تئیس سالہ نبوی زندگی میں قرآن وحکمت کی تعلیم وتربیت سے۔۔۔ اپنے اخلاقِ حسنہ سے اور اپنی خوئے عفو ودرگزر سے اسلام کے دامن میں آنے والوں کے قلوب واذہان کو ہر قسم کے رذائل سے پاک کر دیا۔۔۔ اور اپنی جماعت کی ایسی تربیت کی۔۔۔ اور ان کا ایسا تزکیہ فرمایا کہ ان کے مابین صدیوں کی دشمنیاں دوستیوں میں بدل گئیں۔۔۔ ایک دوسرے سے نفرت۔۔۔ الفت میں تبدیل ہوگئی۔۔۔ وہ ایک دوسرے کے خیر خواہ بنے۔۔۔ دلوں میں ایک دوسرے کے لیے ہمدردی کے جذبات پیدا ہوئے۔۔۔ ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے ایثار وترجیح کی صفات جاگزیں ہوگئیں۔

محبت والفت۔۔۔ پیار اور بھائی چارہ ایسا پیدا ہوا کہ اگر ایک کے پاؤں میں کانٹا چبھتا تو اس کی ٹھیس دوسرا محسوس کرتا۔۔۔ ایک کو۔۔۔ کوئی تکلیف پہنچتی تو دوسرا تڑپ اٹھتا۔

قرآن نے انہیں رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ۔۔۔ کے دلربا الفاظ سے یاد کیا ہے۔۔۔ فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖ اِخْوَانًا۔۔۔۔ انہی کے بارے میں کہا گیا۔۔۔ کہ ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے الفت کے جذبات تھے اور عرش والے کی مہربانی سے وہ آپس میں بھائی بھائی بن گئے تھے۔

یہ زہریلا پروپیگنڈہ کہ وہ ایک دوسرے کے مخالف تھے۔۔ ایک دوسرے کا حق غصب کرتے تھے۔۔۔ ایک دوسرے پر ظلم کرتے تھے۔۔۔ یہ کہانی کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے گھرانے کو اصحابِ ثلاثہ نے ان کے حق سے محروم کیا۔۔۔ اصحابِ ثلاثہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ زیادتیاں کیں۔۔۔۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا عدالت میں کئی گھنٹے کھڑی رہیں۔۔۔۔ انہیں (العیاذ باللہ) دھکے دیئے گئے۔۔۔ ان کے گھر کے دروازے کو آگ لگادی گئی۔

یہ سب زہریلا پروپیگنڈہ دشمنانِ اسلام کا پھیلایا ہوا ہے۔۔۔ یہودیت کے ایجنٹ ہمارے اندر داخل ہوئے۔۔۔ ہماری حدیث کی روایات میں دخل اندازی کی۔۔۔ ہماری تاریخ کو مسخ کیا۔۔۔ ابن سبا کی ذرّیت نے اپنے پروپیگنڈے کے زور سے اس پاکیزہ عہد کو گدلا دکھانے کی مذموم کوشش کی جس عہد کو میرے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیر القرون فرمایا تھا۔۔۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آغوش تربیت میں پروان چڑھنے والے قدوسی صفات لوگوں کا کردار بھی گھناؤنا اور غلیظ دکھانے کی مذموم کوشش کی گئی۔

غیر مسلم حضرات کو اسلام کی تصویر یہ دکھائی گئی کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تربیت یافتہ لوگ ایسے تھے کہ غیروں کے ساتھ حسن سلوک۔۔۔ مروّت اور نیکی کرنا تو رہی دور کی بات ان کا برتاؤ اور رویہ اپنوں کے ساتھ بلکہ اپنے محسن نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھرانے کے ساتھ۔۔۔

اپنے نبی ﷺ کی بیٹی اور داماد کے ساتھ بھی غیر منصفانہ بلکہ ظالمانہ تھا۔

ایسے لوگوں کی عقل پر ماتم کرنے کو دل کرتا ہے۔۔۔جو قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ کی لاریب کلام مانتے ہیں۔۔اس کی صداقت اور سچائی اور حقانیّت پر یقین بھی رکھتے ہیں۔۔۔ مگر وہ شاید اسے پڑھتے نہیں۔۔۔اگر ہم قرآن سمجھ کر پڑھتے تو ہم پر یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی کہ اللہ علّام الغیوب۔۔۔عالم الغیب والشہادۃ نے اس اللہ نے جو علیم بذات الصدور ہے۔۔۔وھو بکل شئ علیم ہے۔۔۔جو دلوں کی دھڑکنوں سے بھی باخبر ہے۔۔جو ماضی، حال اور مستقبل کو جاننے والا ہے۔۔۔اس نے قرآن میں بار بار کہا ہے:

کہ میرے نبی ﷺ کی مجلس میں بیٹھنے والے خوش نصیب ہی خیر الامم ہیں۔۔۔ یہی تقویٰ اور فوز و فلاح کی مسند کے جانشین ہیں۔۔۔یہی رشد و ہدایت کے امین ہیں۔۔۔ یہ صداقت کے منصب پر فائز ہیں۔۔۔انہی کو میں نے اپنی رضا کی سند عطا کی ہے۔۔۔ انہی کو جنت کی نوید دی ہے۔۔۔انہی کو كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى کے انعام سے نوازا ہے۔۔ انہی کو نبوت کا بلکہ مکمل دین کا عینی اور چشم دید گواہ بنایا ہے۔۔۔آسمانِ رشد و ہدایت کے جگمگاتے ستارے یہی ہیں۔۔۔مگر ہم ایسے بدنصیب ہیں کہ عرش والے علّام الغیوب کی بات تسلیم کرنے کے بجائے ہم انہی لوگوں کے پروپیگنڈے کو درست مان رہے ہیں جن کو اصحابِ رسول نے شکست سے دوچار کیا تھا۔۔۔ان کی صلیبوں کو توڑ دیا تھا۔۔۔ان کے آتش کدوں کو بجھا دیا تھا۔۔۔ان کے بتوں اور مجسموں کو پاش پاش کر دیا تھا۔

ہم نے اتنا سوچنا بھی گوارا نہیں کیا کہ اگر دشمنانِ صحابہ کی یہ باتیں درست ہیں۔۔۔اور یہی سچ ہے تو پھر کیا اللہ رب العزت کے قرآن کی بے شمار آیات غلط اور جھوٹی ہیں؟

پھر آپ حیران ہوں گے کہ جس شخصیت نے دین اسلام کو پھیلانے میں اور کفر و شرک کے مٹانے میں۔۔۔اور کفر کو ناکوں چنے چبوانے میں جتنا زیادہ کردار ادا کیا

ہے۔۔۔سب سے زیادہ اسے ہی مطعون ٹھہرایا گیا۔۔۔سب سے زیادہ اسی شخصیت پر اعتراضات ہوئے۔۔۔سب سے زیادہ اسے بدنام کرنے کی کوشش کی گئی۔۔۔سب سے زیادہ جھوٹے الزامات اسی پر لگائے گئے۔

مقصد اِن دشمنانِ اسلام کا یہ تھا کہ لوگ دین اسلام کی طرف مائل نہ ہوں۔۔۔ بلکہ لوگ سوچیں کہ جس نبی ﷺ کے اولین تربیت یافتہ لوگوں کا یہ حال تھا کہ وہ ظالم اور غاصب نکلے تو پھر ایسے نبی کے لائے ہوئے دین کو ماننے کا فائدہ۔۔۔؟

آج کے خطبہ میں۔۔۔۔ میں آپ کو بتاؤں گا اور یہ حقیقت سمجھاؤں گا کہ اصحابِ رسول کی مقدس جماعت میں سے ایک اولوالعزم شخصیت۔۔۔امیر المومنین۔۔۔ خلیفۂ ثانی لاثانی۔۔۔فاتح ایران وروم۔۔۔دامادِ علی۔۔۔سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اور دوسری عظیم شخصیت۔۔۔امیر المومنین۔۔۔دامادِ نبی۔۔۔خلیفۂ رابع۔۔۔سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے مابین تعلقات کیسے تھے۔۔۔؟ آپس میں مخاصمت اور دشمنی تھی یا محبت اور پیار تھا۔۔۔؟ ایک دوسرے سے دور، دور تھے یا شیروشکر تھے۔۔۔؟ آج میں عرض کروں گا کہ ان دونوں عظیم شخصیات کے مابین محبت ومودت اور پیار والفت کے رشتے کس قدر مضبوط اور مستحکم تھے۔۔۔وہ ایک دوسرے کے مشیر اور بہی خواہ تھے۔۔۔وہ ایک دوسرے کے ہمدرد اور غمگسار تھے۔

میں آج ثابت کروں گا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بے حد محبت تھی۔۔۔اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ انہیں بڑی عزت وتکریم اور احترام کی نظر سے دیکھتے تھے۔۔۔ اور یہی کیفیت اور یہی حالت اور یہی خیر خواہی کے جذبات سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے دل میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے لیے بھی موجود تھے۔

میں اس سے پہلے ایک خطاب میں (سیدنا ابوبکر اور سیدنا علی رضی اللہ عنہما کے تعلقات) بیان کر چکا ہوں کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ رشتۂ نکاح کے لیے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو آمادہ کرنا

اور مالی مشکلات کے حل کی یقین دہانی کروانا۔۔۔اور اس نکاح کی ابتدائی تحریک کرنے میں سیدنا صدیق اکبر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما پیش پیش تھے۔

چنانچہ ان دونوں حضرات کی تحریک اور مشورے سے اور حوصلہ افزائی سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی خواہش کا اظہار کیا۔۔ جسے رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبول فرمالیا۔۔۔سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں خوشی اور مسرت سے جھوم اٹھا۔۔۔ بارگاہِ نبوت سے نکل کر باہر آیا تو دیکھا کہ ابوبکر اور عمر میرے منتظر تھے۔۔۔میں نے خوشی خوشی یہ خبر سنائی۔۔۔

فَفَرِحَا بِذٰلِكَ فَرَحًا شَدِيْدًا

(کشف الغمہ $\frac{478}{1}$ شیعہ، ناسخ التواریخ $\frac{37}{3}$ جزاول)

یہ خبر سن کر دونوں بے حد خوش ہوئے۔

سامعین گرامی قدر! آج میں آپ کو ایک عجیب واقعہ اور نادر بات سنانے لگا ہوں۔۔۔غزوۂ خندق کے موقع پر عرب کا ایک نامور جنگجو اور تجربہ کار پہلوان عمرو بن عبدوَدّ نے میدان میں نکل کر نعرہ لگایا۔۔۔هَلْ مِنْ مُّبَارِزٍ۔۔۔ ہے کوئی میرے مقابلے میں آنے والا۔۔۔وہ آئے اور میرے ساتھ دو، دو ہاتھ کرے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ اس کی دعوتِ مبارزت کو قبول کر کے میدان میں آ گئے۔۔عمرو بن عبدوَدّ نے پوچھا تم کون ہو۔۔۔؟ فرمایا میں ابو طالب کا بیٹا علی ہوں۔۔۔عمرو بن عبدوَدّ کہنے لگا تمہارا باپ میرا دوست بھی اور مہربان بھی۔۔۔اور میں اپنے دوست کے بیٹے کو قتل کرنا پسند نہیں کرتا۔۔۔سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔۔۔ بہانے نہ بناؤ۔۔۔ میں تجھے قتل کرنا پسند کرتا ہوں۔۔۔عمرو بن عبدوَدّ اپنے گھوڑے سے اتر آیا۔۔۔دونوں بہادروں میں لڑائی شروع ہوئی۔۔۔ایک دوسرے پر حملہ آور ہوئے۔۔۔گرد و غبار اتنا اڑا کہ دونوں پہلوان اس میں چھپ گئے۔۔۔تھوڑی ہی دیر میں گرد چھٹی تو لوگوں نے یہ منظر دیکھا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی

تلوار نے عمرو بن عبدوَدّ کے خود اور ذرّہ کو کاٹ کر رکھ دیا اور اس کے جسم پر ایسا کاری وار ہوا کہ وہ دھڑام سے زمین پر آ گرا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی کامیابی پر نعرۂ تکبیر بلند کیا۔۔۔اب ذرا سنیے:

فَقَامَ اَبُوْبَکْرٍ وَعُمَرُ فَقَبَّلَا رَأْسَ عَلِيٍّ (کشف الغمہ (شیعہ) 243/1)

ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما دونوں اٹھے اور انہوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے سر کو چوم لیا۔

میں فیصلہ آپ پر چھوڑ دیتا ہوں۔۔۔آپ انصاف سے کہیں۔۔۔اس طرح مسرت اور خوشی کا اظہار اور فرطِ محبت سے سر کو چوم لینا دوست، بھائی اور محبوب کے لیے ہوتا ہے یا دشمن کے لیے۔۔۔؟ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے مابین حسد و عناد، بغض اور دشمنی نہیں تھی بلکہ دوستی تھی۔۔۔محبت تھی۔۔۔عقیدت تھی۔۔۔پیار تھا۔۔۔الفت تھی۔۔۔وہ ایک دوسرے کی خوشی اور غمی میں شریک ہوتے تھے۔

خلافت عمر اور سیدنا علی رضی اللہ عنہما

خلیفۂ اول سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات سے پہلے کچھ نصائح اور وصایا فرمائے۔۔۔انہوں نے اپنے بعد خلافت کے بارے میں بھی ایک فیصلہ تحریر کروایا۔۔۔سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ نے ان وصایا کو تحریر کیا۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کی خیر خواہی، بھلائی اور بہتری کے لیے اپنے بعد خلیفہ کے لیے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا نام تجویز فرمایا۔۔۔پھر ایک روایت میں ہے کہ خود اپنے گھر کی کھڑکی میں سے جھانکا اور لوگوں کے سامنے مہر بند اس تحریر کو لہرا کر پوچھا کہ

اَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ قَدْ عَهِدْتُ عَهْدًا اَفَتَرْضَوْنَ بِهٖ

میں نے خلافت کے بارے میں ایک عہد کیا ہے کیا تم اس پر راضی ہو؟

فَقَالَ النَّاسُ قَدْ رَضِیْنَا یَا خَلِیْفَةَ رَسُوْلِ اللهِ

سب لوگوں نے کہا امیر المومنین ہم راضی ہیں۔

اَتُبَایِعُوْنَ لِمَنْ فِیْ هٰذَا الْکِتَابِ

کیا تم اس شخص کی بیعت کرو گے جس کا نام اس تحریر میں ہے؟

صرف ایک آواز آئی: لَا ۔۔۔ نہیں ہم راضی نہیں ہیں۔

لوگوں نے تعجب سے مڑ کر دیکھا تو لَا ۔۔۔ کہنے والے سیدنا علی رضی اللہ عنہ تھے۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا آپ کیوں راضی نہیں ہیں ۔۔۔؟ اور آپ کیا چاہتے

ہیں؟

فَقَالَ عَلِیٌّ

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا:

لَا نَرْضٰی اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ

(طبقات ابن سعد $\frac{142}{3}$ ، تاریخ الخلفاء سیوطی 61)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے علاوہ ہم کسی اور کے نام پر راضی نہیں ہیں۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد جب سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی بیعت ہوئی تو دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے بھی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت خلافت کر لی ۔۔۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر فرمایا:

فَاَشَارَ لِعُمَرَ ۔۔۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خلافت کے لیے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا نام تجویز کیا اور اس میں کوئی کوتاہی نہیں ۔۔۔ فَبَایَعَهُ الْمُسْلِمُوْنَ ۔۔۔ سب مسلمانوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی ۔۔۔ فَکُنْتُ اَغْزُوْا اِذَا اَغْزَانِیْ وَاٰخُذُ اِذَا اَعْطَانِیْ

(کنز العمال $\frac{82}{6}$)

میں غزوات میں بھی جاتا تھا جب بھی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مجھے بھیجتے اور جب آپ مجھے عطیہ عنایت کرتے تو میں وہ بھی وصول کیا کرتا تھا۔

شیعہ مذہب کے معتبر ترین عالم شیخ طوسی نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب امالی جلد نمبر 4 صفحہ نمبر 121 میں سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا ایک قول نقل فرمایا ہے:

فَبَايَعْتُمْ اَبَابَكْرٍ وَعَدَلْتُمْ عَنِّيْ

مجھ سے اعراض کر کے تم نے ابوبکر کی بیعت کی۔

فَبَايَعْتُ اَبَابَكْرٍ كَمَا بَايَعْتُمُوْهُ

پھر تمہاری طرح میں نے بھی ابوبکر کی بیعت کر لی۔

فَبَايَعْتُ عُمَرَ كَمَا بَايَعْتُمُوْهُ

پھر جیسے تم نے عمر رضی اللہ عنہ کی بیعت کی تھی میں نے بھی عمر رضی اللہ عنہ کی بیعت کی۔

فَوَفَّيْتُ لَهٗ بِبَيْعَتِهٖ۔۔۔ (امالی $\frac{121}{4}$)

پھر میں نے ان کی بیعت کے حقوق کو پورا کیا۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ عہدۂ قضا پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا تھا:

وَاَقْضَاهُمْ عَلِيٌّ (مشکوٰۃ $\frac{566}{2}$)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ بہترین قاضی ہیں۔

اسی ارشاد نبوی کو مدنظر رکھ کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو عہدۂ قضا پر مامور فرمایا۔۔۔البدایہ والنہایہ میں حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا:

فَوَلّٰى قَضَاءَ الْمَدِيْنَةِ عَلِيَّ بْنَ اَبِيْ طَالِبٍ (البدایہ والنہایہ $\frac{31}{7}$)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مدینہ کا قاضی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔

اب معترضین کا یہ اعتراض بھی دور ہو گیا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ جنگوں میں کیوں شریک نہیں ہوتے تھے؟ علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے گذارش کی تھی:

اِقْضِ بَيْنَ النَّاسِ وَتَجَرَّدْ لِلْحَرْبِ

آپ لوگوں کے درمیان فیصلے فرمائیں اور جنگوں سے علیحدہ رہیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے خلیفۂ ثانی لاثانی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا ایک ارشاد نقل فرمایا۔۔۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں:

خَطَبَنَا عُمَرُ فَقَالَ عَلِیٌّ اَقْضَانَا وَاُبَیٌّ اَقْرَأُنَا (بخاری $\frac{644}{2}$، امالی شیعہ $\frac{256}{1}$)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا علی ہم سب میں بہترین قاضی ہیں اور ابی بن کعب ہم سب سے زیادہ قرآن پڑھنے والے ہیں۔

علاوہ ازیں علمی معاملات میں بھی سیدنا علی رضی اللہ عنہ۔۔۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے مشیر خاص رہے۔۔۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں مجلس شوریٰ سے مشورہ کیا کہ مسلمانوں کی تاریخ کہاں سے شروع کی جائے۔۔۔ صحابہ کرام کی آراء مختلف تھیں۔۔۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے نقل فرمایا کہ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے رائے طلب کی گئی:

فَقَالَ عَلِیٌّ لَهُ مِنْ یَوْمِ هَاجَرَ النَّبِیُّ ﷺ اِلَی الْمَدِیْنَةِ (التاریخ الصغیر 9)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس دن سے شروع کرنی چاہیے جس دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ کی جانب ہجرت فرمائی تھی۔

امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے مشورے کو صائب قرار دیا۔۔۔ اور حکم دیا کہ اس سال کے محرم سے اسلامی سال کا آغاز کیا جائے۔

(البدایہ والنہایہ $\frac{84}{7}$)

سامعین گرامی قدر! اگر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے مابین عداوت اور ناچاقی ہوتی۔۔۔ اگر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر ظلم ڈھائے ہوتے۔۔۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ستایا ہوتا۔۔۔ تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ ان کی بیعت کبھی نہ کرتے۔۔۔ ان سے عہدۂ قضا نہ لیتے۔۔۔ ان کو مشورے نہ دیتے۔۔۔ ان کا ساتھ نہ نبھاتے۔

اگر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مومن نہ ہوتے۔۔۔ اگر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ (معاذ اللہ) منافق ہوتے۔۔۔ اگر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے شریعت کے احکام کو پس پشت ڈالا ہوتا۔۔۔ ظلم کے

دروازے کھولے ہوتے۔۔۔اگر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سنت نبوی کو بدلا ہوتا۔۔۔تو سیدنا علی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کبھی نہ کرتے۔۔۔جس کا ثبوت اہل تشیع کی کتب میں بھی ہے۔

اہل تشیع کے علماء نے بیعت علی (سیدنا ابوبکر، سیدنا عمر، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہم کے ہاتھ پر) کے سلسلہ میں اپنے مسلک اور نظریہ کو بچانے کے لیے مُکرَھًا کا لفظ بڑھایا۔۔۔کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے یہ بیعت زبردستی لی گئی۔۔۔اور انہوں نے مجبوراً خلفاءِ ثلاثہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

یہ کہنا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی توہین اور گستاخی ہے۔۔۔سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ جیسا بہادر اور نڈر۔۔۔سیدنا علی رضی اللہ عنہ جیسا دلیر اور جنگجو۔۔۔شجاعت کا پیکر۔۔۔حق کا داعی۔۔۔باطل کا سر کچلنے والا۔۔۔کفر و شرک کا قاطع۔۔۔دین الٰہی کی سربلندی کے لیے تن من دھن کی بازی لگانے والا۔۔۔بدر و احد کا غازی۔۔۔خیبر کا ہیرو۔۔۔مجبوراً اور ڈر کر ظلم کے ساتھ نباہ کرتا ہے۔۔۔نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دین بدلا جارہا ہے اور علی رضی اللہ عنہ خاموش ہے۔۔۔؟ حقوق غصب ہو رہے ہیں اور علی رضی اللہ عنہ ان سے عہدۂ قضا لے رہے ہیں۔۔۔انہیں مشورے دے رہے ہیں۔۔۔ان کے دست و بازو بن کر ان کی تقویت کا باعث بن رہے ہیں۔

آپ ہی فیصلہ کریں۔۔۔کوئی شخص سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے ان کی مرضی کے بغیر بیعت لے سکتا ہے۔۔۔؟ کیا سیدنا علی رضی اللہ عنہ ظالموں کے مدد اور معاون بن سکتے ہیں۔۔۔؟

سنو۔۔۔!تمہاری کتاب کشف الغمہ کے مصنف نے کیا تحریر کیا ہے:

ایک دن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیتے ہوئے لوگوں سے پوچھا۔۔۔۔لَوْ صَرَفْنَاکُمْ عَمَّا تَعْرِفُوْنَ اِلٰی مَا تُنْکِرُوْنَ مَا کُنْتُمْ صَانِعِیْنَ

اگر (بالفرض والمحال) میں تمہیں دین کے ان کاموں سے اعراض کرنے کا کہوں جنہیں تم جانتے ہو اور ایسے کاموں کے کرنے کا حکم دوں جنہیں تم نہیں جانتے تو تم کیا کرو

گے۔۔۔؟ میری بات مانو گے یا انکار کرو گے۔۔۔؟

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور فرمایا۔۔۔ہم تمہیں اس غلطی پر توبہ کرنے کا کہیں گے اگر آپ توبہ کرلیں گے تو ہم تمہاری توبہ کو قبول کرلیں گے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔۔۔اگر میں توبہ نہ کروں تو۔۔۔؟ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

إِذًا نَضْرِبُ الرَّأْسَ الَّذِيْ فِيْهِ عَيْنَاكَ

پھر ہم آپ کا وہ سرتن سے جدا کردیں گے جس میں آپ کی دونوں آنکھیں ہیں۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے حقیقت پر مبنی جملوں کو سنا تو خوشی و مسرت سے جھوم کر کہا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ جَعَلَ فِيْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ

اللہ کریم ورحیم کا ان گنت بار شکر ہے جس نے اس امت میں ایسے لوگ پیدا کیے ہیں کہ اگر ہم ٹیڑھے ہونے لگیں تو ہمیں سیدھا کردیں۔ (کشف الغمہ 157/1)

آپ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی حق گوئی اور حق پرستی کا جذبہ ملاحظہ فرمایا۔۔۔؟ سامنے وہ ہے جس کی فوجیں مشرق و مغرب میں فتح و کامرانی کے پرچم لہرا رہی ہیں۔۔۔ایران کی سلطنت۔۔۔اور روم کے تاج و تخت کو پاؤں کے نیچے روندڈالنے والا۔۔۔قیصر و کسریٰ جن کا نام سنتے ہی کانپ اٹھتے ہیں۔

مگر جونہی امیر المومنین نے خلافِ حق بات کہی (اور کہی بھی آزمانے کے لیے) تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے تمام صحابہ کرام کی ترجمانی کرتے ہوئے فرمایا۔۔۔ہم آپ کو دعوت دیں گے کہ اپنی غلط روش اور ناروا سوچ سے باز آجایئے۔۔۔اور اگر آپ نے ہمارے سمجھانے کے باوجود ضد کی اور اپنی ناحق بات پر اڑے رہے۔۔۔اور آپ نے سنت نبویہ کو بدلنے کی کوشش کی تو تلوار سے آپ کا سر قلم کر کے رکھ دیں گے۔

مگر سیدنا علی کے نادان دوستو! تم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شخصیت کے ساتھ کیا ظلم کیا۔۔۔ تم نے حق گو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو کس رنگ میں پیش کیا۔۔۔؟ تم نے حق پرست علی رضی اللہ عنہ کی کیا تصویر لوگوں کو دکھائی۔

اصول کافی کی ایک روایت آپ کو سنانے لگا ہوں۔۔۔ اللہ گواہ ہے اسے نقل کرنے پر دل آمادہ نہیں مگر آپ پر واضح کرنے کے لیے۔۔۔ کہ حُبّ علی کے لبادہ میں انہوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کیا سلوک روا رکھا ہے:

ثُمَّ اَقْبَلَ بِوَجْهِهٖ وَحَوْلَهٗ نَاسٌ مِّنْ اَهْلِ بَيْتِهٖ وَخَاصَّتِهٖ وَشِيْعَتِهٖ

سیدنا علی رضی اللہ عنہ لوگوں کی جانب متوجہ ہوئے تو آپ کے پاس اہل بیت اور قریبی لوگ اور شیعہ موجود تھے۔۔۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

قَدْ عَمِلَتِ الْوُلَاةُ قَبْلِيْ اَعْمَالًا خَالَفُوْا فِيْهَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مُتَعَمِّدِيْنَ لِخِلَافِهٖ

مجھ سے پہلے جو والی اور حاکم ہوئے ہیں (یعنی خلفاءِ ثلاثہ) انہوں نے عمداً نبی اکرم ﷺ کی مخالفت کی ہے۔

نَاقِضِيْنَ لِعَهْدِهٖ مُغَيِّرِيْنَ لِسُنَّتِهٖ

انہوں نے نبی اکرم ﷺ کے ساتھ کیے گئے عہد و پیمان کو توڑا اور آپ کی سنت کو بدل ڈالا۔

وَلَوْ حَمَلْتُ النَّاسَ عَلٰى تَرْكِهَا لَتَفَرَّقَ عَنِّيْ جُنْدِيْ حَتّٰى اَبْقٰى وَحْدِيْ وَقَلِيْلٌ مِّنْ شِيْعَتِيْ (اصول کافی، کتاب الروضہ 95/1)

اب میں اگر لوگوں کو مجبور کروں کہ (وہ غیر شرعی کام جو خلفاءِ ثلاثہ نے کیے) انہیں چھوڑ دیں تو میری فوج مجھ سے الگ ہو جائے گی میں اکیلا رہ جاؤں گا یا تھوڑے سے شیعہ میرے ساتھ رہ جائیں گے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی یہ تصویر آپ نے لوگوں کے سامنے دکھائی کہ خلافت وامامت کے مقام پر فائز ہونے کے بعد۔۔۔ حکومت واقتدار کے مل جانے کے بعد بھی۔۔۔ طاقت اور قوت کے باوجود۔۔۔ وہ اصحابِ ثلاثہ کے خلافِ سنت (العیاذ باللہ) کاموں کی اصلاح اور درستگی نہ کر سکے۔۔۔ اس ڈر کی وجہ سے کہ لوگ مجھے چھوڑ جائیں گے اور میں اکیلا اور تنہا رہ جاؤں گا۔

ان بدبختوں کو یہ سب کچھ اس لیے کہنا پڑا کہ وہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ خلفاءِ ثلاثہ خلافِ سنت اعمال رائج کرتے تھے۔۔۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کیے گئے عہد وپیمان کو توڑتے رہے تھے۔

اگر یہ لوگ ہماری بات مانتے تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا حسین چہرہ نکھر کر سامنے آتا۔۔۔ کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور خلفاءِ ثلاثہ کے درمیان ناچاقیاں، لڑائیاں اور دشمنیاں نہیں تھیں بلکہ ان کے مابین برادرانہ، دوستانہ اور خیر خواہانہ تعلقات تھے۔

اس حقیقت کو تسلیم کیے بغیر کوئی چارہ نہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی بیعت بخوشی ورضا کی تھی۔۔۔ انہیں اہل سمجھ کر کی تھی۔۔۔ ان سے عہدے بھی لیے۔۔۔ اور ان کے مشیر بھی رہے۔۔۔ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو دین کی بہتری کے لیے مشورے بھی دیتے رہے۔

آیئے! آپ کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ایک مشورے کی تفصیلات سناتا ہوں جو انہوں نے امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو دیا۔۔۔ مشورے کی اس تفصیل کو سن کر آپ خود فیصلہ کریں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر کتنا اعتماد اور مکمل بھروسہ تھا۔۔۔ اور ان کے مابین کامل اتحاد اور یکجہتی تھی۔۔۔ اور مشورہ دیتے ہوئے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے خوبصورت اور اعتماد سے بھرپور الفاظ پر بھی غور فرمایئے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو مشورہ

شام اور فلسطین میں لگاتار شکستیں کھانے

کے بعد اور ہر میدان میں ذلیل ورسوا ہونے کے بعد رومی سپہ سالاروں نے متفرق لشکر جمع کر کے ایک بہت بڑا لشکر ایک جگہ پر جمع کیا۔۔۔تا کہ مسلمانوں سے فیصلہ کن اور حتمی لڑائی لڑی جا سکے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو جب اس کی اطلاع پہنچی تو انہوں نے چند صحابہ کرام کو مشورہ کے لیے بلایا۔۔۔مختلف تجاویز پر غور کیا گیا۔۔۔مختلف آراء سامنے آئیں۔۔۔امیر المومنین خود میدانِ جنگ میں جانا چاہتے تھے۔۔۔اور لشکر کی قیادت کرنا چاہتے تھے۔۔اس رائے پر جب بحث ہوئی تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیتے ہوئے کیا فرمایا، ذرا سنیے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کیا کہہ رہے ہیں:

اسلام کی سرحدوں کو غلبۂ دشمن سے بچانے کے لیے اور مسلمانوں کی کمزوریوں کی پردہ پوشی کے لیے اللہ ہی کفیل ہے۔۔۔اللہ وہی ہے جس نے اس وقت ان کی نگہبانی کی اور انہیں مغلوب ہونے سے بچایا۔۔۔ جب ان کی تعداد قلیل اور تھوڑی تھی۔۔۔ان میں مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں تھی۔۔۔اور کسی طرح فتح نہیں پا سکتے تھے۔۔۔اور اپنا تحفظ کرنے کے قابل نہیں تھے۔۔۔وہ اللہ اب بھی زندہ ہے مرنہیں گیا۔

اگر آپ خود دشمن کے مقابلے میں جانا چاہتے ہیں پھر خدانخواستہ آپ وہاں کسی مصیبت میں گرفتار ہو جائیں تو پھر اتنا سوچ لیجیے کہ آپ کے بعد مسلمانوں کو آخری سرحد تک پناہ نہیں ملے گی۔

وَلَيْسَ بَعْدَكَ مَرْجِعٌ يَرْجِعُوْنَ اِلَيْهِ

اور آپ کے بعد مسلمانوں کے لیے ایسا مرجع نہیں ہوگا جس کی طرف وہ رجوع کریں۔

(ذرا غور فرمایئے! وہ حضرات ذرا زیادہ غور فرمائیں جو کہانیوں اور من گھڑت روایات کے بل بوتے پر یہ باور کروانے کی کوشش کرتے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے

مابین بڑی عداوت تھی یہ ایک دوسرے کے دشمن تھے۔۔۔ یہاں سیدنا علی رضی اللہ عنہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو تمام مسلمانوں کے لیے مرجع اور محور قرار دے رہے ہیں۔۔۔ یہ دشمنی کی علامت ہے یا دوستی اور خیر خواہی کی)

فَابْعَثْ اِلَیْهِمْ رَجُلًا مُّجَرَّبًا

لہٰذا آپ کسی تجربہ کار شخص کو سپہ سالار بنا کر بھیج دیں اور اس کے ماتحت ایسے افراد کو بھیجیے جو اپنے سرداروں کے مطیع ہوں اور سخت جان بھی ہوں۔۔۔ اس صورت میں اللہ نے غلبہ عطا فرما دیا تو یہی آپ کا مدعا ہے اور اگر خدانخواستہ کچھ نقصان ہوا اور شکست کا سامنا کرنا پڑ گیا تو

كُنْتَ رِدْأً لِلنَّاسِ وَمَثَابَةً لِلْمُسْلِمِيْنَ (نہج البلاغہ، شیعہ 187)

تو لوگوں کا (ظاہری) سہارا اور مددگار اور مسلمانوں کا مرجع (جس کی طرف وہ لوٹ کر آئیں) آپ کی صورت میں موجود ہوگا۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے مشورے پر ذرا غور فرمائیں! اگر ان دونوں کے درمیان ناچاقی، مخالفت اور باہمی کدورت ہوتی تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ یہ مشورہ دینے کے بجائے انہیں میدانِ جنگ میں جانے کا مشورہ دیتے کہ وہاں دشمنوں کے ہاتھوں ان کا کام تمام ہو جائے اور میرے لیے جگہ خالی ہو جائے۔۔۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا یہ مشورہ دینا اس بات کی بیّن اور روشن دلیل ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے خیر خواہ اور باوفا اور سچے دوست تھے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے اس فرمان کو توجہ سے ایک بار پھر سنیے:

وَالَّذِیْ نَصَرَهُمْ وَهُمْ قَلِيْلٌ

اللہ رب العزت نے تو مسلمانوں کی اس وقت مدد کی تھی جب وہ قلیل تھے یعنی بدر و احد میں، خندق و خیبر میں۔۔۔ اور اب تو اللہ کے فضل و رحمت سے مسلمانوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے اس فرمان سے ان لوگوں کے نظریئے کی بھی تردید ہو جاتی ہے جو کہتے ہیں اور اپنی کتابوں میں لکھتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال کے بعد صرف تین مسلمان رہ گئے تھے (العیاذ باللہ) باقی سب دین سے پھر گئے تھے۔۔۔ اگر ایسا ہوتا تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ یوں فرماتے کہ پہلے مسلمانوں کی تعداد بہت زیادہ تھی اب گنتی کے چند مسلمان رہ گئے ہیں۔

آیئے! میں آپ کو ایک اور واقعہ سناتا ہوں۔۔۔ اسے بھی اہل تشیع کی معتبر کتاب نے اپنے اوراق میں جگہ دی ہے۔

مسلسل شکستیں کھانے کے بعد شہنشاہِ ایران یزدجر نے اپنی سلطنت کو بچانے کے لیے آخری بار قسمت آزمائی کا فیصلہ کیا۔۔۔ تجربہ کار اور جنگجو سپہ سالاروں کی قیادت میں ایک مسلح اور کثیر تعداد پر مشتمل۔۔۔ تقریباً ڈیڑھ لاکھ کا لشکر جمع کیا۔۔۔ سپہ سالاروں نے قسمیں اٹھا کر عہد کیا کہ سردھڑ کی بازی لگا کر اسلام کو اور مسلمانوں کو نیست و نابود کر کے رکھ دیں گے۔۔۔ امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو جب ایرانی لشکر کی تیاریوں کا علم ہوا تو مجلس شوریٰ کا اجلاس بلایا اور اسی کے متعلق گفتگو شروع ہوئی۔۔۔ یہ کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا بلکہ بڑی اہم مہم تھی۔۔۔ دنیا کی دوسری سپر طاقت غیظ وغضب میں پاگل ہو کر اسلام کی سرحدوں پر دستک دینے کے لیے تیاریوں میں مصروف تھی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مختلف آراء اور تجاویز پیش کیں۔۔۔ ایک رائے یہ بھی تھی کہ امیر المومنین سے خود لشکر اسلام کی قیادت کریں۔۔۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں پوچھا کہ آپ کی رائے کیا ہے۔۔۔؟ انہوں نے جو مشورہ اور رائے دی جسے شیعہ مذہب کی معتبر ترین کتاب نہج البلاغہ نے نقل کیا، ذرا اسے سنیے:

اِنَّ هٰذَا الْاَمْرَ لَمْ يَكُنْ نَصْرُهٗ وَلَا خُذْلَانُهٗ بِكَثْرَةٍ وَّلَا بِقِلَّةٍ

دین اسلام کے غالب آنے یا مغلوب ہونے کا دارومدار لشکر کی قلت اور کثرت

پر نہیں ہے۔

وَهُوَ دِيْنُ اللّٰهِ الَّذِيْ اَظْهَرَهٗ وَجُنْدُهُ الَّذِيْ اَعَدَّهٗ وَاَمَدَّهٗ

یہ اسلام اللہ کا دین ہے جسے اللہ نے تمام ادیان پر غالب کیا ہے اور لشکر اسلام اللہ کی فوج ہے جس نے ہر جگہ اور ہر مقام پر اس کی نصرت اور تائید کی ہے۔

حَتّٰى بَلَغَ مَا بَلَغَ وَطَلَعَ حَيْثُ مَا طَلَعَ

اللہ نے دین اسلام کو بلندی سے سرفراز فرمایا اور دین کا سورج وہاں سے طلوع ہوا جہاں سے طلوع ہونا تھا۔

وَنَحْنُ عَلٰى مَوْعُوْدٍ مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ مُنْجِزٌ وَعْدِهٖ وَنَاصِرُ جُنْدِهٖ

ہماری کامیابی اور فتح کا ہمارے ساتھ اللہ نے وعدہ کر رکھا ہے اللہ اپنا وعدہ لازماً پورا کرے گا اور اپنے لشکر کی نصرت اور مدد فرمائے گا۔

وَمَكَانُ الْقَيِّمِ بِالْاَمْرِ مَكَانَ النِّظَامِ مِنَ الْخَرَزِ يَجْمَعُهٗ وَيَضُمُّهٗ

دین اسلام کے پیشوا (خلیفہ) کا مقام و مرتبہ ایسے ہی ہے جیسے ہار کے دانوں کے لیے دھاگے کا ہے، دھاگہ ہی ہار کے دانوں کو جمع کیے ہوئے ہے وہی دھاگہ تمام دانوں کو روکے رکھتا ہے۔

فَاِذَا انْقَطَعَ النِّظَامُ تَفَرَّقَ الْخَرَزُ وَذَهَبَ ثُمَّ لَمْ يَجْتَمِعْ بِحَذَافِيْرِهٖ اَبَدًا

پھر جب دھاگہ ٹوٹ جاتا ہے تو اس میں سب جمع شدہ دانے بکھر جاتے ہیں پھر وہ جمع نہیں ہوتے۔

فَكُنْ قُطْبًا وَاسْتَدِرِ الرُّحٰى بِالْعَرَبِ

امیر المومنین آپ قطب بن جائیے اور اسلام کے لشکر کی چکی کو چلائیے۔

(آپ کی حیثیت وہی ہے جو چکی کو پھیرنے والی کلی کی ہوتی ہے۔۔۔ یا قطب وہ ہے جس کے ارد گرد چکی گھومتی ہے اگر وہ ذرا سا بھی اپنی جگہ سے ہٹ جائے تو چکی کا سارا

نظام درہم برہم ہو جاتا ہے)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنی رائے اور اپنے مشورے کی حکمت بیان فرمائی۔۔۔

امیر المومنین! اگر آپ سپہ سالار بن کر مدینہ سے باہر تشریف لے گئے تو عرب کے مشرک قبائل اطراف واکناف سے یک لخت ٹوٹ پڑیں گے پھر مدینہ میں مقیم عورتوں کی حفاظت آپ پر جنگ سے زیادہ مقدم ہو جائے گی۔ (نہج البلاغت، شیعہ 197)

سامعین گرامی قدر! جن لوگوں کی شب و روز کی تگ ودو۔۔۔ بس یہی ہے۔۔۔ ان کی تقریریں اور تحریریں اسی نکتہ کے گرد گھومتی ہیں کہ سیدنا عمر اور سیدنا علی رضی اللہ عنہما کے تعلقات انتہائی کشیدہ تھے۔۔۔ ان کے مابین عداوت تھی۔۔۔ ایک دوسرے کے دشمن تھے۔۔۔ وہ ضد وعناد سے ہٹ کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے دیئے گئے مشورے کے الفاظ پر ٹھنڈے دل ودماغ سے غور فرمائیے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو دین اسلام کا قیّم (قاموس نے قیّم کا معنیٰ کیا ہے قَيِّمُ الْاَمْرِ اَلْمُصْلِحُ لَهٗ وَالْقُرْاٰنُ وَالنَّبِيُّ وَالْخَلِيْفَةُ وَقَائِدُ الْجُنْدِ

(قاموس $\frac{92}{3}$)

قَيِّمُ الْاَمْرِ وہ ہے جو اس امر کا مصلح ہو۔۔۔ قَيِّمُ الْاَمْرِ قرآن ہے۔۔۔ نبی ہے اور خلیفہ ہے اور لشکر کا قائد اور سالار ہے)

تسلیم کر رہے ہیں۔۔۔ وہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دین کو اللہ رب العزت کا دین اور ان کی فوج کو جُندُ اللہ۔۔۔ اللہ کا لشکر قرار دے رہے ہیں۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو قطب قرار دیا۔۔۔ انہیں اس دھاگے سے تشبیہ دی جو تمام موتیوں کو سمیٹے ہوئے ہے۔۔۔ دھاگہ ٹوٹ جائے تو تمام موتی بکھر جاتے ہیں۔۔۔ پھر سب سے اہم بات یہ کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی سلامتیٔ جاں کے متمنی اور خواہشمند تھے۔

اگر بقول تمہارے ان کے مابین عداوت ہوتی اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے (العیاذ باللہ) خانوادۂ علی کا دل دکھایا ہوتا تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لیے بڑا موقع تھا کہ مشورہ دے کر انہیں ایران کی سرحدوں کی جانب بھیجتے اور متمنی ہوتے کہ یہ وہاں مارے جائیں اور اس طرح دشمن رسول اور دشمن خانوادۂ علی (العیاذ باللہ) سے چھٹکارا نصیب ہو۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ قائم مقام امیر المومنین

ملک اور سلطنت کے سربراہ جب کسی دورے پر تشریف لے جاتے ہیں تو کسی شخص کو اپنا قائم مقام بنا کر جاتے ہیں۔۔۔ اسی شخص کو قائم مقام بنایا جاتا ہے جس پر مکمل اعتماد ہو۔۔۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کئی بار سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو قائم مقام بنایا اور اس طرح ان پر مکمل اعتماد کا اظہار فرمایا۔

14 ہجری میں آپ عراق جانے کے لیے نکلے تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اپنا قائم مقام بنایا۔ (البدایہ والنہایہ 35/7)

پھر 15 ہجری میں جب سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ بیت المقدس کا محاصرہ کیے ہوئے تھے۔۔۔ مخالفین نے شرط رکھ دی کہ تمہارے خلیفہ عمر رضی اللہ عنہ خود آئیں تو ہم بیت المقدس کی چابیاں ان کے حوالے کر دیں گے (وہ دیکھنا چاہتے تھے کہ بیت المقدس کے فاتح کے جو نشان اور علامتیں ہماری کتب میں درج ہیں کیا وہ علامتیں عمر رضی اللہ عنہ میں پائی جاتی ہیں)

سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے تمام صورت حال سے امیر المومنین کو آگاہ کیا۔۔۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مجلس شوریٰ طلب کی۔۔۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے تشریف نہ لے جانے کا مشورہ دیا۔۔۔ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا مشورہ تھا کہ بیت المقدس کی چابیاں لینے کے لیے امیر المومنین کو خود جانا چاہیے۔

چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے مشورہ کو قبول فرمایا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو قائم مقام امیر المومنین بنا کر خود بیت المقدس کی جانب روانہ ہوئے۔۔۔ علامہ بن اکثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

وَاسۡتَخۡلَفَ عَلَی الۡمَدِیۡنَةِ عَلِیَّ بۡنَ اَبِیۡ طَالِبٍ (البدایہ والنہایہ $\frac{55}{7}$)

آپ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو مدینہ پر اپنا قائم مقام بنایا۔

17 ہجری میں امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ایلہ کی جانب نکلے تو بہت سے صحابہ آپ کے ساتھ تھے، آپ نے اس موقع پر بھی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اپنا قائم مقام بنایا۔

خَرَجَ عُمَرُ وَخَلَّفَ عَلِیًّا عَلَی الۡمَدِیۡنَةِ وَخَرَجَ مَعَهُ الصَّحَابَةُ

(طبری $\frac{203}{4}$)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نکلے صحابہ کی ایک جماعت بھی آپ کے ساتھ تھی اور مدینہ پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اپنا قائم مقام مقرر کیا۔

خلافت فاروقی میں سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ مکمل طور پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے شانہ بشانہ رہے۔۔۔ مشورے دیتے رہے۔۔۔ ساتھ نبھاتے رہے۔۔۔ اخلاص اور پورے خلوص کے ساتھ اور پوری ہمدردی کے ساتھ ان کے ساتھ چلتے رہے۔۔۔ مسلمانوں کے حصے میں جو مالِ غنیمت آتا اس میں سے اپنا حصہ بھی وصول کرتے رہے۔۔۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں قائم مقام امیر المومنین بھی بنتے رہے۔

16 ہجری میں جب مدائن (کسریٰ کا دار الخلافہ) فتح ہوا تو مالِ غنیمت میں وہاں سے آنے والی اشیاء کا ڈھیر لگ گیا۔۔۔ کپڑے اور کپڑے بھی انتہائی نفیس اور قیمتی۔۔۔ طرح طرح کے زیورات۔۔۔ زیب وزینت کا سامان۔۔۔ مختلف ڈیزائن کے قالین۔۔۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس سامان کو مسلمانوں کے درمیان تقسیم فرمایا:

فَاَصَابَ عَلِیًّا قِطۡعَةٌ مِنَ الۡبِسَاطِ

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو قالین کا ایک ٹکڑا ملا۔

فَبَاعَهَا بِعِشۡرِیۡنَ اَلۡفًا (البدایہ والنہایہ $\frac{76}{7}$)

جسے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے بیس ہزار درہم میں فروخت کیا۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی تعریف کرتے ہوئے

امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ہر طرح سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا خیال رکھتے اور انہیں بہت احترام دیتے۔۔۔۔سیدنا علی رضی اللہ عنہ ان کے دورِ خلافت میں۔۔۔۔انہیں خلیفہ برحق سمجھ کر مالِ غنیمت میں سے اپنا حصہ وصول کرتے تھے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں رطب اللسان رہتے تھے۔۔۔ ان کی تعریف وتوصیف فرماتے۔۔۔اور ہمیشہ ان کا ذکر اچھے اور بہتر انداز میں فرماتے تھے۔

ایک موقع پر کچھ لوگوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے گذارش کی:

يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ حَدِّثْنَا عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ

امیر المومنین ہمیں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں کچھ بتایئے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

ذَاكَ اِمْرَأٌ سَمَّاهُ اللهُ الْفَارُوْقَ فَرَّقَ بَيْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ

عمر رضی اللہ عنہ ایسا شخص ہے جس کا نام اللہ نے فاروق رکھا ہے انہوں نے واقعی حق اور باطل میں فرق کر کے دکھایا۔

وَسَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اَعِزَّ الْاِسْلَامَ بِعُمَرَ

میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے اے اللہ! اسلام کو عمر کے وجود سے طاقت اور قوت بخش۔ (ریاض النضرہ $\frac{246}{1}$)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد اس وقت کا ہے جب وہ امیر المومنین تھے۔۔خلیفہ وقت تھے۔۔۔خود مختار تھے۔۔۔کسی کا ڈر اور خوف انہیں نہیں تھا۔۔۔یہ گفتگو انہوں نے تقیہ کے رنگ میں نہیں کی۔۔۔بلکہ یہ ان کے دل کی آواز تھی۔۔۔یہ باتیں انہوں نے سچے دل سے کہیں تھیں۔

آیئے! آپ کو ایک دلچسپ بات سناتا ہوں۔۔۔ غور سے سنیے! اور فیصلہ کیجیے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے کس قدر محبت اور پیار تھا۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس ایک چادر تھی جسے وہ بہت پسند فرماتے۔۔۔ اپنے پاس رکھتے اور بڑی محبت اور ذوق سے اسے اوڑھتے۔۔۔ کسی نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ یہ چادر آپ کو بہت پسند ہے اس کی کوئی خاص وجہ۔۔۔؟ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا:

اِنَّہٗ کَسَانِیْہِ خَلِیْلِیْ وَصَفِیِّیْ وَصِدِّیْقِیْ وَخَاصَّتِیْ عُمَرُ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ

مجھے یہ چادر میرے خلیل، میرے پسندیدہ دوست، میرے ساتھی اور میرے مہربان عمر رضی اللہ عنہ نے پہنائی تھی۔

اِنَّ عُمَرَ نَاصَحَ اللّٰہَ فَنَصَحَہٗ ثُمَّ بَکٰی (مصنف ابن ابی شیبہ)

یقیناً سیدنا عمر رضی اللہ عنہ خیر کے طالب تھے اور اللہ نے بھی ان سے خیر کا معاملہ فرمایا، یہ کہنے کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ رو پڑے۔

شہادتِ عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ

امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی تمنا اور آرزو تھی وہ بار بار دعا مانگتے تھے کہ مولا! شہادت کی موت بھی دے اور موت بھی محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شہر میں دے۔

اللہ رب العزت نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی اس تمنا کو پورا فرما دیا۔۔۔ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شہر میں شہادت کی موت سے سرفراز فرمایا۔

ایران کے مجوسیوں نے دوسری غیر مسلم طاقتوں سے مل کر ایک سازش تیار کی اور ابولولو مجوسی۔۔۔ فیروز نامی آتش پرست کو اس کام کے لیے تیار کیا۔۔۔ اس نے نمازِ فجر کے وقت زہر میں بجھے ہوئے خنجر سے وار کیا۔۔۔ جس کی گھاؤ سے آپ شہید ہو گئے۔۔۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو غسل دے کر اور کفنا کر چارپائی پر رکھا گیا۔۔۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے۔۔۔ انہوں نے روتے ہوئے اور صدمہ سے نڈھال۔۔۔ جو کلمات ادا فرمائے۔۔۔ اہل سنت

کی کتب میں انہیں بیان کیا گیا ہے۔۔۔ مگر فریق مخالف کہہ سکتا ہے کہ یہ تمام تر کتب تمہاری ہیں اور انہوں نے مبالغہ آمیزی اور جھوٹ کو بروئے کار لا کر یہ سب کچھ لکھ دیا ہے۔۔۔ ہم اسے ماننے کے پابند بھی نہیں اور تیار بھی نہیں۔

اس لیے میں شیعہ مذہب کی معتبر کتاب تلخیص الشافی۔۔۔ سے حوالہ پیش کرنا چاہتا ہوں جس کے مصنف شیعہ مذہب کے معتبر عالم طوسی ہیں۔

نہج البلاغت کے شارح ابن ابی الحدید نے بھی لکھا۔۔۔ کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی میت پر کھڑے ہیں۔۔۔ اور بلک بلک کر رو رہے ہیں۔۔۔ لوگوں نے پوچھا۔۔۔ آپ بہت زیادہ مغموم ہیں۔۔۔ صدمہ آپ کو بہت زیادہ ہے۔۔۔ فرمایا ہاں اس لیے روتا ہوں کہ اس کفن میں لپٹا ہوا عمر بہت مقدس اور پاکیزہ اور ستھری زندگی گزار کر گیا۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی زندگی کو کیسے بیان فرمایا۔۔۔ آج علی، علی کا ورد کر کے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ پر تبراء کرتے ہو اور لعنت کی بوچھاڑ کرتے ہو۔۔۔ شرم کرو! سیدنا علی رضی اللہ عنہ ہی کا حیا کر لو۔۔۔ وہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق کیا فرما رہے ہیں:

ذَهَبَ نَقِيَّ الثَّوْبِ، وَقَلِيْلَ الْعَيْبِ

عمر رضی اللہ عنہ دنیا سے ایسے گئے کہ ان کے کپڑوں پر کوئی داغ اور دھبہ نہیں ہے اور اس کی زندگی اور وجود میں کوئی عیب اور نقص نہیں ہے۔

اَقَامَ السُّنَّةَ وَخَلَفَ الْفِتْنَةَ

تمام زندگی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کو قائم رکھا اور جب تک زندہ رہا فتنوں کی سرکوبی کرتا رہا۔ (نہج البلاغت 350)

علامہ طوسی نے لکھا: لَمَّا غُسِلَ عُمَرُ وَ كُفِّنَ دَخَلَ عَلِيٌّ۔۔۔ جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو غسل دے کر کفن پہنایا گیا تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے۔۔۔ اور انہوں نے کہا۔۔۔ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ۔۔۔ عمر رضی اللہ عنہ پر اللہ کی رحمت ہو۔ (سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے نام نہاد محب سیدنا

علی رضی اللہ عنہ کے ان دعائیہ کلمات پر غور کریں۔۔۔ بدبختو! تمہاری ساری زندگی ان پر تبراء کرتے گزر گئی اور لعنت لعنت کی صدائیں لگاتے گذر گئی۔۔۔ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ دعا مانگ رہے ہیں صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ۔۔۔ عمر پر اللہ کی رحمت ہو۔۔۔ آگے سنو! سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد سنو۔۔۔ مَا عَلَی الْاَرْضِ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ اَنْ اَلْقَی اللّٰہَ بِصَحِیْفَۃِ ھٰذَا الْمُسَجّٰی بَیْنَ اَظْھُرِکُمْ۔۔۔ (تلخیص الشافی 428)

یہ شخص جو تمہارے سامنے کفن میں ملبوس ہے مجھے روئے زمین پر اس سے زیادہ کوئی اور چیز پسندیدہ نہیں کہ اس جیسا اعمال نامہ لے کر اللہ تعالیٰ سے ملاقات کروں)

میں یہاں بخاری و مسلم کی ایک روایت بھی آپ کو سنانا چاہتا ہوں۔۔۔ مسئلہ مزید نکھر جائے گا۔۔۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ جنازہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ پر پہنچے تو پہلے ان کے لیے دعا کی اس کے بعد کہا۔۔۔ مَا خَلَفْتَ اَحَدٌ اَحَبُّ اِلَیَّ اَنْ اَلْقَی اللّٰہَ بِمِثْلِ عَمَلِہٖ مِنْکَ

آپ کے بعد آپ سے بڑھ کر اب کوئی شخص ایسا نہیں رہا کہ اس جیسے اعمال لے کر میں اللہ سے ملاقات کی آرزو کروں۔

وَاَیْمُ اللّٰہِ اِنْ کُنْتُ لَاَظُنُّ اَنْ یَّجْعَلَکَ اللّٰہُ مَعَ صَاحِبَیْکَ

اللہ کی قسم ہے میں یہی گمان کرتا ہوں کہ اللہ رب العزت آپ کو اور آپ کے دونوں ساتھیوں (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے ملا دے گا۔

لِاَنِّیْ کُنْتُ کَثِیْرًا اَسْمَعُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ ذَھَبْتُ اَنَا وَاَبُوْبَکْرٍ وَّعُمَرُ وَدَخَلْتُ اَنَا وَاَبُوْبَکْرٍ وَّعُمَرُ وَخَرَجْتُ اَنَا وَاَبُوْبَکْرٍ وَّعُمَرُ

کیونکہ میں نے بارہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ فرمایا کرتے تھے میں اور ابوبکر و عمر گئے، میں اور ابوبکر و عمر داخل ہوئے، میں اور ابوبکر و عمر نکلے۔

مجھے یہی توقع اور یہی خیال ہے۔ اَنْ یَّجْعَلَکَ اللّٰہُ مَعَھُمَا (بخاری 520/1)

آپ کا حشر اللہ رب العزت ان دونوں کے ساتھ کرے گا۔

سامعین گرامی قدر! سیدنا علی رضی اللہ عنہ تمنا کر رہے ہیں اور بڑی شدت کے ساتھ تمنا کر رہے ہیں کہ مولا! مجھے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جیسا بنا دے۔۔۔ میرا اعمال نامہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اعمال نامے جیسا ہو۔

اور تم کہو کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے دشمن تھے اور ان کے مابین عداوت تھی۔۔۔ یہ سب تمہاری بنائی ہوئی باتیں ہیں۔۔۔ افسانے ہیں۔۔۔ کہانیاں ہیں۔۔۔ مفروضے ہیں۔۔۔ قصے ہیں۔۔۔ جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔۔۔ حقیقت یہی ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے مابین محبت والفت کا۔۔۔ خیرخواہی۔۔۔ غم گساری کا۔۔۔ ہمدردی و پیار کا گہرا رشتہ تھا۔

یہ موضوع بہت وسیع ہے، ان شاء اللہ آئندہ خطبہ جمعۃ المبارک میں اسی عنوان پر گفتگو کروں گا۔

وما علینا الا البلاغ المبین

12

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ الْاَمِيْنِ

وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ أَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ (الفتح 29)

سامعین گرامی قدر! گزشتہ خطبہ جمعۃ المبارک میں۔۔۔میں بیان کر چکا ہوں کہ امیر المومنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے مابین دوستانہ اور برادرانہ تعلقات تھے جو انتہائی اخلاص پر مبنی تھے۔۔۔سیدنا علی رضی اللہ عنہ خلیفہ ثانی کے دور میں قاضی القضاۃ رہے۔۔۔مشیر خاص بھی تھے۔۔۔مالِ غنیمت میں سے حصے بھی وصول کرتے رہے۔۔۔وہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو مسلمانوں کے لیے ملجا و مرجع قرار دیتے تھے۔

آج کے خطبے میں۔۔۔میں مزید کچھ واقعات آپ کو سنانا چاہتا ہوں جن سے ثابت ہو گا کہ ان دونوں کے درمیان پیار اور محبت کے جذبات تھے۔۔۔صرف ان دونوں کے نہیں بلکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بیٹوں سیدنا حسن اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہما کے ساتھ بھی

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا سلوک انتہائی پیار بھرا اور مشفقانہ تھا۔

بیت المال میں سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے وظائف مقرر ہوئے اس کے لیے فہرستیں بنوائی گئیں۔۔۔ سب سے زیادہ وظیفہ اور تنخواہ اصحابِ بدر کے لیے مقرر ہوئی پانچ ہزار درہم۔۔۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ چونکہ اصحابِ بدر میں شامل تھے اس لیے ان کا وظیفہ بھی پانچ ہزار درہم مقرر ہوا۔۔۔ آپ سن کر حیران ہوں گے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کا وظیفہ بدری صحابہ کے برابر پانچ ہزار مقرر فرمایا۔

ایک مرتبہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ ملاقات کی غرض سے امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ہاں تشریف لے گئے۔۔ وہاں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو موجود پایا، انہوں نے کہا میں امیر المومنین سے ملاقات کے لیے آیا ہوں۔۔۔ سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا۔۔۔ میں بھی اسی غرض سے آیا ہوں لیکن مجھے بھی ملاقات کی اجازت نہیں ملی۔۔۔ شاید والد گرامی کسی اہم کام میں مصروف ہیں۔۔۔ یہ سن کر سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے مناسب نہ سمجھا کہ امیر المومنین کو تکلیف دی جائے۔۔۔ وہ بغیر ملاقات کیے واپس چلے گئے۔۔۔ بعد میں ملاقات ہونے پر امیر المومنین نے کہا۔۔۔ حسین تم کبھی ملاقات کے لیے نہیں آئے۔۔۔ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔۔۔ امیر المومنین! میں ملاقات کی غرض سے حاضر ہوا تھا لیکن آپ کسی اہم اور ضروری کام میں مصروف تھے۔۔۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو بھی شرفِ باریابی نہیں ہو رہا تھا۔۔۔ اسی بنا پر میں واپس آ گیا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

وَاَنْتَ عِنْدِیْ مِثْلُهٗ وَ کَرَّرَهَا۔۔۔ کیا تمہارا اور عبداللہ کا مقام اور مرتبہ میرے نزدیک ایک جیسا ہے۔۔۔ بار بار اس کلمہ کو دہراتے رہے۔

وَهَلْ اَنْبَتَ الشَّعْرَ عَلَی الرَّأْسِ غَیْرُکُمْ (شرح نہج البلاغہ $\frac{161}{3}$)

ہمیں جو مقام اور مرتبہ ملا ہے آپ لوگوں کی وجہ سے ملا ہے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مالِ غنیمت میں بھی حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کو حصہ عطا فرمایا کرتے تھے۔۔۔ایک مرتبہ مالِ غنیمت میں بہت سا قیمتی کپڑا آیا۔۔۔امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اصحابِ رسول کے بچوں کے پہننے کے لیے وہ کپڑا عنایت فرمایا۔۔۔۔اتنے میں حسنین کریمین رضی اللہ عنہما بھی پہنچ گئے۔۔۔انہیں دیکھ کر امیر المومنین رضی اللہ عنہ پریشان ہوگئے۔۔۔آپ نے اسی وقت یمن کے حاکم کو لکھا کہ اعلیٰ اور نفیس قسم کے دو جوڑے فوراً مدینہ بھیجو۔۔۔یمن کے حاکم نے آپ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے شاندار قسم کے دو جوڑے مدینہ بھیج دیئے۔۔۔امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے وہ خوبصورت لباس حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کو پہنایا۔۔۔کچھ لباس اعلیٰ اور خوبصورت تھا اور رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے حسن کا شاہکار تھے۔۔۔حسین لباس میں حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کو خوش اور مسرور دیکھ کر امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اَلْاٰنَ طَابَتْ نَفْسِیْ (البدایہ والنہایہ $\frac{207}{8}$، کنز العمال $\frac{106}{7}$)

حقیقت میں میرا دل اب خوش ہوا ہے۔

حضرات گرامی! اس طرح کے واقعات یہ حقیقت ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں کہ امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ خاندانِ علی سے اور خصوصاً سیدنا حسنین کریمین رضی اللہ عنہما سے انتہائی محبت فرماتے تھے۔۔۔ان کے ساتھ شفقت کا معاملہ کرتے۔۔۔ان کی عزت وتکریم میں کبھی کمی نہیں آنے دی۔۔۔سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں اگر خاندانِ علی کا احترام نہ ہوتا تو آپ حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کا وظیفہ اصحابِ بدر کے برابر مقرر نہ کرتے (کیونکہ وہ تو بدر میں شریک نہیں تھے)

امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں جو قدر ومنزلت سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد کی تھی۔۔۔خصوصاً ان کے دل میں جو عزت ومحبت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی تھی اسے ثابت کرنے کے لیے ایک ہی واقعہ بطور دلیل کافی ہے۔۔۔چونکہ اس واقعہ کو اہل تشیع کی سب

سے معتبر کتاب اصول کافی نے تحریر کیا ہے۔۔۔ میں بھی اَلْفَضْلُ مَا شَهِدَتْ بِهِ الْأَعْدَاءُ (فضیلت اسے کہتے ہیں جس کی دشمن بھی گواہی دے)۔۔۔ کہتے ہیں کہ حسن اسے کہتے ہیں جس کا سوکن بھی اعتراف کرے۔

میں اس واقعہ کو اہل تشیع کی معتبر کتاب اصول کافی سے بطور حجت پیش کر رہا ہوں۔۔۔ ورنہ میں خود اس افسانے کا قائل نہیں ہوں۔

مشہور یہ ہو گیا ہے کہ ایران فتح ہوا تو مالِ غنیمت میں بہت سے غلام اور لونڈیاں تھیں۔۔۔ ان لونڈیوں میں شہنشاہِ ایران یزدگرد کی بیٹی شاہ جہان نامی بھی تھی۔۔۔ جس کا عقد سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سے ہوا۔

اس سے پہلے کہ میں اصول کافی کی عبارت آپ حضرات کے سامنے پیش کروں۔۔۔ ضروری سمجھتا ہوں کہ یہ بتلاتا چلوں کہ یہ سب کچھ فرضی کہانی تراشی گئی ہے جس کا حقیقت سے اور تاریخ کی صداقت سے کوئی واسطہ اور تعلق نہیں ہے۔

اس فرضی اور غلط قصے کو علامہ زمخشری نے ربیع الابرار میں نقل کیا ہے اور لطف کی بات یہ ہے کہ علامہ زمخشری کو فن تاریخ سے دور دور تک کوئی تعلق اور واسطہ نہیں ہے۔

یاد رہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں یزدگرد اور خاندانِ یزدگرد پر مسلمانوں کو مطلق غلبہ حاصل نہیں ہوا تھا۔۔۔ پھر جس وقت کا یہ واقعہ ہے اس وقت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی عمر تقریباً دس برس تھی اس لیے کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ ہجرت کے پانچویں برس میں پیدا ہوئے تھے اور فارس سن 17 ہجری میں فتح ہوا تھا۔۔۔ دس سال کے بچے کے نکاح میں ایک شہزادی کو کیسے دیا گیا۔

یہ سب تفصیل علامہ شبلی نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف ''الفاروق صفحہ نمبر 28'' پر بیان کی ہے۔۔۔ اگرچہ ''عاقل را اشارہ کافی است'' کے تحت علامہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ بیان اس قصہ کے غلط ہونے کے لیے کافی ہے۔

مگر آپ حضرات کے ذوق کے لیے اور تھوڑی سی دلچسپی کے لیے کچھ تبصرہ کر دیتا ہوں۔۔۔ شہنشاہِ ایران شہریار کا بیٹا یزدگرد سن 13 ہجری میں تخت نشین ہوا۔۔۔ جب وہ تخت نشین ہوا تو اس کی عمر 16 برس تھی۔ (اخبار الطوال 145)

اسی سال سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مسند خلافت پر فائز ہوئے۔۔۔ سن 15 ہجری میں جب قادسیہ کا معرکہ ہوا۔۔۔ یزدگر کی عمر صرف اٹھارہ سال تھی۔۔۔ ایرانی فوج کی پسپائی اور مسلمانوں کی کامیابی کی خبر سن کر یزدگرد مدائن چھوڑ کر بھاگ نکلا اور حلوان پہنچ گیا۔

(فتح البلدان بلاذری 25)

اسلامی فوج نے جب حلوان کی جانب رخ کیا تو یزدگر وہاں سے بھاگ نکلا اور مختلف شہروں میں پناہ لے کر رہتا رہا۔۔۔ آخر کار سن 29 ہجری میں جب اس کی عمر بتیس سال تھی خراسان پہنچا اور سن 30 ہجری میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں مارا گیا۔

میرے کہنے کا مطلب یہ ہے اور میں ثابت یہ کرنا چاہتا ہوں کہ یزدگرد پر اسلامی فوج نے کہیں بھی قابو نہیں پایا۔۔۔ اس کے اہل وعیال اور بیٹیاں کبھی بھی مدینے نہیں لائی گئیں۔۔۔ مدائن کی فتح کے وقت یزدگرد کی عمر صرف اٹھارہ سال ہے۔۔۔ اٹھارہ سال کے یزدگر کی جوان بیٹی مدینے کیسے پہنچ گئی۔۔۔ کیا آپ کی عقل تسلیم کرنے کے لیے تیار ہے کہ اٹھارہ سال کے شخص کی بیٹی جوان بھی ہو سکتی ہے؟

حقیقت میں اس افسانے اور قصے کا موجد اور خالق علامہ زمخشری ہے۔۔۔۔ ابن خلکان نے بھی اس واقعہ کو زمخشری سے ہی نقل کیا ہے۔۔ زمخشری کے علاوہ طبری ہے۔۔۔ ابن الاثیر ہے۔۔۔ یعقوبی ہے۔۔۔ بلاذری ہے۔۔۔ کسی نے بھی اس واقعہ کو ذکر نہیں کیا۔۔۔ یہ حضرات اس افسانے اور قصے کو کیسے لکھتے۔۔۔؟ جبکہ یزدگرا اپنے اہل وعیال کے ہمراہ مسلمانوں کے لشکر کے آگے آگے بھاگتا رہا اور کسی جگہ پر بھی مسلمانوں کے قابو نہیں آیا۔۔۔ زمخشری نے اس قصے کو چھٹی صدی میں گھڑا اور اپنی کتاب کی زینت بنا

دیا۔

اب میں آپ کو اصل حقیقت سے آگاہ کرتا ہوں کہ زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ ایک باندی تھیں۔۔۔وہ افریقہ سے گرفتار ہو کر آئی تھیں۔۔۔ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ نے جمہرۃ الانساب میں ایک قول نقل کیا ہے۔۔۔کہ سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ نے خلافت عثمانی میں افریقہ پر حملہ کیا تو ان کی والدہ سوڈان سے گرفتار ہو کر آئی تھیں۔۔۔یہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی مِلک یمین بنیں۔۔۔۔۔جن کے بطن سے علی بن حسین المعروف بہ زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ پیدا ہوئے۔۔۔اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ضرورت پڑی اور کونسے مقاصد حاصل کرنے مقصود تھے کہ زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ کو ان کی سوڈانی والدہ کے بجائے ایرانی شہر بانو کے بطن سے پیدا کروایا گیا۔۔۔اس کی وجہ وہی ایرانی نسل پرستی ہے۔

سبائیوں کے ہاں اصل دین شاہ پرستی اور نسل پرستی ہے۔۔۔۔لہٰذا اپنا مقصد حاصل کرنے کے لیے سب سے پہلے انہوں نے پُرزور پروپیگنڈا کیا کہ نبی کی آل اور نسل صرف سیدنا علی اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد ہے۔۔۔۔۔پھر انہوں نے اپنے ایرانی آباؤ اجداد کے خون کی آمیزش کرنے کے لیے شاہِ ایران کی ایک فرضی اور خیالی بیٹی شہر بانو کو سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سے بیاہ کر ان سے زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ کی پیدائش کروادی تا کہ اس طرح زین العابدین رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ کو "فخر عرب وعجم" کا لقب دے کر "نجیب الطرفین" قرار دیا جاسکے۔

سامعین گرامی قدر! شہر بانو کون ہے۔۔۔؟ اس کی صحیح حقیقت کیا ہے۔۔۔؟ میں بیان کر چکا ہوں۔۔۔۔۔یہاں اس فرضی واقعہ اور خیالی قصہ کو شیعہ کی معتبر کتاب اصول کافی سے بیان کر کے انہیں آئینہ دکھانا چاہتا ہوں۔۔۔پہلے واقعہ سنیئے پھر نتیجہ نکالوں گا۔

حضرت محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

لَمَّا قَدِمَتْ بِنْتُ يَزْدُجُرَ عَلٰى عُمَرَ

جب یزدگرد کی بیٹی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دربار میں حاضر ہوئی۔۔۔تو مدینہ کی عورتیں اسے دیکھنے کے لیے جمع ہو گئیں اور مسجد اس کی رونق سے چمکنے لگی۔۔۔سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی طرف دیکھا تو اس نے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا اور کچھ بولنے لگی۔۔۔سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا یہ مجھے برا بھلا کہہ رہی ہے۔۔۔؟

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔۔۔ایسا نہیں ہے آپ اسے اختیار دے دیں کہ مسلمانوں میں سے کسی شخص کو چن لے۔۔۔آپ اس شخص کو بخش دیں۔۔۔۔سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسے اجازت دے دی۔۔۔اس نے آگے بڑھ کر سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔(سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا نکاح سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سے کروادیا اور حق مہر بھی بیت المال سے ادا فرمایا)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا۔۔۔تمہارا نام کیا ہے۔۔۔؟ اس نے کہا۔۔۔ جہان شاہ۔۔۔سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔۔۔نہیں بلکہ آج کے بعد تمہارا نام شہر بانو ہے۔

ثُمَّ قَالَ لِلْحُسَيْنِ يَا اَبَا عَبْدِ اللهِ لَيَلِدَنَّ لَكَ مِنْهَا خَيْرُ اَهْلِ الْاَرْضِ فَوُلِدَ عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ

(اصول کافی 396، کتاب الصافی شرح اصول کافی $\frac{204}{3}$ ، جلاء العیون 239، عمدۃ الطالب 192)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سے کہا تمہارا اس عورت سے ایک بچہ پیدا ہوگا جو تمام اہل زمین سے بہتر اور افضل ہوگا چنانچہ شہر بانو کے بطن سے زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ہوئی۔

سامعین محترم! میں اسے فرضی اور خیالی واقعہ اور من گھڑت قصہ سمجھتا ہوں۔۔۔

لیکن اہل تشیع کے علماء اس کے قائل ہیں۔۔۔انہوں نے اپنی کتب میں اس واقعہ کو درج کیا ہے۔

اگر یہ واقعہ صحیح ہے تو پھر مانو کہ ان حضرات کے باہمی تعلقات محبت والفت کے تھے۔۔۔ان کے مابین پیار اور شفقت کے جذبات موجود تھے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ بھی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کو خلافت حقہ سمجھتے تھے۔۔۔غاصبانہ اور ظالمانہ نہیں سمجھتے تھے۔۔۔وہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی جنگوں کو جہاد مانتے تھے۔۔۔اور ان جنگوں میں آنے والے مال کو مالِ غنیمت سمجھتے تھے۔۔۔اور وہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے اپنے مالی حقوق کو وصول کیا کرتے تھے۔

تم کہتے ہو کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت غاصبانہ۔۔۔جابرانہ اور ظالمانہ خلافت تھی۔۔۔خلافت تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا حق تھا۔۔۔مگر انہوں نے ان سے خلافت غصب کرلی۔۔۔اور چھین لی۔

میں کہتا ہوں اگر بقول تمہارے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت غصب شدہ تھی۔۔۔اور خلافت حقہ نہیں تھی۔۔۔تو پھر ان کی غاصبانہ خلافت میں لڑی جانے والی جنگیں جہاد کیسے ہو گئیں۔۔۔؟ اور اگر وہ جنگیں جہاد نہیں تھیں تو ان میں ملنے والا مال۔۔۔مالِ غنیمت کیسے ہو گیا۔۔۔؟ پھر شہر بانو کا باندی بننا کیسے صحیح ہوا۔۔۔؟ تو پھر سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا شہر بانو سے نکاح کیسے اور کیونکر درست اور صحیح ہو گا۔۔۔؟

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ پر تنقید کرنے سے پہلے۔۔۔سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ایمان میں شک کرنے سے پہلے۔۔۔سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کو غصب شدہ خلافت کہنے سے پہلے۔۔۔اتنا تصور ضرور کرنا۔۔۔اور یہ لازماً سوچنا کہ سادات کی پوری نسل زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ سے چلی ہے (کیونکہ کربلا میں بچ جانے والے تنہا مرد وہی تھے) اور زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ بقول تمہارے شہر بانو کے بطن سے تھے۔۔۔اگر شہر بانو کا نکاح درست نہ ہوا تو سادات کی

نسل کیسے ثابت ہوگی۔۔۔؟

اس لیے تمہیں اللہ کریم کا واسطہ ہے سادات پر رحم کھاؤ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو مومن اور ان کی خلافت کو خلافت حقہ تسلیم کرو۔۔۔ ورنہ کچھ نہیں بچے گا۔۔۔ کچھ نہیں بچے گا۔

نکاحِ ام کلثوم بافاروق اعظم رضی اللہ عنہما

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے مابین خوشگوار تعلقات کا ایک بے مثال قصہ آپ کو سناتا ہوں۔۔ واقعہ سنیئے اور فیصلہ کیجیے کہ ان دونوں کے مابین کتنا گہرا اور مضبوط تعلق تھا۔۔۔ یار لوگوں نے جھوٹے قصے اور افسانے بنا کر انہیں ایک دوسرے کا دشمن ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔۔۔ یار لوگوں کی مذموم کوشش ملیامیٹ ہو جاتی ہے جب ہم ثابت کرتے ہیں اور شیعہ اور سنی دونوں کتب سے ثابت کرتے ہیں کہ سن 17 ہجری میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا نکاح سیدنا علی اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہما کی لخت جگر ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے ہوا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جس وقت یہ نکاح کیا تو عمر رسیدہ تھے۔۔۔ اور صاحب اولاد بھی تھے۔۔۔ اور ازواج بھی موجود تھیں۔۔۔ بظاہر انہیں اس نکاح کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔

مگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت وعقیدت ان کے دل میں جاگزیں تھی۔۔۔ وہ خاندانِ نبوت سے تعلق بڑھانے کے انتہائی خواہش مند اور متمنی تھے۔۔۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک فرمان نے ان کے ارادے اور طلب کو مزید بڑھا دیا۔۔۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ خود روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے:

کہ قیامت کے دن ہر نسب اور اور سسرالی رشتے اور دامادی کے رشتے ختم ہو جائیں گے مگر میرا نسب اور سسرالی رشتہ قائم رہے گا میرا ایک تعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ قائم ہے کہ میری بیٹی آپ کی زوجہ محترمہ ہے میں چاہتا ہوں کہ دامادی والا رشتہ بھی قائم ہو جائے۔ (مستدرک حاکم $\frac{142}{3}$ ، سنن الکبریٰ $\frac{64}{7}$ ، طبقات ابن سعد)

سیدنا عمر اور سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے نکاح کا تذکرہ اہل سنت کی کتب میں بھی ہے۔۔۔میں صرف بخاری کی ایک روایت آپ کو سنا دیتا ہوں۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ایک دفعہ مال غنیمت میں آئی چادریں مدینہ کی خواتین میں تقسیم فرما رہے تھے۔۔۔ایک بہت ہی عمدہ اور نفیس چادر بچ گئی۔۔۔کسی نے کہا یہ چادر آپ ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہا کو دے دیں۔۔۔۔سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا نہیں۔۔۔۔ام سلیط رضی اللہ عنہا اس چادر کی زیادہ حق دار ہے وہ غزوۂ احد کے موقع پر پانی کی مشکیں بھر بھر کر لاتی تھیں اور زخمیوں کو پلاتی تھیں۔ (بخاری $\frac{463}{1}$ ، باب حمل النساء القرب)

ایک روایت سنن نسائی سے بھی پیش کر دیتا ہوں۔

وُضِعَتْ جَنَازَةُ أُمِّ كُلْثُومٍ بِنْتِ عَلِيٍّ امْرَأَةِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ وَابْنٍ لَهَا يُقَالُ لَهُ زَيْدٌ وَضْعًا وَاحِدًا (نسائی 217)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیٹی ام کلثوم جو سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی اہلیہ تھیں ان کا جنازہ اور ان کے بیٹے کا جنازہ اکٹھا رکھا گیا۔

آپ میں سے کون نہیں جانتا کہ دو آدمیوں کے درمیان رشتے داری کا قائم ہونا۔۔۔ایک کا اپنی لخت جگر اور نور نظر کا رشتہ دینا اور دوسرے شخص کا اس رشتے کو قبول کرنا۔۔۔یہ سب کچھ باہمی اعتماد، بھائی چارہ اور خوشگوار مراسم کی وجہ سے ہوتا ہے۔۔۔رشتہ ہونے کے بعد سسر اور داماد کے مابین تعلقات مزید مستحکم اور مضبوط ہوتے ہیں۔

اہل تشیع کی کتب بھی گواہ ہیں کہ سیدنا عمر اور سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح ہوا تھا۔۔۔مگر یہ نکاح سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی رضا اور خوشی سے نہیں ہوا بلکہ ان پر جبر کیا گیا۔۔۔دھمکیاں دی گئیں۔۔۔تب یہ نکاح ہوا۔۔۔کافی کی ایک روایت ذرا دل تھام کر سنیے:

لَمَّا خَطَبَ إِلَيْهِ قَالَ لَهُ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ إِنَّهَا صَبِيَّةٌ

جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا رشتہ مانگا تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا

کہ وہ کم عمر ہے۔

فَلَقِيَ الْعَبَّاسَ

پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے چچا سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کو ملے اور کہا:

خَطَبْتُ اِلَى ابْنِ اَخِيْكَ فَرَدَّنِیْ

میں نے آپ کے بھتیجے سے ان کی بیٹی کا رشتہ مانگا ہے انہوں نے انکار کر دیا ہے۔

اَمَا وَاللهِ لَاُعِيْدَنَّ زَمْزَمَ وَلَا اَدَعُ لَكُمْ مَكْرُمَةً

اللہ کی قسم! اگر انہوں نے مجھے رشتہ نہ دیا تو میں ان سے زمزم کی ذمہ داری واپس لے لوں گا اور انہیں تمام اعزازات سے محروم کر دوں گا۔

وَلَاُقِيْمَنَّ عَلَيْهِ شَاهِدَيْنِ بِاَنَّهُ سَرَقَ وَلَاُقَطِّعَنَّ يَمِيْنَهُ

میں علی کے خلاف چوری کے جرم میں دو گواہ قائم کر کے اس کا ہاتھ کٹوا دوں گا۔

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ہاں آئے اور ان سے کہا ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا معاملہ میرے سپرد کر دو چنانچہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے نکاحِ ام کلثوم کا معاملہ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا۔ (فروع کافی $\frac{141}{2}$، فروع کافی $\frac{346}{5}$ باب النکاح تزویج ام کلثوم)

حضرات گرامی! سنا آپ نے کس طرح کہانی بنائی گئی۔۔۔ کیسے اپنے عقیدے کی نجاست کو بچانے کے لیے قرونِ اولیٰ کے لوگوں پر بہتان باندھے گئے۔۔۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کہہ رہے ہیں۔۔۔ واہ! میں علی پر چوری کا الزام لگا کر ان کا ہاتھ کٹوا دوں گا۔۔۔ پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ ڈر کر معاملہ اپنے چچا کے سپرد کر دیتے ہیں۔۔۔ کچھ اللہ کا خوف کھاؤ۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ جیسا بہادر، دلیر، شجاع اور نڈر انہیں ڈرا اور دھمکا کر اور جبر و اکراہ سے انہیں آمادہ کر لیا کہ وہ اپنی بیٹی ناپسندیدہ شخص کو بیاہ دیں۔۔۔ سبحان اللہ! محب ہوں تو ایسے اور دوست ہوں تو تم جیسے۔

وہ تو حیدر کرار تھے۔۔۔ بدر و احد کے غازی تھے۔۔۔ خندق کے ہیرو

تھے۔۔۔تم تو کہتے ہو کہ ان کی تلوار کی ضرب زمین اور پہاڑ بھی برداشت نہیں کر سکتے۔۔۔
سینکڑوں لوگ جس دروازے کو ہلا نہ سکتے تھے انہوں نے انگلی کے زور سے اسے اپنی جگہ سے اکھاڑا اور ہوا میں گھما دیا۔۔۔آسمانوں پر جا کر فرشتوں کے فیصلے کرواتے ہیں۔۔۔
پھر وہ اتنے بے بس، لاچار، کمزور اور مجبور کیسے ہو گئے کہ وہ اپنی بیٹی کی شادی اپنی مرضی سے کر سکیں۔۔۔؟ کوئی ان کی بیٹی جبراً ان سے چھین لے۔۔۔یہ میں نہیں کہہ رہا ہوں۔۔۔
میری مجال ہے کہ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ جیسے بہادر اور غیرت مند شخص کے بارے میں گستاخی پر مبنی یہ کلمہ کہوں۔

یہ تم نے لکھا اور فروع کافی میں لکھا۔۔۔کہ حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ (اہل تشیع کے چھٹے امام) سے پوچھا گیا کہ واقعی سیدہ ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہا کا نکاح سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا۔۔۔انہوں نے جواب میں کہا (یہ روایت حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب ہے اور جھوٹی منسوب ہے، ہم تصور بھی نہیں کر سکتے کہ حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ جیسا حیادار شخص اس طرح کا جملہ زبان سے ادا کرے)

اِنَّ ذَالِكَ اَوَّلُ فَرْجٍ غُصِبْنَاهُ (فروع کافی $\frac{141}{2}$)

یہ پہلی عزت ہے جو ہم سے چھین لی گئی؟

اخلاق سے اتنے گرے ہوئے لفظ۔۔۔یہ ثابت کرنے کے لیے استعمال کیے گئے کہ سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی رضامندی سے نہیں ہوا بلکہ جبر و اکراہ سے ہوا۔

یہ سب کچھ انہوں نے کیوں کہا۔۔۔؟ صرف اس لیے کہ ہمارے مذہب کی عمارت دھڑام سے زمین پر آ رہے گی اور ہماری تگ و دو کا بھانڈا پھوٹ جائے گا۔۔۔اگر ہم نے تسلیم کر لیا کہ یہ نکاح سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی مرضی، خوشی اور منشا کے مطابق ہوا تھا۔۔۔لوگ کہیں گے آج تک تو تم ہمیں یہ کہتے رہے ہو کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ خلافت کا غاصب ہے۔۔۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا پر عدالت میں تشدد کیا۔۔سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے گھر کے دروازے کو آگ لگادی۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو باغِ فدک سے محروم کرنے میں کلیدی کردار ادا کیا۔۔۔ہمیں آج تک یہ سنایا اور یہ کہا سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے جنم لینے والی ام کلثوم رضی اللہ عنہا حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کی ہمشیرہ کا نکاح اسی عمر رضی اللہ عنہ سے کردیا۔

اتنی حقیقت تو ثابت ہوگئی اور باحوالہ ثابت ہوگئی کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنی لخت جگر ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے کیا۔

ہم اہل سنت کہتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ جیسے بہادر اور غیرت مند شخص نے اپنی خوشی ورضا اور مرضی ومنشا سے یہ رشتہ کیا تھا۔

اور تم کہتے ہو (جبکہ تم حب علی کے بہت نعرے لگاتے ہو) کہ سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوا تھا مگر (مشکل کشا اور حاجت روا بقول تمہارے) بہادر اور دلیر علی رضی اللہ عنہ بے بس ہو گئے تھے۔۔۔عاجز ولاچار ہو گئے تھے۔۔۔اور مجبور ہو کر انہوں نے یہ رشتہ کیا تھا۔(نعوذ باللہ من ھذہ الخرافات)

آیئے! شیعہ مذہب کی معتبر کتاب کافی سے ایک روایت آپ کو سناتا ہوں۔۔۔جسے سن کر آپ خود فیصلہ کریں گے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا یہ رشتہ کرنا کس بنیاد پر تھا۔کافی اس روایت کو حضرت محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے اسی باب تزویج ام اکلثوم میں لایا ہے۔

علی بن اسباط نے محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ کو خط لکھا کہ میری بیٹیوں کے لیے میرا ہم رتبہ کوئی شخص نہیں ملتا تو میں کیا کروں؟ انہوں نے فرمایا اگر تمہیں ہم مرتبہ داماد نہیں ملتا تو اس کا انتظار مت کرو کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اِذَا جَاءَكُمْ مَنْ تَرْضَوْنَ خُلُقَهٗ وَدِيْنَهٗ فَزَوِّجُوْهُ

جب تمہارے ہاں ایسا شخص رشتے کا طالب بن کر آ جائے جس کے اخلاق اور دین داری کو تم پسند کرتے ہو تو اسے رشتہ دے دو۔

اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ (فروع کافی $\frac{141}{2}$)

اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو زمین میں فتنہ و فساد برپا ہو جائے گا۔

حضرت محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے اس فرمانِ رسول کو اس باب میں درج کرنے سے صاحب اصول کافی محمد بن یعقوب کلینی کا مقصد کیا ہے۔۔۔؟ مقصد اور مطلب ہر ذی عقل پر واضح ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اخلاق اور دینداری سے متاثر ہوئے اسی لیے اپنی بیٹی ان کے نکاح میں دی۔

دوسرا حیلہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا اپنی لخت جگر سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے نکاح میں دینا۔۔۔ایسی بات ہے کہ اہل تشیع کو جان چھڑانی مشکل ہوتی ہے اس لیے وہ مختلف قسم کی حیلہ سازیاں، بہانے، تاویلیں اور کٹ حجتیاں کرتے ہیں۔۔۔ ایک کٹ حجتی کا میں جواب دے چکا ہوں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے یہ نکاح مجبوراً کیا جس کے لیے ان پر جبر اور زبردستی کی گئی تھی۔

آیئے ایک اور حجت بازی سنیے پھر اس کا جواب بھی عرض کر دوں گا۔

کہا گیا کہ جس ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے ہوا وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی نہیں بلکہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھی۔

میں کہتا ہوں کسی بھی معتبر کتاب سے تم ثابت نہیں کر سکتے ہو کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آنے والی سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھیں۔۔۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد ان کی بیوی حبیبہ نے حبیب بن یسار کے ساتھ نکاح کیا تھا۔۔۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بیٹی سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا حبیب بن یسار کی ربیبہ تھیں۔

میرا چیلنج ہے تم اپنے ائمہ میں سے کسی امام کا قول پیش کر سکتے ہو کہ سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا

زوجۂ فاروق اعظم۔۔۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی لخت جگر نہیں تھیں بلکہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھیں۔

اور اگر میں ایک منٹ کے لیے تمہاری بات تسلیم کرلوں کہ سیدہ ام کلثوم سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی حقیقی بیٹی نہیں تھی بلکہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھیں اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی ربیبہ تھیں۔۔۔ تو بات پھر بھی وہیں کی وہیں رہتی ہے۔۔۔ اعتراض وہیں موجود ہے کہ اگر سیدنا علی رضی اللہ عنہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو مخلص مومن اور دیندار نہیں سمجھتے تھے تو انہوں نے اپنی کفالت اور تربیت میں پلنے والی سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے نکاح میں کیوں دی۔۔۔؟ قرآن کے حکم کی خلاف ورزی کیوں کی۔۔۔؟

یہ تو عدل وانصاف سے بہت بعید ہے کہ اپنی بیٹی منافقوں اور کفار کو بیاہ کر نہ دو اور اپنی کفالت وتربیت میں رہنے والی یتیم بچی پر ظلم کرتے ہوئے اسے کفار سے بیاہ دو۔

تم جتنے حیلے اور حجت بازیاں کرلو تمہیں ہر حال میں ماننا پڑے گا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے نکاح میں دینا۔۔۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ایمان، اخلاص اور خوبیوں اور کمالات پر واضح شہادت اور گواہی ہے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر اصحابِ رسول کے ساتھ عداوت میں تم نے کیا کیا گل کھلائے۔۔۔؟ کہاں کہاں تم نے وار کیے۔۔۔؟ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو ذوالنورین نہ ماننا پڑے۔۔۔ تم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹیوں سیدہ رقیہ اور سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہما کے بارے میں کہا کہ یہ آپ کی بیٹیاں نہیں تھیں۔۔۔ صحابہ دشمنی میں اندھے ہوکر تم نے ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر طعن وتعریض کے نشتر چلائے اور بغض فاروق اعظم میں اندھے ہوکر تم نے سیدنا علی اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہما کی بیٹی کو ان کی بیٹی ماننے سے انکار کردیا۔

تیسرا حیلہ

نکاحِ ام کلثوم کے جال سے نکلنے کے لیے ایک مضحکہ خیز بات کہی گئی کہ جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے دھمکیاں دیں تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنے چچا سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کو

نجران میں ایک یہودیہ جنیہ کے ہاں بھیجا اور اسے حکم دیا کہ وہ میری بیٹی ام کلثوم کی شکل اختیار کر لے۔

چنانچہ اس جنی نے ایسا ہی کیا۔۔۔ادھر اصل ام کلثوم رضی اللہ عنہا لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو گئیں۔۔۔اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس جنی کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیا۔۔۔وہ ان کی وفات تک ان کے پاس رہی پھر واپس نجران پلٹ گئی۔ (انوار نعمانیہ 27)

سبحان اللہ! حقائق سے منہ موڑنا کوئی تم سے سیکھے۔۔۔سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنی کرامت سے ایک جنی کو ام کلثوم کی شکل میں بدل دیا اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے گھر بھیج دیا۔

تمہارے اس مفروضے کو ہم تمہاری معتبر کتاب تہذیب الاحکام کی ایک روایت سے منہدم کر دیتے ہیں، سنو اور غور کرو! محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

مَاتَتْ اُمُّ کُلْثُوْمٍ بِنْتِ عَلِيٍّ وَابْنُهَا زَيْدُبْنُ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فِيْ سَاعَةٍ وَّاحِدَةٍ...صَلّٰى عَلَيْهِمَا جَمِيْعًا (تہذیب الاحکام 380، کتاب المیراث)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیٹی ام کلثوم رضی اللہ عنہا اور ان کے بیٹے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے فرزند زید دونوں کا انتقال ایک ہی وقت میں ہوا اور دونوں پر نمازِ جنازہ اکٹھی پڑھی گئی۔

کیوں جی۔۔۔! سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا بیٹا کس ام کلثوم کے بطن سے تھا۔۔۔بغض عمر میں اتنا آگے نہ جاؤ کہ خاندانِ علی بھی تمہارے نشتر سے نہ بچے۔

تمہاری حجت بازی کے جواب میں ایسا حوالہ پیش کر دیتا ہوں کہ ایک رائی کے برابر بھی انابت ہوئی تو ان شاء اللہ شفا ضرور ہو گی۔ اور حوالہ بھی کسی عام کتاب سے نہیں۔۔۔سب سے معتبر کتاب کافی سے اور فرمان بھی کسی معمولی شخصیت کا نہیں تمہارے چھٹے امام حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کا۔۔۔غور سے سنو اور ضد و عناد کو ایک طرف رکھ کر سنو۔

حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ سے کسی شخص نے پوچھا جس عورت کا خاوند فوت

ہو جائے تو کیا وہ اپنے شوہر کے گھر عدت کے ایام گزارے یا جہاں چاہے عدت کے ایام گزارے؟

حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

اِنَّ عَلِیًّا لَمَّا تُوُفِّیَ عُمَرُ اَتٰی اُمِّ کُلْثُوْمَ فَانْطَلَقَ بِهَا اِلٰی بَیْتِهٖ

(فروع کافی 311/2)

جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور اسے اپنے ساتھ گھر لے گئے۔

اگر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنی کی شادی ہوئی تھی۔۔۔ تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اس جنی کو اپنے گھر لائے تھے۔۔۔؟ کچھ اللہ سے ڈرو اور خوف کھاؤ۔۔۔ ایسے ایسے حیلے اور حجت بازی کر کے سیدنا علی رضی اللہ عنہ ان کی لخت جگر ام کلثوم رضی اللہ عنہا اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور نہ معلوم کن کن لوگوں کی گستاخی کے مرتکب ہو رہے ہو۔

اس حجت بازی کا ایک اور جواب دینا چاہتا ہوں۔۔۔ اسے بھی غور سے سماعت فرمائیے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے شاہِ روم کی طرف ایک قاصد بھیجا۔۔ امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا نے دو دینار کا عطر لے کر دو شیشیوں میں بھر کر شاہِ روم کی اہلیہ کے لیے بطور تحفہ بھیجا۔

شاہِ روم کی بیوی نے دونوں شیشیاں جواہرات اور موتیوں سے بھر کر واپس کر دیں۔۔۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ گھر میں داخل ہوئے تو ام کلثوم رضی اللہ عنہا جواہرات کو جھولی میں لیے بیٹھی تھیں۔۔۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

مِنْ اَیْنَ لَکِ

یہ موتی تمہارے ہاں کہاں سے آئے ہیں؟

ام کلثوم رضی اللہ عنہا نے ساری بات کہہ سنائی کہ میں نے دو دینار کی خوشبو بطور تحفہ بھیجی تھی۔۔۔شاہِ روم کی اہلیہ نے یہ میرے لیے تحفہ بھیجا ہے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جواہرات اپنی بیوی سے لے لیے اور فرمایا۔۔۔ هٰذَا لِلْمُسْلِمِيْنَ۔۔۔ یہ تو مسلمانوں کا حق ہے۔۔۔ام کلثوم رضی اللہ عنہا نے کہا:

كَيْفَ وَهُوَ عِوَضُ هَدِيَّتِيْ۔۔۔ یہ کیسے؟ یہ تو میرے تحفے کے بدلے میں آئے ہیں۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ٹھیک ہے اس کا فیصلہ آپ کے والد گرامی سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کروا لیتے ہیں۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ آئے اور فیصلہ فرمایا: لَكِ مِنْهُ بِقِيْمَةِ دِيْنَارِكِ وَالْبَاقِيْ لِلْمُسْلِمِيْنَ (شرح نہج البلاغت ابن ابی الحدید $\frac{575}{4}$)

ان میں سے اپنے دو دینار کے برابر موتی رکھ سکتی ہو باقی مسلمانوں کا حق ہے۔

اس واقعہ سے ایک بات تو یہ واضح ہوگئی کہ سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا سیدنا علی رضی اللہ عنہ ہی کی لخت جگر تھیں جو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ تھیں۔۔۔اور دوسری بات یہ واضح ہوگئی کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے یہ رشتہ رضامندی اور خوشی سے فرمایا تھا وہ ناراض نہیں تھے بلکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے گھر اپنی بیٹی کو ملنے تشریف لایا کرتے تھے۔۔۔اور خانگی معاملات میں شریک رہتے تھے۔

سامعین گرامی قدر! بات ذرا طویل ہوگئی ہے۔۔۔میں نے دلائل سے ثابت کیا ہے۔۔۔ضد کا علاج کوئی نہیں۔۔۔تھوڑی سی انابت بھی اگر موجود ہے تو میرے دلائل پر ٹھنڈے دل سے اور وسیع النظرفی سے غور کرو۔۔۔تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آجائے گی کہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے مابین تعلقات مخاصمانہ نہیں تھے وہ ایک دوسرے کے ساتھ عناد نہیں رکھتے۔۔۔وہ ایک دوسرے کے دشمن نہیں تھے۔۔۔

بلکہ ان کے مابین برادرانہ تعلقات تھے۔۔۔ دوستانہ مراسم تھے۔۔۔ ایک دوسرے کے ساتھ رشتے ناطے تھے۔۔۔ پیار تھا۔۔۔ محبت تھی۔۔۔ عقیدت تھی۔۔۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹوں کے نام اور پوتوں کے نام سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے محبت وعقیدت کا اظہار کرتے ہوئے عمر رکھا ہے۔

خانوادہ علی کے نام معمولی عقل رکھنے والا شخص بھی سمجھ سکتا ہے کہ آدمی اپنے بچوں کے لیے بہترین اور خوبصورت نام تجویز کرتا ہے۔۔۔ جتنا بھی کوئی شخص گیا گزرا کیوں نہ ہو۔۔۔ وہ اپنے بچوں کے نام کسی کافر کے نام پر نہیں رکھتا۔۔۔ دین کے کسی باغی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی دشمن کا نام رکھنے کے لیے وہ ہرگز تیار نہیں ہوتا۔۔۔ کوئی اپنے بچے کا نام فرعون، ہامان اور ابوجہل رکھنے کے لیے آمادہ ہوگا۔۔۔؟ ہرگز نہیں۔۔۔ ہر شخص اپنے بچوں کے نام اپنے پیاروں کے نام کی مناسبت سے رکھتا ہے۔

آیئے! میں آپ کو سناتا ہوں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بیٹوں اور پوتوں کے نام کیا تھے۔۔۔؟ ذرا ان ناموں پر ایک نگاہ توڈالیے۔۔۔ آپ پر واضح جائے گا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے کتنی عقیدت اور محبت تھی۔۔۔ اور ان کے دل میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی کتنی قدرومنزلت اور مقام تھا۔

شیعہ مذہب کی معتبر ترین کتاب کشف الغمہ جلد 1 صفحہ 590 میں ہے اور اسے شیعہ مجتہد ملا باقر مجلسی نے جلاء العیون صفحہ 464 میں نقل کیا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ایک بیٹے کا نام عمر ہے۔۔۔ اسی طرح سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے ایک بیٹے کا نام بھی عمر تجویز ہوا۔ (کشف الغمہ $\frac{158}{2}$)

اور لطف کی بات یہ ہے کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا یہ بیٹا عمر کربلا میں اپنے چچا سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ شریک بھی تھا اور اس نے وہاں جامِ شہادت بھی نوش فرمایا۔

(جلاء العیون)

کبھی جرأت کرو۔۔۔ اور لوگوں کو کربلا کے شہیدوں کے نام بتاؤ۔۔۔ کربلا کی نسبت سے کن کن کا نام لیتے ہو۔۔۔ اور عقیدت سے لیتے ہو۔۔۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بیٹوں اور پوتوں کا نام کیوں نہیں لیتے ہو۔۔۔؟ اس لیے کہ ان کا نام لیا تو مذہب کی بنیادیں لرز اٹھیں گی۔۔۔ لوگ پوچھیں گے تم تو کہتے ہو کہ ان کے مابین دشمنی تھی۔۔۔ عداوت تھی۔۔۔ انہوں نے خاندانِ علی پر ظلم کے پہاڑ توڑے تھے۔۔۔ گھر جلائے تھے۔۔۔ گلے میں رسیاں ڈالی تھیں۔۔۔ پھر ان کے نام پر اپنے بیٹوں کے نام اور پوتوں کے نام کیوں رکھے۔۔۔؟

اور سنو۔۔۔! چوتھے امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے ایک بیٹے کا نام عمر رکھا۔ (اصول کافی 225، کتاب الحج)

حضرت موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک بیٹے کا نام سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے نام کی مناسب سے عمر تجویز کیا۔ (کشف الغمہ)

سامعین محترم! اگر دل کی آنکھ کھلی ہے اور آنکھوں پر ضد و عناد اور تعصب کی پٹی نہیں بندی ہوئی۔۔۔ اور رائی کے دانے کے برابر انابت اور رجوع کا مادہ موجود ہے اس پر یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہو گئی ہو گی۔۔۔ کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ باہم شیر و شکر تھے۔۔۔ وہ ایک دوسرے پر صدقِ دل سے فدا تھے۔۔۔ ان کے مابین بے انتہا محبت تھی۔۔۔ لازوال دوستی تھی۔۔۔ بے مثال تعلقات تھے۔۔۔ رشتے داریاں تھیں۔۔۔ ان کے درمیان کسی قسم کی مذہبی یا سیاسی یا خاندانی مخاصمت اور مخالفت نہیں تھی بلکہ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ کے مصداق۔۔۔ وہ آپس میں بھائی بھائی اور دوست اور رحم دل تھے۔
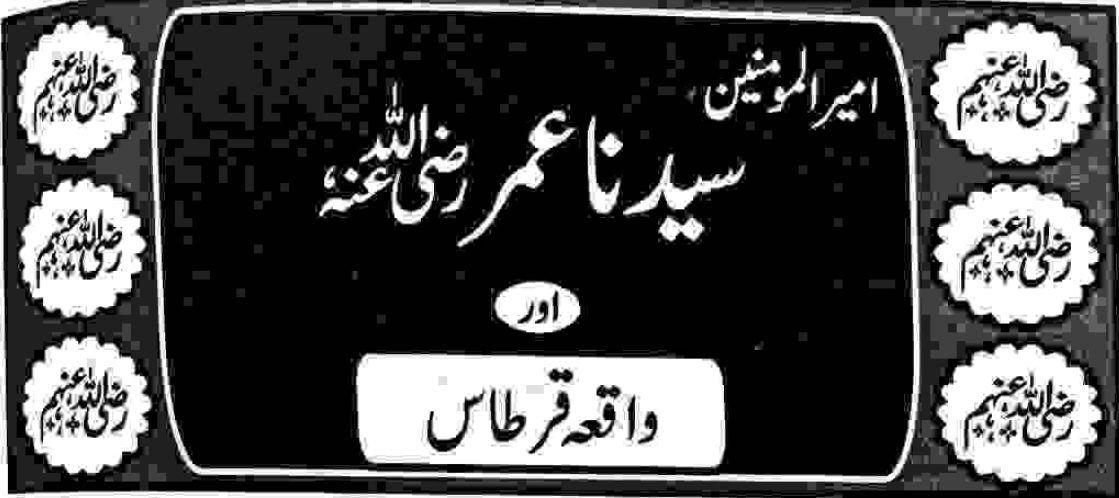
وما علینا الا البلاغ المبین

نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِیْمِ الْاَمِیْنِ
وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سامعین گرامی قدر! گزشتہ خطبات میں۔۔۔ میں بڑی تفصیل سے سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے فضائل ومناقب اور ان کے مقام ومرتبہ کے متعلق گفتگو کر چکا ہوں۔۔۔ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور ان کے فرزندوں کا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں کیا خیال ہے اسے بھی تفصیل سے بیان کر دیا گیا ہے۔

آج کے خطبے میں۔۔۔ میں کوشش کروں گا کہ ان اعتراضات اور مطاعن کا جواب دوں جو اعتراض اور مطاعن چند کلمہ گو۔۔۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ پر کرتے ہیں۔

تعجب ہے کہ آج کا کلمہ گو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ پر طعنہ زنی کرتا ہے۔۔۔ ان کی غلطیاں گنواتا ہے۔۔۔ ان کی شخصیت کو داغ دار کرنے کے لیے ان پر اعتراضات کرتا ہے۔

طعنہ زنی اور اعتراض اس شخصیت پر کر رہا ہے کہ بارہا جس کی رائے وحی الٰہی اور منشا الٰہی کے موافق ہوگئی۔۔۔ جسے رب نے حق وباطل میں فیصلہ کرنے والا۔۔۔ فرق

کرنے والا قرار دیا۔۔۔اور اسے فاروق کے لقب سے نوازا۔

آج لایعنی اعتراض، بے حقیقت عیب اس شخصیت میں تلاش کر کے اچھالنے کو کارِثواب سمجھا جاتا ہے جس شخصیت کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے شرفِ دامادی بخشا۔۔۔ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔۔۔ان کے مشیر رہے۔۔۔۔۔۔اور اپنے مبارک ہاتھوں سے انہیں روضۂ رسول میں قیامت تک کے لیے سلا دیا۔

لایعنی باتیں، بے سروپا واقعات اور بے حقیقت اعتراضات۔۔۔اس سے کون محفوظ ہے۔۔۔؟ لوگوں نے اللہ رب العزت کی ذات تک کو نہ چھوڑا۔۔۔لوگوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسے معصوم اور محسن پر بھی اعتراضات کیے۔۔۔کبھی کہا یہ جادوگر ہے۔۔۔کبھی کہا شاعر ہے۔۔۔کبھی کہا مجنون ہے۔۔۔کبھی کہا کذّاب ہے۔۔۔کبھی کہا قرآن اللہ کی کتاب نہیں یہ سب اساطیر الاولین ہیں۔۔۔یہ نبی فلاں رومی لوہار سے پڑھ کر آتا ہے۔۔۔ایک شاعر نے کہا:

قِيْلَ اِنَّ الْاِلٰهَ ذُوْ وَلَدٍ

قِيْلَ اِنَّ الرَّسُوْلَ قَدْ كَهَنَا

کہنے کو تو یہ بھی کہا گیا کہ اللہ صاحب اولاد ہے اور یہ بھی کہا گیا کہ اللہ کا رسول کاہن ہے۔

کسی کی زبان کون روک سکتا ہے؟

مَا نَجَا اللهُ وَالرَّسُوْلُ مَعًا

مِنْ لِّسَانِ الْوَرٰى فَكَيْفَ اَنَا

جب لوگوں کی زبان سے اللہ اور اس کا رسول بھی محفوظ نہیں تو میں کیا چیز ہوں۔

لطف کی بات یہ ہے۔۔۔بلکہ تعجب کی بات ہے کہ غیر مسلم راہنما اور لیڈر اور فلاسفر تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خوبیوں کا اعتراف کرتے ہیں اور مسلمان ہونے کے دعویدارے

اس عبقری شخصیت میں عیب اور نقائص تلاش کر کے ان پر تبرا بازی کرتے ہیں۔

ہندو لیڈر گاندھی نے اپنی جماعت کانگریس کے لیڈروں اور اراکین کو سادگی کا درس دیتے ہوئے کہا:

سادگی کی زندگی پر کچھ کانگریسی حضرات کی اجارہ داری نہیں۔۔۔ میں اس موقع پر رام اور کرشن کا نام (بطور تقلید) نہیں لوں گا کیونکہ یہ دونوں تاریخی شخصیتیں نہیں تھیں میں ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما ہی کا نام لینے پر مجبور ہوں، یہ حضرات اگرچہ وسیع مملکت کے حکمران تھے مگر ان کی زندگی غریبانہ تھی۔

گاندھی نے یقینا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی زندگی کا مطالعہ کیا ہو گا جس سے وہ متاثر ہوئے۔۔۔ انہوں نے تاریخ وسیرت کی کتب میں پڑھا ہو گا کہ ایران اور روم کا فاتح مدینہ سے باہر کھلی فضا میں اینٹ کا سرہانہ سر کے نیچے رکھ کر گہری نیند سو جاتا ہے۔

گاندھی نے یقینا سنا ہو گا کہ آدھی دنیا کا فرمانروا رات کو عوام کی خبر گیری کے لیے مدینہ سے دور نکل گیا۔۔۔ ایک جھونپڑی میں دیکھا کہ ایک عورت کچھ پکا رہی ہے اور بچے اس کے قریب رو رہے ہیں۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عورت سے پوچھا۔۔۔ بچے کیوں رو رہے ہیں۔۔۔؟ عورت نے جواب دیا ہمارے گھر میں کئی دن سے فاقہ ہے، انہیں بہلانے کے لیے جھوٹ موٹ کی ہنڈیا آگ پر رکھی ہے۔

امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے سنا تو آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔۔۔ بیت المال پہنچے۔۔۔ کھانے پینے کا سامان اپنے کندھے پر اٹھایا۔۔۔ اسلم نامی غلام نے آگے بڑھ کر عرض کی:

امیر المومنین! بوجھ اٹھانے کے لیے غلام حاضر ہے۔۔۔ جواب میں کہا کیا کل قیامت کے دن بھی میرا بوجھ اٹھاؤ گے۔۔۔؟ سامان لے کر غریب عورت کے ہاں پہنچے۔۔۔ فرمایا میرے سامنے کھانا تیار کر کے انہیں کھلا۔۔۔ میں بچوں کو روتا ہوا دیکھ چکا

ہوں اب انہیں ہنستا ہوا بھی دیکھنا چاہتا ہوں۔

اسی طرح ایک دن گشت پر نکلے۔۔۔ایک پریشان حال جوان ملا۔۔۔ پوچھا کون ہو اور کیوں پریشان ہو۔۔۔؟ کہنے لگا مسافر ہوں، بیوی دردِ زہ میں مبتلا ہے۔۔۔ خیمے کے اندر ہے مگر تیمارداری کرنے والی عورت کوئی نہیں۔

امیر المومنین رضی اللہ عنہ گھر آئے، خاتونِ اول کو اٹھایا۔۔۔اور اپنے ساتھ لے جا کر خیمہ میں پہنچایا۔۔۔خاتونِ اول نے دایہ کے فرائض ادا کیے۔۔۔تھوڑی دیر کے بعد اندر سے آواز آئی:

امیر المومنین اپنے ساتھی کو خوشخبری دیجیے اللہ نے اسے بیٹے کی نعمت سے نوازا ہے۔۔۔امیر المومنین رضی اللہ عنہ کا نام سن کر وہ نوجوان تڑپ گیا۔۔۔اور حیران ہو گیا کہ آدھی دنیا کا حکمران اتنا سادہ بھی ہو سکتا ہے۔

ایک دفعہ بیت المال کا ایک اونٹ گم ہو گیا۔۔۔امیر المومنین اس کی تلاش میں خود اِدھر اُدھر پھرنے لگے۔۔۔ اسی دوران ایک قبیلہ کا سردار ملاقات کی غرض سے حاضر ہوا۔۔۔اور پوچھا آپ کہاں تھے۔۔۔؟ فرمایا بیت المال کا اونٹ گم ہو گیا تھا اسی کی تلاش میں پریشان ہوں۔

سردار کہنے لگا۔۔۔امیر المومنین کسی غلام کو حکم دے دیتے وہ اونٹ کی تلاش میں جاتا۔۔۔فرمایا: عمر سے بڑھ کر دنیا میں کوئی غلام نہیں ہے۔

گاندھی کو یقیناً یہ بھی معلوم ہو گا کہ بیت المقدس کی فتح کے بعد جب بیت المقدس کی چابیاں لینے کے لیے وہاں تشریف لے گئے تو فاتح کی حیثیت یہ تھی کہ لباس پیوند زدہ تھا۔۔۔ہاتھ میں صرف ایک دڑہ تھا۔۔۔زبان پر قرآن کی تلاوت تھی۔۔۔خود پیدل چل رہے تھے۔۔۔اور غلام اونٹ پر سوار تھا۔

عیسائی علماء اور سرداروں نے کہا مسلمانوں کا وہ حکمران جس کے رعب سے

بڑے بڑے شہ زور کانپ اٹھتے ہیں۔۔۔جس کے دبدبہ سے کفر و باطل کے قلعے مسمار ہو جاتے ہیں۔۔۔جس کی تلوار نے قیصر و کسریٰ کا غرور خاک میں ملا دیا ہے۔۔۔جس کا نام سن کر فرش زمین لرز اٹھتا ہے۔۔۔اس کی اپنی بھی امیرانہ چال ہوگی۔۔۔شاہانہ ٹھاٹ باٹھ ہوگا۔۔۔زرق برق لباس ہوگا۔۔۔موتیوں سے جڑی ہوئی چادریں ہوں گی۔۔۔ہاتھیوں اور گھوڑوں کا جلوس ہوگا۔۔۔اور بڑی شان و شوکت سے فاتح بن کر آئے گا۔

مگر امیر المومنین رضی اللہ عنہ تشریف لائے۔۔۔۔کُرتے پر اَن گنت پیوند لگے ہوئے۔۔۔عاجزی اور تواضع سے گردن جھکی ہوئی ہے۔۔۔سادگی اور انکساری کی انتہا کہ غلام اونٹ پر سوار ہے اور امیر المومنین پیدل آرہا ہے۔۔۔لوگوں نے خوبصورت لباس دیا تھوڑی دیر پہنا پھر یہ کہتے ہوئے اتار دیا کہ ہماری عزت و عظمت اور کامیابی زرق برق اور قیمتی ملبوسات کی بنا پر نہیں بلکہ اسلام اور دین کی بنا پر ہے۔

پروفیسر شستری نے کیا کہا؟

کہتے ہیں کہ عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد کی لائبریری میں علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کی مایہ ناز تصنیف الفاروق رکھی گئی۔۔۔ایک مخصوص فرقہ کے طلبہ کا ایک وفد پروفیسر کے ہاں گیا اور سخت ناراضی کا اظہار کرتے ہوئے مطالبہ کیا کہ الفاروق نامی کتاب کو لائبریری سے نکال دیا جائے۔۔۔۔پروفیسر شستری نے کہا:

میں تمہارے مطالبے پر الفاروق نامی کتاب کو لائبریری سے نکال دیتا ہوں مگر یہ تو بتاؤ اگر اسلامی تاریخ سے عمر کو نکال دو تو اسلام اور اسلامی تاریخ کے پلّے رہ کیا جاتا ہے؟

سر ولیم میور جیسا متعصب عیسائی بھی سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی مدح سرائی کرنے پر مجبور ہو گیا۔۔۔ وہ مشہور زمانہ تصنیف میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں کیا لکھتا ہے۔۔۔؟ ذرا سنیے:

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ انتقال کے وقت اتنی بڑی سلطنت کے شہنشاہ اور خلیفہ تھے جس میں شام، مصر اور فارس کے ملک شامل تھے، تاہم ایسے تعجب خیز دولت اور اقبال کے زمانہ میں ان

کی قوتِ فیصلہ میں ہمیشہ دانائی اور سنجیدگی پائی جاتی تھی، انہوں نے اپنے گزارہ میں معمولی سردارانِ عرب کے قناعت آمیز طریقہ سے کبھی تجاوز نہیں کیا۔ اگر کوئی اجنبی دور کے ملک سے آتا تو بڑی مسجد کے صحن کے چاروں طرف دیکھ کر سوال کرتا کہ خلیفہ کہاں ہے، حالانکہ وہ شہنشاہ اپنے معمولی لباس میں اس کے سامنے بیٹھا ہوتا تھا۔ سادہ مزاجی اور ادائے فرض ان کے اصول تھے، بڑی ذمہ داری کے عہدہ کے فرائض ادا کرنے میں بے رعایتی اور پرہیز گاری مشہور اور ضرب المثل تھی۔ آپ امورِ خلافت کے انصرام میں ایسے خوف سے کام کرتے کہ اکثر اوقات پکار اٹھتے کہ کاش! میری ماں مجھے نہ جنتی، یا میں گھاس کا پودا ہوتا۔

جوانی میں آپ اکھڑ اور تند مزاج وصاحب انتقام مشہور تھے اور ہمیشہ اپنی تلوار کو نیام سے باہر نکالنے کو تیار رہتے۔ بدر کی لڑائی میں آپ ہی نے صلاح دی تھی کہ تمام قیدیوں کو قتل کر دیا جائے، مگر عمر رسیدگی، اور تجربہ کاری نے آپ کی فطرت کو نرم کر دیا تھا۔ آپ کے عدل وانصاف کی قوت نہایت مضبوط تھی۔ حُکام اور عُمّال کے تقرر میں آپ کا انتخاب طرفداری سے بالکل بری ہوتا تھا۔ ہاتھ میں چابک لے کر آپ گلیوں اور کوچوں میں گشت کیا کرتے تھے تاکہ ملزموں کو موقع پر سزا دیں۔ یہ ایک کہاوت بن گئی تھی کہ عمر کا چابک دوسروں کی تلوار سے زیادہ خوفناک ہے، مگر باوجود ان سب باتوں کے آپ کا دل نہایت نرم تھا، اور آپ کے رحم کی بے شمار مثالیں بیان کی جاتی ہیں جن میں آپ نے بیواؤں اور یتیموں کی دستگیری کی۔ (کتاب سکسس آف محمد، مولفہ سر ولیم میور)

ایسا ہی ڈاکٹر موسولیبان پیرس کا مشہور فاضل اپنی مشہور کتاب سویلیزیشن آف دی عربس میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق یوں لکھتا ہے:

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بعوض اس کے کہ افواجِ اسلام کی بیش بہا غنیمتوں میں حصہ لیں، محض ایک عبا کے مالک تھے جس میں متعدد پیوند تھے اور آپ راتوں کو مساجد کی سیڑھیوں پر غرباء کے ساتھ سو رہا کرتے تھے۔ جس وقت غسان کا نصرانی بادشاہ جو مسلمان ہو گیا تھا سیدنا

عمر رضی اللہ عنہ سے ملنے کے لیئے آیا، تو حسن اتفاق سے ایک عرب نے نادانستہ اسے دھکا دیا۔ اس پر بادشاہ نے خفا ہو کر اسے مارا، عرب کے نالش پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ دیا کہ وہ عرب بادشاہ کو مارے، اس پر بادشاہ نے کہا اے امیر المومنین! یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک عامی بادشاہ کو ہاتھ لگائے؟ خلیفہ نے جواب دیا کہ اسلام کا قانون یہی ہے۔ اسلام میں درجہ کی عزت ہے نہ دولت کی۔ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظروں میں سب مسلمان برابر تھے اور ان کے خلفاء کی نظروں میں بھی یہی مساوات قائم رہے گی۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ہی کا زمانہ تھا جس میں اسلام کی بڑی ملک گیریاں شروع ہوئیں۔ آپ جس قدر عمدہ منتظم تھے اسی قدر عمدہ سپہ سالار بھی۔ اور آپ کا انصاف ضرب المثل ہے، جس وقت آپ خلیفہ مقرر ہوئے تو یہ تقریر کی:

اے سامعین غور سے سنو! میری نظروں میں تم میں سے ضعیف سے ضعیف شخص سب سے قوی ہے بشرطیکہ وہ حق پر ہو اور تم میں سے قوی سے قوی شخص اضعف الناس ہے بشرطیکہ وہ ناحق پر ہو۔

فی الحقیقت مسلمانوں کی سلطنت کی ابتداء سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے ہوئی اور جس وقت عربوں کے غلبہ سے شہنشاہ ہرقل شام سے بھاگ کر قسطنطنیہ جا چھپا تو اس کو معلوم ہوا کہ اب حکومت دوسروں کے ہاتھ چلی گئی۔

سامعین گرامی قدر! غیر مسلم مصنفین اور مؤرخین کی یہ گواہیاں اور شہادتیں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زہد و تقویٰ، خشیت الٰہی، حق پسندی، غریب پروری، عدل و انصاف پرستی کو ثابت کر رہی ہیں۔۔۔ غیر مسلم سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اوصاف کے قائل اور ان کی صفات کو ماننے پر مجبور ہیں۔۔۔ غیر مسلم ان کی خوبیوں کے معترف ہیں۔۔۔ اور کلمہ گو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ پر زبانِ طعن دراز کرنے کو کارِ ثواب سمجھتے ہیں۔۔۔ ان پر اعتراضات کرتے اور مطاعن سے ان کے دامن کو داغ دار کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔

واقعہ قرطاس ان کے مطاعن میں سے سب سے بڑا نشتر، تیر اور طعنہ واقعہ قرطاس ہے جسے مبالغہ آمیزی سے بیان کر کے اور ملمع سازی کر کے سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دامن کو داغ دار کرنے کی مذموم سعی کی جاتی ہے۔

سب سے پہلے بخاری کی وہ روایت سنیئے جس میں اس واقعہ کو بیان کیا گیا ہے۔

سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جمعرات کے دن (انتقال سے چار دن پہلے) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تکلیف کی شدت تھی آپ نے فرمایا میرے پاس لکھنے کا سامان لاؤ میں تمہیں ایسی تحریر لکھ دوں کہ اس کے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہوؤ گے۔۔۔فَتَنَازَعُوا۔۔۔ وہاں پر موجود لوگ آپس میں جھگڑنے لگے اور کہنے لگے۔۔۔اَهَجَرَ اِسْتَفْهِمُوْهُ۔۔۔کیا آپ دنیا سے ہجرت فرمانے کو ہیں، آپ سے دریافت کرلو پھر لوگوں نے آپ سے سوالات شروع کیے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مجھے چھوڑ دو میں جس خیال میں اور جس حالت میں ہوں وہ اس سے بہتر ہے جس کی طرف تم مجھے بلا رہے ہو۔۔۔پھر آپ نے تین وصیتیں کیں۔۔۔ایک یہ کہ مشرکین کو جزیرۃ العرب سے نکال دو۔۔۔دوسری یہ کہ آنے والے وفد کو اسی طرح انعام دینا جس طرح میں انعام دیا کرتا تھا۔۔۔اور تیسری وصیت مجھے یاد نہ رہی۔ (بخاری $\frac{638}{2}$)

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس روایت میں فَتَنَازَعُوا۔۔۔ہے کہ مجلس نبوی میں بیٹھنے والے افراد کے مابین نزاع اور جھگڑا ہوا مگر اس نزاع کی تفصیل موجود نہیں ہے۔۔۔ ایک دوسری روایت میں جو سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ لائے ہیں اس میں اس تنازعہ کی قدرے تفصیل موجود ہے۔

کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سامانِ کتابت لانے کا کہا کہ تمہیں ایسی تحریر لکھ دوں جس کے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہوؤ گے۔

فَقَالَ عُمَرُ اِنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَدْ غَلَبَ عَلَیْهِ الْوَجْعُ وَعِنْدَکُمُ الْقُرْاٰنُ

حَسْبُنَا كِتَابُ اللهِ

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درد اور بیماری کا غلبہ ہے اور تمہارے ہاں قرآن موجود ہے اور ہمارے لیے اللہ کی کتاب (قرآن) کافی ہے۔

فَاخْتَلَفَ اَهْلُ الْبَيْتِ وَاخْتَصَمُوْا فَمِنْهُمْ مَنْ يَّقُوْلُ قَرِّبُوْا يَكْتُبُ لَكُمُ النَّبِيُّ ﷺ كِتَابًا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدَهُ

اہل بیت کے مابین اختلاف ہو گیا کچھ کا خیال تھا کہ سامانِ کتابت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لے آؤ تا کہ آپ وہ کچھ لکھ دیں جس کے بعد تم کبھی گمراہ نہیں ہو گے۔

وَمِنْهُمْ مَنْ يَّقُوْلُ مَا قَالَ عُمَرُ

اور ان میں سے کچھ نے وہی بات کہی جو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کہہ چکے تھے۔ (حَسْبُنَا كِتَابُ اللهِ)۔۔۔ جب شور وغل کی آواز بلند ہوئی اور اختلاف زیادہ ہوا تو آپ نے فرمایا:

قُوْمُوْا عَنِّيْ

میرے پاس سے چلے جاؤ۔

(ایک معنی قُوْمُوْا عَنِّيْ کا علماء نے کیا مجھے چھوڑ دو۔۔۔ اگر یہ معنی کریں تو بالکل وہی مفہوم ہوگا جو پہلی حدیث کے لفظ ذَرُوْنِيْ مجھے چھوڑ دو، کا مفہوم ہے)

دشمنانِ فاروق اعظم ان روایات کو پڑھ کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ پر زبانِ طعن دراز کرتے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی تعمیل نہیں کی جبکہ آپ کا قول بحکم قرآن وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى۔۔۔ سراسر وحی تھا۔۔۔۔۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وصیت میں رکاوٹ ڈال کر امت کا حق تلف کیا۔۔۔ وصیت تحریر ہو جاتی تو امت کی بھلائی ہوتی اور امت کبھی گمراہ نہ ہوتی۔

دشمنانِ صحابہ کا سب سے بڑا اعتراض اور اعتراض میں شدت اور غصہ اس بات پر ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت لکھوانا چاہتے تھے۔۔۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اس

بات کا علم تھا انہوں نے عمداً اس کی مخالفت کی۔

اس سے پہلے کہ میں اس واقعہ کی حقیقت آپ پر واضح کروں۔۔۔ یہ بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ اس روایت کے اصحاب رسول رضی اللہ عنہم میں سے صرف ایک راوی ہیں سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما۔۔۔۔ نہ اس روایت کو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے روایت کیا ہے۔۔۔ نہ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے۔۔۔۔ اور نہ سیدنا عقیل رضی اللہ عنہ نے۔۔۔۔ اور نہ ہی سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے۔۔۔ اور لطف کی بات یہ ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی عمر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال کے وقت صرف دس سال تھی۔۔۔ اور یہ حقیقت ہے کہ وفات اور مرض الموت کے وقت بڑی عمر کے لوگ قریب ہوتے ہیں اور چھوٹے بچوں کو ایسے مواقع پر قریب بیٹھنے کا موقع کم ملتا ہے۔

یہ تو روایت قرطاس پر درایتاً جرح ہوئی کہ دس گیارہ سال کا ایک بچہ اسے نقل کرتا ہے اور اتنے اہم واقعہ کو دوسرا کوئی صحابی روایت کیوں نہیں کرتا۔۔۔ اور اگر یہ روایت صحیح ہے تو پھر صرف سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ہی پر الزام کیوں۔۔۔؟

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا صرف سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے کہا تھا کہ تم سامانِ کتابت لاؤ بلکہ آپ نے اِیْتُوْنِیْ۔۔۔ فرمایا۔۔۔ یہ جمع کا صیغہ ہے۔۔۔ یہ حکم تمام حاضرین مجلس کے لیے تھا۔۔۔ اس کا مخاطب صرف سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو بنانا یا سمجھنا انہی لوگوں کا کام ہوسکتا ہے جنہیں علم سے کوئی تعلق نہ ہو اور عقل بھی ان کے پاس سے ہو کر نہ گزری ہو۔

اگر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کاغذ، قلم، دوات لانے میں مانع بن گئے تھے تو دوسرے لوگ حکم کی تعمیل کرتے۔۔۔ پھر معمولی سی توجہ کرنے سے یہ بات سمجھ آسکتی ہے کہ آپ کے گھر کے لوگ بھی تو وہاں موجود تھے۔۔۔ ان کے لیے لکھنے کا سامان لانے میں کونسی چیز مانع تھی۔۔۔ وہ سامانِ کتابت کیوں نہیں لائے۔۔۔؟ وہ سامانِ کتابت لاتے اور تحریر لکھوا لیتے۔

خود سیدنا علی رضی اللہ عنہ بقول تمہارے جن کی خلافت و امارت تحریر کرنے کے لیے یہ سامان منگوایا جارہا تھا۔۔۔ ان کے لیے لازم تھا کہ وہ حکم نبوی کی تعمیل کرتے اور کاغذ اور قلم لاتے اور تحریر لکھواتے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے جواب حَسْبُنَا كِتَابُ اللهِ۔۔۔۔۔ کے ساتھ وہاں موجود چند لوگوں نے اختلاف بھی کیا تھا اور ان کی رائے یہی تھی کہ حکم نبوی کی تعمیل کی جائے اور سامانِ کتابت لایا جائے وہ بھی تحریر لکھوانے کا سامان نہ لائے۔

پھر ایک اور بات غور طلب ہے کہ یہ واقعہ جمعرات کے دن کا ہے اس کے بعد چار دن تک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زندہ رہے اور اس دوران آپ نے مسجد میں جا کر نماز بھی ادا فرمائی اور ایک تفصیلی خطبہ بھی ارشاد فرمایا۔۔۔ مگر جمعرات کے بعد آپ نے پھر قلم، کاغذ طلب نہ فرمایا۔۔۔ اور نہ امت کو وہ بات بتلائی جس کا تعلق ہدایت سے تھا اور جس پر عمل پیرا ہو کر امت گمراہ ہونے سے بچ سکتی تھی۔ آپ کو قرآن کریم میں حکم دیا گیا ہے:

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ

(المائدہ 67)

اے رسول! پہنچا دے جو تجھ پر اترا تیرے رب کی طرف سے اور اگر ایسا نہ کیا تو تو نے کچھ نہ پہنچایا اس کا پیغام اور اللہ تجھ کو لوگوں سے بچا لے گا بیشک اللہ تعالیٰ راستہ نہیں دکھلاتا کافر قوم کو۔

پھر آپ نے اس حکم کی تعمیل کیوں نہیں فرمائی۔۔۔؟

لطف کی بات یہ ہے کہ ہفتہ کے دن ظہر کی نماز کے بعد جو خطبہ ارشاد فرمایا اس میں دور دور تک سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت، ولایت اور امامت کا کوئی تذکرہ موجود نہیں ہے۔۔۔ اگر آپ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی امامت و خلافت تحریر کروانا چاہتے تھے اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس کے

آڑے آگئے تھے تو مسجد نبوی میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ جیسے بہادر و شجاع کی موجودگی میں کونسی بات مانع تھی کہ آپ نے اس خطبہ میں خلافت علی کا اعلان نہیں فرمایا۔

آپ نے ہفتہ کے دن اپنی دنیوی زندگی کے آخری خطبہ میں خلیفۂ اول بلافصل سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے فضائل اور مناقب بیان فرمائے۔۔۔ اور اشارے کنائے میں ان کی خلافت کا ذکر فرمایا۔۔۔ کہ مسجد نبوی کی طرف جن گھروں کی کھڑکیاں کھلی ہوئی ہیں وہ سب کھڑکیاں بند کردی جائیں صرف ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر کی کھڑکی کھلی رہے۔

یہ ہفتہ کے دن کا واقعہ ہے اس کے بعد دو دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زندہ رہے اور مزے کی بات یہ ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ ہی آپ کے پاس موجود رہے۔

ملا باقر مجلسی نے حیات القلوب میں اور شیخ مفید نے الارشاد میں تحریر کیا:

حضرت امیر المومنین و فضل پسر عباس از ازیں مرض از حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جدانمی شدند دپیوستہ در خدمت آنحضرت بودند (حیات القلوب 983/2، الارشاد 99)

سیدنا علی اور سیدنا عباس کے بیٹے فضل رضی اللہ عنہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس بیماری کے دوران آپ سے الگ نہیں ہوئے اور ہمیشہ خدمت نبوی میں حاضر رہے۔

شیخ مفید نے ایک اور مقام پر تحریر کیا:

فَلَمَّا كَانَ مِنَ الْغَدِ حَجَبَ النَّاسُ عَنْهُ وَثَقُلَ فِي مَرَضِهِ كَانَ اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ لَا يُفَارِقُهُ اِلَّا بِضُرُوْرَةٍ (الارشاد 99، اعلام الوریٰ 142)

جب صبح ہوئی اور سب لوگ وہاں سے چلے گئے اور آپ کی بیماری شدید ہوگئی تو اس وقت امیر المومنین رضی اللہ عنہ ضرورت کے وقت کہیں جاتے نہیں تو متواتر آپ کے ہاں موجود رہے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے جواب حَسْبُنَا كِتَابُ اللهِ۔۔۔ پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی سو فیصد مطمئن تھے۔۔۔ مطمئن نہ ہوتے تو بعد میں ہی سہی۔۔۔ چلو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں ڈر اور خوف کے مارے قلم کاغذ نہ لائے۔۔۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اٹھ کر چلے گئے۔۔۔ دوسرے

لوگ بھی چلے گئے اب ڈر کس کا۔۔۔؟ اب خوف کیوں۔۔۔؟ اب سامانِ کتابت لانے سے کون سی چیز مانع تھی۔۔۔۔؟ کاغذ، قلم، دوات لے آتے اور اپنی خلافت کی تحریر لکھوا لیتے۔۔۔۔مگر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ایسا نہیں کیا۔۔۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ قرآن کو جاننے والے تھے۔۔۔۔ وہ جانتے تھے کہ اس واقعہ سے تقریباً تین مہینے پہلے قرآن کی آیت اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا ۔۔۔نازل ہو چکی تھی۔۔۔ دین مکمل ہو چکا تھا۔۔۔ اگر واقعی کوئی ایسی تحریر ضروری تھی اور ابھی اس کا تحریر کرنا لازمی تھا تو اس تحریر کے بغیر دین کیسے کامل اور مکمل ہو گیا۔۔۔؟

سیدنا علی رضی اللہ عنہ یہ بھی جانتے تھے کہ واقعۂ قرطاس سے تقریباً تین مہینے پہلے حجۃ الوداع کے موقع پر آپ فرما چکے تھے:

میں تم میں ایسی چیز چھوڑ کر جا رہا ہوں اگر اسے مضبوطی سے تھامے رکھو گے تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے، وہ کتاب اللہ ہے۔ (مسلم $\frac{397}{1}$)

اس ارشاد کے بعد آج اچانک یہ کیا ارشاد ہو رہا ہے کہ اب میں تمہیں ایک ایسی تحریر لکھ کر دوں کہ اس کے بعد تم کبھی گمراہ نہیں ہو گے۔۔۔؟

سامعین گرامی قدر! میری گفتگو کا خلاصہ یہ نکلا کہ اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم کی پوری جماعت میں صرف ایک صحابی واقعۂ قرطاس کو بیان کرتا ہے۔۔۔ اور وہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما ہیں۔۔۔ ان کی عمر اس وقت دس گیارہ سال تھی۔۔۔ معمولی عقل رکھنے والا بھی فیصلہ کر سکتا ہے کہ یا تو یہ سارے کا سارا قصہ اور واقعہ غلط ہے۔۔۔ کسی دشمن صحابہ نے اسے گھڑا ہے۔۔۔ کسی دشمن قرآن نے اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ کی تکذیب کے لیے اور اسلام کی بنیادوں پر حملہ آور ہونے کے لیے اسے وضع کیا ہے۔۔۔ یا سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو بات کے سمجھنے میں مغالطہ لگ گیا ہے۔

تیسری بات جو اس سلسلہ میں کہنا چاہتا ہوں وہ بہت دلچسپ اور عقل سلیم کے

نزدیک تر ہے۔۔۔۔۔۔ وہی بات دل ودماغ کو مطمئن کرتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے سامانِ کتابت صرف امتحان لینے کے لیے منگوایا تھا۔

آپ اطمینان کرانا چاہتے تھے کہ میرے صحابہ کو خطبہ حجۃ الوداع یاد ہے۔۔۔اور جو کچھ میں نے اس خطبے میں کہا تھا اس پر انہیں کما حقہ یقین ہے۔۔۔؟ اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ پر ان کا شرح صدر ہے۔۔۔؟ کیا صحابہ نے رازِ ہدایت کو پالیا ہے یا نہیں۔۔۔؟اس امتحان کے لیے آپ نے سامانِ کتابت لانے کا حکم دیا۔

نبوت کا راز دار۔۔۔ رسالت کا مزاج شناس۔۔۔جس کی رائے۔۔۔صائب رائے بارہا وحی الٰہی کے مطابق ہوگئی تھی۔۔۔۔۔۔خطاب کا بیٹا عمر رضی اللہ عنہ فوراً منشاءِ نبوت سمجھ گیا اور اسی وقت بول اٹھا:

قَدْ غَلَبَ عَلَيْهِ الْوَجَعُ وَعِنْدَكُمُ الْقُرْاٰنُ حَسْبُنَا كِتَابُ اللهِ

نبی اکرم ﷺ پر تکلیف کا غلبہ ہے اور تمہارے پاس قرآن موجود ہے پس ہم کو گمراہی سے بچانے کے لیے اللہ کی کتاب کافی ہے۔

میرے آقا ﷺ نے اپنے ساتھیوں کا امتحان لیا۔۔۔اور خطاب کا بیٹا عمر رضی اللہ عنہ سو میں سے سو نمبر لے کر پاس ہوگیا۔۔۔۔۔سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اس اطمینان بخش جواب سے نبی اکرم ﷺ مطمئن ہو گئے۔۔۔تبھی تو آپ نے بعد میں اس تحریر کے لکھو ... کا تذکرہ تک نہیں فرمایا۔

بلکہ جب کچھ لوگوں نے دوبارہ سامانِ کتابت پیش کرنے کی بات کی اور زور دیا کہ سامانِ کتابت لایا جائے تو آپ نے فرمایا مجھے چھوڑ دو میں جس حال میں ہوں بہتر ہوں۔ یہ فرما کر آپ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے جواب کی عملاً تائید فرمادی۔ خدمت نبوی میں جو لوگ تشریف فرما تھے ان میں سے کچھ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے جواب کی تائید کی اور کچھ نے۔۔۔ہاں یہ بات آپ ذرا توجہ سے سنیں۔۔۔وہ جو روایت میں أَهَجَرَ کا لفظ آیا ہے

جس کا معنی کچھ علماء نے کیا کہ کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا چھوڑ کر جا رہے ہیں۔۔۔؟ کچھ لوگ اس کا معنی کرتے ہیں بے ربط اور ہذیانی گفتگو۔۔۔ جن لوگوں نے یہ معنی کیا ہے میں ان سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا واضح اور صاف ارشاد تھا کہ لکھنے کا سامان لاؤ میں تمہارے لیے ایسی تحریر لکھوا دوں جس کے بعد کبھی گمراہ نہ ہو گے۔۔۔ اس میں کون سی بے ربط بات ہے جسے ہذیانی گفتگو کہا جائے۔

کیا ایسی صاف اور واضح بات اور مربوط گفتگو کو کوئی ذی فہم اور ذی عقل شخص غیر مربوط اور ہذیانی گفتگو سے تعبیر کر سکتا ہے؟

میں اَھَجَرَ کا معنی کرنے لگا ہوں ذرا توجہ سے سنیے۔۔۔!

جب آپ نے سامانِ کتابت منگوایا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حَسْبُنَا كِتَابُ الله کہا۔۔۔ کچھ لوگوں نے اس کی تائید کی اور وہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے جواب سے مطمئن ہو گئے اور کچھ لوگوں نے اس جواب کو ناکافی سمجھا۔۔۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی منشا کو بھی معلوم نہ کر سکے اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے جواب کے بعد اطمینانِ نبوت کو بھی محسوس نہ کر سکے۔۔۔ اس لیے جذبۂ محبت نبوی اور جذبۂ اطاعت رسول میں کہنے لگے:

تم حکم نبوی کی تعمیل کیوں نہیں کرتے ہو؟ کیا آپ کوئی بے ربط گفتگو فرما رہے ہیں؟

تو ثابت ہوا کہ اَھَجَرَ کا لفظ بھی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی زبان سے ادا نہیں ہوا، اگر یہ ادا ہوا ہے تو ان لوگوں کی زبان سے ادا ہوا جو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے جواب کو ناکافی سمجھ رہے تھے۔

اسی بات پر کچھ شور و غل ہوا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کتنی خوبصورت بات کہی:

فَالَّذِيْ اَنَا فِيْهِ خَيْرٌ مِّمَّا تَدْعُوْنِيْ اِلَيْهِ (بخاری $\frac{638}{2}$)

آپ کے ارشاد کا یہ مفہوم سمجھ آتا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے صحیح ترین اور حسین جواب سے جو اطمینان کی حالت مجھے حاصل ہوئی ہے وہ اس حالت سے کہیں بہتر ہے جو تمہاری بے اطمینانی اور شور و غل سے پیدا ہو رہی ہے۔

یہ شوروغل کن کی طرف سے تھا۔۔۔؟ ذرا بخاری کے الفاظ پر غور تو فرمائیے!

فَاخْتَلَفَ اَهْلُ الْبَيْتِ وَاخْتَصَمُوْا (بخاری)

اہل بیت نے اختلاف کیا اور جھگڑنے لگے۔

جہاں بھی اہل بیت کے الفاظ آئیں تو تم کہتے ہو اس سے مراد خانوادۂ علی ہے۔۔۔ ہر جگہ اہل بیت سے مراد سیدنا علی، سیدہ فاطمہ، حسنین کریمین (رضی اللہ عنہم) لیتے ہو بلکہ ان کے علاوہ کسی کو اہل بیت ماننے کے لیے تیار نہیں ہو۔۔۔ مگر یہاں اہل بیت کا مصداق سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور ان کی تائید کرنے والوں کو ٹھہرا رہے ہو اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس شوروغل مچانے کی تمام تر ذمہ داری سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں پر ڈال رہے ہو۔

صرف سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو مجرم ٹھہرا کر ان پر طعن کرنا کہاں کا انصاف ہے۔۔۔؟ حدیث کے الفاظ پر غور کرو۔۔۔ تمام صیغے جمع کے استعمال ہوئے ہیں۔۔۔ فَاخْتَصَمُوْا۔۔۔ تَنَازَعُوْا۔۔۔ فَلَمَّا اَكْثَرُوا اللَّغْوَ۔۔۔ قُوْمُوْا عَنِّيْ۔۔۔ یہ سب جمع کے صیغے ہیں۔ اور اس تنازع اور جھگڑے میں، شوروغل اور رفع الصوت میں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کی تعمیل نہ کرنے میں اور امت کی حق تلفی کے ارتکاب میں، حجرۂ عائشہ میں موجود سب لوگ (جن میں ہاشمی بھی تھے، اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے) یکساں شریک ہیں۔۔۔ اگر بقول تمہارے یہ قصور تھا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کی نافرمانی تھی۔۔۔ تو یہ قصور اکیلے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا نہیں ہے سب شرکاءِ مجلس اس میں شریک ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا لکھوانا چاہتے تھے؟

کچھ لوگوں کو غصہ اس بات پر ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سامانِ کتابت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت وامامت لکھوانے کے لیے منگوایا تھا۔۔۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ چونکہ تحریر کے مقصد کو جان گئے تھے اسی لیے انہوں نے کہا حَسْبُنَا كِتَابُ اللهِ کہہ کر گفتگو کا رخ بدل دیا۔

یہ بات اہل تشیع کے حق میں نہیں ہے بلکہ ان کے خلاف ہے۔۔۔ اگر یہ مان لیا

جائے کہ وفات سے چار دن پہلے آپ خلافت علی لکھوانا چاہتے ہیں تو اس سے ان کے باقی دلائل (جو وہ خلافت علی پر پیش کرتے ہیں) راکھ میں مل جاتے ہیں۔۔۔ پھر یہ بھی تسلیم کرنا ہوگا کہ حجۃ الوداع سے واپسی پر خُم غدیر کے مقام پر خلافت علی کا اعلان نہیں ہوا تھا۔۔۔ تم تو اسے خلافت علی پر سب سے مضبوط دلیل مانتے ہو کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ

یہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا اعلان تھا۔۔۔ اگر وفات سے تین مہینے پہلے خُم غدیر کے مقام پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا اعلان ہو چکا تھا تو پھر وفات سے چار دن پہلے خلافت علی کی تحریر لکھوانے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت کی تحریر لکھوانا چاہتے ہوں اور یہ قرین قیاس بھی ہے کہ واقعہ قرطاس کے دو دن بعد آپ نے مسجد نبوی میں خطبہ دیتے ہوئے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا تذکرہ بڑے خوبصورت انداز میں فرمایا تھا۔۔۔ انہیں اَمَنَّ النَّاس فرمایا۔۔۔ ان کے گھر کے سوا تمام گھروں کی کھڑکیاں بند کرنے کا حکم جاری فرمایا۔

علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہی فرمایا ہے:

وَاَمَّا قِصَّةُ الْكِتَابِ الَّذِيْ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يُرِيْدُ اَنْ يَّكْتُبَهٗ فَقَدْ جَاءَ مُبَيَّنًا كَمَا فِي الصَّحِيْحَيْنِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ فِيْ مَرَضِهٖ

حاصل یہ ہوا کہ وہ واقعہ تحریر جس کے لکھوانے کا نبی اکرم ﷺ ارادہ رکھتے تھے صحیحین میں واضح طور پر ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے مرض الوفات میں ارشاد فرمایا:

اُدْعِيْ لِيْ اَبَاكِ وَاَخَاكِ حَتّٰى اَكْتُبَ كِتَابًا فَاِنِّيْ اَخَافُ اَنْ يَّتَمَنّٰى مُتَمَنٍّ وَيَقُوْلُ قَائِلٌ اَنَا اَوْلٰى وَيَاْبَى اللهُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلَّا اَبَابَكْرٍ (منہاج السنہ $\frac{135}{3}$)

عائشہ! اپنے والد سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور اپنے بھائی عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کو بلاؤ تاکہ میں ایک تحریر لکھ دوں مجھے خوف ہے کہ خلافت کا کوئی اور متمنی ہو اور اس کا خیال ہو کہ میں اس کا زیادہ حق دار ہوں حالانکہ اللہ اور سب مسلمان ابوبکر کے سوا کسی کی خلافت کو نہیں چاہتے (اس لیے ان کی خلافت لکھوانے کی چنداں ضرورت نہیں ہے)

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی البدایہ والنہایہ صفحہ نمبر 228 جلد نمبر 5 میں اسی حدیث کے حوالے سے یہی بات تحریر کی ہے کہ قرین قیاس یہی ہے۔۔۔ کہ آپ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت لکھوانا چاہتے تھے۔

ایک عورت کا آپ کی خدمت میں آکر کچھ عرض کرنا۔۔۔ آپ کا فرمانا کہ پھر آنا۔۔۔ اس عورت کا خوف کہ میں آؤں اور آپ موت کا جام پی کر اللہ کے ہاں پہنچ چکے ہوں تو۔۔۔ آپ نے فرمایا تم آؤ اور مجھے نہ پاؤ۔۔۔ فَأْتِيْ اَبَا بَكْرٍ

(بخاری $\frac{516}{1}$ مسلم حدیث نمبر 6179 مشکوۃ، حدیث نمبر 5968)

تو ابوبکر کے ہاں چلی جانا۔

یہ سب حقائق اس پر شاہد ہیں۔۔۔ کہ آپ تحریری طور پر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا اعلان کرنا چاہتے تھے۔۔۔۔۔۔ اس پر سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ مرض الوفات میں جب مسجد میں آپ کا آنا دشوار ہو گیا تو اپنی جگہ پر کس کو امام بنایا؟

فرمایا: مُرُوْا اَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ

ابوبکر کو کہو میرے مصلّی پر کھڑے ہو کر لوگوں کو نماز پڑھائیں۔

مصلّی پر اپنی جگہ امامت کے لیے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حکم ہو رہا ہے اور خلافت کی تحریر کسی اور کے لیے لکھوانی تھی۔۔۔؟

سامعین گرامی قدر! اب رہ گئی آخری بات۔۔۔ اور آخری اعتراض کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامانِ کتابت لانے کے جواب میں حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ کہہ کر آپ

کے حکم کی نافرمانی کی ہے اور آپ کے حکم کی انہوں نے تعمیل نہیں کی۔۔۔ یہ اعتراض انتہائی لغو اور بے علمی پر مبنی ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے سامانِ کتابت لانے کا حکم سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو نہیں دیا تھا بلکہ تمام حاضرین مجلس سے فرمایا اِیْتُوْنِیْ کے لفظ پر ذرا غور فرمائیے۔

سامانِ کتابت نہ لانا اگر جرم ہے تو یہ جرم اکیلے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے نہیں کیا بلکہ سب اس میں شریک ہوں گے۔ آپ کے ارشاد گرامی کہ سامانِ کتابت لاؤ میں ایسی تحریر لکھوا دوں جس کے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہو گے۔۔۔ یہ ارشاد بطور امتحان تھا اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس امتحان میں نمایاں نمبر لے کر پاس ہوئے اور فرمایا دین مکمل ہو گیا ہے۔۔۔ حجۃ الوداع میں آپ فرما چکے ہیں میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں انہیں مضبوطی سے پکڑے رکھو گے تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے۔۔۔ یہ سب کچھ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دل و دماغ میں تھا اس لیے فرمایا۔۔۔ حَسْبُنَا كِتَابُ اللهِ ہمیں اللہ کی کتاب کافی ہے۔

نبی اکرم ﷺ بھی اس جواب سے مطمئن ہو گئے تبھی تو آپ نے اس کے بعد سامانِ کتابت طلب نہیں فرمایا۔۔۔ لوگوں کے نزدیک سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا حَسْبُنَا كِتَابُ اللهِ کہنا ممکن ہے کوئی عیب کی بات ہو یا قابل اعتراض ہو۔۔۔ مگر میرے نزدیک یہی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا سب سے بڑھ کر امتیازی نشان اور انفرادی خصوصیت ہے۔

اس سے پہلے بھی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی رائے وحی الٰہی کے موافق ہو چکی ہے۔۔۔ آج بھی ان کے اس جواب سے نبوت مطمئن نظر آئی، یہی حَسْبُنَا كِتَابُ اللهِ کہنا ایسی بات ہے جس پر کبھی کوئی اضافہ نہیں کیا جا سکتا۔۔۔ جو لوگ گمراہی اور ضلالت سے محفوظ رہنا چاہتے ہوں ان کے لیے اس فاروقی اعلان سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہے جسے وہ گلے سے لگا لیں۔

اللہ اور کتاب اللہ کے سوا کونسی ایسی چیز ہے جس کے ساتھ حَسْبُنَا کا لفظ سجتا اور جچتا ہو۔۔۔ لوگو! اس عالم کون و مکان میں کسی غیر نبی کی زبان سے کبھی کوئی بات ایسی نہیں نکل سکتی جو حَسْبُنَا كِتَابُ اللهِ سے زیادہ صحیح ہو۔

یقین کیجیے! اگر کسی انسان کے کلام کو اللہ رب العزت کے کلام کی معیت کا شرف حاصل ہوسکتا تو اسی خوبصورت اور حقیقت نما جملہ (حَسْبُنَا كِتَابُ اللهِ) کو آیت قرآنی بننے کا شرف حاصل ہوتا۔۔۔اسی کو حدیث کی کتب میں بیان کیا گیا۔ کائنات کے سب سے سچے انسان نے فرمایا:

اِنَّ اللهَ جَعَلَ الْحَقَّ عَلٰى لِسَانِ عُمَرَ وَقَلْبِهٖ

(ترمذی $\frac{209}{2}$ مشکوٰۃ حدیث نمبر 5990)

عمر کی زبان اور دل پر اللہ نے حق رکھ دیا ہے۔

اور اسی حقیقت کو میرے نبی کریم ﷺ نے ذرا واضح الفاظ میں یوں بیان فرمایا:

لَوْ كَانَ بَعْدِيْ نَبِيٌّ لَكَانَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ

(ترمذی $\frac{209}{2}$ مشکوٰۃ حدیث نمبر 5995)

میرے بعد اگر کوئی نبی ہوسکتا تو وہ عمر ہوتے۔

حیرت، افسوس اور تعجب ہے کہ یہی حقیقت افروز جملہ اور یہی حاصل زندگی جملہ۔۔۔سمندر کو کوزے میں بند کرنے والا یہی جملہ وجہ اعتراض کیسے بن گیا؟

لوگو! اگر یہ جملہ خلافِ حقیقت ہوتا یا بے محل ہوتا۔۔۔شریعت کے خلاف ہوتا تو امام الانبیاء ﷺ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو تنبیہ فرماتے اور سختی سے ٹوک دیتے۔

یہ کہنا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حکم رسالت پر عمل نہیں کیا تو کبھی کبھی کسی راہبر کی بات کو نہ ماننا اس رہبر کے ساتھ محبت کی دلیل ہوتا ہے۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر جب صلح نامہ تحریر ہو رہا تھا تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو حکم ہوا کہ تم یہ صلح نامہ لکھو۔۔۔نبی اکرم ﷺ نے لکھوایا۔۔۔مِنْ مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللهِ۔۔۔یہ صلح نامہ لکھا جا رہا ہے محمد (ﷺ) کی طرف سے جو اللہ کے رسول ہیں۔۔۔مشرکین کے نمائندے نے کہا۔۔اگر ہم آپ کو اللہ کا رسول مان لیں تو پھر نزاع اور جھگڑا کیسا؟ لہٰذا یہاں رسول اللہ

کی جگہ محمد بن عبداللہ تحریر کریں۔۔۔ نبی اکرم ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

یا علی محو کن آنرا محمد بن عبداللہ بنویس چنانچہ اومی گوید

اے علی! رسول اللہ کا لفظ مٹا کر محمد بن عبداللہ لکھدو جس طرح مشرکین کا ایلچی کہہ رہا ہے۔

حضرت امیر فرمودہ کہ من نام ترا از پیغمبری ہرگز محو نخواہم کرد حضرت رسول بدست خود گرفتہ محو کرد (حیات القلوب (شیعہ) $\frac{399}{2}$)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں آپ کے نام کے ساتھ رسول اللہ کے الفاظ کو نہیں مٹاؤں گا تو نبی اکرم ﷺ نے اپنے دست مبارک سے اسے مٹا دیا۔

ذرا انصاف سے فیصلہ کیجیے! اگر سامانِ کتابت لانے سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ انکاری تھے (اگر انکاری تھے)۔۔۔ تو امام الانبیاء ﷺ کے حکم دینے کے باوجود سیدنا علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ کے الفاظ مٹانے سے صاف لفظوں میں انکاری ہوئے۔۔۔ تو جو طعنہ اور فتویٰ سب سے پہلے انکاری پر دیتے ہو۔۔۔ وہی فتویٰ دوسرے انکاری پر دینا ہوگا۔

اور اگر دوسرے انکاری کی توجیہ کرتے ہو کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا یہ انکار سینکڑوں فرمانبرداریوں پر وزنی ہے۔۔۔ یہ انکار محبت رسول کی بنیاد پر تھا۔۔۔ تو پھر یہ حقیقت تسلیم کرنے میں کیوں حجت بازی کرتے ہو کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا جواب بھی شریعت کی روح کے عین مطابق تھا اور نبی اکرم ﷺ نے امتحاناً قلم دوات لانے کا کہا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس امتحان میں سو فیصد کامیاب ہوئے۔۔۔ اور نبی اکرم ﷺ نے بھی اپنے طرزِ عمل سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی رائے سے اتفاق فرمایا اور اس کے بعد قلم دوات طلب نہیں فرمائی۔

اگر یہ تحریر ضروری ہوتی تو نبی اکرم ﷺ کے لیے کون مانع ہوسکتا تھا۔۔۔؟ کون اس تحریر کروانے کے راستے میں رکاوٹ بن سکتا تھا۔۔۔؟ اگر یہ تحریر امت کو گمراہی سے بچانے کے لیے ضروری ہوتی تو بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ کے تحت آپ بعد میں یہ تحریر ضرور لکھواتے۔

کیا حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہِ کہنا جرم تھا۔۔۔؟ اگر یہ جرم ہے تو پھر تمام مسلمان اس کے مرتکب ہیں جو اللہ کی کتاب قرآن کو ایک کامل و مکمل کتابِ ہدایت مانتے ہیں

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اسی حقیقت کو دہرا رہے ہیں جسے حجۃ الوداع کے خطبے میں خود امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمایا تھا:

وَقَدْ تَرَكْتُ فِيْكُمْ مَا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدَهٗ اِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِهٖ كِتَابُ اللّٰهِ

(مسلم، مشکوٰۃ $\frac{225}{1}$ حدیث نمبر 2597)

میں تم میں ایک ایسی چیز چھوڑ کر جا رہا ہوں جسے مضبوط پکڑنے کے بعد تم کبھی گمراہ نہیں ہو گے وہ اللہ کی کتاب ہے اسی پر عمل پیرا رہو۔

ایک روایت میں جو معتبر روایت ہے۔۔۔ قرآن کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی سنت کا تذکرہ بھی فرمایا کہ ان دونوں کو مضبوطی سے تھامے رکھو گے تو گمراہی سے بچ جاؤ گے۔

غرضیکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا اس موقع پر حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ کہنا ان کی علمی بصیرت اور دوررس نگاہ کا بین ثبوت ہے۔۔۔ کمال ہے کہ یار لوگوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ہنر کو بھی عیب بنا کر پیش کیا اور اسے اتنا اچھالا کہ کئی لوگ دشمنوں کی بجائی ہوئی ڈگڈگی پر رقص کرنے لگے۔

وما علینا الا البلاغ المبین

14

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ الْاَمِيْنِ

وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا (الفتح 18)

سامعین گرامی قدر! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہجرت فرمائے تقریباً چھ سال ہو گئے تھے۔۔۔کہ آپ نے خواب میں دیکھا کہ اپنے صحابہ کے ساتھ عمرہ ادا کر رہا ہوں۔

آپ نے خواب کا تذکرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے سامنے کیا تو ان کی خوشی ومسرت کی انتہا نہ رہی۔۔۔اس خواب کا تذکرہ بھی سورۃ الفتح میں ہوا:

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ لَا تَخَافُوْنَ (الفتح 27)

بیشک اللہ نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھایا کہ اگر اللہ نے چاہا تم یقیناً پورے امن واطمینان سے مسجد حرام میں داخل ہو گے سر منڈواتے ہوئے اور سر کے بال کترواتے ہوئے نڈر اور بے خوف ہو کر۔

(اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم اس خواب کو سن کر مسرور ہوئے کیونکہ اللہ کے نبی کا خواب

بھی وحی کا درجہ رکھتا ہے اور قطعی ہوتا ہے۔ یاد رکھیے! اللہ کے نبی کے علاوہ کسی کا خواب بھی۔۔۔ خواہ وہ کسی پیر کا خواب۔۔۔ کسی عالم کا خواب۔۔۔ کسی ولی کا خواب۔۔۔ یا کسی صحابی کا خواب حجت نہیں ہوتا۔۔۔ دین کے امور میں دلیل نہیں بنتا۔۔۔ غیر نبی کا خواب ظنی ہوتا ہے۔۔۔ اسی لیے نبی کے علاوہ کوئی خواب بھی دیکھے کہ میں اپنے بیٹے کو ذبح کر رہا ہوں تو اس کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ صبح کے وقت بیٹے کو ذبح کرنے کے لیے میدان میں لے جائے۔۔۔ اور اگر ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام دیکھے تو ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ بیٹے کو تیار کر کے میدان میں لائے اور اس کی گردن پر چھری رکھ دے)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے چودہ سو یا پندرہ سو صحابہ کے ساتھ اسی سال ذوالقعدہ کے مہینے میں عمرہ کے ارادے سے مدینہ منورہ سے عازمِ مکہ ہوئے (آپ نے یہ سفر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے کہنے سے شروع فرمایا خواب میں اس بات کی نشاندہی نہیں کی گئی تھی کہ آپ کا داخلہ اسی سال ہوگا آپ کے خواب میں آپ کو مسجد حرام میں داخلے کی خبر دی گئی تھی جبکہ اسی سال عمرے کا ارادہ کر لینا یہ آپ کا اور صحابہ کا فیصلہ تھا)

مسلمان جب مکہ مکرمہ سے کچھ کلومیٹر دور رہ گئے اور مکہ کے کفار کو آپ کی آمد کا علم ہوا تو انہوں نے پیغام بھیجا کہ آپ عمرے کی غرض اور ارادے سے بھی مکہ نہیں آسکتے ورنہ اس کے نتائج بہتر نہیں ہوں گے۔

مسلمان حدیبیہ کے مقام پر رک گئے۔۔۔ تقریباً چودہ سو صحابہ رضی اللہ عنہم مہاجرین وانصار ستاروں کی طرح ماہتابِ نبوت کو گھیرے ہوئے ہیں۔۔۔ خدا شاہد ہے اور زمانہ گواہ ہے کہ چشم فلک نے اس سے بہتر لوگ نہ پہلے دیکھے تھے اور نہ قیامت کی صبح تک دیکھ سکے گا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حدیبیہ کے شرکاء کو خطاب کر کے فرمایا:

(بخاری $\frac{598}{2}$)

اَنْتُمُ الْیَوْمَ خَیْرُ اَھْلِ الْاَرْضِ

تمام روئے زمین کے بہترین لوگ آج تم ہو۔

ایک اور حدیث ہے:

لَا یَدْخُلِ النَّارَ اَحَدٌ مِّمَّنْ بَایَعَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ (ترمذی 605/2)

اور مسلم کی روایت یوں ہے:

لَا یَدْخُلِ النَّارَ اِنْ شَاءَ اللّٰہُ مِنْ اَصْحَابِ الشَّجَرَۃِ اَحَدٌ مِّنَ الَّذِیْنَ بَایَعُوْا تَحْتَھَا (مسلم 303/2)

جن لوگوں نے درخت کے نیچے بیٹھ کر بیعت کی تھی ان میں سے کوئی بھی دوزخ میں نہیں جائے گا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواہش تھی کہ ہم میں سے کوئی مکہ جائے اور قریش کو سمجھائے کہ ہم پُرامن طریقے سے عمرہ کی ادائیگی کے بعد مدینہ پلٹ جائیں گے۔۔۔ ہم لڑنے کی نیت اور ارادے سے نہیں آئے نہ ہم مکہ فتح کرنے آئے ہیں۔۔۔ ہمیں آنے دیا جائے اور رکاوٹ نہ ڈالی جائے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں مشورہ ہوا کہ انہیں مسلمانوں کا سفیر بنا کر بات چیت کے لیے مکہ بھیجا جائے۔۔۔ مگر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا نام پیش فرمایا اور کہا مجھے تعمیل حکم سے انکار نہیں مگر جو شخص کامیابی سے مذاکرات کر سکتا ہے۔۔۔ اور پورے مکہ میں جو عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔۔۔ اور جس کی بات توجہ سے سنی جائے گی اور جس کی برادری مکہ میں ہے اور بڑی مؤثر برادری ہے وہ صرف سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ہیں۔

امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حسب سابق سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کو پذیرائی بخشی، پسند فرمایا۔۔۔ اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنا نمائندہ اور قاصد بنا کر مکہ روانہ فرمایا۔۔۔ سفارتِ رسول کا یہ اعزاز بہت بڑا اعزاز تھا جو صرف آپ کو حاصل ہوا۔۔۔ مشہور صحابی

سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے اسے کتنے خوبصورت، حسین اور دلربا بلکہ روح پرور فقروں میں بیان کیا:

كَانَ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ رَسُوْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ (ترمذی 211/2)

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رسول تھے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ آپ کے رسول ہیں۔۔۔

سبحان اللہ! کیسا منصب اور اعزاز ہے جو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے حصے میں آیا۔

یہاں رک کر ایک بات غور سے سنیئے! سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سفیر رسول بن کر روانہ ہوئے تو کئی صحابہ نے کہا۔۔۔ عثمان بڑا خوش نصیب ہے۔۔۔ احرام باندھ کر مکہ مکرمہ پہنچے گا اور بیت اللہ کا طواف بھی کرے گا۔۔۔ اور صفا مروہ کی سعی بھی۔۔۔ خدا معلوم مذاکرات کامیاب ہوتے ہیں یا نہیں۔۔۔ ہمیں عمرے کی ادائیگی کی اجازت ملتی ہے یا نہیں۔۔۔؟ زہے نصیب! عثمان تو عمرہ ادا کریں گے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کی بات کو سنا تو فرمایا۔۔۔ عثمان میرے بغیر کبھی بھی بیت اللہ کا طواف نہیں کرے گا۔۔۔ سبحان اللہ! کیسا اعتماد ہے۔۔۔ جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر ہے۔۔۔ میرا عثمان، میرے ساتھ محبت کرنے والا عثمان، میرے بغیر عمرے کی ادائیگی کرے ممکن نہیں ہے۔

اسے اہل تشیع کی کتب نے بھی نقل کیا ہے۔۔۔ مشرکین کا نمائندہ سہیل بن عمرو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاں آیا۔

وَحُبِسَ عُثْمَانُ فِيْ عَسْكَرِ الْمُشْرِكِيْنَ

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ مشرکین کے لشکر میں محبوس ہو گئے۔

وَبَايَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَضَرَبَ بِإِحْدٰى يَدَيْهِ عَلَى الْأُخْرٰى لِعُثْمَانَ

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر رکھ کر عثمان کی طرف سے بیعت لی۔

قَالَ الْمُسْلِمُوْنَ طُوْبٰی لِعُثْمَانَ قَدْ طَافَ بِالْبَیْتِ وَسَعٰی بَیْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ

مسلمانوں نے کہا عثمان رضی اللہ عنہ خوش نصیب ہے بیت اللہ کا طواف بھی کرے گا اور صفا و مروہ کی سعی بھی کرے گا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سن کر فرمایا:۔۔۔مَا کَانَ لِیَفْعَلَ ۔۔۔عثمان رضی اللہ عنہ ایسا نہیں کرے گا۔

جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ واپس تشریف لائے۔۔۔ آپ نے پوچھا: اَطُفْتَ بِالْبَیْتِ۔۔۔کیا تم نے بیت اللہ کا طواف کیا تھا۔۔۔؟

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب میں عرض کیا:

مَا کُنْتُ لِاَطُوْفَ بِالْبَیْتِ وَرَسُوْلُ اللّٰہِ لَمْ یَطُفْ بِہٖ

(فروع کافی $\frac{151}{3}$)

میں بیت اللہ کا طواف کیسے کرتا جبکہ اللہ کے پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طواف نہیں فرمایا۔

ذرا اُدھر بھی دیکھیے! مشرکین مکہ نے کہا عثمان تم آ گئے ہو۔۔۔تم طواف کر لو اور عمرے کی ادائیگی سے فارغ ہو جاؤ۔۔۔ ذرا سوچیے! کون مسلمان ایسا ہے جو بیت اللہ کو دیکھ کر طواف کرنے کے لیے پروانہ وار بے تاب نہ ہو جائے۔۔۔ احرام باندھا ہوا ہے۔۔۔ بیت اللہ سامنے ہے۔۔۔ چھ سال کے بعد مکہ آنا نصیب ہوا ہے۔۔۔مگر یہاں عبادتِ الٰہی کے جذبہ اور محبوتِ نبوی کے جذبہ کے درمیان کشمکش شروع ہو گئی۔

ذوقِ عبادت کیسا ہے کہ کتنے سالوں کے بعد بیت اللہ دیکھنا نصیب ہوا۔۔۔ احرام بھی باندھا ہوا ہے۔۔۔ عمرے کی نیت بھی کی ہو۔۔۔ سامنے بیت اللہ ہے۔۔۔ مشرکین مکہ اجازت دے رہے ہیں کہ طوافِ کعبہ کر لو۔

اور اِدھر حب نبوی بار بار حقیقی کعبہ کی یاد دلا رہی ہے۔۔۔ نبی کے بغیر طواف کیسے کروں گا۔۔۔ وہ طواف کیسا جس میں معیت نبی نہ ہو۔

پھر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے جواب نے کائنات کے ذرے ذرے کو وجد میں آنے پر مجبور کر دیا۔۔۔ فرمایا میرا کعبۂ حقیقی تو حدیبیہ میں بیٹھا ہوا ہے۔۔۔ جب تک میرا نبی ساتھ نہیں ہوگا میں بیت اللہ کا طواف نہیں کروں گا۔

غور کیجیے! کتنے روح پرور اور دلربا الفاظ ہیں۔۔۔ محبت رسول میں پختگی اور الفتِ پیغمبر میں وارفتگی کا اس سے بہتر مظاہرہ چشم فلک نے کبھی اور کہیں بھی نہ دیکھا ہوگا۔

دُنیوی عیش وعشرت۔۔۔ بہار ونشاط۔۔۔ گھر بار، آل اولاد۔۔۔ دولت ومال کو تو محبانِ رسول نے قربان کر دیا تھا اور کہا تھا:

مے بھی ہے مینا بھی ہے ساغر بھی ہے ساقی نہیں
دل میں آتا ہے لگا دیں آگ میخانے کو ہم

ایک شاعر نے کہا تھا:

نہ ہو جب تو ہی اے ساقی بھلا پھر کیا کرے کوئی
ہوا کو ابر کو گل کو چمن کو صحن بُستان کو

اور ایک شاعر نے کہا ہے:

کیسی بہار کس کے ستارے کہاں کے پھول
جب تم نہیں تو دیدۂ دل میں سمائے کون

مگر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے محبت رسول میں عبادتِ الٰہی کو بھی قربان کر دیا۔۔۔ ہم نے اصحابِ پیغمبر کو دیکھا ہے کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں دنیا کی محبوب سے محبوب شئی کو قربان کر دیا تھا۔۔۔ اولاد کو، وطن کو، کاروبار کو، دولت کو، مگر سوائے عثمان رضی اللہ عنہ کے کوئی نہیں دیکھا جس نے محبت رسول میں عبادتِ الٰہی کو بھی قربان کر دیا۔

محبت کی پوری داستان میں اس کی مثال کہیں نہیں ملے گی کہ بیت اللہ کا طواف اللہ کی عبادت ہے مگر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بغیر اس کی ادائیگی کے لیے تیار نہیں۔

اسی محبت رسول میں ڈوبے ہوئے جواب کی پاداش میں مشرکین نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو قید کر دیا اور یہ خبر اور افواہ اڑا دی کہ عثمان شہید ہو گئے ہیں۔

مسلمان یہ خبر سن کر تڑپ اٹھے۔۔۔ سب سے زیادہ دکھ اور افسوس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہوا جن کے بغیر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بیت اللہ کا طواف کرنے کے لیے تیار نہ ہوئے تھے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خیمہ سے نکل کر ایک درخت کے نیچے تشریف لائے اور چودہ سو صحابہ رضی اللہ عنہم کو آواز لگائی کہ آؤ قصاصِ عثمان کے لیے میرے ہاتھ پر بیعت کرو۔۔۔ کٹ مرنے کی بیعت۔۔۔ سر دھڑ کی بازی لگا دینے کی بیعت۔۔۔ کیا مشرکین نے میرے عثمان کے خون کو سستا سمجھ لیا ہے۔۔۔؟ تم سب خونِ عثمان کا بدلہ لینے کے لیے اپنی جان قربان کرنے کا عہد کرو۔ خونِ عثمان کتنا قیمتی ہے کہ چودہ سو صحابہ جن سے افضل و اعلیٰ اور بہتر انسان چشم فلک نے کبھی نہ دیکھے ہوں۔۔۔ ان مقدس ہستیوں نے بیعت کی۔۔۔ کس کے خون کا بدلہ لینے کے لیے۔۔۔؟ عثمان رضی اللہ عنہ کا خون اتنا قیمتی تصور کیا گیا جس کا بدلہ لینے کے لیے امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان چودہ سو مہاجرین و انصار کو داؤ پر لگا دیا جو اس امت کی کریم تھے۔

ان بیعت کرنے والوں میں سیدنا ابوبکر۔۔۔ سیدنا عمر ہیں۔۔۔ سیدنا علی ہیں۔۔۔ طلحہ و زبیر ہیں۔۔۔ عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہم ہیں۔

کہتے ہیں اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم نے بڑے جذبے اور ولولے کے ساتھ بیعت کی۔۔۔ صحابہ خونِ عثمان کا بدلہ لینے کے لیے موت کی بیعت کرنے کے لیے ایسے دیوانہ وار لپکے جیسے شہد کی مکھی چھتے سے چمٹتی ہے۔۔۔ یا جیسے پیاس کا مارا ٹھنڈے پانی کی طرف لپکتا ہے۔ اور ایک دوسرے سے آگے بڑھ کر بیعت کر رہے تھے۔

بعد میں معلوم ہوا کہ یہ صرف افواہ تھی اور اس خبر میں کوئی صداقت نہیں تھی۔۔۔
سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ زندہ ہیں اور عافیت کے ساتھ ہیں۔۔۔ مگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قصاصِ عثمان کی بیعت لے کر۔۔۔ اپنی سنت اور طریقے کو قائم کیا۔۔۔ بعد میں اس سنت کو زندہ کیا ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اور امیر المومنین سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے۔۔ یہ دونوں قصاصِ عثمان کا نعرہ لگا کر اس سنت کو زندہ کرتے رہے۔

بیعتِ رضوان کے آئینے میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا مستقبل جھلک رہا تھا جسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چشم بصیرت اور دور رس نگاہ نے بھانپ لیا تھا اور علام الغیوب نے یہ انتظام کر دیا تھا۔۔۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیعت لے کر اپنی امت کو آگاہ کر رہے تھے کہ اگر کبھی عثمان پر ایسا وقت آئے کہ انہیں شہید کر دیا جائے تو پوری امت ان کے قصاص کے لیے اٹھ کھڑی ہو۔۔۔ اور ان کے خون کا بدلہ چکائے کہ آج امت کے بہترین اور اعلیٰ ترین افراد قصاصِ عثمان کے لیے کٹ مرنے کی بیعت کر رہے ہیں۔

(سامعین گرامی قدر! یہاں ایک لمحہ کے لیے ٹھہریئے اور میری بات غور سے سنیے۔۔۔ اور ہر قسم کی دھڑے بندی اور ہٹ دھرمی سے کنارہ کش ہو کر سنیے!

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خواب دیکھنے کے بعد۔۔۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اصرار پر احرام باندھ کر عمرے کی نیت سے مدینہ منورہ سے نکل کھڑے ہوئے مگر حدیبیہ کے مقام پر آپ کو روک لیا گیا۔۔۔ سب لوگوں نے ایک ایک قربانی کی چٹی بھری (کیونکہ بغیر ادائیگی عمرہ کے احرام کھولنے پڑے)

اس سے معلوم ہوا کہ سرکار دو عالم، امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باوجود علو مرتبت کے اور باوجود بلندئ درجات کے عالم الغیب نہیں تھے۔۔۔ آپ کو آنے والے حالات کا علم نہیں تھا۔

اگر آپ کو معلوم ہوتا اور جانتے ہوتے کہ آگے رکاوٹیں ہیں۔۔۔ میرے

خواب کی تعبیر اس سال ممکن نہیں بلکہ آئندہ سال خواب حقیقت کا روپ دھارے گا۔۔۔تو نبی اکرم ﷺ اتنا طویل سفر فرماتے۔۔۔؟ اتنی مشقت برداشت کرتے۔۔۔؟ پھر چودہ سو صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں۔۔۔ساری کائنات کے اولیاء کرام اور پیرانِ عظام جمع ہو جائیں تب بھی ایک صحابی کی گردِ راہ کو بھی نہیں پہنچ سکتے۔۔۔ نادان لوگ اولیاء اللہ کو غیب دان سمجھتے ہیں۔۔۔ یہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں اور وہ بھی چودہ سو۔۔۔ ان میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔۔۔ اگر انہیں معلوم ہوتا کہ ہم بغیر عمرہ ادا کیے واپس آئیں گے۔۔۔ہم بیت اللہ اس سال نہیں پہنچ پائیں گے۔۔۔تو وہ اتنا لمبا سفر کرتے۔۔۔؟

قرآن وحدیث کے دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ علم غیب۔۔۔انبیاء اور اولیاء کی صفت نہیں ہے بلکہ یہ خاصہ باری تعالیٰ ہے۔ ہر چیز کو ہر وقت جاننا یہ صفت علام الغیوب کی ہے۔۔۔ انبیاء کرام علیہم السلام کو اللہ چاہے تو بعض غیب کی خبروں پر اطلاع دے دے۔۔۔ اس کا کوئی بھی منکر نہیں ہے)

بیعتِ رضوان میں ایک مرحلہ بہت حسین ہے۔۔۔ جب سارے حضرات صحابہ کرام بیعت کر چکے تو نبی اکرم ﷺ نے اپنے ایک ہاتھ کو دوسرے پر رکھتے ہوئے فرمایا۔۔۔ یہ میرا ہاتھ ہے اور دوسرا عثمان کا ہاتھ ہے۔ (ترمذی $\frac{212}{2}$)

یہ عظیم الشان بیعت کا سبب ہی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بنے تھے اور سب سے بڑی فضیلت بھی اس بیعت میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی ثابت ہو رہی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے دست مبارک کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا ہاتھ قرار دے کر ان کی طرف سے بیعت لی۔ اس کا تذکرہ اہل تشیع کی کتب میں بھی موجود ہے۔

شیعہ مذہب کی معتبر ترین کتاب کافی میں ہے:

وَبَایَعَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ الْمُسْلِمِیْنَ وَضَرَبَ بِاِحْدٰی یَدَیْهِ عَلَى الْاُخْرٰی لِعُثْمَانَ

(اصول کافی، کتاب الروضہ 151)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں سے بیعت لی اور ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر رکھا اور اس سے عثمان کی بیعت لی۔

ملا باقر مجلسی نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف حیات القلوب میں بھی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے ہونے والی بیعت کا تذکرہ کیا ہے۔

چوں مشرکاں عثمان را حبس کردند خبر بحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رسید کہ او را کشتند حضرت فرمودہ

جب مشرکین نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو گرفتار کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک یہ خبر پہنچی کہ عثمان کو شہید کر دیا ہے۔ اس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں اس وقت تک یہاں سے نہیں ہٹوں گا جب تک مشرکین سے جنگ نہ کرلوں اور لوگوں کو موت کی بیعت کی دعوت نہ دے لوں۔۔۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنی پیٹھ مبارک درخت سے لگائی اور تکیہ لگا کر بیٹھ گئے اور صحابہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی اس بات پر کہ مشرکین سے لڑیں گے اور پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے نہیں۔ (حیات القلوب 2 404)

ایک لمحہ کے لیے سوچیے تو سہی! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی اپنے دستِ مبارک کو کسی دوسرے کا ہاتھ قرار نہیں دیا۔۔۔ کیا تم جانتے ہو کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ کو اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ قرار دیا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ (الفتح 10)

یقیناً جو لوگ آپ سے بیعت کر رہے ہیں وہ بیشک اللہ سے بیعت کر رہے ہیں ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔

سبحان اللہ۔۔۔! سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا ہاتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہاتھ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہاتھ اللہ کا ہاتھ۔۔۔ یعنی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا ہاتھ اللہ کا ہاتھ ہوا۔۔۔ ہاں یہ بھی سنتے

جائیے! پوری کائنات میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ ید اللہ ہونے کا شرف صرف ایک ہستی کو ہے۔۔۔وہ اس شرف میں یکتا ہے۔۔۔اور وہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ہی ہیں جنہوں نے محبت نبوی اور ادبِ نبوی کی نزاکتوں کا پوری زندگی لحاظ رکھا۔۔۔۔۔۔فرماتے ہیں جب سے میں نے دایاں ہاتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک ہاتھ میں دے کر اسلام کی بیعت کی ہے اس وقت سے لے کر آج تک اس ہاتھ سے اپنی شرم گاہ کو نہیں چھوا۔۔۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت سے اپنے دائیں ہاتھ کا اتنا احترام۔۔۔اور اتنا ادب کس کے دل میں ہے۔۔۔؟ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھ کی ایسی قدر کی۔۔۔تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اسے احترام دیتے ہوئے اپنا ہاتھ قرار دیا۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے اسی ہاتھ نے (جسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا ہاتھ کہا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ کو عرش کے مالک نے اپنا ہاتھ کہا) قرآن کی اشاعت کا جو بے مثال کارنامہ انجام دیا۔۔۔وہ وہی ہاتھ سرانجام دے سکتا ہے جسے ید اللہ ہونے کا شرف حاصل ہو۔

حیاءِ عثمان رضی اللہ عنہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا ادب اور حیا کہ دائیں ہاتھ سے بیعتِ اسلام کے بعد کبھی شرم گاہ کو نہیں چھویا۔۔۔آگے بڑھنے سے پہلے حیاءِ عثمان کا ایک واقعہ یہیں ذکر کر دیتا ہوں۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے گھر میں بے تکلف لیٹے ہوئے تھے اور آپ کی پنڈلی مبارک سے کپڑا ہٹا ہوا تھا اتنے میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور اندر آنے کی اجازت طلب کی، آپ نے انہیں اندر بلا لیا مگر آپ اسی بے تکلفی سے لیٹے رہے۔

کچھ دیر بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ آ گئے۔۔۔ انہوں نے بھی اندر آنے کی اجازت مانگی۔۔۔آپ نے اجازت دی مگر پنڈلی سے کپڑا ہٹا رہا۔

اتنے میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ تشریف لائے۔۔۔ انہوں نے اجازت طلب کی۔۔۔میری ماں کہتی ہیں۔۔۔فَجَلَسَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ فَسَوّٰی ثِیَابَہٗ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور اپنے کپڑے درست فرمالیے۔۔۔ ننگی پنڈلی ڈھانپ لی۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ان سب کے چلے جانے کے بعد پوچھا۔۔ یارسول اللہ! میرے والد آئے تو آپ بے تکلف لیٹے رہے۔۔۔پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ آئے مگر آپ نے پنڈلی پر کپڑا نہیں ڈالا۔۔۔مگر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے آنے پر آپ نے کپڑے بھی درست کر لیے اور اٹھ کر بیٹھ بھی گئے۔۔۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَلَا اَسْتَحِیْ مِنْ رَجُلٍ تَسْتَحِیْ مِنْهُ الْمَلَائِكَةُ

(مسلم $\frac{277}{2}$، مشکوٰۃ $\frac{560}{2}$)

کیا میں اس آدمی سے حیا نہ کروں جس سے رب کے فرشتے بھی حیا کرتے ہیں۔

یعنی جس عظیم شخص کی تعظیم اور توقیر فرشتے بھی کرتے ہیں میں اس کا حیا کیوں نہ کروں۔۔۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی آئے مگر آپ نے اٹھنے کا تکلف نہیں فرمایا۔۔۔ کیوں۔۔۔؟ اس لیے کہ جہاں محبت کے جذبات ہوتے ہیں وہاں تکلف نہیں کیا جاتا۔۔۔ ان دونوں سے بے تکلف تعلقات تھے۔۔۔اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے ان کی طہارت و پاکیزگی اور ان کے شرم وحیا والی صفت کو اجاگر کرنا مقصود تھا۔۔۔ اور اس کی وجہ بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود بیان فرمادی:

اِنَّ عُثْمَانَ رَجُلٌ حَیِیٌّ وَاِنِّیْ خَشِیْتُ اِنْ اَذِنْتُ لَهٗ عَلٰی تِلْكَ الْحَالَةِ اَنْ لَا یَبْلُغَ اِلَیَّ فِیْ حَاجَتِهٖ

(مسلم $\frac{277}{2}$)

یقیناً عثمان بہت ہی شرمیلے اور حیادار ہیں اور مجھے ڈر تھا کہ اگر میں نے اسی حالت میں انہیں اندر آنے کی اجازت دے دی تو وہ اپنی حاجت اور درخواست میرے سامنے

پیش نہیں کر سکیں گے۔

امام الانبیاء ﷺ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شرم وحیا والی صفت کو ایسے انداز میں بیان فرمایا کہ ان کی حیا والی خوبی ملائکہ کے لیے بھی باعثِ رشک بن گئی۔۔۔کہا گیا ہے:

اِنَّ الْحَیَاءَ صِفَةٌ جَمِیْلَةٌ مِنْ صِفَاتِ الْمَلَائِکَةِ

حیا فرشتوں کی صفات میں سے ایک اچھی صفت ہے۔

اور حیا والی یہ حسین صفت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ میں اتنے کمال کی پائی جاتی ہے کہ فرشتے بھی ان سے حیا کرتے ہیں۔۔۔ثابت ہوا کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ حیا کا پیکر ہیں۔۔۔ مجسمۂ حیا ہیں بلکہ حیا کا مرکز ہیں۔۔۔میرے نبی ﷺ نے فرمایا:

اَلْحَیَاءُ مِنَ الْاِیْمَانِ وَالْاِیْمَانُ فِی الْجَنَّةِ (ترمذی $\frac{86}{2}$، مشکوۃ 431)

حیا ایمان سے ہے اور ایمان جنت میں ہے۔

ایک موقع پر میرے نبی ﷺ نے فرمایا:

اَلْحَیَاءُ لَا یَأْتِیْ اِلَّا بِخَیْرٍ (بخاری $\frac{903}{2}$، مشکوۃ 431)

حیا والا آدمی سوائے نیکی اور بھلائی کے کوئی کام نہیں کرتا۔

اَلْحَیَاءُ خَیْرٌ کُلُّهٗ (بخاری $\frac{903}{2}$، مشکوۃ 431)

اور حیا تمام کی تمام نیکی ہی نیکی اور بھلائی ہی بھلائی ہے۔

سامعین گرامی قدر! بات کہیں سے کہیں چلی گئی۔۔۔عرض کر رہا تھا کہ ایک درخت کے نیچے قصاصِ عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے نبی اکرم ﷺ کے ہاتھ پر چودہ سو صحابہ رضی اللہ عنہم نے بیعت کی۔۔۔اپنے ایک ہاتھ کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا ہاتھ قرار دے کر امام الانبیاء ﷺ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے بھی بیعت فرمائی۔

اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم کا اخلاص کے ساتھ اور انتہائی ذوق وشوق کے ساتھ بیعت کے لیے آپ کی طرف لپکنا۔۔۔ایک دوسرے سے بڑھ کر بیعت کرنا۔۔۔اصحابِ رسول

کی یہ ادا ایسی پسند آئی کہ قدرت کے لب حرکت میں آ گئے۔۔۔ اس جنبشِ لب نے چند الفاظ کی صورت اختیار کر لی اور وہی الفاظ سورۃ الفتح کی یہ آیت بن گئے۔

اصحابِ رسول ﷺ کی یہ ادا اللہ رب العزت کو اتنی پسند آئی کہ اس کا تذکرہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے قرآن کے اوراق میں محفوظ فرما دیا۔ یہ بیعت اللہ تعالیٰ کو اس قدر بھائی کہ صحابہ تو صحابہ رہے اللہ نے قرآن میں اس درخت کے ذکر کو بھی محفوظ کر دیا جس درخت کے نیچے یہ بیعت ہوئی اسے شجرۃ الرضوان ہونے کا شرف حاصل ہوا۔

ارشاد ہوا:

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ (الفتح 18)

کتنی تاکید اور پختگی کے ساتھ بات کی۔ ماضی پر قَدْ آجائے تو معنیٰ قسم کا ہوتا ہے۔۔۔ پھر لام تاکید کے لیے لائے۔۔۔ معنیٰ اس طرح کریں گے: مجھے اپنی ذات کی اور مجھے صفات کی قسم ہے کہ میں مومنوں سے راضی ہو گیا ہوں جب وہ آپ کے ہاتھ پر ایک درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے۔

اگر اللہ رب العزت یہاں مومنین کا لفظ ارشاد نہ فرماتے اور اس کی جگہ فرماتے لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیْنَ۔۔۔ کہ میں یقیناً ان لوگوں سے راضی ہو گیا ہوں جو ایک درخت کے نیچے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر رہے تھے۔ پھر بھی بات مکمل ہو جاتی مگر اللہ تعالیٰ نے عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ فرمایا۔۔۔ دوسری بات قابلِ غور یہ ہے کہ رضاءِ الٰہی تو ہوتی ہی مومنوں کے لیے ہے۔۔۔ اگر یہاں اَلْمُؤْمِنِیْنَ کا لفظ نہ بھی ہوتا تب بھی واضح ہو رہا تھا کہ رضائے الٰہی کی سند جن کو ملی وہ یقیناً مومن تھے۔

مگر اللہ رب العزت نے اَلْمُؤْمِنِیْنَ کہہ کر ان کے ایماندار اور مومن ہونے کو مزید مستحکم اور پختہ کر دیا تاکہ قیامت کی صبح تک کوئی دشمن صحابہ اور بدبخت ان چودہ سو صحابہ مہاجرین و انصار۔۔۔ جن میں سیدنا صدیق اکبر، سیدنا عمر، سیدنا عثمان، سیدنا علی، سیدنا

طلحہ، سیدنا زبیر (رضی اللہ عنہم) ان میں سے کسی ایک کے ایمان کے بارے میں شک نہ کر سکے۔۔۔ اور ان خوش نصیب مومنین کے ایمان میں شک کرنے کی کافرانہ جرأت نہ کر سکے۔

پھر لطف کی بات یہ ہے کہ یہ رضامندی ان کے ظاہری اعمال کی بنا پر نہیں تھی بلکہ باطن میں جھانکنے کے بعد تھی۔۔۔ ارشاد ہوا:

فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ

جو کچھ ان کے دلوں میں تھا اللہ نے سب کچھ جان کر یہ فیصلہ فرمایا ہے۔

ان کے دلوں کو پرکھ کر دیکھا۔۔۔ اچھی طرح ٹٹول کر دیکھا۔۔۔ ان کے دلوں میں جھانک کر دیکھا۔۔۔ ان کے دل میں ایمانی جذبہ۔۔۔ ان کے دلوں کا اخلاص۔۔۔ حُبِّ اسلام۔۔۔ طہارت و پاکیزگی۔۔۔ دین کی محبت۔۔۔ اور داعیٔ اسلام کے ساتھ عقیدت۔۔۔ نیکی و تقویٰ۔۔۔ ان کے دلوں میں ایمان و یقین۔۔۔ امانت و دیانت۔۔۔ جذبۂ جہاد اور شوقِ شہادت۔۔۔ مشرکین کے مقابلے میں عداوت اور شدت۔۔۔ اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لیے جذبہ اور ولولہ۔۔۔ یہ سب کچھ دیکھ کر۔۔۔ اور ان کے دلوں کو پرکھ کر ان کے ایمان اور اپنی رضا کا اعلان فرمایا۔ آگے ارشاد ہوا:

فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ

اللہ نے اصحابِ حدیبیہ پر اطمینان اور تسکین کو نازل فرمایا۔

یہاں سکینہ سے مراد دل کا اطمینان (کہ ہم صحیح راستے پر ہیں) اور دین پر استقامت مراد ہے۔

ادنیٰ عقل رکھنے والا بھی سمجھ سکتا ہے جس پر سکینہ اترے اس کے مضبوط ایمان کو پھر کوئی متزلزل نہیں کر سکتا اور جسے سکینہ ملے اس کی استقامت علی الدین میں بال برابر فرق نہیں آ سکتا۔

پھر ارشاد ہوا:

وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا وَمَغَانِمَ كَثِيرَةً يَأْخُذُونَهَا (الفتح 18)

اور بدلے میں انہیں ایک قریبی فتح اور بہت سی غنیمتیں دیں جن کو وہ حاصل کریں گے۔

یہاں فتح قریب سے مراد فتح خیبر ہے جو سن 7 ہجری کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو عطا فرمائی اور غنائم سے مراد وہ مالِ غنیمت ہے جو خیبر کی فتح کے موقع پر مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔

کیا آپ جانتے ہیں۔۔۔؟ کہ غزوۂ خیبر میں صرف وہی خوش نصیب صحابہ رضی اللہ عنہم شریک ہوئے تھے جنہوں نے صلح حدیبیہ کے موقع پر جان نثاری اور وفاداری کا اظہار کرتے ہوئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔

اس سے پہلے کہ میں ان لچر اعتراضات کا جواب عرض کروں جو دشمنان اس آیت الرضوان کے ضمن میں کرتے ہیں۔۔۔ مناسب سمجھتا ہوں کہ آپ سے ایک بات پوچھ لوں کہ کیا حدیبیہ کے اس موقع پر۔۔۔ اس بیعت میں سیدنا ابوبکر، سیدنا عمر اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہم شریک نہیں تھے۔۔۔؟ بلکہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا کردار تو اس واقعہ میں بڑا کلیدی، نمایاں اور امتیازی حیثیت رکھتا ہے۔۔۔ انہی کی وجہ سے تو یہ بیعت ہوئی تھی۔۔۔ اگر یہ لوگ۔۔۔ خوش نصیب لوگ حدیبیہ کی بیعت میں شامل تھے اور یقیناً تھے کیونکہ کوئی شخص ان کی بیعت الرضوان میں موجودگی سے انکار نہیں کرسکتا۔

تو پھر ماننا پڑے گا۔۔۔ اگر قرآن پر ایمان ہے تو ماننا ہوگا۔۔۔ یا تو قرآن کا انکار کردو۔۔۔ اس کی صداقتوں کا انکار کردو۔۔۔ سورۃ الفتح کی اس آیت کے منکر بن جاؤ۔ اگر نہیں۔۔۔ تو پھر قرآن کی گواہی کو مانو۔۔۔ اللہ رب العزت کی شہادت کے سامنے سر جھکاؤ۔۔۔ اور تسلیم کرو کہ یہ سب کے سب مومن تھے۔۔۔ ایمان دار تھے۔۔۔

انہیں رضائے الٰہی کی سند عطا ہوئی۔۔۔ان سے فتوحات کے اور غنائم کے ملنے کے رب نے وعدے فرمائے۔۔۔اگر تم جیسے بد بخت اور روسیاہ، ان مقدس ہستیوں سے راضی نہیں ہوتے تو کیا فرق پڑتا ہے۔۔۔عرش والا ان سے راضی ہو چکا ہے۔

اعتراض کا جواب

آیت الرضوان کی تکذیب کر کے ہی اصحابِ ثلاثہ کے ایمان کا انکار ممکن ہے۔۔۔ورنہ اس آیت نے ان کے ایمان پر مہر ثبت کر دی ہے۔

دشمنانِ صحابہ کہتے ہیں اللہ نے اپنی رضامندی اس شرط سے بیان کی تھی کہ مرتے وقت تک ایمان پر قائم رہیں۔۔۔جس وقت آیت اتری تھی اس وقت وہ ایسے ہی تھے بعد میں انہوں نے خانوادۂ علی کے ساتھ ظلم و زیادتی کی۔۔۔ان کے حقوق غصب کیے۔۔۔خلافت پر جبراً قبضہ کر لیا۔۔۔پھر یہ وعدہ ایمان کے ساتھ مشروط تھا جب شرط ہی باقی نہ رہی تو پھر رضائے الٰہی کی سند کی اہمیت بھی نہ رہی۔ (یہاں ایک لمحہ کے لیے رکیے اور ایک بات پر غور فرمائیے۔۔۔!ہم جب قسطنطنیہ والی حدیث پیش کرتے ہیں کہ امام الانبیاء ﷺ نے فرمایا:

اَوَّلُ جَیْشٍ مِّنْ اُمَّتِیْ یَغْزُوْنَ مَدِیْنَةَ قَیْصَرَ مَغْفُوْرٌ لَّهُمْ

(بخاری $\frac{410}{1}$)

میری امت کا پہلا لشکر جو قسطنطنیہ پر حملہ آور ہوگا وہ سب بخشے بخشائے لوگ ہوں گے۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں یہ لشکر روانہ ہوا بڑے بڑے صحابہ اس میں اسی بشارت کو حاصل کرنے کے لیے شریک ہوئے۔۔۔اس لشکر کا سالار سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا بیٹا یزید تھا۔ (بخاری $\frac{198}{1}$)

تاریخ کے اندھے پجاری اس حدیث کی بشارت کا وہی جواب دیتے ہیں جو دشمنانِ اصحابِ رسول آیت الرضوان کا دیتے ہیں۔۔۔کہ اس وقت تو وہ صحیح تھے بعد میں ایمان دار نہ رہے لہٰذا رضائے الٰہی کی سند انہیں حاصل نہیں۔۔۔اور دشمنانِ صحابہ سے متاثر

حضرات کہتے ہیں کہ قسطنطنیہ کی جنگ کے وقت تو یزید صحیح تھا بعد میں ظالم اور غاصب ہو گیا تو اس بشارت سے خارج ہو گیا)

دشمنانِ صحابہ کے اعتراض کا جواب یہ ہے۔۔۔کہ اگر رضائے الٰہی کی سند کسی شرط کے ساتھ مشروط ہوتی تو اللہ رب العزت اس کا ذکر فرماتا۔۔۔ پھر فَعَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِهِمْ۔۔۔تو بالکل لغو ہو گیا۔۔۔کیونکہ اس میں تو اللہ رب العزت اپنی رضا کی وجہ بیان فرما رہا ہے کہ چونکہ میں ان کے دلوں کی کیفیت سے واقف ہوں اس لیے ان سے راضی ہوا۔

پھر آیت الرضوان میں تمام صیغے ماضی کے ذکر فرمائے۔۔۔۔۔رَضِیَ۔۔۔۔۔ اَنْزَلَ۔۔۔ اَثَابَ۔۔۔یعنی اللہ ان سے راضی ہو گیا۔۔۔ ان پر تسکین اتار دی۔۔۔ بدلے میں ان کو فتح سے ہمکنار کر دیا۔

اگر رضائے الٰہی کی سند مشروط ہوتی تو نزولِ سکینہ اور فتح قریبی سب کے ساتھ وہ شرط ہوتی۔۔۔اور اس شرط کے بغیر جس طرح رضائے الٰہی ان کو حاصل نہ ہوتی اسی طرح نزولِ سکینہ اور فتح قریب کی نعمتیں اور غنائم بھی ان کو ہرگز نہ ملتے حالانکہ دشمنانِ صحابہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ خیبر میں فتح بھی عطا ہوئی اور غنائم بھی آیت الرضوان میں کیے گئے وعدے کے مطابق ملے۔

سامعین گرامی قدر! صلح حدیبیہ ہی کو فتح مبین کا نام دیا گیا۔۔۔ اسی صلح سے مسلمانوں کے لیے بے شمار ظاہری اور باطنی فتوحات کا دروازہ کھل گیا۔۔۔تمام ممالک کے کفار بادشاہوں کو دعوتِ ایمان کے لیے مکتوب لکھے گئے۔۔۔صلح حدیبیہ کے چند مہینے بعد ہی خیبر آپ کے قدموں میں ڈھیر ہو گیا۔۔۔صرف دو سال کے قلیل عرصہ میں میرے پیارے پیغمبر ﷺ دس ہزار قدسیوں کے لشکر کے ساتھ فاتح بن کر مکہ میں داخل ہوئے۔۔۔ صلح حدیبیہ کی برکت سے کفار کو موقع ملا کہ وہ قریب سے مسلمانوں کو دیکھیں اور ان کے

عقائد ونظریات کوسن کر ان پر غور کریں۔

صلح حدیبیہ کے کچھ عرصہ بعد مشہور جرنیل سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جیسے جنگجو اور کمانڈر۔۔۔اور سیدنا عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ جیسے دانا اور حکیم دامنِ اسلام میں آئے۔

میرا سوال یہ ہے کہ صلح حدیبیہ کی فتح مبین کا پہلا نقش کون تھا۔۔۔؟ کون تھا جو رسول اللہ کا رسول بن کر مکہ پہنچا۔۔۔؟ کس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نیابت کی۔۔۔؟ سفیر رسول کون ہوا۔۔۔؟ جان ہتھیلی پر رکھ کر دشمنوں کے شہر میں کون پہنچا تھا۔۔۔؟ بیعت رضوان کس کے قصاص کے لیے ہوئی تھی۔۔۔؟ ذرا بتاؤ نا۔۔۔! کچھ تو بولو نا۔۔۔! آیت الرضوان کے نازل ہونے کی اساس کیا تھی۔۔۔؟ کیوں اتری یہ آیت۔۔۔؟

میرے سوال کا انصاف سے جواب دو۔۔۔کس کے ہاتھ کو رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا ہاتھ قرار دیا۔۔۔؟

کس ہاتھ کو نبی نے کہا ہے غنی کا ہاتھ
بیعت ہے کس کی بیعت عثمان کی طرح
رکھا ہے کس کے سر پہ حیا داریوں کا تاج
آنکھیں ہیں کس کی عرش کے مہمان کی طرح
پاکیزہ کس کی سوچ ہے قرآن کی طرح
ملتا ہے کون موت سے عثمان کی طرح

حدیبیہ کے واقعہ کی یہ سب عظمتیں اور تمام تر رفعتیں سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کا نصیب ہیں۔۔۔سیدنا عثمان ہی سبب بنے اور بیعت ہوئی۔۔۔اور اصحابِ رضوان۔۔۔ اہل بدر کے بعد امت کے افضل ترین لوگ قرار پائے۔۔۔کوئی مومن ان حقائق سے انکار نہیں کرسکتا۔

وما علینا الا البلاغ المبین

15

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ الْاَمِيْنِ

وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (التوبہ 100)

سامعین گرامی قدر! آج خطبۂ جمعۃ المبارک میں خلیفۂ ثالث، امام مظلوم، شہید مدینہ، دوہرے دامادِ نبی سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے کچھ انفرادی فضائل اور امتیازی مناقب اور بے مثال عظمتوں کا تذکرہ کروں گا، اللہ رب العزت مجھے اس کی توفیق عطا فرمائے۔

دشمنانِ اصحابِ رسول نے اپنی گھناؤنی سازشوں کے ذریعہ ہماری تاریخ کو بری طرح مسخ کرنے کی مذموم کوشش کی ہے۔۔۔ اہل سنت کے علماء بھی اور عوام بھی اس سے متاثر ہوئے اور اصحابِ رسول کے صحیح مناقب سے ناآشنا رہے۔

خانوادۂ علی کو تاریخ وسیرت کی کتابوں نے اس انداز میں پیش کیا۔۔۔ اور اس کا ایسا پروپیگنڈا کیا کہ اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگ بھی سمجھنے لگے کہ خانوادہ علی۔۔۔

اصحاب رسول سے ہٹ کر شخصیات ہیں۔۔۔ کچھ جاہل نعت خوان اور سنی نما شیعہ مقررین نے کہا۔۔۔وہ گھر والے ہیں اور صحابہ در والے ہیں۔

کسی نے سوال نہیں اٹھایا اور کوئی نہیں بولتا کہ صرف وہی گھر والے کیوں ہیں۔۔۔؟ اس لیے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچازاد بھائی ہیں تو پھر خود سیدنا عباس رضی اللہ عنہ گھر والا کیوں نہیں۔۔۔؟

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کے بیٹے۔۔۔ سیدنا عبداللہ، سیدنا عبیداللہ، سیدنا فضل (رضی اللہ عنہم) وہ بھی تو چچازاد بھائی ہیں وہ گھر والے کیوں نہیں۔۔۔؟ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بھائی سیدنا جعفر طیار اور سیدنا عقیل رضی اللہ عنہما وہ گھر والے کیوں نہیں۔۔۔؟

یا ان کے گھر والے ہونے کی دلیل اور وجہ یہ ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ دامادِ نبی ہیں۔۔۔تو میں اہل سنت نعت خوانوں سے اور سنی کہلانے والے علماء اور مقررین سے پوچھنے کی جسارت کروں گا کہ کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صرف ایک داماد تھے۔۔۔؟ جس طرح اہل تشیع کا خیال ہے یا آپ کے دو داماد اور بھی تھے۔۔۔؟ سیدنا ابوالعاص اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہما۔۔۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ تو دوہرے داماد ہیں۔۔۔ پھر یہ گھر والے کیوں نہیں۔۔۔؟

سیدنا حسنین کریمین رضی اللہ عنہما نواسہ ہونے کی بنا پر گھر والے ہیں۔۔۔تو آپ کی بڑی بیٹی۔۔۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا لخت جگر علی اور بیٹی سیدہ امامہ رضی اللہ عنہا وہ دونوں باوجود نواسہ ہونے کے گھر والے کیوں نہیں۔۔۔؟ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا بیٹا عبداللہ بن عثمان بھی نواسۂ رسول ہے وہ گھر والا کیوں نہیں۔۔۔؟

خیر میں کہنا یہ چاہتا ہوں کہ بہت سے حقائق ہیں جن کو ہمارے علماء اور مقررین نے بھی نظر انداز کیا۔۔۔ میں انہیں ذکر کروں گا تو آپ حیران ہو جائیں گے۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بنو امیہ قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں اور نسب کے اعتبار سے بنو امیہ

میں بنو ہاشم کے بہت قریب ہیں۔۔۔۔۔۔۔ نبی اکرم ﷺ کے والد محترم کا نام عبداللہ۔۔۔ دادا کا نام عبدالمطلب۔۔ ان کے والد کا نام ہاشم۔۔۔ اور ہاشم کے والد کا نام عبد مناف ہے۔۔ یہ عبد مناف نبی اکرم ﷺ اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ دونوں کے جدِ اعلیٰ ہیں۔۔ عبد مناف کے بیٹے ہاشم کی اولاد بنو ہاشم کہلاتی ہے اور عبد مناف کے پوتے امیہ بن عبد الشمس کی اولاد بنو امیہ کہلاتی ہیں۔

(یہاں ایک بات لطیفے کے طور پر سنیے اور پھر اندازہ کیجیے کہ ہماری تاریخ کو کیسے مسخ کیا گیا اور بے سروپا روایات کو کس طرح عوام میں پھیلایا گیا)

عام طور پر کہا جاتا ہے کہ ہاشم اور امیہ دونوں بھائی جڑواں پیدا ہوئے تھے۔۔۔ ان کی پیٹھیں ایک دوسرے سے جڑی ہوئی تھیں۔۔۔ تلوار کے ذریعہ انہیں جدا کیا گیا۔۔۔ بس اس دن جو دونوں کے درمیان تلوار چلی تو پھر خاندان میں ہاشمیوں اور بنو امیہ کے درمیان تلوار چلتی رہی۔

کوئی ان عقل کے اندھوں سے نہیں پوچھتا کہ امیہ تو ہاشم کا بھتیجا تھا۔۔۔ یہ ہاشم کے ساتھ کیسے پیدا ہو گیا۔۔۔ اور پیدا بھی ہوا کہ دونوں کی پیٹھ ملی ہوئی تھی۔ لَعْنَتُ اللّٰہِ عَلَی الْکَاذِبِیْنَ

آپ حضرات کے لیے یہ بات یقیناً نئی ہوگی کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی والدہ محترمہ اروٰی بنت کریز ہاشمی خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔۔۔ اروٰی کی والدہ محترمہ ام حکیم البیضاء نبی اکرم ﷺ کی حقیقی پھوپھی تھیں۔۔۔ نبی اکرم ﷺ کے والد محترم عبداللہ اور ام حکیم جڑواں پیدا ہوئے تھے۔

آسان الفاظ میں یوں سمجھیے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی والدہ محترمہ اروٰی نبی اکرم ﷺ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔۔۔ اس نسبت سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ان دونوں کے بھانجے لگے۔

اس اعتبار سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا۔۔۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے قریبی رشتہ ہے۔۔۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا ننھیال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاندان ہے۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ دائرۂ اسلام میں

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جو اس امت کے پہلے مومن ہیں۔۔۔ ان کا یہ امتیازی وصف ہے کہ انہوں نے اسلام کی دعوت کو دوسروں تک پہنچانے میں ہر ممکن کوشش فرمائی۔۔۔ انہوں نے دنیا کے کاموں، مصروفیات کو تج کر اشاعتِ اسلام کے لیے دن رات ایک کر دیئے۔۔۔ ایک ہی دھن ذہن پر سوار ہے کہ دعوتِ توحید کو عام ہونا چاہیے اور کسی طرح لوگ بت پرستی چھوڑ کر رب پرستی اختیار کر لیں۔۔۔ اور کفر کی تاریکیوں سے نکل کر اسلام کے نور کی جانب آجائیں۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی مسلسل کوشش کا نتیجہ تھا کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے۔۔۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے پہلے چند لوگ ہی اسلام میں داخل ہوئے تھے۔۔۔ اس لحاظ سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اَلسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْن کی پہلی صف میں شامل ہیں۔

(یہاں میں ایک بات کہنا چاہوں گا۔۔۔ اسے غور سے سنیے۔۔۔ اور یہ بات بھی عام مقررین اور علماء بیان نہیں کرتے۔۔۔ ہمارے مؤرخین اور سیرت نگاروں نے اس سلسلہ میں کوتاہی اور غفلت سے کام لیا)

مؤرخین اور سیرت نگاروں نے ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو اسلام قبول کرنے میں سبقت کرنے والی خاتون تحریر کیا۔۔۔ مگر حیرت اور تعجب ہے کہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی دونوں بیٹیوں سیدہ زینب اور سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہما کے ایمان کے تذکرہ کرنے سے ان کی زبانیں گنگ اور قلم کی سیاہی خشک کیوں ہوگئی۔۔۔؟

یہ دونوں بیٹیاں عاقلہ، بالغہ تھیں۔۔۔ یقیناً یہ دونوں بھی اپنی والدۂ محترمہ کے ساتھ ایمان کے زیور سے آراستہ ہوئی ہوں گی۔

اسلام قبول کرنے کی پاداش میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو بھی دوسرے صحابہ کی طرح

ستایا گیا۔۔۔ غلاموں کو بڑی بے دردی کے ساتھ اذیتوں میں مبتلا کیا گیا۔۔۔ بعض بااثر لوگوں کو بھی اس لیے ستایا گیا کہ دوسرے لوگ جو اسلام کی جانب راغب ہو رہے ہیں انہیں خوف اور ڈر پیدا ہو جائے کہ ہم اگر اسلام قبول کریں گے تو ہمارے ساتھ بھی یہی سلوک ہو گا۔

مشرکین نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تک کو ستایا۔۔۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ جیسے مالدار اور باحیثیت شخص کو ستایا گیا۔۔۔ ان کے چچا انہیں چٹائی میں لپیٹ کر نیچے سے دھواں دیتے جس سے آپ کا دم گھٹنے لگ جاتا۔

(تاریخ وسیرت میں ایسی کوئی روایت نہیں ملتی کہ اسلام لانے کی پاداش میں سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو بھی ستایا گیا ہو۔۔۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ چھوٹی عمر کے تھے اور ان کے دامنِ اسلام سے وابستہ ہونے سے مشرکین نے کوئی خطرہ محسوس نہیں کیا)

دامادئ رسول

یہ بات ذہن میں رکھیے۔۔۔! اور پلے باندھ لیجیے کہ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کے عطا ہونے کے بعد سب سے پہلے رشتہ جس شخص سے استوار کیا وہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ہیں۔

میرے الفاظ پر غور فرمایئے۔۔۔! نبوت کے عطا ہونے کے بعد رشتے داری قائم فرمائی سب سے پہلے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے۔۔۔ نبوت کے عطا ہونے سے پہلے ایک بیٹی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا رشتہ ابوالعاص سے کیا۔۔۔ خود ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے بھی نکاح فرمایا۔۔۔ مگر نبی بننے کے بعد۔۔۔ نبوت کے عطا ہونے کے بعد سب سے پہلا رشتہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے جوڑا۔

آپ کہیں گے اس میں فرق کیا ہے۔۔۔؟ نبوت ملنے سے پہلے اور نبوت ملنے کے بعد۔۔۔ آخر اس میں فرق کیا ہے۔۔۔؟ میں کہوں گا۔۔۔ جو رشتہ نبوت ملنے سے پہلے کیا تھا وہ محمد بن عبداللہ کی حیثیت سے کیا تھا۔۔۔ اور جو رشتہ نبوت کے ملنے کے بعد استوار

کیا وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیثیت سے کیا تھا۔

امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا۔۔۔سیدہ خدیجہ اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہما میں کیا فرق ہے۔۔۔؟ شاہ جی نے بڑا خوبصورت جواب دیا۔۔۔فرمایا:

جب سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا تو محمد بن عبداللہ کی حیثیت سے فرمایا۔۔۔

اور جب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیثیت سے کیا تھا۔

جس دن نکاح محمد بن اللہ کی حیثیت سے ہوا اس وقت اختیارات اللہ نے آپ کو سونپ رکھے تھے۔۔۔۔نکاح اپنی مرضی اور ارادے سے فرمایا۔۔۔۔اور جس دن نکاح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیثیت سے ہوا اس دن تمام اختیارات اللہ نے اپنے ہاتھ میں رکھے ہوئے تھے۔۔۔۔اس دن نبوت کے ارادے کا عمل دخل نہیں تھا بلکہ سب کچھ اللہ کی مرضی اور ارادے سے ہوا۔

دونوں میں اتنا ہی فرق ہے جتنا محمد بن عبداللہ۔۔۔۔اور۔۔۔۔محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ہے۔

یہی بات یہاں بھی ہے۔۔۔محمد بن عبداللہ کی حیثیت سے آپ نے اپنی بیٹی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی شادی کی۔۔۔۔سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی۔۔۔۔مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیثیت سے سب سے پہلے اپنی دامادی کے لیے رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو منتخب فرمایا اور اپنی لخت جگر سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا آپ کے نکاح میں دی۔

غزوۂ بدر کے لیے جب لشکر روانہ ہونے لگا۔۔۔۔تو سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی طبیعت سخت ناساز تھی۔۔۔۔کفر و اسلام کی جنگ اور پہلی جنگ مگر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو حکم ہوتا ہے تم اپنی اہلیہ کی تیمارداری کرو۔۔۔۔سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ افسردہ اور غمگین ہوئے کہ سب صحابہ ذوق و شوق سے جا رہے ہیں۔۔۔۔اور میرے لیے حکم ہو رہا ہے کہ آپ نہ جائیں۔

نبی اکرم ﷺ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے افسردہ چہرے کو دیکھا تو فرمایا۔۔۔تم اپنی اہلیہ اور میری بیٹی کی تیمارداری کرو اللہ تمہیں بدر کے غازیوں کے برابر اجر سے نوازے گا۔ (بخاری $\frac{523}{1}$ ، مشکوٰۃ 561)

میدانِ بدر میں مسلمان فتح سے ہمکنار ہوئے۔۔۔اور مالِ غنیمت غازیوں میں تقسیم ہونے لگا۔۔۔تو آپ نے مالِ غنیمت میں سے ایک حصہ الگ کر دیا۔۔۔صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ! یہ کس کا حصہ ہے۔۔۔؟ آپ نے فرمایا۔۔۔یہ حصہ اس خوش نصیب کا ہے جسے میرے رب نے بدر کا غازی قرار دیا ہے۔

رحمت کائنات ﷺ بدر سے واپس آئے۔۔۔تو سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہو چکا تھا (جس دن قاصد بدر کی فتح کی نوید لے کر مدینہ میں آیا۔۔۔اسی وقت سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی تدفین ہو رہی تھی)

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی جدائی سے بہت افسردہ اور غمگین رہنے لگے۔۔۔نبوت کے ساتھ دامادی کا حسین ترین رشتہ ختم ہو گیا۔

نبی اکرم ﷺ نے سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد اپنی دوسری لخت جگر سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے نکاح میں دے دی۔۔۔اسی بنا پر ان کا لقب ذوالنورین پڑ گیا۔

لوگو۔۔۔! سنو۔۔۔! یہ اعزاز کہ ایک نبی کی دو بیٹیاں ایک شخص کے نکاح میں۔۔۔یہ اعزاز سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا ایسا اعزاز ہے کہ صرف امت محمدیہ میں نہیں بلکہ اولادِ آدم میں کوئی شخص بھی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا ہم پلہ اور ہم مرتبہ نہیں ہے۔

دنیا میں انبیاء آتے رہے ان کے ہاں بیٹے اور بیٹیاں بھی جنم لیتی رہیں۔۔۔مگر دنیا کی تاریخ میں کہیں نہیں ملے گا کہ کسی ایک نبی نے اپنی دو بیٹیاں ایک شخص کے نکاح میں دی ہوں۔

یہ شرف اور عظمت، یہ مقام اور یہ مرتبہ، یہ شان اور یہ رتبہ رب العالمین نے صرف سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔۔۔ جس کی بنا پر وہ ذوالنورین کہلائے۔

سامعین گرامی قدر! اسی مقام پر میں ایک بات کرنا چاہتا ہوں اور ایک بات آپ کو سمجھانا چاہتا ہوں۔۔۔ کچھ بدبختوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ذوالنورین ہونے والے شرف سے انکار کرنے کے لیے یہ زہریلا پروپیگنڈا کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صرف ایک بیٹی تھی۔۔۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

اور باقی کی تین بیٹیاں سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پہلے خاوند سے تھیں۔۔۔۔ یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقیقی اور صلبی بیٹیاں نہیں تھیں بلکہ ربیبہ تھیں۔

عجیب لوگ ہیں۔۔۔ اتنے نڈر اور بے باک کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹیوں کا باپ کسی اور کو بنانے پر مصر ہیں۔۔۔ انہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹیاں تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں۔۔۔ مقصد یہ ہے کہ نہ ایک سے زائد بیٹی مانیں گے اور نہ عثمان رضی اللہ عنہ کو داماد ماننا پڑے گا۔۔۔ حالانکہ خود ان کی معتبر ترین کتابوں میں موجود ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹیوں کی تعداد چار ہے۔

اہل تشیع کی سب سے معتبر کتاب اصول کافی میں ہے:

تَزَوَّجَ خَدِيْجَةَ وَهُوَ اِبْنُ بِضْعٍ وَعِشْرِيْنَ سَنَةً فَوُلِدَ لَهٗ قَبْلَ مَبْعَثِهٖ اَلْقَاسِمُ وَرُقَيَّةُ وَزَيْنَبُ وَاُمُّ كُلْثُوْم وَوُلِدَ لَهٗ بَعْدَ الْمَبْعَثِ اَلطَّيِّبُ وَالطَّاهِرُ وَالْفَاطِمَةُ (اصول کافی $\frac{146}{3}$)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا اس وقت آپ کی عمر بیس سال سے کچھ زائد تھی، نبوت کے ملنے کے بعد آپ کے ہاں خدیجہ کے بطن سے قاسم، رقیہ، زینب اور ام کلثوم پیدا ہوئیں اور نبوت ملنے سے پہلے طیب، طاہر اور فاطمہ پیدا ہوئیں۔

میں ایک حوالہ ملا باقر مجلسی (جو گیارہویں صدی کا معتبر ترین شیعہ عالم ہے) کی

شہرۂ آفاق تصنیف حیات القلوب سے پیش کرنا چاہتا ہوں۔۔۔اس حوالے سے تمام اشکال دور ہو جائیں گے۔

معتبر اسناد کے ساتھ حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے:

کہ از برائے رسولِ خدا از خدیجہ متولد شد طاہر وقاسم وفاطمہ وام کلثوم ورقیہ وزینب وفاطمہ را بحضرت امیر المومنین تزویج نمود وتزویج کرد بابو العاص بن ربیعہ کہ بنی امیہ بود زینب را وبعثمان بن عفان ام کلثوم را وپیش از انکہ بخانہ آن برد او بررحمتِ الٰہی واصل شد وبعد از ورقیہ باو تزویج نمود

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد جو سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بطن سے ہوئی طاہر، قاسم، فاطمہ، ام کلثوم، رقیہ اور زینب تھیں۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کر دیا اور سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی شادی ابوالعاص کے ساتھ کر دی جو بنو امیہ قبیلہ سے تھے۔ سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے ساتھ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا نکاح ہوا ابھی وہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر نہیں گئی تھیں۔۔۔کہ ان کا انتقال ہو گیا پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی دوسری بیٹی سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا ان کے نکاح میں دے دی۔

یہ روایت کسی عام شخص سے مروی نہیں۔۔۔تمہارے ہاں معصوم امام حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے۔۔۔جس سے ثابت ہو رہا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹیوں کی تعداد چار تھی۔۔۔اور یہ بھی واضح ہو رہا ہے کہ دو بیٹیاں سیدہ ام کلثوم اور سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہما سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں۔

میں مناسب سمجھتا ہوں کہ ملا باقر مجلسی کا ایک اور حوالہ بھی آپ کے سامنے پیش کروں۔۔۔ملا باقر مجلسی ہجرتِ حبشہ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

پس یازدہ مرد و چہار زن خفیہ از اہل مکہ گریختند وبجانب حبشہ رواں شدند واز جملہ آنہا عثمان بود ورقیہ دختر حضرت رسول کہ زن او بود (حیات القلوب $\frac{294}{2}$)

گیارہ مرد اور چار عورتیں اہل مکہ سے بھاگ کر حبشہ چلے گئے ان میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بھی تھے اور ان کی بیوی سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی بھی تھی۔

آخر میں ایک حوالہ ایسی کتاب سے دینا چاہتا ہوں جو ہر شیعہ کے گھر میں موجود ہے۔۔۔تحفۃ العوام۔۔۔اس میں ہر روز کی دعاؤں میں بڑے واضح الفاظ میں لکھا ہوا ہے:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی رُقَیَّۃَ بِنْتِ نَبِیِّكَ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی اُمِّ کُلْثُوْمِ بِنْتِ نَبِیِّكَ (تحفۃ العوام 105/1)

اے اللہ! رحمت بھیج رقیہ پر جو تیرے نبی کی بیٹی ہے اور رحمت بھیج ام کلثوم پر جو تیرے نبی کی بیٹی ہے۔

سامعین گرامی قدر! سنو۔۔۔! اسلام میں افضلیت اور فضیلت کا دارومدار برادری، کنبہ، قبیلہ، رنگ، نسل اور رشتوں پر نہیں ہے۔۔۔ بلکہ اسلام نے اللہ کے ہاں مقرب ترین بندہ اسے قرار دیا ہے جو اللہ سے ڈرتا ہے۔

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ (الحجرات 13)

اللہ کے ہاں سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔

مگر ایک طبقہ نے دامادی کی نسبت سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لیے وہ فضائل اور مناقب مان لیے ہیں۔۔۔ جو نبوت کے مناقب ہو سکتے ہیں۔۔۔ اگر رشتے داری اور دامادیٔ رسول باعثِ فضیلت ہے تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا مقام و مرتبہ اس اعتبار سے بھی اعلیٰ اور اونچا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک بیٹی ہے اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر دو بیٹیاں ہیں۔۔۔۔۔ وہ دوہرے داماد نبی ہیں۔۔۔ پھر حیران کن بات یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دوسری بیٹی سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا۔۔۔ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو افسردہ اور پریشان دیکھ کر فرمایا:

اگر میری چالیس بیٹیاں ہوتیں اور یکے بعد دیگرے فوت ہوتی چلی جاتیں تو میں چالیس کی چالیس بیٹیاں تیرے نکاح میں دیتا چلا جاتا۔

بیٹیوں والو۔۔۔! ایک لمحہ کے لیے یہاں رک کر سوچو۔۔۔! سسر اور داماد کا رشتہ کتنا نازک ہوتا ہے۔۔۔ جس جگہ آپ نے بیٹی کی شادی کی ہو۔۔۔ اور بیٹی خوش نہ ہو۔۔۔ خاوند سخت مزاج اور ترش رو ہو۔۔۔ بیٹی کو مارتا ہو۔۔۔ تنگ کرتا ہوں۔۔۔ بیٹی روتے ہوئے بابا کے گھر آتی ہو۔۔۔ ذرا بتاؤ تو سہی دوسری بیٹی بھی اسی گھر میں بیاہ دیتے ہونا۔۔۔؟ یا رشتہ مانگنے آئیں تو صاف لفظوں میں جواب دیتے ہو۔

اور اِدھر سسر کہہ رہا ہے جو کائنات کا سرتاج ہے۔۔۔ اگر میری چالیس بیٹیاں ہوتیں عثمان میں تیرے نکاح میں دیتا چلا جاتا۔ (میں کہتا ہوں۔۔۔ یہ جملہ وہی سسر کہہ سکتا ہے جس کے سینے میں داماد نے ٹھنڈ ڈال دی ہو)

تصویر کا دوسرا رخ

میں اس سلسلہ میں تصویر کا دوسرا رخ آپ کو دکھانا چاہتا ہوں۔۔۔ اگرچہ میرا دل تو نہیں کرتا کہ یہ واقعہ آپ کو سناؤں لیکن واقعہ اتنا قوی ہے کہ شیعہ اور سنی دونوں کتابوں نے اسے درج کیا ہے۔۔۔ یہ واقعہ سنانا اس لیے بھی ضروری ہے کہ ایک طبقہ دامادی کے رشتے کی بنیاد پر فضیلت وعظمت کو بیان کرتا ہے۔۔۔ اللہ گواہ ہے ہم اہلسنت سب اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم کا اور خاندانِ علی کا یکساں احترام کرتے ہیں۔

ہماری ایک آنکھ کا نور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہے۔۔۔ تو دوسری آنکھ کا نور حیدر کرار رضی اللہ عنہ ہے۔۔۔ جس طرح سیدنا فاروق اعظم اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہما کا ہم احترام کرتے ہیں۔۔۔ اتنا ہی احترام ہمارے دلوں میں سیدنا حسن اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہما کا بھی ہے۔

سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی شان میں ادنیٰ گستاخی کرنے والا بھی ہمارے نزدیک مردود ہے۔۔۔ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اصحاب رسول رضی اللہ عنہم کی جماعت میں

اونچے مقام کے حامل ہیں۔۔۔۔۔ ہم اہل سنت کا نظریہ ہے کہ تمام امتوں میں سیدنا صدیق اکبر۔۔۔سیدنا فاروق اعظم۔۔۔سیدنا عثمان (رضی اللہ عنہم) کے بعد سب سے بلند ترین اور افضل ترین ہستی اگر کوئی ہے تو وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی ہستی ہے۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو دو بیٹیاں دیں۔۔۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان پر اتنے خوش کہ فرمایا میری چالیس بیٹیاں ہوتیں تو میں تیرے نکاح میں دیتا چلا جاتا۔۔۔ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو ایک بیٹی دی۔۔۔وہاں کیا حالت ہے۔۔۔؟

اربلی نے کشف الغمہ میں اس واقعہ کو بیان کیا (یہ اہل تشیع کی کتاب ہے) اور گیارہویں صدی کے معتبر ترین شیعہ مجتہد۔۔۔۔ ملا باقر مجلسی نے حیات القلوب میں اور جلاء العیون میں بھی اس واقعہ کو بیان کیا۔

کہ کسی شخص نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو یہ اطلاع دی۔۔۔ کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ ابو جہل کی بیٹی سے نکاح کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔۔۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اس سے کہا تم اس پر قسم کھا سکتے ہو۔۔۔؟ اس نے تین مرتبہ قسم اٹھالی کہ میں سچ کہہ رہا ہوں۔۔۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنے بچوں کو لے کر روتے ہوئے بابا کے گھر آگئیں۔

ادھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ گھر تشریف لائے اور معلوم ہوا کہ ناراض ہو کر بابا کے گھر چلی گئی ہیں۔۔۔ گھر سے نکلے مسجد میں جا کر نوافل ادا کیے اور ننگی زمین پر سو گئے۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے تمام کارروائی سے بابا کو آگاہ کیا۔۔۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی پریشانی سے اور رونے سے خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی افسردہ اور مغموم ہو گئے۔۔۔۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لائے وہ گھر میں موجود نہیں تھے۔۔۔ دیکھا تو مسجد میں ننگی زمین پر سوئے ہوئے ہیں۔۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا پاؤں مبارک سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاؤں پر رکھا اور فرمایا:

قُم یَا اَبَا تُرَابٍ

مٹی والے اٹھ۔۔۔اور ابوبکر وعمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کو بلا کر لاؤ۔

یہاں کچھ اَن بَن تو سیدہ فاطمہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہما کے مابین ہے۔۔۔ان تینوں کو بلانے کا مقصد اور مدعا کیا ہے۔۔۔؟

جن کتابوں کا حوالہ میں نے ابتدا میں عرض کیا ہے انہی کتب میں ہے۔۔۔کہ ان تینوں کا تعلق اس واقعہ سے یہ ہے۔۔۔کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لیے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا رشتہ مانگنے کے لیے یہی تینوں تشریف لائے تھے۔

جب خاوند کی طرف سے یا سسرال کی جانب سے بیٹی کو کوئی شکایت ہوتی ہے تو شکوہ وشکایت ان سے کی جاتی ہے جنہوں نے رشتہ کروایا ہوتا ہے۔

پھر حکم دیا۔۔۔لوگوں کو اکٹھا کیا جائے۔۔۔پھر میرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ دیا اور فرمایا:

لَا تَجْتَمِعُ بِنْتُ عَدُوِّ اللّٰهِ وَبِنْتُ رَسُوْلِ اللّٰهِ فِيْ بَيْتٍ وَّاحِدٍ

اللہ کے نبی کی بیٹی اور اللہ کے دشمن کی بیٹی ایک گھر میں جمع نہیں ہوسکتیں۔

طَلِّقِ ابْنَتِيْ

ابوجہل کی بیٹی سے شادی کرنی ہے تو میری بیٹی کو طلاق دے دو۔

فَاطِمَةُ بِضْعَةٌ مِّنِّيْ

فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے۔

مَنْ اٰذَاهَا فَقَدْ اٰذَانِيْ (جلاء العیون اردو 62-63)

جس نے فاطمہ کو دکھ دیا اور ستایا اس نے مجھے دکھ پہنچایا۔

حضراتِ گرامی قدر! ستیاناس ہو پروپیگنڈے کا۔۔۔میرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ لفظ کب کہے اور کیوں کہے۔۔۔؟ کس کے لیے کہے۔۔۔؟ اور یار لوگوں نے اسے فٹ اور چسپاں کہاں کیا۔۔۔؟

کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے باغِ فدک فاطمہ کو نہ دے کر ان کا دل دکھایا۔۔۔اور جو فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دکھاتا ہے اس نے محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دکھ پہنچایا۔۔۔ظالمو۔۔۔! کہاں کی بات تم نے مکاری اور عیاری سے کہاں فٹ کر دی۔

اِدھر یہ حالات تھے اور اُدھر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اللہ گواہ ہے دنیا کی پوری تاریخ میں آج تک کوئی خسر ایسا نہیں ہوا اور قیامت کی صبح تک ہوگا بھی نہیں۔۔۔جس نے اپنے داماد کو اتنی قدر و منزلت اور عزت و عظمت کی نگاہ سے دیکھا ہوا۔۔۔اور اتنی فراخ دلی اور مسرت سے اپنی بیٹیاں یکے بعد دیگرے دینے کی پیشکش کی ہو۔۔۔اور آج تک آفتاب نے ایسا داماد بھی نہیں دیکھا جس کے لیے خسر نے ایسی بے مثال پیشکش کی ہو۔

اس سے یہی حقیقت نکھر کر سامنے آتی ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے دامادی کا حق ادا کیا اور ایسا مکمل حق ادا کیا کہ نہ کبھی اہلیہ کو ان سے کوئی شکایت ہوئی اور نہ خسر کو کبھی شکایت کا موقع ملا۔۔۔نہ پوری زندگی کبھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غمگین کیا۔۔۔نہ ان کی افسردگی کا سبب بنا۔۔۔نہ کبھی ان کی اہلیہ۔۔۔نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی ان کے رویے سے روتے ہوئے بابا کے گھر آئی۔۔۔ایسی بے مثال اور دوہری دامادی عظمت و عزت کا ایسا تاج ہے جو فقط سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے سر پر سجتا ہے۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ذو ہجرتین

جس طرح سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے نکاح میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دو بیٹیاں آئیں اور آپ ذوالنورین کے اعزاز اور شرف سے مشرف ہوئے۔اسی طرح سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ہجرت فی سبیل اللہ کا اعزاز بھی دو مرتبہ پایا اور یوں ذوالہجرتین کہلائے۔

مکہ مکرمہ میں نبوت کے ابتدائی سالوں میں مشرکین مکہ نے مسلمانوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے۔۔۔انہیں جسمانی اذیت پہنچانے کے ساتھ ذہنی کوفت بھی پہنچائی۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بھی ان مظلوموں میں شامل تھے۔۔۔نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے 5 نبوی

ہیں مسلمانوں کو اجازت عنایت فرمادی کہ مکہ سے ہجرت کر کے دوسرے شہروں میں جانا چاہتے ہو تو چلے جاؤ۔

بارہ مردوں اور چار عورتوں نے حبشہ کی جانب ہجرت کی۔۔۔ان میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کی اہلیہ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا بھی شامل ہیں۔۔۔اسی موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ عُثْمَانَ اَوَّلُ مَنْ هَاجَرَ مِنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ بِاَهْلِهٖ (مستدرک حاکم)

سیدنا ابراہیم اور سیدنا لوط علیہما السلام کے بعد اس امت میں اپنے اہل کے ساتھ ہجرت کرنے والا اگر کوئی شخص ہے تو وہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ہے۔

ہجرت حبشہ کے بعد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی۔۔۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو ذوالنورین کہنے کی اصل وجہ یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دو بیٹیاں ان کے عقد میں آئیں اور اس لیے بھی وہ ذوالنورین ہیں۔۔۔ کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ذوالہجرتین ہیں۔۔۔ذوالنورین ہونا اور ذوالہجرتین ہونا۔۔۔ دونوں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی افضیلت کی واضح دلیل ہیں۔

اسی طرح تاریخ اسلام کے دو اہم موڑ اور دو مقام ایسے آئے۔۔۔ کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ دونوں جگہوں پر موجود نہیں تھے۔۔۔مگر رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں موجود مانا۔

ایک غزوۂ بدر۔۔۔بوجہ تیمارداری سیدہ رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔۔۔سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر میں شریک نہیں تھے۔۔۔لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں موجود مان کر مالِ غنیمت میں سے حصہ بھی عطا فرمایا۔

دوسرا مقام حدیبیہ ہے۔۔۔ جہاں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ موجود نہیں وہ سفیر رسول بن کر مکہ گئے ہوئے تھے۔۔۔مگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ایک ہاتھ کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا ہاتھ قرار دے کر۔۔۔ ان کی طرف سے بیعت کر کے انہیں حدیبیہ میں موجود مانا۔۔۔ ذوالنورین ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بدر کے علاوہ ہر غزوہ میں بنفس نفیس شریک رہے۔۔۔ غزوۂ خیبر میں آپ ایک دستہ کے امیر مقرر رہوئے۔۔۔ بدنی طور پر بھی آپ نے جہاد فی سبیل اللہ میں بڑا حصہ لیا۔۔ مگر مالی لحاظ سے آپ کے جہاد کی نظیر اور مثال اصحاب رسول کی پوری جماعت میں نہیں ملتی۔

قرآن نے صرف جسمانی جہاد کا تذکرہ نہیں کیا بلکہ اس کے ساتھ مالی جہاد (انفاق فی سبیل اللہ) کا ذکر بھی فرمایا ہے۔۔۔ اس لیے کہ جب تک آلاتِ جنگ۔۔۔ اسلحہ وغیرہ نہیں ہوگا۔۔۔ سفر کے لیے زادِ راہ اور سواریاں نہیں ہوں گی۔۔۔ بچاؤ کے لیے زرہ نہیں ہوگی۔۔۔ حملے کے لیے تلواریں اور تیر نہیں ہوں گے تو جسمانی جہاد ممکن ہی نہیں۔

قرآن نے کہا:

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ أَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ وَأُولٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُوْنَ (التوبہ 20)

جو لوگ ایمان لائے، ہجرت کی، اللہ کے راستے میں اپنے مال اور اپنی جان سے جہاد کیا (یہاں جسمانی جہاد سے پہلے مالی جہاد کا تذکرہ فرمایا) وہ اللہ کے ہاں بہت بڑے مرتبے والے ہیں اور یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔

سورت الانفال میں ارشاد ہوا:

إِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (الانفال 72)

بیشک جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنے مالوں اور جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا (یہاں بھی جسمانی جہاد کا تذکرہ بعد میں ہوا اور مالی جہاد کا ذکر پہلے ہوا)

جہاد بالاموال میں۔۔۔ زمین، جانور، مویشی، اناج، فصلیں، پھل، کپڑا۔۔۔ نقد رقم سب شامل ہیں۔۔۔ اور جہاد بالانفس میں صرف جسمانی اور جان ہی نہیں بلکہ قصد،

نیت، منصب، اقتدار، اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے ہر قسم کی محنت اور کوشش ۔۔۔ دین کی سربلندی کے لیے ہر قسم کی سعی سب کچھ شامل ہے۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ جہاد بالنفس ۔۔۔ میں اعلیٰ درجہ کے مجاہد ہیں ۔۔۔ اور جہاد بالاموال میں تو ان کا ثانی کوئی نہیں ہے ۔۔۔ اس لیے جس جگہ جس قسم کے مالی ایثار کی ضرورت پیش آئی وہاں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم میں سب سے آگے نظر آئے۔

تبوک میں

ویسے تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے بارہا مالی ایثار فرمایا ۔۔۔ میرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چندے کی اپیل فرمائی ۔۔۔ تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سب سے پہلے اٹھے ۔۔۔ میں ان جگہوں کا تذکرہ کروں گا، ان شاء اللہ العزیز!

مگر سب سے پہلے اس مالی جہاد کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں ۔۔۔ جس مالی جہاد نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے مرتبے اور رتبے کو چار چاند لگا دیئے ۔۔۔ اور ان کی فضیلت وعظمت پر مہر تصدیق ثبت فرما دی ۔۔۔ وہ تبوک کے موقع پر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا جہاد فی سبیل اللہ کے لیے کھل کر مالی ایثار ہے۔

سیدنا عبدالرحمن بن خبّاب رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا ۔۔۔ وَهُوَ يَحُثُّ عَلَى جَيْشِ الْعُسْرَةِ

آپ جیش العسرہ (غزوۂ تبوک) کے لیے لوگوں کو مالی تعاون کی اپیل فرما رہے تھے۔

غزوۂ تبوک کو جیش العسرہ ۔۔۔ تنگی والا لشکر کہا جاتا ہے ۔۔۔ لمبا سفر ۔۔۔ ریتلا علاقہ ۔۔۔ گرمی کا موسم ۔۔۔ فصل پکی ہوئی ۔۔۔ سواریوں کا فقدان ۔۔۔ اسلحہ کی کمی اور پیشہ ور فوج سے مقابلہ ۔۔۔ راستے کے لیے کھانے پینے کا سامان تک موجود نہیں ۔۔۔ ایسے حالات میں رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مالی تعاون کی اپیل فرمائی۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور کہا:

عَلَیَّ مِأَۃُ بَعِیْرٍ بِاَحْلَاسِھَا وَاَقْتَابِھَا ۔۔۔ ایک سو اونٹ مع ساز و سامان کے میں دوں گا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپیل جاری رکھی۔۔۔۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک سو مزید اونٹوں کا اعلان کیا۔۔۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر ترغیب دلائی۔۔۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پھر اٹھے اور کہا ایک سو اونٹ مزید مع ساز و سامان کے میرے ذمہ۔

راویٔ حدیث سیدنا عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ

رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَنْزِلُ عَنِ الْمِنْبَرِ وَھُوَ یَقُوْلُ مَا عَلٰی عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ ھٰذِہٖ (ترمذی 211، مشکوٰۃ 561)

میں نے دیکھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر سے نیچے اتر رہے تھے اور فرما رہے تھے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے اس عمل کے بعد اسے کوئی چیز نقصان نہیں پہنچائے گی۔

مطلب یہ ہے کہ اس مالی جہاد کی تاثیر اور برکت سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے آئندہ کوئی ایسا عمل صادر ہی نہیں ہوگا جو نقصان دہ ہو اور جس سے آخرت میں مؤاخذہ ہو۔

سیدنا عبدالرحمن بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بار بار صحابہ کو ترغیب دلا رہے تھے اور چندے کی اپیل فرما رہے تھے کہ

جَاءَ عُثْمَانُ اِلَی النَّبِیِّ ﷺ بِاَلْفِ دِیْنَارٍ فِیْ کُمِّہٖ حِیْنَ جَھَّزَ جَیْشَ الْعُسْرَۃِ

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے جب آپ غزوۂ تبوک کی تیاری کر رہے تھے۔۔۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک ہزار دینار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جھولی میں ڈال دیئے۔

فَرَاَیْتُ النَّبِیَّ ﷺ یُقَلِّبُھَا فِیْ حِجْرِہٖ وَھُوَ یَقُوْلُ مَا ضَرَّ عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ الْیَوْمِ مَرَّتَیْنِ (مشکوٰۃ 561)

سیدنا عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ آپ ہزار دینا کو

اپنی جھولی میں الٹ پلٹ کر رہے تھے۔۔۔جھولی میں اچھال رہے تھے اور کہہ رہے تھے آج کے بعد عثمان جو کچھ بھی کرتا رہے اسے کوئی عمل نقصان نہیں پہنچا سکتا۔۔۔عثمان کو جنت میں جانے سے کوئی عمل بھی نہیں روک سکتا۔

البدایہ والنہایہ میں علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔۔۔کہ اسی موقع پر نبی اکرم ﷺ نے خوشی سے جھوم کر فرمایا۔۔۔مولا! میں عثمان سے راضی ہو گیا تو بھی راضی ہو جا۔۔۔اور پھر رحمت کائنات ﷺ نے تمام صحابہ سے کہا تم سب بھی عثمان کے لیے دعا کرو۔

کنزالعمال میں ایک روایت ہے۔۔۔ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ چندے کی ترغیب پر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بار بار کھڑے ہوئے۔۔۔پھر ایک سو دینار لے کر نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں پہنچے۔۔۔تو رحمت کائنات ﷺ اٹھ کھڑے ہوئے اور بے ساختہ عثمان کو اپنے سینے سے لگایا اور فرمایا: عثمان!

أَنْتَ رَفِيقِي فِي الدُّنْيَا وَرَفِيقِي فِي الْآخِرَةِ

عثمان تم دنیا میں بھی میرے دوست ہو اور آخرت میں بھی میرے دوست ہو۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔۔۔کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے مالی ایثار سے خوش ہو کر نبی اکرم ﷺ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے دعا کرتے ہوئے اپنے ہاتھ اتنے بلند کیے کہ میں نے دعا کرتے ہوئے اتنے ہاتھ بلند کرتے ہوئے آپ کو نہیں دیکھا۔

ایک روایت میں آیا کہ غزوۂ تبوک کی تیاری کے لیے نبی اکرم ﷺ کی اپیل پر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بار بار کھڑے ہوتے۔۔۔اور رقم دینے کا۔۔۔اونٹ مع ساز و سامان عطیہ کرنے کا اعلان کرتے۔۔۔نبی اکرم ﷺ نے آخرکار فرمایا:

قَطْ قَطْ يَا عُثْمَانُ أَشْهَدُ لَكَ بِالْجَنَّةِ

عثمان بس کرو، بس کرو، میں تیرے لیے جنت کی شہادت دیتا ہوں۔

تبوک کے اس موقع پر نبی اکرم ﷺ نے کتنے حسین اور دلربا الفاظ میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو خوشخبریاں اور بشارتیں دی ہیں اور ان کی کس قدر عزت افزائی فرمائی ہے۔

تنقید کرنا آسان ہے اور تنقیص کرنا مشکل نہیں۔۔۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے بغض میں اندھے ہو کر الزام تراشیاں کرنے پر کچھ خرچ نہیں ہوتا۔۔۔ تبراء کرنا اور لعنت لعنت کا ورد کرنا۔۔۔ یہ سب قیامت کے دن معلوم ہوگا جب نبی اکرم ﷺ کا سامنا کرو گے۔۔۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف ہرزہ سرائی کرنے والے بھی سنیں۔۔۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف زبان طعن دراز کرنے والے بھی سنیں اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی غلطیاں گنوانے والے بھی غور کریں۔

فضیلت اور عظمت کے جو کلمے نبی اکرم ﷺ نے تبوک کی تیاری کے موقع پر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے بولے۔۔۔ نبی اکرم ﷺ سے پہلے کسی نبی نے بھی اپنے کسی امتی کے لیے نہیں بولے۔۔۔ اور خود رحمت عالم ﷺ نے بھی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے علاوہ یہ کلمے کسی دوسرے صحابی کے لیے نہیں کہے۔۔۔ آپ نے یہ کلمے کہے تو صرف سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے۔

مَا ضَرَّ عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ الْيَوْمِ یا مَا ضَرَّ عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ الْيَوْمِ قَطُّ

آج کے بعد عثمان کو اس کا کوئی عمل نقصان نہیں پہنچائے گا۔

بئر رومہ کی خریداری مسلمان ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے تو میٹھے پانی کا صرف ایک کنواں تھا بئر رومہ۔۔۔ جو ایک یہودی کی ملکیت تھا۔۔۔ یہودی مسلمانوں کو قیمتاً بھی پانی دینے کے لیے تیار نہیں تھا۔۔۔ مقصد یہ تھا کہ انہیں تنگ کیا جائے اور یہ مدینہ سے بھاگ جائیں۔۔۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی اکرم ﷺ سے شکایت کی تو آپ نے مسجد نبوی میں اعلان فرمایا کہ جو شخص بئر رومہ کا ایک حصہ خرید کر اللہ کی راہ میں وقف کرے اور اس میں

اپنا حصہ بھی عام مسلمانوں کی طرح رکھے میں اس کے لیے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔

نبی اکرم ﷺ ابھی اپیل فرما رہے تھے کہ مہاجرین میں سے ایک شخص اٹھا۔۔۔ جس کا تعلق بنوامیہ سے تھا۔۔۔ جس نے رب کی خاطر دو مرتبہ وطن کو چھوڑا تھا۔۔۔ جس کا نام عثمان رضی اللہ عنہ ہے۔۔۔ اس نے کہا میں حاضر ہوں۔۔۔ کنویں کی منہ مانگی رقم یہودی کو دینے کے لیے تیار ہوں۔

آپ نے فرمایا ایک دن مسلمانوں کا اور ایک دن یہودی کا۔۔۔ مسلمانوں کی باری کے دن غیر مسلم بھی آئیں انہیں بھی پانی مفت فراہم کیا جائے گا۔

یہودی نے دیکھا کہ مسلمانوں کی باری کے دن سب لوگ دوسرے دن کا پانی بھی بھر لیتے ہیں۔۔۔ اور میری باری کے دن کوئی پانی خریدنے نہیں آتا۔۔۔ اس نے اپنا حصہ بھی بیچنے کا فیصلہ کیا۔

نبی اکرم ﷺ نے پھر اپیل کی کہ عثمان نے بئر رومہ کا نصف حصہ خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کیا ہے۔۔۔ اب تم میں سے کون ہے۔۔۔؟ جو باقی حصے کو خریدے اور مسلمانوں کے لیے وقف کر دے۔۔۔ میں اسے جنت کی بشارت دیتا ہوں۔

بتلاؤ اب بھی کون اٹھا۔۔۔؟ سب صحابہ موجود تھے۔۔۔ نبی اکرم ﷺ کے رشتے دار بھی موجود تھے۔۔۔ ہاشمی خاندان کے افراد بھی موجود تھے۔۔۔ مگر پھر تو بنوامیہ کا سپوت اٹھا۔۔۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اٹھ کر کہنے لگے۔۔۔ یا رسول اللہ! باقی کا حصہ بھی میں خرید کر وقف کرتا ہوں۔

پہلے نصف کی قیمت بارہ ہزار درہم ادا کی گئی اور دوسرا نصف آٹھ ہزار درہم میں خریدا گیا۔۔۔ یہ سب قیمت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی گرہ سے ادا کی تھی۔ (صد افسوس! کہ اسی کنویں کا پانی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر ظالموں نے بند کر دیا)

مسجد نبوی کی توسیع مسجد نبوی۔۔۔ کسی نبی کی بنائی ہوئی آخری مسجد ہے۔۔۔

اس کی رقم سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ادا کی تھی۔۔۔ مسلمانوں کی تعداد دن بدن بڑھنے لگی۔۔۔ اسلام کی دعوت مدینہ کے آس پاس علاقوں تک مقبولیت اختیار کرنے لگی۔۔۔ مسجد نبوی تنگئ داماں کی شکایت کرنے لگی۔

آپ نے اعلان فرمایا۔۔۔ کون ہے جو مسجد نبوی کی توسیع کے لیے زمین خرید کر دے۔۔۔ میں اس سے جنت کا وعدہ کرتا ہوں۔۔۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اٹھے اور عرض کی یا رسول اللہ! مسجد نبوی کی توسیع کے لیے جتنی زمین کی ضرورت ہو۔۔۔ عثمان اسے خریدنے کے لیے حاضر ہے۔

غزوات کے مواقع پر فی سبیل اللہ خرچ کرنا، بئر رومہ کی خریداری اور مسجد نبوی کی توسیع کے لیے مال خرچ کرنے کے علاوہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ضرورت پڑنے پر مسلمانوں کے لیے بھی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ گرامی اور اہل بیت رسول کے لیے بھی اپنا مال خرچ کرتے تھے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر میں فاقہ کی کیفیت ہے۔۔۔۔۔۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں تشریف لائے اور پوچھا کھانے کے لیے کچھ ہے؟ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ! کچھ بھی نہیں ہے۔۔۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وضو فرما کر مسجد میں تشریف لے گئے۔۔۔ اور مسجد نبوی کے مختلف کونوں اور حصوں میں نماز پڑھنے لگے اور دعائیں مانگنے لگے۔

اتنے میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ آئے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پوچھا۔۔۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ساری صورت حال سے آگاہ کیا کہ کئی دن سے فاقہ ہے اور آپ اسی پریشانی میں مسجد میں تشریف لے گئے ہیں۔

یہ سب سن کر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ زار و قطار رونے لگے۔۔۔ اسی وقت واپس پلٹے۔۔۔ اور تھوڑی دیر کے بعد میں نے دیکھا کہ آٹا اور کھجوریں اونٹ پر لدی ہوئی ہیں

اور کھال اتری بکری اور ایک تھیلی میں تین سو درہم لے آئے اور مجھے قسم کے ساتھ تاکید کی کہ جب بھی اس طرح کی حاجت پیش آئے تو مجھے لازماً خبر دیجیے گا۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں تھوڑی دیر کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے آئے۔۔۔ میں نے ساری بات آپ کو بتائی۔۔۔ یہ سن کر آپ پھر مسجد نبوی چلے گئے اور میں نے دیکھا کہ آپ ہاتھ اٹھا کر دعا فرما رہے ہیں اور بار بار یہ کہہ رہے ہیں:

میرے مولا! میں عثمان سے راضی ہو گیا ہوں تو بھی عثمان سے راضی ہو جا۔

ایک واقعہ اور سنو۔۔۔! جسے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف ازالۃ الخفاء میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں قحط پڑ گیا۔۔۔ سامانِ خورد و نوش کے ذخیرے ختم ہو گئے۔۔۔ مدینہ کے باسی شدید ترین پریشانی کا شکار ہو گئے۔۔۔ نوبت فاقوں تک جا پہنچی کہ ایک دن خبر آئی کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ایک ہزار اونٹ غلے سے لدے ہوئے مدینہ پہنچ رہے ہیں۔۔۔ مدینہ کے بڑے بڑے تاجر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاں آئے اور کہا کہ آپ یہ غلہ ہمیں بیچ دیں تاکہ بازار میں پرچون بیچا جا سکے اور لوگوں کی پریشانی دور ہو۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے یہ غلہ شام سے منگوایا ہے تم مجھے کیا منافع دو گے۔۔۔؟ تاجروں نے دس پر بارہ کی پیشکش کی۔۔۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے اس سے زیادہ ملتا ہے۔۔۔ تاجر کہنے لگے ہم دس کے پندرہ دیں گے۔۔۔ فرمایا مجھے اس سے بھی زیادہ ملتا ہے۔

تاجروں نے سوچا مدینہ کے تاجر تو ہم ہیں یہ زیادہ دینے والا کون ہے۔۔۔؟ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے تو ایک درہم کے دس ملتے ہیں۔۔۔ کیا تم اس سے زیادہ دے سکتے ہو۔۔۔؟ تاجروں نے نفی میں جواب دیا۔۔۔ تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے

فرمایا۔۔۔پھر تم گواہ ہو جاؤ کہ میں تمام غلہ مدینہ کے محتاجوں کے لیے خیرات کرتا ہوں۔

حضراتِ گرامی! سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی سخاوت کے کتنے واقعات میں آپ کو سناؤں۔۔۔اللہ رب العزت نے اپنے فضل و کرم سے انہیں ایک نورِ سخاوت عطا فرمایا تھا اور دوسرا شہادت کا عطا فرمایا تھا (اس لیے بھی انہیں ذوالنورین کہتے ہیں)

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی بشارت۔۔۔تو خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی موجودگی میں دی تھی۔۔۔جب سیدنا صدیق اکبر اور سیدنا فاروق اعظم اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہم آپ کے ساتھ ایک پہاڑ پر موجود تھے اور پہاڑ حرکت کرنے لگا تو آپ نے فرمایا:

ٹھہر جا! تجھ پر ایک نبی ہے ایک صدیق ہے اور دو شہید ہیں۔ (بخاری 521/1)

شہادت

کسے معلوم نہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سنہری دور میں منافقین کا ایک گروہ وجود میں آ گیا تھا جس کی قیادت عبداللہ بن ابی کے پاس تھی۔۔۔اس نے ہر موقع پر اسلام کی ترقی کو روکنے اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے اور ان کے درمیان اختلاف کا بیج بونے کی ہر ممکن کوشش کی۔۔۔تبوک کے سفر میں آپ کو شہید کرنے کا پلان بنایا۔۔۔ایک غزوہ سے واپسی پر پانی کے مسئلے پر مہاجرین و انصار کو لڑانے کی سازش کی۔۔۔میدانِ اُحد سے عین موقع پر اپنے تین سو ساتھیوں کو لے کر الگ ہو گیا۔۔۔مگر نبوت کے دور میں یہ گروہ اپنی کارستانیوں میں کامیاب نہ ہو سکا۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں انہوں نے زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکار کیا۔۔۔تو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے پوری جرأت و بہادری کے ساتھ انہیں دبا دیا۔۔۔دورِ فاروقی میں یہ گروہ سر اٹھانے کی جرأت نہ کر سکا۔۔۔کیونکہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا دُرّہ بڑا سخت دُرّہ تھا۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت آیا۔۔۔آپ انتہائی نرم دل۔۔۔غریب پرور تھے۔۔۔شرافت اور حیا کا مجسمہ تھے۔۔۔اپنے غریب رشتے داروں کو اپنی گرہ سے عطیہ

کرتے تھے۔۔۔صلہ رحمی کرتے ہوئے قریبی رشتہ داروں پر خرچ کرتے تھے۔

پھر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں جو فتوحات ہوئیں اس کی مثال دورِ صدیقی اور دورِ فاروقی میں نہیں ملتی۔۔۔آپ یقین کریں کہ جتنی فتوحات سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ہوئیں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں اس سے دوگنی فتوحات ہوئیں۔۔۔سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں پورا افریقہ اسلام کے زیرِ نگین آ گیا تھا۔

الجزائر، طرابلس، مراکش، خراسان، آذربائیجان، اسپین۔۔۔یہ سب ممالک دورِ عثمانی میں فتح ہوئے۔۔۔سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا ہی دورِ خلافت تھا جب فوجیں آخری کنارے تک پہنچیں۔۔۔آگے سمندر تھا۔۔۔اور کمانڈر نے کہا تھا مولا! آگے سمندر ہی سمندر ہے۔۔۔اس کے آگے بھی خشک زمین ہوتی تو میں وہاں تک بھی محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیغام کو پہنچا دیتا۔

یہودیوں نے سوچا۔۔۔یہودی بڑے سازشی لوگ ہیں۔۔۔انہوں نے فیصلہ کیا کہ مسلمانوں کے خلاف ہم گرم جنگ نہیں جیت سکتے۔۔۔لہٰذا سرد جنگ لڑو۔۔۔اور منافقت کا لبادہ اوڑھ کر ان کے اندر داخل ہو کر ان کی جمعیت کو پارہ پارہ کرو۔۔۔یہودی جانتے تھے کہ مسلمانوں کی کامیابی کا راز ان کے اتحاد میں مضمر ہے۔۔۔وہ سب یک جان ہیں۔۔۔متحد ہیں۔۔۔منظم ہیں۔۔۔اور سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح ہیں۔۔۔ان کے مابین اختلاف پیدا کرو اور انہیں پھوڑ کر رکھ دو۔۔۔فتوحات کا اور اسلام کی ترقی کا راستہ خود بخود رک جائے گا۔

یمن کے ایک یہودی عبد اللہ بن سبا نے اسلام کا لبادہ اوڑھا اور مدینہ آ کر عہدے کا طالب ہوا (یہ سمجھتا تھا سرکاری عہدہ ہوا تو مشن کی تکمیل آسان ہو جائے گی) سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اسے کوئی عہدہ دینے سے انکار کر دیا۔۔۔اس انکار نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔۔۔اس نے کوفہ جا کر۔۔۔بصرہ جا کر۔۔۔اور مصر پہنچ کر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ

کے خلاف پروپیگنڈہ شروع کر دیا۔۔۔کہ اپنے رشتے داروں کو گورنر مقرر کر دیا ہے۔۔۔ رشتے داروں کو بیت المال کی رقم سے نوازتے رہتے ہیں۔۔۔جتنا حصہ حکومت میں بنو امیہ کا ہے اتنا ہاشمیوں کا نہیں ہے۔

اس نے علم، زہد اور تقویٰ کی آڑ میں اندر ہی اندر اپنے مذموم مشن کے لیے اپنی سرگرمیاں زور وشور سے جاری رکھیں۔۔۔عبداللہ بن سبا کو ہر جگہ کچھ منافق ملتے گئے۔۔۔ یہ ایک صوبے سے دوسرے صوبے کے لوگوں کو خطوط تحریر کرتے۔۔۔جس میں حکومت کے خلاف شکایات کے انبار ہوتے۔

اس نے ایک مشہور صحابی سیدنا ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے اپنی زہریلی گفتگو کا آغاز کیا اور چالاکی سے اپنا پلان بیان کرنا شروع کیا تو انہوں نے کمال فراست سے فرمایا۔۔۔مجھے تم یہودی معلوم ہوتے ہو۔

عبداللہ بن سبا نے جب فضا اپنے مذموم مقاصد کے حق میں قدرے سازگار دیکھی تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف نفرت پھیلانے کے لیے حُبِّ علی کا لبادہ اوڑھ کر میدان میں آ گیا۔

اس نے نئے مسلمان ہونے والوں کی ذہن سازی شروع کی کہ ہر نبی کا ایک وزیر ہوتا ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وزیر سیدنا علی رضی اللہ عنہ ہیں۔۔۔ساتھ ہی لوگوں سے کہنے لگا۔۔۔سیدنا علی رضی اللہ عنہ وَصِیُّ رَسُوْلِ اللہ ہیں۔۔۔نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو خلافت کے لیے نامزد کیا تھا۔۔۔پھر لوگوں کا ذہن بنانے لگا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ مقام و مرتبہ میں سب صحابہ سے افضل ہیں۔

عبداللہ بن سبا بعض اوقات کسی کے کان میں چپکے سے یہ بات بھی ڈال دیتا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے جو کرامات صادر ہوتی ہیں وہ بشری طاقت سے بالاتر ہیں۔۔۔۔سیدنا علی رضی اللہ عنہ انسانی پیکر میں الٰہ ہیں اور انہیں صفاتِ الٰہی حاصل ہیں۔

خلافت کے بارے میں سادہ لوح لوگوں کو سمجھانا۔۔۔ کہ صحابہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے زیادتی کی ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وصیّت کا بھی خیال نہیں رکھا۔۔۔ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی ہے اس لیے ایسے لوگوں پر تبرا کرنا چاہیے اور ان سے نفرت کا اظہار کرنا چاہیے۔

اس تمام پروپیگنڈے سے اس کا مقصد یہ ہوتا کہ لوگو! معاملہ اب بھی ہاتھ سے نہیں گیا۔۔۔ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنے کے بجائے ہمیں مل کر کوشش کرنی چاہیے اور موجودہ خلیفہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف تحریک چلا کر انہیں مسند خلافت سے ہٹا کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو ان کا حق دلوانا چاہیے۔

رجال کشی شیعہ مذہب کی معتبر کتاب ہے۔۔۔ اس میں علامہ کشی نے یہ تمام باتیں تحریر کر کے۔۔۔ عبداللہ بن سبا کے نظریات تحریر کر کے آخر میں لکھا:

جو اہل تشیع کے مخالف ہیں وہ اسی بنا پر کہتے ہیں کہ شیعیت یہودیت سے ماُخوذ ہے۔ (رجال کشی 71)

آخر کار۔۔۔ ایک منظم منصوبے کے تحت عبداللہ بن سبا تمام صوبوں کے شرارتی لوگوں کو جمع کر کے مدینہ لایا۔۔۔ اور لایا بھی ایسے موقع پر جب اکثر صحابہ حج بیت اللہ کے لیے مکہ گئے ہوئے تھے۔۔۔ مسجد نبوی میں جمعۃ المبارک کے موقع پر ہنگامہ کھڑا کر دیا۔۔۔ اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو گھر میں محصور کر دیا۔۔۔ بئر رومہ جو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی گرہ سے خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا تھا۔۔۔ اسی کنویں کا پانی ان پر بند کر دیا گیا۔

باغیوں کے محاصرے کے دوران مدینہ منورہ کے مسلمان سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے برابر درخواست کرتے رہے۔۔۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تشریف لائے کہ آپ اجازت دیں تو ہم ان باغیوں کا صفایا کر دیں۔

مگر کئی دنوں سے گھر میں قید حلم وبردباری کے کوہِ گراں نے یہ کہہ کر سیدنا ابوہریرہ اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کو روک دیا اور فرمایا کہ میں اپنی ذات کے لیے کسی مسلمان کا خون نہیں بہانا چاہتا۔

صبر کی یہ مثال تاریخ عالم میں کہیں بھی نہیں ملتی۔۔۔ کہ لڑنے کی اور دشمن کو کچلنے کی پوری طاقت رکھنے کے باوجود تلوار نہ اٹھائی جائے۔۔۔ اور لڑے بغیر جان دے دی جائے۔۔۔ اپنا قیمتی خون بہنے دیا جائے۔۔۔ مگر دوسروں کا ایک قطرہ خون بھی نہ بہنے دیا جائے۔۔۔ صرف اس لیے اور فقط اس واسطے کہ میری وجہ سے کسی مسلمان کا خون نہ بہے۔۔۔ کیا پوری تاریخ میں صبر وحوصلے، حلم وبردباری اور خون مسلم کے احترام کی ایسی مثال مل سکتی ہے۔۔۔؟

شام کے گورنر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے پیشکش کی کہ اگر آپ باغیوں کے خلاف کارروائی کی اجازت نہیں دیتے تو پھر میرے ساتھ شام تشریف لے چلیں۔۔۔ وہاں کے حالات مکمل طور پر میرے کنٹرول میں ہیں۔۔۔ خلیفۂ وقت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

معاویہ! جس مقدس شہر میں میرے محبوب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یادگاریں موجود ہیں میں اس شہر کو چھوڑنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

مظلومیت کا تقابل کرنا ہے تو آؤ اور انصاف کی نگاہ سے دیکھو اور عدل سے فیصلہ کرو۔۔۔ ایک طرف واقعہ کربلا ہے۔۔۔ شہادتِ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ ہے۔۔۔ نواسۂ رسول کی مظلومیت ہے۔۔۔ دوسری طرف مدینہ منورہ ہے۔۔۔ دامادِ نبی ہے۔

ادھر میدانِ کارزار ہے۔۔۔ دونوں طرف سے تلواریں ہیں۔۔۔ ادھر بھی جنگجو ہیں اگرچہ تعداد میں کم ہیں۔۔۔ اور ادھر بھی لشکر ہے۔۔۔ مگر یہاں۔۔۔ عثمان رضی اللہ عنہ اکیلا ہے۔۔۔ گھر کے باہر خون کے پیاسے ہیں۔۔۔ محاصرہ ہے۔۔۔ تلواریں ہیں۔۔۔ اور عثمان رضی اللہ عنہ ایسا مظلوم کسی کو دروازے پر پہرے دار متعین کرنے کے لیے تیار نہیں۔۔۔ کسی

کو تلوار چلانے کی اجازت نہیں دیتا۔۔۔ مسلمان کا خون بہانا برداشت نہیں کرتا۔

اُدھر نہر فرات سے بقول تمہارے تین دن سے پانی بند ہے۔۔۔ اور اِدھر اپنے زرخرید کنویں سے چالیس دن سے پانی بند ہے۔۔۔ چند صحابہ نے اپنے بیٹوں کو حکم دیا کہ مسلح ہو کر امیر المومنین کے گھر کے اردگرد پہرہ دیں۔۔۔۔ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اپنے دونوں دلبند سیدنا حسن اور سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کہا کہ امیر المومنین (جو تمہارے خالو بھی ہیں) ان کے گھر کے دروازے پر چوکیدار بن کر پہرہ دو۔۔۔۔۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے بیٹوں سے یہ بھی فرمایا کہ پانی بھی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ تک پہنچاؤ۔۔۔۔۔ حسنین کریمین رضی اللہ عنہما آئے۔۔۔ باغیوں نے مزاحمت کی۔۔۔ آوازیں بلند ہوئیں۔۔۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ منظر دیکھا تو گھر سے ہی آواز دی۔۔۔ اَنْشُدُ کُمَا بِاللہِ۔۔۔ میں تمہیں اللہ کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ میرے لیے کسی سے مت لڑو۔۔۔ اگر یہ لوگ تمہیں نہیں آنے دیتے تو واپس چلے جاؤ۔

محاصرے کو کئی دن بیت گئے تو ایک روز سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اپنے مکان کی چھت پر تشریف لائے اور باغیوں سے خطاب کرتے ہوئے پوچھا۔۔۔ تم مجھے کیوں قتل کرنا چاہتے ہو۔۔۔؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو فرمایا ہے کہ کسی مسلمان کا قتل کرنے کی صرف تین وجوہات ہیں۔۔۔ اس نے کسی کو قتل کیا ہو تو قصاص میں اسے قتل کیا جائے۔۔۔ یا اس نے زنا کیا ہو اور وہ شادی شدہ ہو۔۔۔ یا وہ مرتد ہو گیا ہو۔۔۔ میں نے تو زمانۂ جاہلیت میں بھی کبھی زنا نہیں کیا۔۔۔ نہ کسی کو قتل کیا ہے۔۔۔ اور نہ دین اسلام سے انحراف کیا ہے۔

پھر پوچھا بتلاؤ۔۔۔! مسجد نبوی کی جگہ تنگ پڑ گئی تو توسیع کے لیے جگہ کس نے خرید کر دی اور جنت کی خوشخبری حاصل کی۔۔۔ باغیوں نے کہا۔۔۔ آپ نے جگہ خرید کر دی تھی۔۔۔ فرمایا پھر آج اسی مسجد میں مجھے نماز نہیں پڑھنے دیتے ہو۔

مدینہ میں میٹھے پانی کا کنواں صرف ایک تھا اور وہ بھی یہودی کے تصرف

میں۔۔۔جنت کی ضمانت پر وہ کنواں خرید کر کس نے وقف کیا تھا۔۔۔؟ کہنے لگے۔۔۔ آپ نے وقف کیا تھا۔۔۔فرمایا پھر آج مجھے اسی کنویں سے پانی پینے کی اجازت نہیں دیتے ہو۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا کیا تم نہیں جانتے ہو کہ غزوۂ تبوک کے موقع پر سامان فراہم کرنے والے کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنت کی بشارت دی تھی۔۔۔؟ غزوۂ تبوک کا اکثر سامان میں نے فراہم کیا تھا۔۔۔باغیوں نے کہا یہ بھی سچ ہے۔

پھر فرمایا کیا تم نہیں جانتے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک پہاڑ پر تھے۔۔۔سیدنا ابوبکر، سیدنا عمر رضی اللہ عنہما بھی ساتھ تھے اور میں بھی آپ کے ہمراہ تھا۔۔۔۔۔وہ پہاڑ ہلنے لگا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اُسْكُنْ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ نَبِيٌّ وَصِدِّيْقٌ وَشَهِيْدَانِ

اے پہاڑ! ٹھہر جا کیونکہ آج تجھ پر ایک نبی ہے، ایک صدیق ہے اور دو شہید ہیں۔

باغیوں نے اقرار کیا ایسے ہی ہے۔۔۔سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا تم نہیں جانتے ہو کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مشرکین مکہ سے گفتگو کرنے کے لیے مجھے اپنا نمائندہ اور سفیر بنا کر بھیجا تھا۔۔۔؟ اور اپنے دست مبارک کو میرا ہاتھ قرار دے کر میری طرف سے بیعت لی تھی۔ (مشکوٰۃ 561، ترمذی 211/1)

باغیوں نے اسے بھی تسلیم کیا۔۔۔کچھ کے دل سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا خطبہ سن کر نرم ہوئے۔۔۔مگر مالک اشتر نے کہا۔۔۔اس بڈھے کی باتوں کا اعتبار نہ کرو اور اپنی کارروائی مکمل کرو۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے خطاب کے دوران پانی کی بندش کا بار بار تذکرہ فرمایا۔۔۔تو ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا خود خچر پر سوار ہو کر پانی کا مشکیزہ بھر کر امیر المومنین کے گھر کی

جانب چلیں۔۔۔باغیوں نے ام المومنین کا حیا بھی نہیں کیا۔۔۔نیزے کا وار کر کے مشکیزہ پھاڑ دیا۔۔۔خچر پر نیزوں سے حملہ کر دیا۔۔۔اور مجبوراً ام المومنین کو ناکام واپس آنا پڑا۔

جمعہ کی نماز کا وقت ہوا۔۔۔امیر المومنین رضی اللہ عنہ کو مسجد نبوی میں جانے کی اجازت نہیں۔۔سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کئی دنوں سے بھوکے اور پیاسے ہیں۔۔۔ ہر وقت قرآن کی تلاوت میں مصروف ہیں۔۔۔قرآن پڑھتے پڑھتے نیند آ گئی۔۔۔ بیدار ہوئے تو مسکرا رہے تھے۔۔۔اہلیہ نے مسکرانے کا سبب پوچھا تو فرمایا:

ابھی خواب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت ہوئی آپ کے ساتھ سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما بھی تھے۔۔۔میری نقاہت کو دیکھا تو فرمایا عثمان غم نہ کرو آج روزہ ہمارے ساتھ افطار کرنا ہے، نائلہ معلوم ہوتا ہے دکھوں کی گھڑیاں کٹنے والی ہیں۔

(یہاں ایک لمحہ کے لیے ٹھہریئے! اور غور کیجیے! سب مسالک کے علماء اور خطباء اسے بیان کرتے ہیں۔۔۔ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو خوشخبری دی کہ آج روزہ ہمارے ہاں افطار کرنا۔۔۔ہمیں بتلایا جائے کہ یہ افطاری کا انتظام کس مقام پر ہونا تھا۔۔۔؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر منور جو حجرۂ عائشہ صدیقہ میں ہے اور شہادت کے دن سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی تدفین بھی نہیں ہوئی تھی۔۔۔ پھر یہ روزہ افطار کہاں ہوا۔۔۔؟ ماننا پڑے گا کہ یہ عالم برزخ میں ہوا۔۔۔جس جگہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح مبارک موجود تھی اسی جگہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی روح نے بھی پہنچنا تھا۔۔۔تو ثابت ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات۔۔۔حیاتِ دنیوی نہیں بلکہ حیاتِ برزخی ہے)

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے پھر قرآن کی تلاوت شروع کر دی۔۔۔عین اسی لمحہ۔۔۔

چند کلمہ گو۔۔۔۔ بد بخت باغی عقبی دیوار پھلانگ کر گھر کے اندر داخل ہو گئے۔۔۔۔۔

امیر المومنین کا گھر۔۔۔باپردہ گھر۔۔۔سراپا ایمان وحیا کا گھر۔۔۔ذوالنورین کا گھر۔۔۔

ایسے باحیا کا گھر جس سے آسمان کے فرشتے بھی حیا کرتے ہیں۔۔۔ پردہ نشین کنواری لڑکی

سے بھی بڑھ کر حیادار کا گھر۔۔۔ جس کے آنے پر نبی اکرم ﷺ بھی اپنی کھلی ہوئی پنڈلی ڈھانپ لیتے ہیں۔

اس عثمان رضی اللہ عنہ کا گھر جس کے قیمتی خون کا بدلہ اور قصاص لینے کے لیے چودہ سو مہاجرین وانصار کو نبوت نے داؤ پر لگا دیا تھا۔۔۔ آج اس سراپا حیا کے گھر کودنے والوں میں سے ایک نے بیاسی سالہ بوڑھے عثمان رضی اللہ عنہ کی داڑھی کو پکڑ لیا۔۔۔ ایک بدبخت نے نیزے کا وار کیا۔۔۔ آپ کی زوجۂ محترمہ نائلہ بچانے کے لیے آگے بڑھتی ہیں تو بدبخت ان پر وار کر کے انگلیاں کاٹ دیتا ہے۔

امیر المومنین۔۔۔ مظلومِ مدینہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خونِ ناحق کو زمین پر گرنے سے پہلے۔۔۔ اللہ کی آخری کتاب کا ورق اپنی گود میں لے لیتا ہے۔۔۔ فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ۔۔۔ کی تلاوت ہو رہی تھی اور خون کے قطرے بھی اسی آیت پر گرے۔

کہتے ہیں کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے اپنے مبارک ہاتھ کا لکھا ہوا قرآن کا وہ نسخہ جس کی تلاوت کرتے ہوئے آپ نے جامِ شہادت نوش فرمایا۔۔۔ آج بھی برٹش میوزیم کے عجائب گھر میں موجود ہے اور خون کے قطرے ابھی تک ورق میں جذب ہیں۔

اس نسخہ نے۔۔۔ یعنی صحیفۂ قرآنی نے زبانِ حال سے کائنات کے ایک ایک حصے کو یہ خبر پہنچائی کہ قرآن کے سب سے بڑے خادم اور ناشر کا مرتبۂ بلند دیکھ لو کہ آخری سانس تلاوت کی نذر ہوئی اور خون کا گرنے والا پہلا قطرہ قرآن کے ورق سے لپٹ گیا۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کے بعد ظالموں اور بدبختوں کا غصہ ٹھنڈا نہ ہوا۔۔۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے جسد اقدس پر چڑھ کر کودتے رہے۔۔۔ یہاں تک کہ بیاسی سالہ بوڑھے عثمان رضی اللہ عنہ کی پسلیاں ٹوٹ گئیں۔

بیہقی میں ایک روایت ہے کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ محاصرے کے دوران ایک روز

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لائے۔۔۔ کچھ اور لوگ بھی وہاں موجود تھے۔۔۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ اِنَّكُمْ سَتَلْقَوْنَ بَعْدِيْ فِتْنَةً وَاخْتِلَافًا

میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا آپ فرمارہے تھے میرے بعد تمہیں ایک بڑے فتنے اور اختلاف کا سامان کرنا ہوگا۔

فَقَالَ لَهٗ قَائِلٌ

ایک کہنے والے نے کہا:

فَمَنْ لَنَا

یارسول اللہ! ہمارے لیے اس وقت کون ہوگا؟

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

وَعَلَيْكُمْ بِالْاَمِيْرِ وَاَصْحَابِهٖ وَهُوَ يُشِيْرُ اِلٰى عُثْمَانَ

تم پر اپنے امیر اور اس کے ساتھیوں کے ساتھ رہنا لازم ہوگا یہ کہتے ہوئے آپ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ فرمارہے تھے۔

ترمذی کی ایک روایت بھی سن لیجیے:

ذَكَرَ الْفِتَنَ فَقَرَّبَهَا۔۔۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کئی فتنوں کا تذکرہ فرمایا اور یہ بھی بیان فرمایا کہ وہ فتنے قریب ہی ہیں۔۔۔ صحابہ نے عرض کیا۔۔۔ وَمَا لَنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اس وقت میں ہمیں کیا کرنا ہے۔۔۔؟ فَمَرَّ رَجُلٌ مُقَنَّعٌ فِيْ ثَوْبٍ۔۔۔ وہاں سے ایک شخص اپنے سر کو ڈھانپے ہوئے گزرا۔۔۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شخص کو دیکھ کر فرمایا:

هٰذَا يَوْمَئِذٍ عَلَى الْهُدٰى۔۔۔ یہ شخص اس وقت ہدایت پر ہوگا۔۔۔ حدیث کا راوی سیدنا مرہ بن کعب کہتے ہیں کہ میں اٹھ کر اس شخص کی طرف گیا۔۔۔ فَاِذَا هُوَ عُثْمَانُ۔۔۔ تو میں نے دیکھا کہ وہ عثمان رضی اللہ عنہ تھے۔ (ترمذی 569/2)

نبی اکرم ﷺ کی یہ پیش گوئی حرف بحرف پوری ہوئی۔۔۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے موقع پر اور شہادت کے بعد ایسے ایسے فتنے پیدا ہوئے جنہوں نے اسلامی جمعیت کا شیرازہ بکھیر دیا۔۔۔ متحد اور منظم مسلمانوں کو افتراق وتفریق کا شکار کر دیا۔۔۔ شہادتِ عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد جھگڑوں اور تنازعات نے فتوحات کا راستہ روک دیا۔۔۔ منافقین اپنی سازش میں ایسے کامیاب ہوئے کہ دونوں جماعتوں میں داخل ہو کر مسلمانوں کو ایک دوسرے کے خلاف برسرِ پیکار رکھا۔۔۔ اسلام کی وحدت ٹوٹ گئی۔

کیا آپ اس سے انکار کر سکتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساڑھے چار سالہ دورِ حکومت میں ایک انچ زمین بھی فتح نہیں ہوئی۔۔۔ کفار کے خلاف کوئی لشکر کشی نہیں ہوئی۔۔۔ عبداللہ بن سبا یہودی نے سرد جنگ لڑ کر گرم جنگ میں اپنے ہونے والے نقصان کا ازالہ کرنے کی کوشش کی۔

شہادت کا یہ سلسلہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے پہلے خلیفہ ثانی لاثانی سے شروع ہو چکا تھا۔۔۔ اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد قصاصِ عثمان کے مطالبے کے لیے لڑی جانے والی دو جنگوں میں ہزاروں لوگ لقمۂ اجل بن گئے۔۔۔ پھر خلیفۂ رابع دامادِ نبی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو صبح کی نماز پڑھانے کے لیے آتے ہوئے شہید کر دیا گیا۔

سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے اپنے والد مکرم کی شہادت کے بعد خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالیں۔۔۔ وہ منافقین کی ریشہ دوانیوں سے خوب واقف تھے کہ یہ بدبخت غلط فہمیاں پھیلا کر ہم مسلمانوں کو ایک دوسرے کے مقابل لانے کے لیے ہر ممکن کوشش کرتے رہتے ہیں۔

چنانچہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت وحکومت کی قربانی دے کر اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر کے مسلمانوں کو ایک مرتبہ پھر متحد اور منظم کر دیا۔

اب تقریباً چون صوبوں کے مسلمانوں کے امیر، خلیفہ اور حکمران سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ

بنے۔۔۔سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا حلم اور تدبر اور فراست اور جرأت کے آگے منافقین کے حربے کامیاب نہیں ہو سکے تو۔۔۔وہ سب زیر زمین چلے گئے۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کے سینے پر مونگ دلنے شروع کیے۔۔۔فتوحات کا سلسلہ پھر سے شروع ہوا۔۔۔اسلام کا پرچم جگہ جگہ لہرانے لگا۔۔۔کفر کی زمین سمٹنے لگی۔۔۔اور اسلام کی زمین روز بروز وسیع سے وسیع تر ہوتی چلی گئی۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد۔۔۔۔جب یزید خلیفہ منتخب ہوا۔۔۔تو زیر زمین چلے جانے والے منافقین نے پھر سر اٹھایا۔۔۔اور اس سازش کے لیے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو استعمال کرنے کی مذموم کوشش کی۔

اور جب سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو حقیقت حال کا پتہ چلا تو انہوں نے تین شرائط پیش کر کے دمشق جانے کا فیصلہ کیا۔۔۔کوفہ کے انہی منافقین اور سازشیوں نے یکبارگی حملہ کر کے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو ان کے گھرانے کے افراد کے ساتھ انتہائی ظلم وستم کرتے ہوئے شہید کر دیا۔۔۔اور اس شہادت کا تمام تر الزام یزید کے سر تھوپ دیا۔۔۔گویا کہ ان بدبختوں نے ایک تیر سے دو شکار کیے۔

شہادتِ حسین نے ایک مذہب کو جنم دیا اور اس طرح امت دو گروہوں میں تقسیم ہوگئی۔۔۔سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کا یہی گروہ تھا جس نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بھی شہید کیا اور واقعۂ کربلا کا ذمہ دار بھی یہی گروہ ہے۔

آیئے سب مل کر کہیں:

کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں پر بے شمار لعنت ہو۔

اور سیدنا علی اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہما کے قاتل بھی یقیناً ملعون ہیں۔

وما علینا الا البلاغ المبین

16

نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ الْاَمِیْنِ

وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ

(الفتح 29)

سامعین گرامی قدر! آج میرا ارادہ ہے کہ جمعۃ المبارک کے خطبے میں اس عنوان سے گفتگو کروں۔۔۔ کہ خلیفۂ ثالث۔۔۔ دوہرے دامادِ نبی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور خلیفۂ رابع، دامادِ نبی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے مابین تعلقات کشیدہ تھے یا محبانہ تھے؟ ان دونوں کے خاندان کے مابین مخاصمت اور عداوت تھی یا محبت والفت تھی۔۔۔؟ ان کے درمیان بغض اور ایک دوسرے کے ساتھ زیادتی کی فضا تھی یا ہمدردی اور خیر خواہی کے جذبات تھے۔۔۔؟

ایک طبقہ نے جھوٹی روایات گھڑ کے۔۔۔ غیر مستند کتب کے حوالے دے کر۔۔۔ بے سروپا کہانیاں سنا کر۔۔۔ کذّاب راویوں پر اندھا اعتماد کر کے۔۔۔ اور ساتویں درجے کی کتب پر اعتماد کر کے۔۔۔ لوگوں کو باور کرانے کی مذموم کوشش کی ہے کہ ان دونوں کے مابین تعلقات کشیدہ تھے اور آپس میں مخالفت اور مخاصمت تھی۔۔۔ جبکہ

قرآن مجید نے واضح اعلان فرمایا ہے:

مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ وَالَّذِينَ مَعَهٗ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ (الفتح 29)

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں ۔۔۔ یہ دعویٰ ہے اور اس پر دلیل پیش فرمائی:

وَالَّذِينَ مَعَهٗ ۔۔۔ وہ لوگ جو محمد کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھی ہیں ان کے اوصاف وصفات کو دیکھو کہ وہ کفار پر سخت ہیں اور آپس میں رحم دل ہیں۔

اس واضح آیت کریمہ کے مقابلے میں من گھڑت احادیث، موضوع روایات اور کذاب اور وضاع راویوں کی کہانیوں کی کیا اہمیت رہ جاتی ہے۔

آیئے! آج میں حقائق سے پردہ اٹھانے لگا ہوں ۔۔۔ میں فریقین کی معتبر کتب سے یہ ثابت کروں گا کہ ان دونوں ہستیوں کے درمیان اور ان کے گھرانوں کے مابین مخاصمت، مخالفت نہیں تھی بلکہ یہ ایک دوسرے کے خیر خواہ، ہمدرد اور ایثار کرنے والے لوگ تھے ۔۔۔ یہ دکھ اور سکھ میں ۔۔۔ خوشی اور غمی میں ایک دوسرے کے معاون تھے۔

آپ تمام حضرات جانتے ہیں کہ خلیفۂ ثانی لاثانی، امیر المومنین، دامادِ علی سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت تاریخ اسلام کا سنہری دور کہلاتا ہے۔

دورِ فاروقی میں ۔۔۔ پے در پے فتوحات کا سلسلہ جاری تھا ۔۔۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عدل وانصاف سے اپنے اور پرائے سب خوش اور راضی تھے ۔۔۔ صوبوں میں امن وسکون تھا ۔۔۔ ہر شخص مطمئن تھا ۔۔۔ لوگ دن میں بھی بے خوف رہتے اور رات کی تاریکیوں میں بھی کوئی خوف محسوس نہیں کرتا تھا۔

پھر ایرانی سازش کے نتیجے میں ایک ایرانی مجوسی جس کا نام ابولؤلؤ فیروز تھا ۔۔۔ اس بدبخت نے صبح کی نماز میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ پر زہر آلود خنجر سے وار کیا اور اس طرح انہوں نے جامِ شہادت نوش فرمایا۔

(سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے قاتل کا نام فیروز تھا ۔۔۔ اس نسبت سے دشمنانِ عمر

نے پروپیگنڈا کیا کہ فیروزہ نگینہ متبرک اور مبارک نگینہ ہے۔۔۔اسی پروپیگنڈے کا نتیجہ ہے کہ آج کئی سادہ لوح اہل سنت بھی فیروزہ نگینہ پہننے میں فخر اور برکت محسوس کرتے ہیں۔۔۔آپ حیران ہوں گے کہ ایران میں ابولؤلؤ فیروز کا مزار مرجع خلائق ہے اور اسے بابا شجاع کا لقب دیا گیا ہے کیونکہ اس نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد خلافت کی ذمہ داری اٹھانے کے لیے چھ رکنی کمیٹی بنا دی۔۔۔یہ چھ کے چھ لوگ عشرۂ مبشرہ کے خوش نصیب افراد تھے۔۔۔سیدنا عثمان۔۔۔ سیدنا علی۔۔۔۔سیدنا زبیر۔۔۔۔سیدنا طلحہ۔۔۔۔سیدنا سعد بن ابی وقاص۔۔۔اور سیدنا عبدالرحمن بن عوف (رضی اللہ عنہم)

اس وقت عشرۂ مبشرہ میں سے سات خوش نصیب بقید حیات تھے۔۔۔سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ دنیا سے رخصت ہو چکے تھے۔۔۔سیدنا ابوعبیدۃ بن الجراح رضی اللہ عنہ اللہ کو پیارے ہو چکے تھے۔۔۔اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ رخصت ہو رہے تھے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کمیٹی چھ آدمیوں پر مشتمل بنائی، ساتویں کو اس کمیٹی میں شامل نہیں کیا۔۔۔لوگوں نے پوچھا۔۔۔امیر المومنین! ساتویں کو کمیٹی کا حصہ کیوں نہیں بنایا؟

فرمایا: ساتواں میرا بہنوئی ہے۔۔۔قیامت کے دن رب نے پوچھ لیا کہ خلافت کی ذمہ داریاں کس کے سپرد کر کے آئے ہو۔۔۔؟ اور میں کہوں کہ اپنے بہنوئی کو خلافت کی ذمہ داریاں دے آیا ہوں۔

ایک تم ہو کہ تمہارے مذہب کی بنیاد اسی پر ہے کہ باپ کے بعد بیٹا ہی امام ہو گا۔۔۔۔سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا جب وہ شدید زخمی تھے۔۔۔۔کہ آپ کے بعد سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنا دیا جائے۔۔۔تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا نہ میں کہتا ہوں اور نہ رد کرتا ہوں۔

امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے چھ رکنی کمیٹی بنا کر فرمایا:

مَا اَجِدُ اَحَقَّ بِهٰذَا الْاَمْرِ مِنْ هٰؤُلَاءِ النَّفَرِ اَوِ الرَّهْطِ الَّذِیْنَ تُوُفِّیَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَهُوَ عَنْهُمْ رَاضٍ (بخاری $\frac{525}{1}$)

میں ان چھ آدمیوں سے بڑھ کر کسی اور کو خلافت کا حق دار نہیں سمجھتا ان چھ آدمیوں سے نبی اکرم ﷺ وفات کے وقت راضی اور خوش تھے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ان چھ آدمیوں کا اکٹھ ہوا۔۔۔تو سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے حق میں دستبردار ہو گئے۔۔۔اور سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنا حق خلافت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو سپرد کر دیا۔۔۔اور سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اپنا حق سیدنا عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا۔

پھر عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ بھی اپنے حق سے دستبردار ہو گئے اور کہا کہ خلافت کا معاملہ میرے سپرد کر دو کہ دونوں میں سے کسی ایک کو مسلمانوں کا امیر مقرر کر دوں۔

سب سے پہلے سیدنا عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان اور سیدنا علی رضی اللہ عنہما سے کہا تم دونوں میں سے کون حق خلافت سے دستبردار ہوتا ہے تا کہ ہم خلافت کی بھاری ذمہ داری دوسرے کے کندھے پر رکھ دیں۔۔۔۔دونوں خاموش ہو گئے۔۔۔سیدنا عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا۔۔۔آپ دونوں خلافت کا اختیار مجھے دے دیں۔۔۔تم دونوں میں سے جو افضل اور بہتر ہو گا میں صاحب الرائے لوگوں کے مشورے سے خلافت کے لیے اس کا انتخاب کروں گا۔۔۔ساتھ ہی کہا:

وَاللّٰهِ عَلَیَّ اَنْ لَا اٰلُوَ عَنْ اَفْضَلِکُمْ قَالَا نَعَمْ (بخاری $\frac{525}{1}$)

اللہ گواہ ہے میں تم دونوں میں سے افضل شخص کے انتخاب میں کوتاہی نہیں کروں گا، سیدنا عثمان اور سیدنا علی رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہاں ہم آپ کو اختیار دیتے ہیں۔

اگرچہ سیدنا عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو مکمل اختیار مل چکا تھا مگر انہوں نے تنہا فیصلہ کرنا۔۔۔اور اپنی مرضی سے خلیفہ کا انتخاب کرنا مناسب نہیں سمجھا۔۔۔مسلسل تین دن اور

تین راتیں اصحابِ رسول سے رائے لیتے رہے۔۔۔صاحب الرائے لوگوں سے مشورے کرتے رہے۔۔۔ اس موقع پر مملکت اسلامیہ کے تمام صوبوں کے گورنر بھی موجود تھے۔۔۔وہ سب حج بیت اللہ سے فارغ ہو کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہی مدینہ منورہ آ گئے تھے۔

ان گورنروں میں شام کے گورنر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔حمص کے گورنر سیدنا عمر بن سعد رضی اللہ عنہ۔۔۔کوفہ کے گورنر سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ۔۔۔بصرہ کے گورنر سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ۔۔۔اور مصر کے گورنر سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سب کے سب مدینہ میں موجود تھے۔۔۔سیدنا عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ان سب سے بھی رائے لی۔

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے:

سیدنا عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ مسلمانوں کی رائے کو سامنے رکھا، قوم کے سرداروں سے ظاہراً بھی پوچھا اور پوشیدہ بھی رائے لی، یہاں تک کہ پردہ نشین عورتوں سے ان کے گھروں میں جا کر پوچھا، بچوں سے مدارس میں جا کر رائے لی، مدینہ آنے والے مسافروں سے بھی پوچھا، کچھ دیہاتیوں سے بھی ان کی رائے لی مگر: فَلَمْ يَجِدْ اَحَدًا يَعْدِلُ بِعُثْمَانَ بْنِ عَفَّان (البدایہ والنہایہ 146/7، قسطلانی 353/10)

عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو ایک شخص بھی ایسا نہ ملا جو کسی اور کو عثمان رضی اللہ عنہ کے برابر سمجھتا ہو۔

تین دنوں کی مسلسل محنت اور کوشش کے بعد اور اکثر لوگوں سے مشوروں کے بعد۔۔امہات المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن کی رائے کے بعد سیدنا عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ان پانچ لوگوں کو جنہیں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کمیٹی میں رکھا تھا۔۔۔منبر کے نزدیک بلا لیا۔۔۔پھر مہاجرین وانصار کو بلایا گیا۔۔۔اور بلادِ اسلامیہ کے تمام گورنروں کو بھی قریب کر لیا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا:

لَكَ قَرَابَةٌ مِّنْ رَّسُوْلِ اللهِ ﷺ وَفِي الْاِسْلَامِ مَا قَدْ عَلِمْتَ فَا اللهِ عَلَيْكَ لَئِنْ اَمَرْتُكَ لَتَعْدِلَنَّ وَلَئِنْ اَمَرْتُ عُثْمَانَ لَتَسْمَعَنَّ وَلَتُطِيْعَنَّ

آپ کے لیے نبی اکرم ﷺ سے جو قرابت ہے اور اسلام لانے میں جو سبقت ہے یہ سب آپ کو معلوم ہے اگر میں آپ کو امیر المومنین مقرر کر دوں تو آپ عدل وانصاف کا نظام قائم کریں گے اور اگر میں عثمان رضی اللہ عنہ کو امیر المومنین بنا دوں تو آپ ان کی بات اور حکم سنیں گے اور ان کی اطاعت کریں۔

پھر سیدنا عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر ان سے بھی وہی بات کہی (کہ آپ کو نبی اکرم ﷺ کی قرابت حاصل ہے اور آپ بھی پہلے اسلام لانے والوں میں ہیں)

پھر سیدنا عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

يَا عَلِيُّ۔۔۔ اے علی۔۔۔! (صرف انہیں خطاب کیا اس لیے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ صرف وہی خلافت کے امیدوار تھے)

اِنِّیْ قَدْ نَظَرْتُ فِيْ اَمْرِ النَّاسِ فَلَمْ اَرَهُمْ يَعْدِلُوْنَ بِعُثْمَانَ

(بخاری $\frac{1070}{2}$ ، قسطلانی $\frac{254}{10}$)

میں نے امر خلافت میں لوگوں کی رائے لی ہے میں نے ایک شخص بھی ایسا نہیں دیکھا جو کسی کو عثمان رضی اللہ عنہ کے برابر سمجھتا ہو۔

پھر سیدنا عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا:

اِرْفَعْ يَدَكَ يَا عُثْمَانُ۔۔۔ عثمان ہاتھ بڑھایئے۔۔۔ فَبَايَعَهٗ۔۔۔ پھر انہوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی۔۔۔ فَبَايَعَ لَهٗ عَلِيٌّ۔۔۔ پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے بھی بیعت کر لی پھر سب اصحابِ رسول نے بیعت کر لی۔ (بخاری $\frac{525}{1}$)

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت جس طرح ہوئی باقی خلفاء کی بیعت اس طرح نہیں

ہوئی۔۔۔تین دن کے مشورے۔۔۔اکابر صحابہ کی رائے۔۔۔عورتوں اور بچوں تک سے رائے لینا۔۔۔پھر تمام اصحابِ رسول کا بغیر کسی توقف اور تردُّد کے بیعتِ عثمان میں داخل ہوئے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے:

لَمْ يَتَّفِقِ النَّاسُ عَلٰى بَيْعَةٍ كَمَا اِتَّفَقُوْا عَلٰى بَيْعَةِ عُثْمَانَ وَلَّاهُ الْمُسْلِمُوْنَ بَعْدَ تَشَاوُرِهِمْ ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ (منہاج السنہ $\frac{233}{3}$)

لوگ کسی کی بیعت پر اس طرح متفق نہیں ہوئے جس طرح بیعتِ عثمان پر سب نے اتفاق کیا۔۔۔مسلمانوں نے تین دن کی سوچ و بچار کے بعد انہیں خلافت کے لیے منتخب کیا۔

ایک حوالہ اہل تشیع کی کتاب الامالی سے بھی پیش کرنا چاہتا ہوں۔۔۔طوسی لکھتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

لَمَّا قُتِلَ جَعَلَنِیْ سَادِسَ سِتَّةٍ فَدَخَلْتُ حَیْثُ اَدْخَلَنِیْ

جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ پر قاتلانہ حملہ ہوا تو انہوں نے مجھے چھ رکنی کمیٹی میں شامل کیا آپ نے جہاں مجھے داخل کیا میں داخل ہو گیا۔

وَ کَرِهْتُ اَنْ اُفَرِّقَ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِیْنَ

اور میں نے ناپسند سمجھا کہ مسلمانوں کی جماعت میں تفرقہ ڈالوں۔

فَبَایَعْتُمْ عُثْمَانَ فَبَایَعْتُهٗ

تم سب نے بیعت کر لی تو میں نے بھی بیعت کر لی۔

سامعین گرامی قدر! میرے بیان کردہ حوالہ جات سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سمیت تمام اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعتِ خلافت کی۔۔۔اور یہ حقیقت بھی کھل کر سامنے آ گئی کہ اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم کی

مقدس جماعت میں کوئی شخص بھی افضلیت میں اور مرتبے میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے مقابل اور ہم پلہ نہیں تھا۔۔۔اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے افضل ہونے میں اور اعلیٰ ہونے میں کسی شخص کو بھی تردد نہیں تھا۔

ایسا کیوں ہوا۔۔۔؟ سب صحابہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے حق میں رائے کیوں دی۔۔۔؟ ایک ووٹ بھی ان کے خلاف کیوں نہیں پڑا۔۔۔؟ اس کی وجہ یہ ہے یہ سب صحابہ اس بات کو جانتے اور سمجھتے تھے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرامین اور ارشادات بھی اس پر شاہد اور گواہ تھے کہ اصحابِ رسول میں سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما کے بعد پوری امت سے افضل اور اعلیٰ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ہیں۔۔۔اور امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کچھ ارشادات سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ آپ کے بعد خلافت بھی اسی افضلیت کی ترتیب سے ہوگی۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طلوعِ شمس کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس تشریف لائے اور فرمایا میں نے خواب میں دیکھا ہے (یہ بات ذہن میں رہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کا خواب دوسرے لوگوں کے خواب کی طرح نہیں ہوتا بلکہ انبیاء کرام علیہم السلام کا خواب قطعی ہوتا ہے اور وحی کا درجہ رکھتا ہے)

ایک ترازو آسمان سے اتری جس کے ایک پلڑے میں مجھے رکھا گیا اور دوسرے پلڑے میں پوری امت کو رکھا گیا پھر وزن کیا گیا تو میرا وزن زیادہ اور بھاری رہا۔۔۔پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ کو لایا گیا اور ان کے مقابلے میں پوری امت کو تولا گیا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کا وزن پوری امت کے برابر رہا۔۔۔پھر عمر رضی اللہ عنہ کو پوری امت کے مقابلے میں تولا گیا تو عمر رضی اللہ عنہ پوری امت کے برابر رہے۔

ثُمَّ جِيئَ بِعُثْمَانَ فَوُزِنَ بِهِمْ ۔۔۔پھر عثمان رضی اللہ عنہ کو لایا گیا اور انہیں پوری امت کے مقابلے میں تولا گیا تو عثمان رضی اللہ عنہ پوری امت کے برابر رہے پھر وہ ترازو اٹھالی گئی۔

(الابانۃ الکبریٰ لابن بطۃ $\frac{161}{8}$ بیروت، البدایہ والنہایہ $\frac{4}{7}$)

اس حدیث سے ایک بات تو یہ واضح ہوئی کہ سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما کے بعد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ افضل امت ہیں اور پوری امت سے اعلیٰ ہیں۔

اور دوسری بات جو ثابت ہوئی وہ یہ ہے کہ خلفاءِ ثلاثہ کی فضیلت ومقام اور ان کا مرتبہ اور شان کہ یہ عظیم المرتبت حضرات فرداً فرداً پوری امت کے برابر ہیں۔

اللہ اکبر! کیا مقام ہے ابوبکر و عمر اور عثمان ذوالنورین (رضی اللہ عنہم) کا، کیا شان ہے ان تینوں کی۔۔۔ اور لائقِ رشک ہے ان کا مرتبہ کہ پوری امت اجتماعی طور پر ایک طرف اور یہ حضرات تنہا اور اکیلے ایک طرف۔

ایک اور حدیث جسے سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک خواب کا تذکرہ فرمایا:

کہ ابوبکر آپ کے دامن کے ساتھ لٹکے ہوئے ہیں، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دامن کے ساتھ لٹکے ہوئے ہیں اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دامن کے ساتھ لٹکے ہوئے ہیں۔

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس خواب کی تعبیر یہ سمجھی:

أَمَّا تَنَوُّطُ بَعْضُهُمْ بِبَعْضٍ فَهُمْ وُلَاةُ الْأَمْرِ الَّذِي بَعَثَ اللهُ بِهٖ نَبِيَّهٗ صلی اللہ علیہ وسلم (ابوداؤد $\frac{636}{2}$)

یہ جو بعض کا بعض کے ساتھ لٹکنا ہے پس یہ تینوں اس دین کے امیر ہوں گے جس دین کے ساتھ اللہ نے اپنے نبی کو مبعوث فرمایا ہے۔

حضراتِ گرامی۔۔۔! ذرا غور فرمائیے۔۔۔! اور تدبر سے کام لیجیے۔۔۔! کہ ان تینوں حضرات کی خلافت کے تذکرے عہد رسالت میں بھی ہوئے تھے اور اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم کی مقدس زبانوں پر بھی اسی ترتیب سے انہی کا نام ہوتا تھا۔۔۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہی سمجھتے تھے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہی تین اس دین کے امیر ہوں گے۔

اصحابِ رسول کا نظریہ اور خیال اور تاثرات آپ نے سن لیے۔۔۔آیئے۔۔۔!
اب آپ کو میں سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ہاں لے چلتا ہوں اور ثابت کرتا ہوں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا نظریہ اور خیال بھی یہی تھا کہ امت میں سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما کے بعد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پوری امت سے افضل اور اعلیٰ ہیں۔

سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ حکومت وخلافت میں ایک خطبہ ارشاد فرمایا جسے علامہ ابوبکر بن ابی داؤد نے اپنی تصنیف کتاب المصاحف صفحہ نمبر 35 میں درج فرمایا ہے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ایک خادم عبد خیر کہتے ہیں کہ ایک موقع پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا۔۔۔نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد تمام امت سے افضل ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد ساری امت سے افضل سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ہیں اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بعد تیسرے افضل شخص کا ذکر کروں تو کر سکتا ہوں اور اس کا نام بھی بتلا سکتا ہوں۔

عبد خیر کہتے ہیں میرے دل میں تجسس اور کھٹکا سا لگ گیا کہ یہ تیسرا شخص کون ہے۔۔۔؟ جو سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما کے بعد پوری امت سے افضل ہے۔

عبد خیر کہتے ہیں میں نے ایک دن سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔۔۔تو انہوں نے فرمایا میں نے بھی والد محترم کا وہ خطبہ سنا تھا اور میرے دل میں بھی تجسس تھا کہ وہ تیسرا شخص کون ہے؟

میں نے اپنے والد مکرم سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے اس تیسرے شخص کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا:

اَلْمَذْبُوْحُ کَمَا ذُبِحَ الْبَقَرَۃ

کہ تیسرا وہ شخص ہے جسے لوگوں نے گائے کی طرح ذبح کر ڈالا۔

کنز العمال میں ایک روایت ہے۔۔۔سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے

فرمایا۔۔۔عثمان وہ شخص ہے جسے آسمانوں پر فرشتوں کی جماعت میں ذوالنورین کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔۔۔وہ نبی اکرم ﷺ کے دوہرے داماد ہیں۔۔۔نبی اکرم ﷺ کی دو بیٹیاں یکے بعد دیگرے ان کے نکاح میں آئیں۔

(کنز العمال $\frac{373}{6}$ ، تاریخ الخلفاء سیوطی 105)

ان دو روایتوں سے ثابت ہوا کہ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی نگاہوں میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ امت کے معزز ترین افراد میں شمار ہوتے تھے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما کے بعد ان کو پوری امت سے افضل و برتر مانتے تھے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شادی اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا تعاون

سیدنا عثمان کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے پہلے شرفِ دامادی عطا ہو چکا تھا۔ ایک نہیں نبی اکرم ﷺ کی دو بیٹیاں ان کے نکاح میں آئیں۔۔۔نبی اکرم ﷺ کی سب سے چھوٹی بیٹی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لیے سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما نے کوشش کی کہ ان کا نکاح سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے ہو جائے۔

ان دونوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اس رشتے کے لیے آمادہ کیا۔۔۔مگر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی مالی حالت انتہائی ناگفتہ بہ تھی۔۔۔حتیٰ کہ مہر کی ادائیگی کی رقم بھی موجود نہیں تھی۔

ان کے پاس صرف ایک ذرہ تھی۔۔۔نبی اکرم ﷺ نے فرمایا بازار جاؤ اور ذرہ بیچ کر اس کی رقم میرے ہاں لاؤ۔۔۔تاکہ فاطمہ کے گھر کے سامان کی خریداری کی جاسکے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ ذرہ بیچنے نکلے تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوگئی۔۔۔انہوں نے پوچھا۔۔۔علی! کہاں جا رہے ہو۔۔۔؟ کہا فاطمہ رضی اللہ عنہا سے رشتہ طے ہو گیا ہے۔۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔۔۔ذرہ بیچو تاکہ اس کی رقم سے فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر کا سامان خریدا جا سکے۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ تاجر آدمی تھے۔۔۔ بازار کے بھاؤ تاؤ جانتے تھے۔۔۔ وہ جانتے تھے کہ لوہے کی زرہ کتنے کی بکے گی۔۔۔ کہا علی بھائی۔۔۔ زرہ بازار میں بھی جا کر فروخت کرنی ہے مجھے فروخت کر دو۔۔۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔۔۔ میں نے تو فروخت کرنی ہے تم خرید لو۔۔۔ کتنے کی لو گے۔۔۔؟ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا۔۔۔ زرہ کی کڑیاں گنتا چلا جا اور ہر کڑی کے بدلے میں ایک درہم لیتا چلا جا۔

چار سو اسّی کڑیاں نکلیں۔۔۔ چار صد اسّی درہم میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے وہ زرہ خرید لی۔ (زرقانی علی المواہب $\frac{3}{2}$)

شیعہ مذہب کی معتبر ترین کتاب کشف الغمہ جلد نمبر 1 صفحہ نمبر 485 میں ہے کہ رقم کی ادائیگی اور زرہ کے لینے کے بعد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا:

فَاِنَّ الدِّرْعَ هَدِيَّةٌ مِنِّيْ اِلَيْكَ۔۔۔ علی بھائی! یہ زرہ بھی میری طرف سے تحفے میں لیتے جایئے۔ (جب تک اللہ کے راستے میں جہاد کرتے رہو گے مجھے بھی ثواب ملتا رہے گا)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔۔۔ فَاَخَذْتُ الدَّرَاهِمَ وَالدِّرْعَ وَاَقْبَلْتُ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَطَرَحْتُ الدَّرَاهِمَ وَالدِّرْعَ بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَخْبَرْتُهُ بِمَا كَانَ مِنْ اَمْرِ عُثْمَانَ فَدَعَا لَهُ بِخَيْرٍ

میں نے درہم اور زرہ دونوں لے کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ڈال دیں اور آپ کو پوری بات بتائی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے بھلائی کی دعا فرمائی۔

حضراتِ گرامی! شادی اور خوشی و مسرت کے مواقع پر ایک دوسرے سے وہی لوگ تعاون کرتے ہیں جن کے مابین مخلصانہ اور دوستانہ اور برادرانہ تعلقات ہوں۔ جن کے مابین عداوت اور دشمنی ہو۔۔۔ بغض اور عناد ہو۔۔۔ بھلا ان کے مابین بھی کبھی ایسے تعلقات قائم ہوئے۔۔۔ عثمان! تیرے نصیب کے کیا کہنے۔۔۔ تو کتنا خوش

بخت ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھریلو سامان کے رقم فراہم کی۔۔۔اور قم بھی ایسے حسین انداز میں پیش کی کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی عزتِ نفس کو بھی مجروح نہ ہونے دیا۔۔۔اور رقم فراہم کر کے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دعائیں لیں۔

دوسری جانب سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی عظمت اور مقام کو بیان فرماتے تھے۔۔۔محمد بن حاطب سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ بصرہ آئے۔۔۔سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی جس سے وہ زمین کرید رہے تھے اور ساتھ ہی قرآن کی یہ آیت کریمہ تلاوت فرمارہے تھے:

إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحُسْنَىٰ أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ لَا يَسْمَعُونَ حَسِيسَهَا وَهُمْ فِي مَا اشْتَهَتْ أَنْفُسُهُمْ خَالِدُونَ (الانبیاء 101۔102)

یقینا جن لوگوں کے لیے ہماری طرف سے نیکی کا وعدہ پہلے سے ہو چکا ہے وہ سب (دوزخ سے) دور رکھے جائیں گے وہ جہنم کی آہٹ بھی نہیں سنیں گے اور وہ اپنی من مانی چیزوں میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے۔

یہ آیت تلاوت کر کے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔۔۔ أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ أُولَٰئِكَ عُثْمَانُ وَأَصْحَابُ عُثْمَانَ (انساب الاشراف بلازری $\frac{10}{5}$)

جو لوگ آگ سے اور جہنم سے دور رکھے جائیں گے یہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی ہیں۔

آیئے! میں آپ کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا ایک فرمان سناؤں۔۔۔جس سے ہر منیب شخص بخوبی اندازہ لگا سکتا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے دل میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی کتنی عظمت اور قدر تھی۔

جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کا محاصرہ ہو رہا تھا اور بلوائی مدینہ میں کہرام بپا کر رہے تھے تو انہوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو سمجھائیں۔۔۔مگر میں آپ کو کیا سمجھاؤں۔

وَاللّٰہِ مَا اَدْرِیْ مَا اَقُوْلُ لَکَ

اللہ کی قسم! میں نہیں جانتا کہ آپ سے کیا کہوں؟

مَا اَعْرِفُ شَیْئًا تَجْھَلُہٗ وَلَا اَدُلُّکَ عَلٰی شَیْءٍ لَا تَعْرِفُہٗ

میں ایسی کوئی بات نہیں جانتا جسے آپ نہ جانتے ہوں اور نہ ہی آپ کو کوئی ایسی بات بتاتا ہوں جس کو آپ نہ پہنچانتے ہوں۔

اِنَّکَ لَتَعْلَمُ مَا نَعْلَمُ

یقینا جو کچھ میں جانتا ہوں وہ آپ بھی جانتے ہیں۔۔۔ جو کچھ ہم نے دیکھا وہ آپ نے بھی دیکھا ہے۔

وَسَمِعْتُ کَمَا سَمِعْنَا

اور جو کچھ ہم نے سنا وہ آپ نے بھی سنا ہے۔

وَصَحِبْتَ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ کَمَا صَحِبْنَا

جیسے ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت میں رہے تم نے بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مصاحبت کی۔

وَمَا ابْنُ اَبِیْ قُحَافَہ وَلَا عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابَ اَوْلٰی بِعَمَلِ الْحَقِّ مِنْکَ

اور سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما آپ سے بڑھ کر عامل بحق نہ تھے۔۔۔آپ قرابت اور رشتے داری کی وجہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان دونوں کی نسبت زیادہ قریب تھے۔

وَقَدْ نِلْتَ مِنْ صِھْرِہٖ مَا لَمْ یَنَالَا (نہج البلاغۃ $\frac{233}{1}$)

آپ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دامادی کا وہ شرف حاصل ہے جو ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو بھی حاصل نہیں ہے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے محبت اور عشق کا دعویٰ کرنے والے اور پھر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے

ایمان واخلاص میں شک کرنے والے۔۔۔ اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر دیدہ دلیری سے تنقید کرنے والے۔۔۔ اوران کی شان میں تنقیص کرنے والے۔۔۔ یا نہج البلاغۃ کا انکار کریں اور اسے چوراہے میں آگ لگا دیں۔۔۔ اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد گرامی کو تسلیم کر کے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا احترام کرنا سیکھیں۔

اس ارشاد میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے دین کے علم اور اسلام کے بارے میں معلومات میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنے برابر ہم پلہ مانا ہے اور یہ بھی تسلیم فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت اور مجلس میں رہ کر جو کچھ ہم نے دیکھا اور سنا اس میں بھی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور میں برابر ہیں۔

پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کیا خوب بات فرمائی کہ سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما دونوں کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو دو طرح سے ترجیح حاصل ہے۔۔۔ ایک رشتے داری اور قرابت کی بنا پر اور دوہرے دامادِ رسول ہونے کی وجہ سے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے نام نہاد محب اور عاشق غور سے ارشادِ علی کو پڑھیں۔۔۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی ایسی فضیلت بیان فرمائی کہ حق ادا کر دیا۔۔۔ ذرا سوچو تو سہی جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو علمی، حسبی، نسبی ہر بات میں اپنے ہم پلہ مان رہے ہیں۔۔۔ اور یہ بھی اعتراف کر رہے ہیں کہ انہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قرابت اور رشتے داری کی عظمت بھی حاصل ہے۔۔۔ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ یہ بھی اعتراف کر رہے ہیں کہ دامادئ رسول میں ان کا ہم پلہ اور کوئی نہیں ہے۔۔۔ تو پھر محبانِ علی میں ذرہ برابر بھی غیرت ہے تو وہ بھی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ان اوصاف اور خوبیوں کا اعتراف کریں اور ان پر تبرا کرنا اور انہیں گالیاں دینا چھوڑ دیں۔

دورانِ محاصرہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا سنہری کردار سیدنا شداد بن اوس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ باغیوں نے جس وقت خلیفہ ثالث امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔۔۔ تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ اس حالت میں تشریف لائے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دستار ان کے سر

پر تھی اور انہوں نے تلوار پہلو میں لٹکا رکھی تھی۔

ان کے ہمراہ ان کے بیٹے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ بھی تھے اور خلیفۂ ثانی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے فرزند سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ بھی تھے اور کچھ صحابہ بھی ان کے ساتھ تھے۔

محاصرہ کرنے والے باغی انہیں دیکھ کر منتشر ہو گئے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے گھر میں داخل ہو کر ان لفظوں کے ساتھ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو سلام کیا:

اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ

سلام کے بعد کہا۔۔۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے مشن میں کامیابی اسی وقت حاصل کی تھی جب انہوں نے اپنے ساتھیوں کو ساتھ ملا کر دین کے دشمنوں کے ساتھ قتال کیا۔

میں باغیوں کے تیور دیکھ رہا ہوں یہ آپ کی جان کے دشمن بن چکے ہیں۔۔۔ یہ آپ کی جان لے کر چھوڑیں گے۔۔۔ یہ چند لوگ ہیں اور ہم آپ کے حکم کے منتظر ہیں۔۔۔ آپ حکم دیں ہم انہیں تلوار کے زور سے تتر بتر کر دیں گے۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔۔۔ میں سب لوگوں کو جن پر میرا کوئی حق ہے۔۔۔ میں اسے قسم دیتا ہوں کہ میری ذات کی وجہ سے نہ اپنا خون بہائے اور نہ کسی اور کا خون بہائے۔

(سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی جرأت اور حوصلے کو سلام۔۔۔ ایسی بہادری پر سو جان سے ہم قربان کہ باوجود طاقت اور قوم کے، باوجود فوج اور وسائل کے اپنی ذات کے لیے کسی کا خون بہانا پسند نہیں فرمایا۔۔۔ اپنی ذات کے لیے تلوار چلانے کی اجازت نہیں دی)

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی اس بات کے جواب میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے بار بار یہی بات دہرائی۔۔۔ ہر بار سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ یہی جواب دیتے رہے کہ میں اپنی ذات کے لیے مدینہ کی گلیوں کو مسلمانوں کے خون سے رنگین نہیں کرنا چاہتا۔

سیدنا شداد بن اوس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے مکان

سے باہر نکلتے ہوئے کہہ رہے تھے۔۔۔ مولا! تو اچھی طرح جانتا ہے کہ میں نے اپنے تئیں پوری کوشش کی ہے مگر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ میری معروضات کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

لوگوں کے پوچھنے پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔۔۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ تو شہادت کے بعد اللہ رب العزت کے قرب میں۔۔۔ جنت کے اعلیٰ مقام میں پہنچیں گے اور اللہ کی قسم ان کو شہید کرنے والے جہنم کا ایندھن بنیں گے۔۔۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس بات کو تین بار دہرایا۔ (الریاض النضرہ)

سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اپنے دونوں بیٹوں کو۔۔۔ جو محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے تھے۔۔۔ انہیں حکم دیا کہ اسلحہ سے لیس ہو کر جاؤ اور دارِ عثمان کے دروازے پر کھڑے ہو کر اپنے خالو عثمان رضی اللہ عنہ کا دفاع کرو۔۔۔ اور یاد رکھو تمہارے ہوتے ہوئے کوئی فسادی اور شرارتی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر میں داخل نہ ہو سکے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ دوسرے صحابہ نے بھی اپنے بیٹوں کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دفاع کا حکم دیا۔۔۔ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔۔۔ سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے بیٹے کو بھیجا۔۔۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی دارِ عثمان پہنچے۔

(البدایہ والنہایہ $\frac{176}{7}$ ، انساب الاشراف بلاذری $\frac{68}{5}$)

اہل تشیع کی معتبر کتاب شرح نہج البلاغۃ لابن ابی الحدید میں ہے:

فَقَدْ حَضَرَ هُوَ بِنَفْسِهِ مِرَارًا وَطَرَدَ النَّاسَ عَنْهُ

(شرح نہج البلاغۃ $\frac{581}{10}$)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ محاصرے کے دوران کئی مرتبہ خود سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاں تشریف لائے اور لوگوں کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر سے ہٹایا اور اپنے بیٹوں اور اپنے برادر زادہ عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کو بھیجا کہ جاؤ اور دارِ عثمان کا پہرہ دو۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے دونوں بیٹوں نے پوری تندہی، جانفشانی اور ہمت کے ساتھ

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کا پہرہ دیا۔۔۔ ایک موقع پر جب باغیوں نے تیر اندازی کی تو سیدنا حسن رضی اللہ عنہ زخموں سے خون آلود ہو گئے۔ (البدایہ والنہایہ 188/7)

سامعین گرامی قدر! ایک اور حوالہ اہل تشیع کی معتبر کتاب مروج الذہب مسعودی سے بھی سن لیجیے: فَلَمَّا بَلَغَ عَلِیًّا اَنَّهُمْ یُرِیْدُوْنَ قَتْلَهٗ بَعَثَ بِاِبْنَیْهِ الْحَسَنِ وَالْحُسَیْنِ (مروج الذہب 344/2)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ تک یہ اطلاع پہنچی کہ باغی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کرنا چاہتے ہیں تو انہوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کی پہرے داری کے لیے اپنے دونوں بیٹوں حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کو روانہ فرمایا۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی نگاہوں میں کیا مقام ہے کہ اپنے شہزادوں کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کا پہرے دار بنا دیا۔۔۔ لوگو! جس کے مکان کے باہر پہرے دار رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے حسنین کریمین رضی اللہ عنہما ہوں وہ خود کس مقام کا حامل ہوگا۔۔۔؟ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کو بھیجا اور اسلحہ دے کر بھیجا۔۔۔ کہ بیٹو! مر جانا۔۔۔ جان قربان کر دینا۔۔۔ عثمان رضی اللہ عنہ کے جود پر آنچ نہ آنے دینا۔

حسنین کریمین رضی اللہ عنہما دروازے پر پہرہ دے رہے ہیں اور باغیوں نے مکان کے عقبی جانب سے دیواریں پھلانگ کر۔۔۔ قرآن کی تلاوت میں مشغول سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی اہلیہ جن کی انگلیاں اس حادثہ میں کٹ گئی تھیں۔۔۔ مکان کی چھت پر تشریف لائیں اور اطلاع دی کہ امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے تھا۔

حسنین کریمین رضی اللہ عنہما نے سنا تو حیران اور ششدر رہ گئے۔۔۔ دوڑ کر مکان کے اندر پہنچے تو دیکھا کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ شہادت کی سرخ چادر اوڑھ کر ابدی نیند سو چکے ہیں۔۔۔

دونوں بھائی شدتِ غم اور دکھ سے نڈھال ہو کر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر گر گئے اور رونے لگے۔

جب یہ خبر سیدنا علی رضی اللہ عنہ تک پہنچی اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اطلاع ہوئی سب کے سب حیرانی اور پریشانی کے ملے جلے جذبات سے مغلوب ہو کر گھروں سے باہر نکلے۔۔۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ دکھ اور غم میں ڈوبے ہوئے۔۔۔ اضطراب کے عالم میں آئے اور کہا۔۔۔

عثمان کیسے قتل ہو گئے۔۔۔؟

لَطَمَ الْحَسَنَ وَضَرَبَ صَدْرَ الْحُسَيْن

(مروج الذہب مسعودی 344/2، انساب الاشراف بلازری 70/5)

حسن رضی اللہ عنہ کو طمانچہ مارا اور حسین رضی اللہ عنہ کے سینے پر مارا۔

لوگو! سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنے دلبندوں کو۔۔۔ فاطمہ کے فرزندوں کو۔۔۔ اور رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسوں پر کبھی ہاتھ نہیں اٹھایا۔۔۔ مگر آج سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے دن انہیں مارا کہ تمہارے ہوتے ہوئے یہ سب کچھ کیسے ہو گیا؟

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ ایک روایت لائے ہیں اسے بھی سن لیجیے:

جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ ان کے گھر پہنچے اور فرطِ غم میں۔۔۔ فَوَقَعَ عَلَيْهِ۔۔۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے اوپر گر گئے۔۔۔ وَجَعَلَ يَبْكِي۔۔۔ اور دکھ سے رونے لگے۔۔۔ حَتّٰى ظَنُّوْا اَنَّهٗ سَيَلْحَقُ بِهٖ (البدایہ والنہایہ 193/7)

یہاں تک کہ دیکھنے والوں نے سمجھا کہ علی رضی اللہ عنہ بھی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے مل جائیں گے (یعنی ان کا دم بھی یہیں نکل جائے گا)

شہادتِ عثمان کے بعد ان کی تجہیز و تکفین میں سیدنا علی اور حسنین کریمین رضی اللہ عنہم برابر شامل اور شریک رہے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ کس قدر عقیدت تھی۔۔۔ اور ان کے دل میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی کتنی عظمت تھی کہ انہوں نے اپنے ایک بیٹے کا نام عثمان تجویز فرمایا۔۔۔

اور لطف کی بات یہ ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا عثمان نامی بیٹا اپنے بڑے بھائی سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا ساتھ دیتے ہوئے کربلا میں جامِ شہادت نوش کرتا ہے۔ (جلاء العیون 464)

شیعہ مذہب کی معتبر کتاب کشف الغمہ جلد 2 صفحہ 590 میں ہے اور ملا باقر مجلسی نے جلاء العیون میں لکھا ہے۔۔۔۔۔ اصول کافی کتاب الحجہ صفحہ نمبر 225 میں ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹوں کے نام ابوبکر، عمر اور عثمان رکھے تھے۔

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے بیٹوں کے نام بھی خلفاءِ ثلاثہ کے نام پر ہیں۔۔۔۔ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے بیٹوں کے لیے یہی نام پسند فرمائے۔

سنو۔۔۔! واقعہ کربلا پر لکھی جانے والی کوئی کتاب اٹھا لیجیے۔۔۔ ذرا ہمیں بھی بتاؤ! کربلا کے شرکاء کے نام ہمیں بتاؤ۔۔۔! کربلا میں شہید ہونے والے خوش نصیبوں کے نام بھی ذرا بتاؤ۔۔۔ تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ میدانِ کربلا میں شہادت کا رتبہ پانے والوں میں پہلا نام سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بیٹے اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے بھائی ابوبکر کا ہے۔۔۔ پھر شہادت کا مرتبہ پانے والے کا نام عمر ہے۔۔۔ پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بیٹے عثمان کا نام ہے۔

کوئی ہمیں بتائے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹوں کے نام ابوبکر، عمر اور عثمان کیوں رکھے۔۔۔؟ کوئی شخص دشمنوں کے نام پر اپنے بیٹوں کے نام نہیں رکھتا بلکہ ہمیشہ لوگ اپنے پیاروں کے نام پر بچوں کے نام رکھتے ہیں۔۔۔ معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو سب سے زیادہ محبت، پیار اور عقیدت خلفاءِ ثلاثہ سے تھی۔

ایک بات میں کہنا چاہتا ہوں۔۔۔ تمہیں پسند آئے تو سبحان کہہ دینا۔۔۔ جس گھر کے آنگن میں۔۔۔ جس گھر کے صحن میں۔۔۔ جس گھر کے کمروں میں۔۔۔ اور جس گھر کے برآمدوں میں ابوبکر، عمر اور عثمان نام کے بچے کھیلتے ہوں۔۔۔ وہ گھر رافضیوں کا نہیں اہل سنت کا ہوتا ہے۔

سیدنا زین العابدین کی رائے گرامی

سیدنا علی اور حسنین کریمین رضی اللہ عنہم کے

بارے میں آپ نے سن لیا کہ وہ دل وجان سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے پیار کرتے اور انہیں عقیدت کی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔

آیئے! میں آپ کو اہل تشیع کی ایک معتبر کتاب سے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے فرزند ارجمند سیدنا علی المعروف بہ زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ کی ایک بات سناتا ہوں کہ انہوں نے کتنے خوبصورت، حسین اور مدلل انداز میں خلفاء ثلاثہ کا دفاع فرمایا۔

حضرت زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں کوفہ سے کچھ لوگ آئے جو سیدنا ابوبکر، سیدنا عمر اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہم کے بارے میں کچھ نامناسب گفتگو کرنے لگے۔۔۔حضرت زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے پوچھا کیا تم ان لوگوں میں سے ہو جنہوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی ہے۔۔۔یعنی تم مہاجرین میں سے ہو۔۔۔؟ انہوں نے کہا نہیں ہم مہاجرین میں سے نہیں ہیں۔

پھر پوچھا۔۔۔کیا تم انصار میں سے ہو جنہوں نے مہاجرین کو ٹھکانہ دیا۔۔اور ایثار کیا۔۔۔؟ وہ کہنے لگے ہم انصار میں سے بھی نہیں ہیں۔۔۔حضرت زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔۔۔تم نے خود اقرار کر لیا ہے کہ نہ تم مہاجرین میں سے ہو اور نہ انصار میں سے ہو:

وَاَنَا اَشْهَدُ اَنَّكُمْ لَسْتُمْ مِنَ الَّذِيْنَ قَالَ اللهُ فِيْهِمْ۔۔۔میں گواہی دیتا ہوں کہ تم ان لوگوں میں سے ہرگز نہیں ہو جن کے بارے میں عرش والے نے فرمایا:

وَالَّذِيْنَ جَآءُوْا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ
(الحشر 10)

اور جو لوگ ان کے بعد آئے وہ کہتے ہیں اے ہمارے رب تو بخش دے ہم کو اور ہمارے ان بھائیوں کو جنہوں نے ہم سے پہلے ایمان قبول کیا اور تو ہمارے دلوں میں بغض

پیدا نہ کر ایمان والوں کے لیے اے ہمارے رب تو ہی نرمی کرنے والا اور مہربان ہے۔

حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان

حضرت زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ کے فرمان کے بعد ایک فرمان اہل تشیع کے چھٹے امام حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کا ایک فرمان بھی سنیے:

يُنَادِيْ مُنَادٍ مِّنَ السَّمَاءِ أَوَّلَ النَّهَارِ أَلَا إِنَّ عَلِيًّا وَ شِيْعَتَهٗ هُمُ الْفَائِزُوْنَ

آسمان سے ایک منادی دن کے شروع میں آواز لگاتا ہے۔۔۔سنو! علی اور ان کے پیروکار کامیاب ہیں۔

وَيُنَادِيْ مَنَادٍ مِّنَ السَّمَاءِ اٰخِرَ النَّهَارِ أَلَا إِنَّ عُثْمَانَ وَشِيْعَتَهٗ هُمُ الْفَائِزُوْنَ (فروع کافی کتاب الروضہ $\frac{99}{2}$)

اور دن کے پچھلے پہر ایک پکارنے والا پکارتا ہے سنو! عثمان اور ان کی جماعت وہی کامیاب ہیں۔

حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت فروع کافی میں ہے:

بَايَعَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ الْمُسْلِمِيْنَ وَضَرَبَ بِإِحْدٰى يَدَيْهِ عَلَى الْأُخْرٰى لِعُثْمَانَ وَقَالَ الْمُسْلِمُوْنَ طُوْبٰى لِعُثْمَانَ

(فروع کافی $\frac{151}{3}$ ، حیات القلوب $\frac{489}{2}$)

نبی اکرم ﷺ نے مسلمانوں سے بیعت لی اور اپنے ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر رکھ کر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت لی۔۔۔اس سعادت اور خوش بختی کو دیکھ کر تمام صحابہ پکار اٹھے: عثمان کے لیے بڑی خوشخبری اور خوش بختی ہے۔

سامعین گرامی قدر! گفتگو ذرا طویل ہوگئی ہے۔۔۔میں دلائل سے ثابت کر چکا ہوں کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے مابین تعلقات برادرانہ اور مشفقانہ تھے۔۔۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے فضائل اور مناقب کو سمجھتے تھے۔۔۔۔۔۔انہیں علم تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مقدس نظروں میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا مقام کیا ہے۔۔۔؟

اسی لیے سیدنا علی رضی اللہ عنہ خود بھی۔۔۔اور ان کی عظیم المرتبت اولاد بھی ہمیشہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے خیر اور بھلائی کا تذکرہ کرتے رہے۔۔۔۔۔آج جھوٹے افسانوں اور من گھڑت واقعات کو بنیاد بنا کر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو مطعون کیا جاتا ہے۔۔۔ان پر الزام تراشیاں کی جاتی ہیں۔

ان کے دولتمند ہونے اور اپنی دولت کو رشتے داروں پر خرچ کرنے کے سلسلہ میں ان پر بہتان طرازیاں کی جاتی ہیں۔۔۔کہ وہ بیت المال میں ناجائز تصرف کرتے اور بیت المال کی رقم اپنے قریبی رشتے داروں پر خرچ کرتے تھے۔

ظالمو۔۔۔! اگر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ امین نہیں تو پھر امانت زمین پر اتری ہی نہیں۔۔۔میرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے۔۔۔میرے مہربان نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ساتھیوں کی یہی تربیت کی تھی۔۔۔؟ کچھ اللہ رب العزت کا خوف کرو۔۔۔! کیا میرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفت يُزَكِّيهِمْ کا یہی اثر تھا کہ ان کے تربیت یافتہ شاگرد مالِ غنیمت میں خیانت کے مرتکب ہوتے تھے۔۔۔یا وہ اقربا پروری کا شکار تھے۔۔۔؟

یہ تو در پردہ نبوت پر حملہ ہوا۔۔۔۔نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تربیت پر حملہ ہوا۔۔۔۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفت يُزَكِّيهِمْ کو نشانہ بنانا ہوا۔

اللہ رب العزت ہمیں سب اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم کا احترام کرنے اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

وما علینا الا البلاغ المبین

17

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ الْاَمِيْنِ

وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (التوبہ 100)

قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لِعَلِيٍّ اَنْتَ مِنِّيْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُّوْسٰى اِلَّا اَنَّهٗ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ (مسلم $\frac{278}{2}$)

اور بخاری کے الفاظ ہیں:

اَمَا تَرْضٰى اَنْ تَكُوْنَ مِنِّيْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُّوْسٰى (بخاری $\frac{526}{1}$)

سامعین گرامی قدر! آج کی محفل میں۔۔۔آپ حضرات کے سامنے خلیفہ رابع، امیر المومنین، دامادِ علی سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی سیرت اور عظمت کے بارے میں چند معروضات پیش خدمت کروں گا۔

اس سے پہلے کہ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی حیاتِ طیبہ اور سیرت مبارکہ پر کچھ روشنی ڈالوں اور ان کی عظمت کے بارے میں ارشادات نبوی بیان کرنے کی سعادت حاصل

کروں۔

یہ بیان کرنا چاہتا ہوں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی سب سے بڑی خوبی اور سب سے بڑی عظمت یہ ہے کہ وہ میرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی ہیں۔

اور اصحابِ رسول کے بارے میں۔۔۔ان کی عظمت کے بارے میں جتنی قرآنی آیات ہیں ان کے مصداق سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔۔۔سیدنا علی رضی اللہ عنہ اَلسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ میں شامل ہیں۔۔۔مہاجرین کی پہلی صف میں موجود نظر آتے ہیں۔۔۔رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ کا مصداق ہیں۔۔۔اَعَدَّ لَھُمْ جَنّٰتٍ کا تمغہ ان کے سینے پر سجا ہوا ہے۔۔۔ اُولٰئِکَ حِزْبُ اللّٰہِ میں وہ شامل ہیں۔۔۔اُولٰئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ کا وصف انہیں حاصل ہے۔۔۔اُولٰئِکَ ھُمُ الصّٰدِقُوْنَ۔۔۔اُولٰئِکَ ھُمُ الرّٰشِدُوْنَ کے زمرے میں وہ شامل ہیں۔۔۔اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ کی عظمت انہیں حاصل ہے۔۔۔وہ اصحابِ بدر میں نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔۔۔اُحد کے وہ ہیرو ہیں۔۔۔خندق میں ان کی خدمات بے مثال ہیں۔۔۔خیبر میں انہیں ایک ممتاز مقام حاصل ہوا۔۔۔صلح حدیبیہ کی تحریر کے وہ کاتب ٹھہرے۔۔۔تبوک کے موقع پر انہیں ایک انفرادی شان حاصل ہوئی۔۔۔حنین اور طائف کے شرکاء میں سے ہیں۔۔۔نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال پُرملال کے بعد ان کے غسل، کفن، تجہیز و تکفین میں شریک رہے۔

ولادت

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے والد ابو طالب کی شادی اپنی چچازاد بہن۔۔۔فاطمہ سے ہوئی۔۔۔اس اعتبار سے وہ نجیب الطرفین ہاشمی ہیں۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچازاد بھائی ہیں۔۔۔اور آپ کے خاندان بنو ہاشم کو قریش میں نمایاں اور امتیازی مقام حاصل ہے۔۔۔ابو طالب کے چار بیٹوں میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ سب سے چھوٹے تھے۔۔۔ان کی ولادت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے آٹھ یا دس سال قبل ہوئی۔۔۔عام طور پر یہ مشہور ہے اور حبِّ علی کا لبادہ اوڑھنے والے ایک طبقہ

نے اسے یقین کی حد تک۔۔ پروپیگنڈے کے ذریعے شہرت دے دی ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی پیدائش بیت اللہ کے اندر ہوئی۔۔۔ اور بیت اللہ کے اندر ولادت کا ہونا ایسی سعادت ہے جس میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا کوئی ثانی نہیں ہے۔

مشہور شیعہ مجتہد ملا باقر مجلسی نے جلاء العیون میں تحریر کیا ہے۔۔۔ کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ بیت اللہ میں پیدا ہوئے تو تلاوتِ قرآن فرما رہے تھے اور وہ اسی وقت سجدہ ریز ہو گئے۔۔۔(لطف بلکہ لطیفہ کی بات ہے کہ ولاتِ علی رضی اللہ عنہ کا واقعہ نزولِ قرآن سے آٹھ یا دس سال پہلے کا ہے)

شاعر لوگوں نے ایک شعر بھی بہت مشہور کر دیا۔۔۔ اہل سنت کے اسٹیج پر بھی پڑھا جانے لگا اور بینروں کی زینت بننے لگا۔

کسے را میسر نہ شد ایں سعادت
بکعبہ ولادت بہ مسجد شہادت

مشہور شیعہ مؤرخ ابن ابی الحدید نے کہا ہے:

فَكَثِيْرٌ مِّنَ الشِّيْعَةِ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهٗ وُلِدَ فِى الْكَعْبَةِ وَالْمُحَدِّثُوْنَ لَا يَعْتَرِفُوْنَ بِذَالِكَ وَيَزْعُمُوْنَ اَنَّ الْمَوْلُوْدَ فِي الْكَعْبَةِ حَكِيْمُ بْنُ حِزَامِ بْنِ خُوَيْلِدٍ

(شرح نہج البلاغت لابن ابی الحدید 14/1)

اکثر اہل تشیع کا گمان اور خیال یہ ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی ولادت کعبہ میں ہوئی مگر محدثین اس بات کو ماننے کے لیے تیار نہیں بلکہ ان کا خیال یہ ہے کہ کعبہ میں صرف ایک شخص کی ولادت ہوئی ہے حکیم بن حزام جو ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے برادر زادہ تھے۔

حقیقت یہی ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی ولادت بیت اللہ میں نہیں ہوئی۔۔۔ یہ سب وضاع لوگوں کی گھڑی ہوئی اور بلا دلیل باتیں ہیں جو انہوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ عقیدت کی وجہ سے بیان کی ہیں۔

شیعہ مؤرخ ابن ابی الحدید نے بھی تحریر کیا اور باقی کتب نے بھی اسے محفوظ کیا کہ بیت اللہ میں صرف سیدنا حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کی ولادت ہوئی تھی۔۔۔ سیدنا حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے تھے۔۔۔ انہوں نے سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو خرید کر اپنی پھوپھی کے حوالے کیا تھا۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے مسلم کی شرح میں لکھا اور علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے البدایہ والنہایہ میں اسی طرح تحریر فرمایا کہ:

حَکِیْمُ بْنُ حِزَامِ الصَّحَابِیْ وَمِنْ مَنَاقِبِہٖ اَنَّہٗ وُلِدَ فِی الْکَعْبَۃِ قَالَ بَعْضُ الْعُلَمَاءِ وَلَا یُعْرَفُ اَحَدٌ شَارَکَہٗ

(نووی شرح مسلم $\frac{142}{2}$ بیروت، البدایہ والنہایہ $\frac{68}{8}$)

حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی ہیں ان کی فضیلت میں یہ بھی شامل ہے کہ وہ بیت اللہ میں پیدا ہوئے بعض علماء کہتے ہیں کہ اس فضیلت میں ان کے ساتھ کوئی شریک نہیں ہے۔

اگر ایک لمحہ کے لیے ہم تسلیم بھی کر لیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی ولادت کعبہ میں ہوئی تھی۔۔۔ تو کیا یہ کوئی سعادت کی بات ہے۔۔۔؟ بیت اللہ میں پیدا ہونا کوئی بڑی عظمت کی بات ہے؟

ذرا غور تو کیجیے! کہ ولادت کے ایام میں کیا عورتیں اپنے گھر سے باہر نکلتی ہیں۔۔۔؟ پھر اس وقت تو بیت اللہ۔۔۔ بت خانہ بنا ہوا تھا۔۔۔ تین سو ساٹھ بت بیت اللہ کے ارد گرد رکھے ہوئے تھے۔۔۔ بیت اللہ کے اندر الگ بت نصب تھے۔۔۔ جاہلیت کے دور میں حاملہ عورتیں حرم میں جاتیں اور بتوں کے آگے سجدہ ریز ہوتیں۔۔۔ اور ان سے اپنی حاجات طلب کرتی تھیں۔۔۔ ہوسکتا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی والدہ جاہلی رسومات کے تحت بیت اللہ گئی ہوں اور کعبہ کے باہر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی ولادت ہوگئی ہو۔۔۔ لیکن یہ محض

گمان ہے اور بلا دلیل ایک خیال ہے۔

پروردۂ نبوت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بے شمار اوصاف ہیں۔۔۔ انہیں اللہ نے بہت سی خوبیوں سے مالا مال فرمایا تھا۔۔۔ ان کی بعض خصوصیات ایسی ہیں جن میں اصحابِ رسول کی مقدس جماعت میں سے کوئی بھی ان کا ہم سر نہیں ہے۔۔۔ ان خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی پرورش اور تربیت نبوت کی گود میں ہوئی۔

اس پرورش کا ظاہری سبب یہ بنا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بچپن کے ایام میں قریش معاشی طور پر انتہائی تنگ دست اور تنگ حالی کا شکار ہو گئے۔

ابو طالب کثیر العیال شخص تھے۔۔۔ اور معاشی حالت ناگفتہ بہ تھی۔۔۔ چار بیٹے اور دو بیٹیوں کی پرورش ان کے لیے انتہائی دشوار ہو رہی تھی۔۔۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ابو طالب کی معاشی پریشانی کا علم تھا۔۔۔ آپ چاہتے تھے کہ ان سے یہ بوجھ کچھ کم کیا جائے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا سیدنا عباس رضی اللہ عنہ متموّل اور خوشحال تھے۔۔۔ آپ نے اپنے چچا سے کہا۔۔۔ کہ ابو طالب کثیر العیال ہیں اور تنگدستی کا شکار ہیں اور حالات بھی قحط سالی کے ہیں۔۔۔ آپ نے تجویز پیش فرمائی کہ ابو طالب کے ایک بیٹے کی پرورش آپ اپنے ذمہ لے لیں اور ایک بیٹے کی کفالت کا بوجھ میں اٹھا لوں گا۔

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس تجویز کو پسند فرمایا۔۔۔ اور اس طرح سیدنا جعفر کی پرورش سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے ذمہ لے لی اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی کفالت کا بوجھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اٹھا لیا۔۔۔ اس طرح سیدنا علی رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر آپ کے زیر کفالت پرورش پانے لگے۔

(البدایہ والنہایہ 25/3 ، شرح نہج البلاغت لابن الحدید شیعہ 15/1)

نبوت کی پرورش تاریخ وسیرت کی کتب کہتی ہیں۔۔۔ عوام خاص ایک ہی

بولی بولتے ہیں۔۔۔علماء اور جہلاء یک زبان ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے دادا عبدالمطلب کی وفات کے بعد نبی اکرم ﷺ کی پرورش ابوطالب نے کی تھی۔۔۔اور کچھ اسے ابوطالب کے ایمان کی دلیل سمجھتے ہیں کہ ایک نبی کی پرورش کافر کے گھر کیسے ہوسکتی ہے۔۔۔؟ شاید ان جہلاء کو معلوم نہیں کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی بچپن میں پرورش کس کے گھر ہوئی تھی۔۔۔؟ کیا سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی پرورش کی بنا پر فرعون کو مومن مان لیا جائے۔۔۔؟

حقیقت یہ ہے۔۔۔اور اس حقیقت کو ماننا آسان نہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے دادا عبدالمطلب نے اپنے بعد اپنی جانشینی اپنے بڑے بیٹے زبیر کے سپرد کی تھی جو نبی اکرم ﷺ کے والد گرامی حضرت عبداللہ کے حقیقی اور سگے بڑے بھائی تھے۔

(طبقات ابن سعد 74/1)

زبیر، ابوطالب اور عبداللہ تینوں ایک ماں کے بطن سے حقیقی بھائی تھے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ

اِنَّ الزُّبَیْرَ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ یُرَقِّصُ النَّبِیَّ ﷺ وَھُوَ صَغِیْرٌ وَیَقُوْلُ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰہِ عِشْتَ بِعَیْشٍ اَنْعَمَ فِیْ عِزٍّ (الاصابہ 308/2)

عبدالمطلب کے بیٹے زبیر نبی اکرم ﷺ کو بچپن میں اپنے ہاتھوں پر جھلایا کرتے تھے اور ساتھ کہتے جاتے ہیں یہ محمد میرے عبداللہ بھائی کی نشانی ہے خوب عیش و آرام سے جیے اور بڑی اعلیٰ قدر و منزلت پائے۔

نبی اکرم ﷺ کے تمام چچاؤں میں سب سے زیادہ شفیق اور نرم مزاج زبیر تھے۔۔۔کَانَ اَلْطَفَ عُمُوْمَتِہٖ (انساب الاشراف بلاذری 85/1)

پھر انہوں نے آپ کو گود میں کھلایا۔۔۔پھر وہی عبدالمطلب کے جانشین بنے۔۔۔وہی مالی لحاظ سے مستحکم تھے۔۔۔اور سخاوت میں معروف تھے۔

پھر عبدالمطلب نے زبیر جیسے شفیق چچا کو چھوڑ کر ابوطالب کی کفالت میں آپ کو

کیوں دیا۔۔۔؟ بات تو غور کرنے اور سوچنے کی ہے۔

بعض لوگوں کا خیال یہ ہے کہ عبد المطلب کی وفات کے بعد نبی اکرم ﷺ کی پرورش تو زبیر نے کی تھی مگر زبیر کے انتقال کے بعد ابو طالب آپ کے کفیل بنے۔

بلاذری نے انساب الاشراف میں لکھا ہے کہ ان لوگوں کا خیال بھی غلط ہے۔۔۔ اس کی دلیل بلاذری نے بڑی مضبوط اور پختہ دی کہ زبیر حلف الفضول میں موجود تھے اور اس وقت نبی اکرم ﷺ کی عمر بیس سال سے کچھ اوپر تھی۔ (انساب الاشراف 85/1)

آپ ان تمام علمی حوالہ جات کو ایک طرف رکھ دیں۔۔۔ اور عقل کے ترازو پر اس بات کو تولیں۔۔۔ نبی اکرم ﷺ نے اور سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے ابو طالب کے دو بچوں کی پرورش اپنے ذمہ کیوں لی تھی۔۔۔؟ والد زندہ ہے اور اس کی موجودگی میں ایک بیٹا بھائی کے گھر پرورش پا رہا ہے اور دوسرا بیٹا بھتیجے کے گھر۔۔۔ آخر کیوں۔۔۔؟ ایک ہی جواب ہے نا کہ ابو طالب کی مالی حالت ناگفتہ بہ تھی اور معاشی لحاظ سے وہ پریشان تھے۔۔۔ وہ اس پوزیشن میں نہیں تھے کہ اپنے بچوں کی صحیح پرورش کر سکیں۔

پھر جو شخص مالی اعتبار سے اور معاشی لحاظ سے اتنا کمزور ہو کہ اپنے بچوں کی پرورش نہ کر سکے تو ان کے بارے میں یہ کہنا کہ بھتیجے کی پرورش انہوں نے کی تھی یہ بات عقل سے بھی بعید ہے۔

قبولِ اسلام | نبی اکرم ﷺ کی عمر مبارک چالیس سال کو پہنچی۔۔۔۔ تو آپ کو نبوت و رسالت سے سرفراز فرمایا گیا۔۔۔ آپ نے اسلام اور ایمان کی دعوت سب سے پہلے اپنی زوجہ محترمہ ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے سامنے پیش کی اور انہوں نے بلا حیل وحجت آپ کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے ایمان قبول کیا۔

(لطف کی بات یہ ہے کہ یہ شرف اور یہ عظمت ایک عورت کے حصے میں آئی کہ دعوتِ اسلام کو سب سے پہلے اس نے قبول کیا۔۔۔ اور یہ شرف اور مقام بھی ایک عورت کو

نصیب ہوا کہ اسلام کی اشاعت اور سربلندی کے لیے اسی کا خون گرا اور وہ شہادت کے مرتبے سے سرفراز ہوئی (سیدہ سمیہ رضی اللہ عنہا) اور قرآن میں کوئی سورت۔۔۔ سورت الرجال کے نام سے نہیں ہے اور عورتوں کے نام سے سورت النساء موجود ہے)

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ایمان کی دعوت پر لبیک کہا۔۔۔ علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے۔۔۔ کہ ایک دن سیدنا علی رضی اللہ عنہ ایسے وقت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر آئے دیکھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا دونوں نماز میں مشغول ہیں۔۔۔ پوچھا یہ کیا معاملہ ہے۔۔۔؟ آپ نے فرمایا:

دِيْنُ اللهِ الَّذِي اصْطَفٰى لِنَفْسِهٖ وَبَعَثَ بِهٖ رُسُلَهٗ

یہ اللہ کا دین ہے جسے اللہ رب العزت نے اپنے لیے پسند فرمایا اور اسی دین کے پھیلانے کے لیے اپنے رسولوں کو مبعوث فرمایا۔

میں تمہیں اللہ وحدہ لاشریک کی طرف دعوت دیتا ہوں جو اکیلا الٰہ اور اکیلا معبود ہے اور اللہ کے سوا ہر ایک کی معبودیت والوہیت کا انکار کرواتا ہوں۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جواب کہا۔۔۔ آپ کی دعوت نرالی اور انوکھی دعوت ہے جو اس سے پہلے کبھی نہیں سنی گئی۔۔۔ میں اپنے والد ابوطالب سے پوچھنے کے بعد ہی کوئی فیصلہ کر پاؤں گا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چاہتے تھے کہ دین اسلام کی اعلانیہ دعوت سے پہلے اس بات کو ظاہر اور فاش نہ کیا جائے۔۔۔ اس لیے آپ نے فرمایا۔۔۔ اگر تم اس دعوت کو اور اس دین کو قبول نہیں کرتے ہو تو اس کا تذکرہ اپنے والد سے نہیں کرنا۔۔۔ اسے ابھی پوشیدہ اور مخفی رکھو۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ اس رات خاموش رہے اور اس دعوت کے قبول کرنے یا نہ کرنے پر غور کرتے رہے۔۔۔ ثُمَّ اِنَّ اللهَ اَوْقَعَ فِيْ قَلْبِ عَلِيٍّ الْاِسْلَامَ

پھر اللہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے دل میں اسلام ڈال دیا۔

صبح ہوتے ہی سیدنا علی رضی اللہ عنہ خدمت نبوی میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔۔۔کل آپ نے مجھے کیا دعوت دی تھی۔۔۔؟ آپ نے فرمایا۔۔۔تم اس بات کی شہادت دو کہ اللہ کے سوا کوئی الہ اور معبود نہیں ہے۔۔۔سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کلمۂ شہادت کا اقرار کرلیا۔۔۔مگر اپنے والد کے ڈر سے اپنے اسلام کو چھپائے رکھا اور کسی پر ظاہر نہیں کیا۔

(البدایہ والنہایہ $\frac{24}{3}$)

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ ہیں اور انہوں نے محمد بن کعب سے نقل کیے ہیں:

كَانَ عَلِيٌّ يَكْتُمُ إِيمَانَهُ خَوْفًا مِّنْ أَبِيهِ

سیدنا علی رضی اللہ عنہ اپنے والد کے ڈر سے ایمان کو چھپاتے تھے۔

(ایک لمحہ کے لیے یہاں ٹھہریئے! اور علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کے ان الفاظ پر غور فرمایئے۔۔۔!)

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے تو آپ نے انہیں دعوت ایمان دی اور ان الفاظ کے ساتھ دی:

إِنِّي رَسُولُ اللّٰهِ أَدْعُوكَ إِلَى اللّٰهِ

میں اللہ کا رسول ہوں اور تجھے اللہ کی طرف بلاتا ہوں۔

جونہی آپ کی زبان مقدس سے یہ دعوتی جملہ مکمل ہوا۔۔۔کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور اللہ ہی کی معبودیت کی دعوت دیتا ہوں۔۔۔تو ایک لمحہ ضائع کیے بغیر۔۔۔سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو میں آپ کا پہلا امتی ہوں۔

فَلَمَّا فَرَغَ كَلَامَهُ أَسْلَمَ أَبُوبَكْرٍ (البدایہ والنہایہ $\frac{39}{3}$)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جونہی اپنی دعوت مکمل کی ابوبکر رضی اللہ عنہ ایمان لے آئے۔

امام اعظم امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی خوبصورت بات کہہ کر تمام روایات میں تطبیق دے دی کہ

آزاد مردوں میں سب سے پہلے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ایمان لائے۔۔۔عورتوں میں سب سے پہلے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا ایمان لائیں۔۔۔بچوں میں سب سے پہلے سیدنا علی رضی اللہ عنہ ایمان لائے۔۔۔اور غلاموں میں سب سے پہلے سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ایمان لائے۔

(البدایہ والنہایہ 29/3)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی عمر قبولِ اسلام کے وقت آٹھ یا دس سال کی تھی۔۔۔مگر اس عمر کا فائدہ اٹھا کر آپ اسلام کے ارادے سے مکہ آنے والے لوگوں کی راہنمائی کرتے تھے۔۔۔امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت نقل کی ہے کہ مشہور صحابی ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ ایمان قبول کرنے کی غرض سے مکہ تشریف لائے چونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہچانتے نہیں تھے اور کسی سے دریافت کرنا اپنے آپ کو موت کے حوالے کرنے کے مترادف تھا۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ ایک دو دن انہیں بیت اللہ میں دیکھتے رہے۔۔۔آخر کار پوچھ لیا کہاں سے آئے ہو اور کیوں آئے ہو۔۔۔؟ سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بھی اپنے تئیں ڈرے ہوئے ہیں۔۔۔کہا تم اگر وعدہ کرو کہ میرے ساتھ تعاون کرو گے اور میری راہبری کرو گے تو میں بتاتا ہوں۔۔۔سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے وعدہ کرنے پر انہوں نے اپنا مدعا بیان کیا۔۔۔سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔۔۔یقیناً وہ اللہ کے رسول ہیں اور ان کی دعوت حق اور سچ کی دعوت ہے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ بڑی حکمت عملی اور بڑی سمجھداری سے سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کو لے کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچے۔۔۔اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت پر ایمان لے آئے۔

(بخاری 545/1، مسلم 295/1)

ہجرتِ مدینہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں مسلسل تیرہ سال دعوتِ توحید کو پیش

فرمایا۔۔۔مشرکین نے اس دعوت کو روکنے کے لیے ہر حربہ استعمال کیا۔۔۔ پتھروں کی بارش۔۔۔ راستے میں کانٹے۔۔۔ سروں پر گندی اوجڑیاں۔۔۔ گلے میں رسیاں۔۔۔ طعنے۔۔۔فتوے۔۔۔ پھبتیاں۔۔۔ کذّاب ہے۔۔۔ العیاذ باللہ مجنون ہے۔۔۔ شاعر ہے۔۔۔ساحر ہے۔۔۔ مشرکین ظلم کے جتنے پہاڑ توڑتے۔۔۔ مسلمان اتنے ہی ثابت قدم رہتے۔۔۔ دعوتِ توحید دن بدن بڑھتی چلی گئی۔۔۔ مسلمانوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہونے لگا۔

آخر کار مشرکین نے نبی اکرم ﷺ کو قتل کرنے کا متفقہ فیصلہ کرلیا۔۔۔اور ہر قبیلے کا ایک جوان اسلحہ سے لیس ہو کر انہوں نے کاشانۂ نبوت کا گھراؤ کرلیا۔

اللہ رب العزت نے وحی کے ذریعے آپ کو مشرکین کی اس سازش سے آگاہ کر دیا۔۔۔اور ساتھ ہی حکم دیا کہ آپ گھر سے نکلیں۔۔۔ اور سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کو ہمراہ لے کر مدینہ کی جانب ہجرت فرمائیں۔

نبی اکرم ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اپنے بستر پر سونے کا حکم دیا اور ساتھ ہی فرمایا کہ میری چادر اوڑھ کر سوجاؤ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔

(البدایہ والنہایہ $\frac{176}{3}$)

مشرکین کی امانتیں۔۔۔ ہاں انہیں مشرکین کی جو تلوار سونت [illegible] رے باہر کھڑے تھے کہ محمد ﷺ کو قتل کر دیں گے۔۔۔ آپ کے پاس موجود تھیں۔۔۔ مشرکین اس حد تک آپ کی امانت و دیانت کے قائل تھے اور آپ کو محمد ﷺ امین کے لقب سے پکارا کرتے تھے۔۔۔ آپ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔۔۔ مشرکین کی یہ امانتیں ان کے سپرد کر کے تم بھی مدینہ آجانا۔

سامعین گرامی قدر! اس رات بسترِ رسول پر سونا سیدنا علی رضی اللہ عنہ جیسے بہادر اور شجاع ہی کا کام تھا۔۔۔ دلیر علی۔۔۔ نڈر علی۔۔۔ بسترِ رسول پر چادر تان کر بے خوف و خطر سو گیا۔

نبی اکرم ﷺ نے ایک مٹھی بھر مٹی ہاتھ میں لی ور گھر سے باہر آ گئے۔۔۔۔۔

اللہ رب العزت نے کفار کی آنکھوں پر پردے ڈال دیئے۔۔۔ آپ مٹی ان کے سروں پر پھینکتے ہوئے صاف بچ نکلے۔۔۔ آپ سورت یٰسین کی یہ آیت پڑھتے ہوئے نکلے:

فَأَغْشَيْنَاهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ (یٰسین 9)

ہم نے ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا تو انہیں کچھ سجھائی نہیں دیتا۔

اللہ رب العزت نے مشرکین کو اندھا کر دیا۔۔۔ نبی اکرم ﷺ ان کے اندر سے ہو کر نکل گئے مگر نبی اکرم ﷺ کو دیکھ نہ سکے۔

(مشرکین اس دن جو اندھے ہوئے آج تک اندھے ہیں۔۔۔۔۔ کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ حاضر و ناظر ہیں۔۔۔ ہماری مجلسوں میں موجود ہیں مگر ہمیں نظر نہیں آتے)

صبح کے وقت مشرکین نے جھانک کر دیکھا تو بسترِ رسول پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو موجود پایا۔۔۔ ان سے نبی اکرم ﷺ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا:

لَا عِلْمَ لِي بِهِ (طبقات ابن سعد $\frac{228}{1}$)

مجھے ان کے بارے میں کوئی علم نہیں ہے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کے حکم کے مطابق مشرکین کی امانتیں ان کے سپرد کر کے تین دن کے بعد مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ کی جانب روانہ ہوئے۔۔۔ ہجرت کا سفر انتہائی مشکل اور دشوار ترین سفر تھا۔۔۔ اوپر سے دشمن کا خوف۔۔۔ دن کو چھپے رہتے اور رات کے پہروں میں پتھریلی زمین پر چلتے رہے۔۔۔ پاؤں پر ورم آ گیا۔۔۔ چھالوں نے قدموں پر گھر بنا لیا۔۔۔ پانچ سو کلومیٹر کا طویل ترین اور دشوار ترین سفر اور اکیلا مسافر۔

دن رات کے طویل سفر کو طے کر کے اس جگہ پہنچے جہاں رحمت کائنات ﷺ کا قیام تھا۔۔۔ نبی اکرم ﷺ کو پتہ چلا تو فرمایا۔۔۔ علی کو بلاؤ۔۔۔ ساتھیوں نے عرض کیا یارسول اللہ! ان کے پاؤں سوج گئے ہیں۔۔۔ اور وہ چلنے سے معذور ہیں۔۔۔ آپ خود

چل کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ہاں تشریف لے گئے۔۔۔فرطِ مسرت سے علی رضی اللہ عنہ کو گلے لگایا۔۔۔
سر پر بوسہ دیا۔۔۔سبحان اللہ! پاؤں کے ورم کو دیکھا تو نبوت کی مبارک آنکھوں میں آنسو
آ گئے۔۔۔آپ نے اپنا لعاب دہن ان کے پاؤں پر لگایا۔۔۔اور ہاتھ پھیرا۔۔۔
ابن اثیر نے الکامل میں لکھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لعاب دہن لگانے کے بعد ساری زندگی
سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پیروں کو بھی کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ (ابن اثیر $\frac{106}{2}$)

یہ سب باتیں جو میں نے بیان کی ہیں۔۔۔ یہ سب کی سب تفصیل تاریخ کی
کتب میں ہے۔۔۔حدیث کی معتبر ترین کتاب بخاری میں ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا
کے حوالے سے جو روایت ہے اس میں ان باتوں کا تذکرہ نہیں ہے۔ (بخاری $\frac{552}{1}$)

بخاری کی روایت میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر آپ کی تشریف آوری کا تذکرہ
موجود ہے۔۔۔سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیٹیوں (سیدہ اسماء، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہما) کا ذکر بھی
موجود ہے۔۔۔سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر سے غار ثور تک جانے کا تذکرہ بھی موجود
ہے۔۔۔بخاری کی روایت میں بستر رسول پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے سونے کا کوئی ذکر نہیں
ہے۔واللہ اعلم بالصواب

سیدنا علی رضی اللہ عنہ مدینہ میں قبول اسلام کے وقت سیدنا علی رضی اللہ عنہ بچے تھے۔۔۔سیدنا
علی رضی اللہ عنہ کے کارہائے نمایاں اور اسلام کی خدمات ہجرت کے بعد شروع ہوئیں۔

چنانچہ ہجرت مدینہ کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ہر وہ کام کیا اور ہر وہ خدمت
سرانجام دی اور ہر وہ قربانی پیش کی جو ایک نوجوان کر سکتا ہے۔

جنگ بدر ہو یا غزوۂ اُحد ہو۔۔۔ یا خندق کا معرکہ ہو۔۔۔ یا خیبر کی جنگ
ہو۔۔۔یا حدیبیہ کا سفر ہو۔۔۔ہر مقام پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نمایاں اور امتیازی شان کے ساتھ
نظر آتے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پہنچ کر مکہ سے ہجرت کر کے آنے والے مہاجرین اور

مدینہ کے انصار کے درمیان مواخات اور بھائی چارے کا رشتہ قائم فرمایا۔

اللہ گواہ ہے آسمان نے ایسا اخوت کا رشتہ اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا کہ نبی اکرم ﷺ کے ایک فرمان پر عمل کرتے ہوئے۔۔۔ دو اجنبی شخص ایسے گہرے بھائی بنے کہ سگے بھائی بھی ایسے ایثار والے نہ ہوں۔۔ نبی اکرم ﷺ نے سیدنا علی اور سیدنا سہیل بن حنیف رضی اللہ عنہما کے درمیان بھائی چارہ کا تعلق قائم فرمایا۔ (طبقات ابن سعد $\frac{23}{3}$)

بعض روایات میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اس موقع پر اپنا بھائی بنایا اور ان کی مواخات اپنی ذات سے قائم فرمائی۔ (ترمذی، مشکوۃ $\frac{572}{2}$)

مگر یہ روایت، درایت کے اعتبار سے بھی صحیح نہیں بنتی کیونکہ نبی اکرم ﷺ بھی مہاجر تھے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی مہاجر تھے۔۔۔ مہاجر کا دوسرے مہاجر سے رشتۂ اخوت قائم کرنے کا کوئی مقصد نظر نہیں آتا۔۔۔ پھر نبی اکرم ﷺ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ دونوں چچازاد بھائی ہونے کے ناطے رشتۂ اخوت میں بندھے ہوئے تھے۔

اسی رشتے کا لحاظ کرتے ہوئے نبی اکرم ﷺ نے اس موقع پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اپنا بھائی کہا اور پھر ان کی مواخات سہیل بن حنیف کے ساتھ قائم فرما دی۔ (تحقیق و جستجو کے شائق لوگ البدایہ والنہایہ جلد 3 صفحہ 241 کا مطالعہ فرمائیں، انہوں نے اس پر بہت عمدہ بحث اور گفتگو فرمائی ہے)

غزوۂ بدر اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ

سن 2 ہجری تھا اور رمضان المبارک کا مقدس مہینہ تھا کہ اسلام اور کفر کے مابین پہلا معرکہ ہوا۔۔۔ حق اور باطل کے درمیان فیصلہ کن جنگ ہوئی۔۔۔ اسی غزوہ نے تاریخ کے دھارے کا رخ موڑ دیا۔۔۔ اس دور میں۔۔۔ جنگ کی ابتدا میں بہادر اور دلیر شہسوار میدان میں آ کر اپنا مقابل طلب کرتے اور ھَلْ مِنْ مُبَارِزٍ کا نعرہ لگاتے۔۔۔ یعنی ہے کوئی جو میرے مقابلہ میں آئے؟

غزوۂ بدر میں مشرکین کی طرف سے تین بہادر سب سے پہلے میدان میں

کودے۔۔۔عتبہ بن ربیعہ۔۔۔اس کا بھائی شیبہ بن ربیعہ۔۔۔اور عتبہ کا بیٹا ولید۔۔۔

انہوں نے نعرہ لگایا:

هَلْ مِنْ مُّبَارِزٍ

ان کے مقابلے میں سیدنا حمزہ۔۔سیدنا علی۔۔اور سیدنا عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہم میدان میں آئے۔

عتبہ کا مقابلہ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ سے ہوا۔۔۔سیدنا علی رضی اللہ عنہ ولید بن عتبہ کے سامنے آئے۔۔۔اور سیدنا عبیدہ رضی اللہ عنہ کا مقابلہ شیبہ سے ہوا۔۔۔ان تینوں نے مشرکین کے تینوں شہسواروں کا غرور خاک میں ملا دیا اور انہیں جہنم واصل کر دیا۔

غزوۂ بدر کے موقع پر۔۔۔کچھ لوگوں کا۔۔۔بعض کمزور نظریہ رکھنے والے سنی بھی۔۔۔اور تمام کے تمام اہل تشیع اس بات کے قائل ہیں اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی عظمت کو بیان کرنے کے لیے کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس موقع پر اپنی تلوار سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو عنایت فرمائی جسے ذوالفقارِ علی کا نام دیا گیا۔

آپ سن کر حیران ہوں گے کہ یہ بات کسی مستند حوالے سے ثابت نہیں ہے بلکہ سیرت ابن ہشام میں ہے کہ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ نے منبیہ بن حجاج نامی ایک مشرک کو قتل کیا۔۔۔ ذوالفقار نام کی تلوار اسی مشرک کی تھی جو مالِ غنیمت میں حاصل ہوئی۔

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی عجیب بات تحریر کی ہے:

اِنَّ ذَاالْفِقَارِ لَمْ يَكُنْ لِعَلِيٍّ

ذوالفقار نام کی تلوار سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی نہیں تھی۔

اِنَّمَا كَانَ سَيْفًا مِنْ سُيُوْفِ اَبِيْ جَهْلٍ

بلکہ ذوالفقار نامی تلوار ابوجہل کی تلواروں میں سے ایک تلوار تھی۔۔۔۔۔جیسے غزوۂ بدر کے دن غنیمت میں حاصل کیا گیا۔

مزہ اور لطف کی بات یہ ہے کہ اس تلوار کا نام پہلے ہی ذوالفقار تھا۔۔۔مالِ غنیمت میں یہ تلوار حاصل ہوئی۔۔۔کسی مستند کتاب میں نہیں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے یہ تلوار سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو عنایت کی ہو۔۔۔مگر اہل تشیع نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی عظمت کو ثابت کرنے کے لیے یہ کہانی گھڑی اور تراشی۔

اصول کافی میں ایک روایت ہے کہ ایک شخص نے امام رضا سے پوچھا کہ ذوالفقار تلوار کہاں سے آئی تھی۔۔۔؟ امام رضا نے جواب دیا کہ یہ تلوار جبریل آسمان سے لائے تھے اور اس کا قبضہ چاندی کا تھا۔ (الشافی شرح اصول کافی 267/1)

تلوار آسمان سے اتری۔۔۔جبریل لے کر آیا۔۔۔یہ سب افسانے ہیں۔۔۔سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی عظمت اور شان بڑھانے کے لیے ایسے افسانے اور ایسی کہانیاں گھڑنے کی بھلا کیا ضرورت ہے؟ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا مقام اور مرتبہ۔۔۔اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شان اور مقام ویسے کچھ کم ہے؟ وہ پروردۂ نبوت ہیں۔۔۔نبی اکرم ﷺ کے عم زاد ہیں۔۔۔بچوں میں پہلے مومن ہیں۔۔۔عشرہ مبشرہ میں شامل ہیں۔۔۔بہادر اور شجاع ایسے کہ بدر و احد کے میدان آج بھی اس کی شہادت دے رہے ہیں۔۔۔دلیر اور باہمت ایسے کہ خیبر کے قلعے اس کے گواہ ہیں۔۔۔ان کی عظمت کو ثابت کرنے کے لیے من گھڑت قصوں اور کہانیوں کی بھلا کیا ضرورت ہے؟

غزوۂ اُحد اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ

غزوۂ بدر میں مشرکین مکہ کو ذلت آمیز شکست کا سامنا کرنا پڑا۔۔۔بڑے بڑے چوہدری میدان میں ذلت کی موت مر گئے۔۔۔بہت سے قیدی بنے۔ بدر کی شکست نے مکہ کے ہر کافر کو برانگیختہ کر دیا اور وہ انتقام کی آگ میں جلنے لگے۔۔۔مشرکین نے پوری تیاری کر کے۔۔۔آلاتِ جنگ سے لیس ہو کر تین ہجری میں مشرکین مکہ نے مدینہ پر حملہ آور ہونے کے لیے لشکر کشی کی۔۔۔نبی اکرم ﷺ نے مشورے کے بعد طے کیا کہ مدینہ سے باہر نکل کر مشرکین سے دو دو ہاتھ کرنے چاہئیں۔

نبی اکرم ﷺ نے احد کو پشت پر رکھ کر لشکر اسلام کی صف آرائی فرمائی۔۔۔فوج کا علم سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔۔۔اور پچاس افراد پر مشتمل ایک دستہ ایسے درے پر کھڑا کیا گیا جہاں سے مشرکین کے حملہ آور ہونے کا خطرہ تھا۔۔۔غزوۂ اُحد کے دن سیدنا حمزہ، سیدنا ابو دجانہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہم کی شجاعت اور دلیری لائقِ دید تھی۔۔۔وہ کفار کے لشکر میں گھس کر انہیں واصل جہنم کر رہے تھے۔

مشرکین کو پہلے مرحلہ میں شکست کا سامنا کرنا پڑا اور وہ میدان چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔۔۔مسلمان مالِ غنیمت سمیٹنے میں مصروف ہوگئے تو درے پر متعین پچاس صحابہ میں سے اکثر نے درہ خالی کر دیا۔

درہ خالی دیکھ کر کفار کے لشکر نے عقب سے مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔۔۔۔سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ جو لشکر اسلام کے علمبردار تھے اور شکل وصورت میں نبی اکرم ﷺ کے قدرے قریب تھے۔۔۔وہ بھی جامِ شہادت نوش کر گئے۔۔۔میدان میں افواہ اُڑ گئی کہ محمد ﷺ شہید ہو گئے ہیں۔۔۔اس افواہ نے مسلمانوں کے ہوش وحواس اُڑا دیئے۔۔۔تلواریں ان سے ہاتھ سے گر گئیں۔

سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد لشکر اسلام کا علم سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سنبھالا اور آخر تک اس علم کی حفاظت کی۔

مشرکین کی فوج کے علمبردار طلحہ بن عثمان نے جب مسلمانوں کو للکارا تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ ہی اس کی طرف بڑھے اور اس پر تلوار کا ایک کاری وار کیا کہ اس کا پاؤں کٹ گیا اور وہ سواری سے نیچے گر گیا۔۔۔گرتے ہی اس کی شرم گاہ سے کپڑا ہٹ گیا۔۔۔وہ رحم کی اپیل کرنے لگا اور علی رضی اللہ عنہ جیسے بہادر نے اسے چھوڑ دیا۔ (ابن اثیر $\frac{152}{2}$)

سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کی شہادت کی خبر اُڑنے کے بعد سب سے پہلے میں نے آپ کو دیکھا اور میں نے بلند آواز سے مسلمانوں کو آواز لگائی:

يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِيْنَ اَبْشِرُوْا هٰذَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ حَیٌّ لَمْ يُقْتَلْ

مسلمانو! تمہیں بشارت ہو یہ اللہ کے رسول ہیں اور شہید نہیں ہوئے۔

مسلمانوں کے کانوں میں جب خوشخبری کی یہ آواز پہنچی تو وہ سنبھلے اور دوڑ کر اس گھاٹی کے قریب پہنچے اس وقت آپ کے ساتھ سیدنا ابوبکر، سیدنا عمر، سیدنا طلحہ، سیدنا زبیر اور سیدنا علی رضی اللہ عنہم موجود تھے۔ (ابن اثیر $\frac{175}{2}$)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شہادت کی خبر اُڑتے اُڑتے مدینہ تک جا پہنچی۔۔۔ ویسے بھی مدینہ کی بستی اُحد سے کچھ زیادہ فاصلہ پر نہیں تھی۔۔۔ لوگ بھاگتے ہوئے میدانِ اُحد میں پہنچے۔۔۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی دوڑتی ہوئی اُحد کے میدان میں پہنچ گئیں۔۔۔ اپنے مشفق والد کو زخمی دیکھ کر افسردہ ہو گئیں۔۔۔ حالت یہ تھی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ پُرانوار سے خون جاری تھا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ ڈھال میں پانی بھر کر لاتے اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ مبارک سے خون کو صاف کرتیں اور پانی سے دھوتیں۔ (بخاری $\frac{584}{2}$)

غزوۂ خندق اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہجرت فرمائے تقریباً پانچ سال ہو رہے تھے کہ مشرکین مکہ نے دوسرے کفار قبائل کو اپنے ساتھ ملا کر دس ہزار کے ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ مدینہ پر چڑھائی کر دی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورے سے مدینہ کے گرد خندق کھودی تاکہ کفار آسانی کے ساتھ مدینہ کی جانب نہ آسکیں۔۔۔ سخت سردی کا موسم تھا اور مسلسل فاقے تھے۔۔۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایک طویل خندق کھود دی۔

مشرکین کے کچھ بہادر سپاہی ایک تنگ جگہ سے خندق کو عبور کر کے اندر آ گئے۔۔۔ ان میں ایک زبردست پہلوان عمرو بن عبد ود بھی تھا۔۔۔ اسے ایک ہزار

فوجیوں کے برابر گردانا جاتا تھا۔۔۔ بڑا تجربہ کار اور جنگجو سپاہی تھا۔۔۔ اگر چہ اس وقت اس کی عمر تقریباً نوے سال تھی۔۔۔ مگر اس نے خندق پار کر کے هَلْ مِنْ مُّبَارِزٍ کا نعرہ لگایا۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ اس کے مقابلے میں نکلے۔۔۔ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے مبارک ہاتھ سے انہیں تلوار عنایت فرمائی۔۔۔ سر پر عمامہ باندھا اور دعائیں دے کر میدان کی جانب بھیجا۔

دونوں بہادر آمنے سامنے آئے۔۔۔۔۔ عمرو بن عبدود نے تلوار کا وار کیا جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ڈھال پر روکا۔۔۔ مگر اس کی تلوار ڈھال کو چیر کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی پیشانی پر لگی۔۔۔ زخم اگر چہ معمولی تھا مگر اس زخم کا نشان آپ کی پیشانی پر اپنے نشان چھوڑ گیا۔۔۔ پھر دونوں کی تلواریں چلنے لگیں۔۔۔ ایک دوسرے پر حملہ آور ہو رہے ہیں۔۔۔ آخر کار سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی تلوار نے اس کا کام تمام کر دیا۔۔۔ ساتھ ہی سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر مسلمانوں کو اطلاع دی کہ کامیابی نے میرے قدم چومے ہیں۔

(البدایہ والنہایہ 105/4)

صلح حدیبیہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ

ذیقعدہ کا مہینہ تھا اور چھ ہجری تھی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور چودہ سو صحابہ رضی اللہ عنہم عمرے کا احرام باندھ کر عازمِ بیت اللہ ہوئے۔۔۔ مشرکین نے آپ کو روکنے کے بڑے حربے استعمال کیے۔۔۔ آپ مکہ سے چند میل کے فاصلے پر حدیبیہ کے مقام پر رک گئے۔۔۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سفیر بن کر مکہ پہنچے مگر مذاکرات ناکام ہو گئے۔۔۔ مشرکین کے وفود بھی آتے رہے۔۔۔ آخر کار سہیل بن عمرو کے ساتھ آپ کے مذاکرات کامیاب ہو گئے اور کچھ شرائط پر اتفاق ہو گیا۔۔۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معاہدہ کی تحریر لکھوانے کے لیے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو طلب فرمایا۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے معاہدہ سے پہلے بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ تحریر فرمایا۔۔ سہیل بن عمرو نے اس پر اعتراض کر دیا کہ ہم تو باسمك اللّٰهُمَّ لکھا کرتے ہیں۔۔۔ لہٰذا

وہی تحریر کیا جائے۔

نبی اکرم ﷺ نے اسے منظور فرما لیا کیونکہ دونوں کا مفہوم تقریباً ایک ہی ہے۔۔۔اب سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے معاہدہ کی ابتدا میں لکھا:

هٰذَا مَا قَاضٰی عَلَيْهِ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ

یہ وہ معاہدہ ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ اور سہیل بن عمرو کے مابین ہے۔

سہیل بن عمرو نے اس پر بھی اعتراض اٹھا دیا۔۔۔کہنے لگا اگر ہم آپ کو اللہ کا رسول تسلیم کرتے تو پھر ہم تمہیں بیت اللہ آنے سے کیوں روکتے؟ پھر آپ کے اور ہمارے درمیان جھگڑا اور لڑائی کیسی۔۔۔؟ لہٰذا آپ صرف اپنا نام اور اس کے ساتھ اپنے والد کا نام تحریر کروائیں۔۔۔یعنی محمد بن عبداللہ۔

آپ نے فرمایا۔۔۔سہیل! تم لوگ بھلے میری تکذیب کرو۔۔۔اور مجھے جھٹلاتے رہو لیکن بیت اللہ کے رب کی قسم ہے میں اللہ کا رسول ہوں۔۔نبی اکرم ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا جس طرح سہیل کہہ رہا ہے اسی طرح تحریر کرو۔۔۔محمد رسول اللہ کاٹ کر محمد بن عبداللہ لکھ دو۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر محب رسول کون ہو سکتا ہے۔۔۔؟ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر نبی اکرم ﷺ کا فرمانبردار کون ہو سکتا ہے۔۔۔؟ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کی حکم عدولی کا سوچ بھی نہیں سکتے۔

مگر الفت ومحبت میں کچھ مقام ایسے بھی آتے ہیں جہاں فرمانبرداری سے بعض اوقات انکار پر کروڑوں فرمانبرداریاں قربان۔۔یہاں بھی وہی وقت تھا جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جواب میں عرض کیا:

علی کے ہاتھ کٹ سکتے ہیں مگر محمد ﷺ کے ساتھ رسول اللہ کے لکھے ہوئے الفاظ مٹا نہیں سکتے۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا پھر مجھے دکھاؤ کہ میرا نام کس جگہ پر لکھا ہوا ہے۔۔۔
چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے ہاتھ سے رسول اللہ کے الفاظ کاٹ دیئے۔

(مسلم $\frac{104}{2}$)

(یہاں ایک لمحہ کے لیے رکیے۔۔۔! وفات سے چند دن پہلے نبی اکرم ﷺ کے قلم دوات کے طلب کرنے پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا حَسْبُنَا کِتَابُ اللهِ کہنا ایک طبقہ کے نزدیک جرم بن گیا۔۔۔ کہ نبی اکرم ﷺ کے حکم کو تسلیم نہیں کیا۔۔۔ حالانکہ نبی اکرم ﷺ نے وہاں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو خاص کر کے حکم نہیں دیا تھا اور یہاں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو خاص کر کے فرمایا تھا۔۔۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا انکار کرنا جرم نہیں تو پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا حَسْبُنَا کِتَابُ اللهِ کہنا جرم کیوں بن گیا؟)

غزوۂ خیبر اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ

صلح حدیبیہ کے بعد سات ہجری میں نبی اکرم ﷺ نے صلح حدیبیہ میں شریک چودہ سو صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ خیبر پر حملہ کر دیا۔۔۔ خیبر عرب میں یہودیوں کا سب سے بڑا اور مضبوط مرکز تھا۔۔۔ بنو نضیر اور دوسرے قبیلے جنہیں مدینہ سے جلاوطن کر دیا گیا تھا یہیں آ کر آباد ہوئے۔۔۔ اور مسلمانوں کے خلاف مختلف سازشوں میں سرغنے کا کردار ادا کرنا شروع کر دیا۔

خیبر کی بستی میں کئی قلعے تھے۔۔۔ جنہیں مختلف صحابہ کی کمان میں فتح کر لیا گیا۔۔۔ ایک قلعہ قموص کے نام سے معروف تھا جس کا سپہ سالار عرب کا مشہور پہلوان مرحب تھا۔

نبی اکرم ﷺ نے ایک دن فرمایا۔۔۔ کل جھنڈا اسے دوں گا جس کے ہاتھ سے اللہ رب العزت اس قلعہ کو فتح فرما دے گا اور وہ شخص اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ محبت کرتا ہوگا اور اللہ اور اس کا رسول اس کے ساتھ محبت کرتے ہوں گے۔

صبح کے وقت نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔۔۔ علی کہاں ہے۔۔۔؟ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی

آنکھیں خراب تھیں اور وہ لڑنے کے قابل نہیں تھے۔۔۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ آئے۔۔۔ آپ نے اپنا لعاب دہن ان کی دکھتی ہوئی سرخ آنکھوں پر لگایا۔۔۔ آنکھیں درست ہو گئیں۔۔۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا دے کر رخصت فرمایا۔

(بخاری $\frac{605}{2}$ ، مسلم $\frac{279}{2}$)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے قلعہ قموص کے سالار مرحب کو قتل کر دیا اور یوں بیس دنوں کے بعد یہ قلعہ بھی فتح ہو گیا۔

خیبر کے اس واقعہ میں۔۔۔ قلعۂ قموص کے دروازے کے بارے میں اور مرحب کو قتل کرنے کے متعلق کئی مضحکہ خیز باتیں مورخین نے کی ہیں۔۔۔ مثلاً علامہ شبلی نے ایک روایت نقل کی ہے:

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے تلوار کے وار کو مرحب نے ڈھال پر روکا مگر ذوالفقار مرحب کے سر پر چڑھے ہوئے خود اور سر کو کاٹتی ہوئی دانتوں تک جا پہنچی۔۔۔ مرحب کے قتل ہونے پر یہود نے حملہ کر دیا تو اتفاقاً ڈھال سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے گر گئی، انہوں نے قلعہ کا دروازہ اکھاڑ کر اسے ڈھال بنا لیا، بعد میں چالیس آدمیوں نے اس دروازے کو اٹھانے کی کوشش کی مگر نہ اٹھا سکے۔

(اتنے بڑے اور اتنے وسیع و عریض دروازے کو ڈھال کے طور پر کیسے استعمال کیا جا سکتا ہے۔۔۔؟ عقل اور درایت کے پیمانے پر یہ بات پوری نہیں اترتی۔۔۔ ایسی روایات ابن اسحاق اور حاکم نے روایت کی ہیں مگر سب جھوٹ ہے۔۔۔ علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔۔۔ کُلُّهَا وَاهِيَةٌ۔۔۔ علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے میزان الاعتدال میں بھی ایسی روایات کو مجروح قرار دیا ہے۔۔ ایک مخصوص گروہ نے ایسی روایات کو شہرت دے دی جن میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں بے حد مبالغہ سے کام لیا گیا ہے)

آپ یہ سن کر حیران ہوں گے کہ قلعۂ قموص کے سالار مرحب کے قاتل کے

بارے میں ایک روایت یہ ہے کہ اسے سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا۔۔۔مرحب جب هَلْ مِنْ مُّبَارِزٍ کا نعرہ لگاتا ہوا قلعہ سے باہر آیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس کے مقابلے میں کون جائے گا۔۔۔؟ سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔۔۔یارسول اللہ! اس نے کل میرے بھائی کو قتل کیا تھا اس لیے اس کے مقابلے میں۔۔۔۔۔میں جاؤں گا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا دے کر انہیں مرحب کے مقابلے میں بھیجا۔

وَضَرَبَهُ مُحَمَّدُ بْنُ مَسْلَمَةَ حَتّٰى قَتَلَهُ (سیرت ابن ہشام 47/2)

محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے اسے ضرب لگائی اور اسے قتل کر دیا۔

تعجب کی بات یہ ہے کہ طبری جو نظریۂ اہل تشیع ہے۔۔۔اس نے اپنی تاریخ میں یہی لکھا۔۔۔اور علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی مرحب کا قاتل سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو قرار دیا۔ (طبری 299/2، البدایہ والنہایہ 188/2)

فتح مکہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ

مشرکین مکہ نے صلح حدیبیہ کی خلاف ورزی کی تو آپ نے مشرکین مکہ سے جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں اور اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ اپنے طور پر تیاری کر لو ہم عنقریب مکہ کی جانب روانہ ہوں گے۔۔۔اس تمام تر کارروائی اور تیاری کو انتہائی مخفی رکھا گیا تاکہ مشرکین کو اس کی خبر نہ ہو۔

ایک بدری صحابی ہیں سیدنا حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ۔۔۔ان کے بال بچے ابھی تک مکہ میں تھے اور بچوں کے علاوہ دوسرا کوئی رشتہ دار وہاں موجود نہیں تھا۔۔۔جو ان کے اہل وعیال کی دیکھ بھال یا حفاظت کرے۔

ان کے دل میں آیا کہ قریش پر ایک احسان کر دوں تاکہ اس احسان کے بدلے وہ میرے اہل وعیال کا خیال اور لحاظ کریں۔۔۔۔۔۔انہوں نے قریش مکہ کو خط لکھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اہل مکہ پر حملہ آور ہونا چاہتے ہیں۔۔۔وہ خط انہوں نے مکہ جانے والی ایک عورت کے حوالے کر دیا کہ قریش تک یہ خط پہنچا دے۔۔۔اس عورت نے اس خط کو سر کے

جوڑے میں چھپالیا اور بسوئے مکہ روانہ ہوگئی۔

نبی اکرم ﷺ نے سیدنا علی۔۔۔سیدنا زبیر۔۔۔۔سیدنا مقداد۔۔۔اور سیدنا ابومرثد غنوی (رضی اللہ عنہم) کو بھیجا کہ ایک عورت جو تمہیں خاخ کے مقام پر ملے گی (مکہ اور مدینہ کے درمیان۔۔۔مدینہ سے تقریباً بیس کلومیٹر کے فاصلے پر ہے) تمہیں اونٹ پر سوار ایک عورت ملے گی اسے پکڑو اور اس کے پاس ایک خط ہے جو وہ قریش کو پہنچانے جا رہی ہے۔۔۔وہ خط اس سے لے کر مجھے پہنچاؤ۔

یہ حضرات گھوڑوں پر سوار ہو کر نکلے۔۔۔وہ عورت عین اسی مقام پر مل گئی جو مقام نبی اکرم ﷺ نے بتایا تھا۔۔۔پوچھنے پر اس عورت نے خط سے انکار کیا۔۔۔اس کے کجاوے کو کھولا گیا مگر خط نہ ملا۔۔۔عورت خط سے مسلسل انکار کرتی رہی۔۔۔سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

میں اللہ رب العزت کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ نبی اکرم ﷺ نے کبھی غلط بات نہیں کہی۔۔۔خلافِ واقعہ بات آپ نہیں کہتے اور ہم بھی غلط بیانی نہیں کر رہے۔

(آسمان نیچے آسکتا ہے اور زمین اوپر جاسکتی ہے، پہاڑ اپنی جگہ سے سرک سکتا ہے اور سمندر راستہ بدل سکتا ہے، سورج اپنی روشنی کھوسکتا ہے اور چاند بے نور ہوسکتا ہے، ستارے جگمگانا بھول سکتے ہیں اور تدبیر ٹل سکتی ہے، مگر محمد عربی ﷺ کی کوئی بات غلط نہیں ہوسکتی)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔۔۔تمہیں وہ خط دینا پڑے گا ورنہ ہمیں برہنہ کرکے تلاشی لینی پڑی تو ہم اس سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔۔۔اس عورت نے محسوس کیا کہ یہ لوگ مجھے چھوڑنے والے نہیں ہیں تو اس نے سر کے بالوں سے خط کھول کر ان کے حوالے کر دیا۔۔۔خط نبی اکرم ﷺ تک پہنچا۔۔۔آپ نے سیدنا حاطب رضی اللہ عنہ کی بات سن کر اعتبار فرمایا اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جب اجازت طلب کی کہ میں اس کا سر قلم کردوں؟

تو آپ نے فرمایا۔۔۔عمر! تمہیں معلوم نہیں حاطب بدری ہے اور اللہ نے

اصحابِ بدر کے متعلق فرمایا ہے:

اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ قَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ

تم جو دل میں آئے عمل کرو اللہ نے تمہیں معاف فرمادیا ہے۔

نبی اکرم ﷺ رمضان المبارک کے مہینے میں آٹھ ہجری میں دس ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہمراہ مکہ کے فاتح بن کر مکہ میں داخل ہوئے۔۔۔آپ بیت اللہ میں داخل ہوئے۔۔۔ مشرکین نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے تعمیر کردہ اللہ کے گھر میں تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے۔۔۔نبی اکرم ﷺ نے ایک لکڑی کی نوک سے ایک ایک بت کو گرادیا۔

لوگوں میں مشہور یہ ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کے کندھوں پر چڑھ کر اونچائی پر نصب تصویروں کو توڑا تھا۔۔۔مگر یہ بات درست نہیں ہے اور تاریخ و سیرت کی کتب بھی اس کی تائید نہیں کرتیں۔۔۔قدیم مؤرخین اور محدثین میں سے کسی نے بھی اس کو نقل نہیں کیا۔۔۔یار لوگوں نے محبت علی کے پردے میں اسے مشہور کردیا۔

تمام علماء نے یہی لکھا ہے کہ ان تمام بتوں کو نبی اکرم ﷺ نے اپنے ہاتھ سے توڑا تھا۔۔۔بیت اللہ کے اندر کی تصویریں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے گرائیں اور مٹائیں۔

(سیرت ابن ہشام 83/2 ، البدایہ والنہایہ 301/4)

غزوۂ تبوک اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ تبوک کا سفر نو ہجری میں پیش آیا۔۔۔نبی اکرم ﷺ کو اطلاع ملی کہ رومیوں نے اپنی سرحد پر بہت بڑا لشکر اکٹھا کیا ہے۔۔۔نبی اکرم ﷺ نے مسلمانوں کو تبوک جاکر روم کی فوج سے دو دو ہاتھ کرنے کا فیصلہ فرمایا۔

سخت گرمی کا موسم۔۔۔۔کھجور کی فصل تیار۔۔۔۔صحرا کا سفر۔۔۔۔سواریوں کا فقدان۔۔۔اور پیشہ ور فوج سے مقابلہ۔۔۔واقعی جیش العسرۃ تھا۔

نبی اکرم ﷺ کا معمول اور عادت مبارکہ تھی کہ آپ مدینہ سے باہر تشریف لے جاتے تو مدینہ میں کسی کو اپنا قائم مقام مقرر فرماتے۔۔۔۔غزوۂ تبوک پر جاتے ہوئے

آپ نے سیدنا سباع بن عرفطہ رضی اللہ عنہ کو اپنا قائم مقام مقرر فرمایا۔۔۔۔۔۔ کچھ مورخین نے سیدنا محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ کا نام لیا ہے کہ انہیں قائم مقام مقرر فرمایا۔۔۔۔ اور اپنے اہل و عیال کی دیکھ بھال اور بچوں کی نگرانی کے لیے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔

(بخاری $\frac{633}{2}$ ، ابن اثیر $\frac{278}{2}$)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رخصت ہو گئے تو مدینہ میں رہنے والے منافقین نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو طعنے دینے شروع کیے کہ تمہیں عورتوں اور بچوں کی دیکھ بھال کے لیے چھوڑ گئے ہیں۔۔۔ تم اگر کسی قابل ہوتے تو تمہیں بھی ساتھ لے کر جاتے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ ان کے طعنے سن کر پریشان اور رنجیدہ ہوئے۔۔۔ اور اپنے ہتھیار لے کر۔۔۔ مدینہ سے تقریباً پانچ کلومیٹر کے فاصلے پر جرف نامی مقام پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں پہنچ گئے۔۔۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پوچھنے پر بتلایا کہ آپ مجھے ساتھ نہیں لے جانا چاہتے تھے اس لیے عورتوں کی دیکھ بھال کے لیے مدینہ چھوڑ دیا۔۔۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَلَا تَرْضٰی

کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو؟

اَنْ تَکُوْنَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰی

کہ میں تمہیں اس طرح چھوڑ کر جا رہا ہوں جس طرح سیدنا موسیٰ علیہ السلام طور پر جاتے ہوئے سیدنا ہارون علیہ السلام کو چھوڑ گئے تھے۔

یہ فرمانے کے بعد آپ کو محسوس ہوا کہ میں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو سیدنا ہارون علیہ السلام سے تشبیہ دی ہے۔۔۔ سیدنا ہارون علیہ السلام تو اللہ کے نبی تھے۔۔۔ کوئی بدبخت اس کا غلط مفہوم نہ سمجھ لے اس لیے ساتھ ہی فرمایا:

اِلَّا اَنَّهٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ (بخاری $\frac{633}{2}$ ، مسلم $\frac{278}{2}$)

تمہیں چھوڑ کر تو اسی طرح جا رہا ہوں جس طرح سیدنا موسیٰ علیہ السلام سیدنا ہارون علیہ السلام

کو چھوڑ کر گئے تھے۔۔۔مگر یاد رکھو! میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

کچھ کور مغز۔۔اور جاہل اس حدیث سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بلا فصل پر استدلال کرتے ہیں۔۔۔کہ اس ارشاد میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کی وصیّت کر دی ہے۔۔۔اس لیے خلافت بعد از نبوت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا حق تھا جسے خلفاءِ ثلاثہ نے غصب کیا۔۔۔اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر خلفاءِ ثلاثہ کی بیعت کر کے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے اعراض کیا۔

اس ٹولے کی بھی کوئی کَل سیدھی نہیں ہے۔۔۔کبھی اس ارشاد کو خلافتِ علی کی دلیل بناتے ہیں۔۔۔کبھی مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاہُ سے دلیل پکڑتے ہیں۔۔۔اور کبھی قلم دوات کے طلب کرنے سے خلافتِ علی ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔۔اس ارشاد میں خلافت کا تذکرہ کہاں ہے۔۔۔؟

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد خلافت کا اشارہ تک موجود نہیں۔۔۔اس میں تو آپ کی حیاتِ طیبہ میں آپ کی عدم موجودگی میں آپ کی نیابت اور قائمقامی کا تذکرہ ہے۔۔۔جس طرح سیدنا ہارون علیہ السلام سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی عدم موجودگی میں بنی اسرائیل میں ان کے قائم مقام تھے۔۔۔اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عدم موجودگی میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ قائم مقام بنے۔

محبانِ علی۔۔۔! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد سے خلافت بلا فصل پر استدلال کریں تو یہ استدلال انتہائی بعید از عقل ہے کیونکہ سیدنا ہارون علیہ السلام سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے بعد خلیفہ نہیں بنے بلکہ سیدنا ہارون علیہ السلام سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی زندگی ہی میں انتقال فرما گئے تھے اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے بعد سیدنا یوشع بن نون علیہ السلام ان کے خلیفہ ہوئے۔۔۔جبکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال پُر ملال کے بعد کئی سال تک زندہ وسلامت رہے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا کوئی دشمن اور مخالف سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی عدمِ خلافت پر اس ارشاد سے استدلال کرے۔۔۔تو گو وہ استدلال خلافِ حق ہوگا اور زیادتی اور ظلم ہوگا۔۔۔مگر ان

کے استدلال میں قدرے وزن ہوگا۔

سامعین گرامی قدر۔۔۔! امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی عظمتوں کا تذکرہ۔۔۔ ان کی اسلام کی اشاعت کے لیے خدمات کا تذکرہ۔۔۔ان کے دین کی اشاعت کے لیے کارہائے نمایاں، ان کا مقام و مرتبہ۔۔۔ان کی فضیلت و عظمت۔۔۔یہ موضوع بڑا وسیع ہے۔۔۔ان شاء اللہ آئندہ خطبہ میں اسی عنوان سے گفتگو کروں گا۔

وما علینا الا البلاغ المبین

18

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِیْمِ الْاَمِیْنِ

وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سامعین گرامی قدر! امیر المومنین، خلیفۂ رابع، دامادِ نبی سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی شخصیت۔۔۔ بے شمار خوبیوں۔۔۔ ان گنت اوصاف۔۔۔ اور بے حد کمالات کی بنا پر تاریخ اسلام کی عظیم اور بلند ترین شخصیت ہے۔۔۔ اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے لڑی جانے والی جنگوں میں۔۔۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔۔۔ انہوں نے پوری زندگی دین کی اشاعت کے لیے وقف کی۔۔۔ ہر نازک اور مشکل کی گھڑی میں نبوت کے دست و بازو بنے رہے۔۔۔ وہ عشرہ مبشرہ میں شامل ہیں۔۔۔ بچوں میں سب سے پہلے ایمان لانے کا انہیں شرف حاصل ہے۔۔۔ نبوت کی گود میں پرورش اور تربیت پائی ہے۔۔۔ بدر و احد کے غازی ہیں۔۔۔ خندق کے ہیرو ہیں۔۔۔ اور خیبر کے قلعۂ قموص کے فاتح بھی ہیں۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی اصحابِ رسول کی مقدس جماعت میں ایسی نرالی ہے کہ ان کے بارے میں دو جماعتیں اور دو گروہ افراط و تفریط کا شکار ہوئے اور دونوں گمراہی

کے راستے کے مسافر بنے۔۔۔دونوں گروہوں کے نظریات سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شخصیت کے بارے میں حق سے بہت دور ہیں۔

ایک گروہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شخصیت کے بارے میں مبالغہ۔۔۔بے حد مبالغہ سے کام لیا اور دوسرے گروہ نے ان کی تنقیص کی۔۔۔بلکہ ان کے ایمان میں شک کیا۔

ان دونوں گروہوں کے عقائد، خیالات اور نظریات کو ہم دیکھتے، پڑھتے اور سنتے ہیں تو ہمیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک ارشادِ گرامی یاد آجاتا ہے۔

لطف کی بات یہ ہے۔۔۔کہ اس ارشادِ نبوی کو روایت کرنے والے بھی خود سیدنا علی رضی اللہ عنہ ہیں۔۔۔کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

علی! تیری مثال سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی سی ہے۔

یہودیوں نے ان سے بغض اور دشمنی رکھی اور بغض وعداوت میں اس حد تک بڑھ گئے کہ ان کی والدۂ محترمہ سیدہ مریم سلام اللہ علیہا پر بہتان باندھنے لگے۔۔۔یہود کا خیال یہ ہے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام بن باپ پیدا نہیں ہوئے بلکہ (العیاذ باللہ) سیدہ مریم سلام اللہ علیہا کے یوسف نجار نامی ایک شخص سے ناجائز تعلقات تھے۔۔۔۔جس کے نتیجے میں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔۔۔یہود نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام سے بغض وعداوت اور دشمنی رکھی۔۔۔اور عیسائیوں نے:

اَحَبَّتْهُ النَّصَارٰى حَتّٰى اَنْزَلُوْهُ بِمَنْزِلَةِ الَّتِيْ لَيْسَتْ لَهٗ

(مسند احمد، مشکوٰۃ 565)

عیسائیوں نے ان سے محبت وپیار کے دعوے میں انہیں اس مقام پر اتار دیا جو ان کے مناسب اور لائق نہیں تھا۔

یعنی عیسائیوں نے محبت اور عشق کے رنگ میں اور پیار اور الفت کے پردے میں۔۔۔سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو مقامِ عبدیت سے نکال کر مقامِ الوہیت میں داخل کر دیا۔۔۔

انہوں نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو اِبْنُ اللہ کہا۔۔۔ نُوْرٌ مِّنْ نُوْرِ اللہ کہا۔۔۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو الٰہ اور معبود بنالیا۔۔۔ ان کے نام کی نذر ونیاز دینے لگے۔۔۔ ان کے نام کی منتیں ماننے لگے۔۔۔ انہیں اپنے نفع ونقصان کا مالک سمجھنے لگے۔۔۔ انہیں مختار کل اور عالم الغیب سمجھ کر مصائب اور مشکلات میں پکارنے لگے۔

(ان دونوں گروہوں کے علاوہ ایک تیسری جماعت مسلمانوں کی ہے جنہوں نے ہر قسم کے افراط وتفریط سے ہٹ کر کہا کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اس طرح بھی نہیں جس طرح یہود کہتے ہیں۔۔۔ اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اس طرح بھی نہیں جس طرح عیسائیوں کا خیال ہے۔۔۔ العیاذ باللہ! ان کی والدہ محترمہ سیدہ مریم سلام اللہ علیہا زانیہ، باغیہ اور طاغیہ نہیں تھیں بلکہ اُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ۔۔۔ عیسیٰ علیہ السلام کی ماں صدیقہ اور ولیہ تھی۔)

اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام ابن اللہ نہیں۔۔۔ وہ الٰہ اور معبود بھی نہیں بلکہ وہ عبد اللہ ہیں۔۔۔ انہوں نے ماں کی گود میں بولتے ہوئے سب سے پہلے یہی کلمات ادا کیے تھے:

اِنِّيْ عَبْدُ اللهِ (مریم 30)

میں اللہ کا بندہ ہوں۔

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے ہیں اور اس کے رسول ہیں، بن باپ کے پیدا ہوئے، ان کی ماں ولیہ، پاک دامن اور طیبہ، طاہرہ تھیں۔۔۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل جیسی کتاب عطا کی گئی اور انہیں مختلف قسم کے معجزوں سے نوازا گیا)

سامعین گرامی قدر! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی سنانے کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کیا فرمایا؟ ذرا سے بھی سنیے:

يَهْلِكُ فِيَّ رَجُلَانِ

میرے بارے میں بھی دو قسم کے لوگ ہلاک اور برباد ہوں گے۔

مُحِبٌّ مُفْرِطٌ

میری محبت اور عشق میں حد سے گزرنے والے۔

یُقَرِّظُنِیْ بِمَا لَیْسَ فِیَّ

میری مدح اور تعریف اور شان میں ایسی باتیں کرنے والے جو باتیں مجھ میں نہیں پائی جاتیں۔۔۔ میری تعریف میں ایسے قصیدے پڑھنے والے جو تعریف مجھ میں نہیں پائی جاتی۔۔۔ میری شان کو بیان کرتے ہوئے ایسی گفتگو کرنے والے جس کے میں لائق نہیں ہوں۔

دوسرا شخص جو میری ذات کی وجہ سے ہلاک اور تباہ ہوگا:

وَمُبْغِضٌ یَّحْمِلُہٗ شَنَاٰنِیْ عَلٰی اَنْ یَّبْھَتَنِیْ

اور میرے ساتھ بغض اور دشمنی رکھنے والا جسے میری دشمنی اور میرا بغض مجھ پر بہتان باندھنے اور افترا کرنے پر ابھارتا رہتا ہے۔

سبحان اللہ! سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی دوررس نگاہ پر قربان جاؤں۔۔۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی فراست ودانائی پر نثار ہوجاؤں۔۔۔ کیسے ہلاک اور برباد ہونے والے دونوں گروہوں کی نشاندہی فرمائی ہے۔

ایک گروہ محبت علی میں حد سے تجاوز کرنے والا اور دوسرا گروہ بغض علی سینوں میں پال کر بربادی کے راستے پر چلنے والا۔۔۔ حبِ علی کے لبادے میں۔۔۔ اور محبت علی کا نعرہ لگا کر۔۔۔ ایک گروہ نے جس طرح عقائد ونظریات معاشرے میں رائج کیے اور حبِ علی کے پردے میں شرک کے راستے پر چلے۔۔۔ وہ لوگ اور وہ گروہ آج سب کے سامنے ہے۔

پہلا گروہ محبانِ علی اس گروہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو مافوق البشر شخصیت کے طور پر پیش کیا۔۔۔ انہیں مقامِ بشریت سے نکال کر الوہیت کے دائرے میں داخل کردیا۔۔۔ انہوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو نور من نور اللہ کہا۔۔۔ عالم ما کان وما یکون کہا۔۔۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ

کو زمین و آسمان کا خالق کہا۔۔۔ بارش برسانے والا۔۔۔ اناج پیدا کرنے والا۔۔۔ روزی عطا کرنے والا۔۔۔شفائیں بخشنے والا۔۔۔دکھ دور کرنے والا۔۔۔قیامت کے دن کرسئ عدالت پر بیٹھ کر فیصلے کرنے والا کہا۔

ایک صاحب نے تو اپنے خطاب میں کہا کہ:

"لوگو! تم رب کی بندگی کے لیے پیدا نہیں ہوئے بلکہ علی رضی اللہ عنہ کی بندگی کے لیے پیدا کیے گئے ہو۔"

یقین جانیے۔۔۔! جو عقائد اس گروہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے متعلق لوگوں کے سامنے پیش کیے اور جن اوصافِ الٰہی سے انہوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو متصف مانا۔۔۔ مشرکین مکہ بھی اپنے معبودوں کے متعلق ان صفات کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔

سورت یونس کی آیت نمبر 31 پڑھیے وہاں وضاحت سے بیان کیا گیا کہ مشرکین مکہ رازق، مالک، محیی، ممیت اور مدبر صرف اللہ رب العزت کو مانتے تھے۔۔۔ مشرکین مکہ آسمان وزمین کا خالق، بارشیں برسانے والا اللہ تعالیٰ ہی کو مانتے تھے۔

مگر اس غالی گروہ نے ایک قدم آگے بڑھا کر الٰہ والی تمام صفات سیدنا علی رضی اللہ عنہ میں مان لیں۔۔۔ایک خطیب نے تو یہاں تک کہا کہ اللہ کو اللہ نام بھی علی نے دیا تھا۔

(العیاذ باللہ)

بحار الانوار میں ملا باقر مجلسی نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے متعلق تحریر کیا کہ الٰہی تخت و تاج کے مالک و مختار سیدنا علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ موت و حیات انہی کے قبضہ اور اختیار میں ہے، روزی عطا کرنے والے بھی وہی ہیں، بارش کا برسانا انہی کے ہاتھ میں ہے، اولاد عطا کرنا ان ہی کی صفت ہے اور کل قیامت کے دن جنت و دوزخ کے فیصلے کرنے والے بھی سیدنا علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ (بحار الانوار 454/9، 693/9، اخبار ماتم 121/1)

اس گروہ نے یہ نظریہ قائم کیا اور سادہ لوح لوگوں کو باور کرایا اور یہ سب کچھ محبت اور عشق

کے لبادے میں کہا کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی مشکلات میں حاجت روائی سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کی تھی۔

سیدنا نوح علیہ السلام کی کشتی بھنور میں پھنس گئی تو انہوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو مدد کے لیے آواز لگائی۔۔۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان کی مدد کی تب کشتی کنارے لگی۔

سیدنا یوسف علیہ السلام کو کنویں سے رہائی سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے دلائی۔۔۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام پر آگ گلزار بنی یہ سب سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی مدد سے ہوا۔

آپ حضرات یہ باتیں سن کر حیران ہو رہے ہوں گے۔۔۔ یہ سب باتیں اور عقائد ونظریات اس گروہ کی کتب میں درج ہیں، چنانچہ تاریخ الائمہ میں تحریر کیا گیا:

رسولوں کی ہوئی حاجت روائی
علی نے نوح کی کی ناخدائی
نہ کرتا گر علی مشکل کشائی
نہ پاتا چاہ سے یوسف رہائی
ابراہیم کی جب چاہی اعانت
علی نے کی علی نے کی اعانت
علی کا معجزہ اک ہے نادر
علی کی ذات ہے ہر شئی پر قادر

اس گروہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو الوہیت کا مقام اور درجہ دیا۔۔۔ اللہ کی صفات سیدنا علی رضی اللہ عنہ میں تسلیم کیں۔۔۔ اللہ رب العزت کی خوبیاں اور کمالات۔۔۔ اللہ رب العزت کے اوصاف بھی سیدنا علی رضی اللہ عنہ میں مانے۔۔۔ اور انبیاء کرام علیہم السلام کی انفرادی خصوصیات بھی سیدنا علی رضی اللہ عنہ میں مانیں۔

انہوں نے عوام کو باور کرایا۔۔۔ کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا مقام ومرتبہ سب انبیاء سے

افضل اور اعلیٰ اور برتر ہے۔۔۔انہوں نے عوام الناس کو سمجھایا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ مقام ومرتبہ میں امام الانبیاء، خاتم النبیین، سید المرسلین سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے برابر اور ہم سر ہے۔

اصول کافی کے معتبر ہونے سے کون انکار کرسکتا ہے؟ جسے محمد بن یعقوب کلینی نے تحریر کر کے بارہویں امام کی خدمت میں پیش کیا اور انہوں نے پڑھ کر اس کتاب کو یہ سند بخشی:

هٰذَا كَافٍ لِشِيْعَتِنَا۔۔۔

یہ کتاب ہمارے شیعوں کے لیے کافی ہے۔

ایسی معتبر کتاب میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے متعلق لکھا گیا:

جَرٰى لَهٗ مِنَ الْفَضْلِ مِثْلُ مَا جَرٰى لِمُحَمَّدٍ (اصول کافی 117)

جو فضائل اور صفات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ثابت ہیں وہ سب کی سب فضیلتیں اور صفات سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی ذاتِ گرامی میں موجود ہیں۔

اس گروہ نے عوام کے ذہن میں ڈالا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معراج کے لیے آسمانوں پر گئے تو وہاں سیدنا علی رضی اللہ عنہ موجود تھے بلکہ اللہ نے علی کی صورت میں آپ سے ملاقات کی۔

شیعہ کی معتبر کتاب انوارِ نعمانیہ میں ایک روایت سنیے اور اندازہ لگایئے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شخصیت کے بارے میں کس حد تک مبالغہ سے کام لیا گیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مجھے تین ایسی چیزیں دی گئی ہیں جن میں علی رضی اللہ عنہ میرے ساتھ ساجھی اور شریک ہیں، مگر علی رضی اللہ عنہ کو تین چیزیں ایسی عطا ہوئی ہیں جن میں میں علی رضی اللہ عنہ کا ساجھی اور ہم سر نہیں ہوں۔

آپ سے پوچھا گیا۔۔۔ وَمَا الثَّلَاثُ الَّتِيْ شَارَكَكَ عَلِيٌّ

وہ کون سی تین چیزیں ہیں جن میں علی بھی آپ کے ساتھ ہم سر اور ساجھی ہیں؟

آپ نے فرمایا۔۔۔ایک لواء الحمد ہے جو مجھے عطا ہوگا اور اس کا اٹھانے والا علی رضی اللہ عنہ ہوگا۔۔۔دوسری چیز حوضِ کوثر ہے جو مجھے عطا ہوگا اور علی رضی اللہ عنہ اس کا ساقی ہوگا۔۔۔تیسری چیز جنت اور دوزخ ہے جو مجھے دی گئی اور علی رضی اللہ عنہ اس کا قاسم (تقسیم کرنے والا) ہوگا۔

وَاَمَّا الثَّلَاثُ الَّتِیْ اُعْطِیَ عَلِیٌّ وَلَمْ اُشَارِکْهُ فِیْهَا

اور وہ تین چیزیں جو علی کو عطا کی گئیں مگر میں بھی ان میں اس کا شریک نہیں ہوں۔

پہلی چیز ہے کہ علی رضی اللہ عنہ کو شجاعت ایسی ملی جو مجھے عطا نہیں کی گئی (یہ عظمت مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حملہ ہے) دوسری چیز علی رضی اللہ عنہ کو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا جیسی بیوی ایسی ملی اس جیسی مجھے بیوی نہ ملی (کوئی باحیا انسان اپنے داماد کو ایسے جملے نہیں کہہ سکتا کہ جیسی بیوی (میری بیٹی) تمہیں ملی ہے ویسی بیوی مجھے نہیں ملی، یہ نبوت کے بارے میں انتہائی گستاخانہ جملہ ہے)

تیسری چیز۔۔۔علی رضی اللہ عنہ کو حسن و حسین رضی اللہ عنہما جیسے بیٹے ملے مجھے ان دونوں جیسے بیٹے نہیں ملے۔ (انوار نعمانیہ 17/1)

ایک روایت اور سنیے! (نقل کفر کفر نباشد) کے تحت آپ کو سنا رہا ہوں۔۔۔تاکہ آپ کو محسوس ہو کہ اس گروہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شخصیت کے بارے میں کس قدر مبالغہ سے کام لیا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک موقع پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا اگر میں تیری ولایت کے بارے میں وہ چیز نہ پہنچاؤں جس کا مجھے حکم دیا گیا ہے تو میرے تمام اعمال برباد اور حبط کر دیئے جائیں۔ (یعنی میری بعثت ہوئی ہے صرف اس لیے کہ میں لوگوں کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی ولایت کی بات پہنچاؤں) (تفسیر نور الثقلین 654/1 مطبوعہ تہران)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی تعریف کرتے کرتے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تنقیص ہو جائے تب بھی اس گروہ کو پرواہ نہیں۔۔۔عقیدت میں اندھا ہو کر کیا لکھتے ہیں؟

رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ۔۔۔آیت میں نبی اکرم ﷺ کی عظمت، بلندیٔ درجات اور رفعت ذکر کا تذکرہ ہوا۔

مگر یہ گروہ کہتا ہے یہ آیت اصل میں یوں تھی۔۔۔وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ بِعَلِيٍّ صِهْرِكَ (البرہان فی تفسیر القرآن 226/4 مطبوعہ ایران)

اسی تفسیر البرہان والے نے لکھا کہ

نبی اکرم ﷺ کے نور سے زمین وآسمان پیدا کیے گئے اس لیے آپ زمین وآسمان سے افضل ہیں اور علی رضی اللہ عنہ کے نور سے عرش وکرسی پیدا کیے گئے اس لیے علی رضی اللہ عنہ عرش وکرسی سے زیادہ محترم ہیں۔ (البرہان فی تفسیر القرآن 226/4)

دیکھا آپ نے اس گروہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی فرضی فضیلت ثابت کرنے کے لیے اور انہیں مافوق الفطرت ہستی کی صورت میں پیش کرنے کے لیے کس طرح جھوٹے قصے تراشے۔۔۔کیسی کیسی کہانیاں وضع کیں۔۔۔کیسی روایات بیان کیں۔۔۔بے سروپا اور طبع زاد باتیں مشہور کی گئیں۔۔۔جنہیں سن کر اہل علم اور اہل فکر لوگ تو کجا عوام اور بچے تک بھی محسوس کرتے ہیں کہ یہ سب لغو اور بے ہودہ باتیں ہیں۔

سامعین گرامی قدر! اس گروہ نے حب علی کا لبادہ اوڑھ کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ کی صفات کا حامل بنایا۔۔۔انہیں الٰہ اور معبود بنایا۔۔الٰہی صفات ان میں تسلیم کیں۔۔۔ پھر انبیاء کرام علیہم السلام سے افضل واعلیٰ مانا۔۔۔امام الانبیاء ﷺ کا ہم سر اور ہم پلہ مانا۔۔۔ بلکہ کچھ خصوصیات وصفات میں انہیں امام الانبیاء ﷺ سے بھی افضل مانا۔

شجاعتِ علی رضی اللہ عنہ

اس گروہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بہادری اور شجاعت کی داستان کو وہ رنگ دیا۔۔۔اور ان کی دلیری کو ایسے انداز میں پیش کیا کہ سننے والوں کو محسوس ہو کہ اصحاب رسول رضی اللہ عنہم کی پوری جماعت سے بڑھ کر اگر کوئی بہادر، شجاع اور دلیر تھا وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ تھے۔۔۔ان کی بہادری کو ثابت کرنے کے لیے ایسے ایسے واقعات اور عجیب

وغریب داستانیں بیان کرتے ہیں کہ الامان والحفیظ!

ملا باقر مجلسی نے لکھا ہے۔۔۔ کسی معمولی آدمی نے نہیں۔۔۔ بحار الانوار میں تحریر کیا ہے:

کہ جبریل امین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو آسمان پر لے گئے۔۔۔ کیوں لے کر گئے؟ کہ فرشتوں کی دو جماعتوں کے مابین کسی بات میں جھگڑا ہو گیا اور اس جھگڑے کا فیصلہ کسی سے بھی نہ ہو سکا تو فرشتوں نے اللہ رب العزت سے کہا ہم انسانوں میں سے کسی کو اپنے جھگڑے میں فیصل اور ثالث بنانا چاہتے ہیں۔۔۔ اللہ نے فرمایا اگر انسانوں میں سے کسی کو فیصل بنانا چاہتے ہو تو علی کو ثالث بنالو۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ آسمان پر پہنچتے ہیں وہ بھی ایک فرشتے کے پروں پر بیٹھ کر، وہاں ان کی فرشتوں کی ایک جماعت سے لڑائی ہو جاتی ہے، علی رضی اللہ عنہ اپنی ذوالفقار نکال کر فرشتوں پر حملہ آور ہو جاتے ہیں۔۔۔ آسمان سے خون کی بارش شروع ہو جاتی ہے، مدینے کے تمام راستے خون میں ڈوب جاتے ہیں۔۔۔ پھر سرکش فرشتے علی رضی اللہ عنہ کے قدموں میں گر جاتے ہیں اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ ان کی التجا اور درخواست کو قبول کر کے انہیں معاف فرما دیتے ہیں۔ (بحار الانوار 429/9)

ایک اور داستان اور نرالی کہانی سنیئے:

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا میری حکومت تمام آسمان وزمین میں بسنے والے باشندوں پر ہے، جنات کے ایک گروہ نے میری حکومت سے بغاوت کر دی تو میری ان سے جنگ ہو گئی اور پھر میری تلوار نے لاکھوں جنات کو قتل کر دیا، فرشتے مجھے اس فتح کی مبارکباد دینے آئے۔ (بحار الانوار 440/9)

ایک کہانی انسانی عقل وفہم کو حیرت میں ڈالنے والی بھی آپ کو سناتا ہوں، سنتے جائیے اور اس گروہ کی مبالغہ آمیزی پر مسکراتے بھی جائیے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو خبر ملی کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے میرے گروہ کے متعلق کچھ نامناسب باتیں کی ہیں۔۔۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ جا رہے تھے کہ راستے میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مل گئے۔۔۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں ایک کمان تھی۔۔۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے کہا میں نے سنا ہے کہ تم نے میری جماعت کے متعلق کچھ نامناسب باتیں کی ہیں؟

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے لاپرواہی سے کہا: جاؤ اپنی راہ لو۔۔۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا۔۔۔ کیا تم مجھے کمزور شخص سمجھتے ہو؟ پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کمان زمین پر پھینکی تو وہ کمان سانپ کی صورت میں تبدیل ہو گئی اور سانپ بھی اونٹ کی کوہان کے برابر، سانپ منہ کھول کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی جانب بھاگا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے چیختے ہوئے التجا کی کہ علی! میں آئندہ کبھی ایسی بات نہیں کروں گا۔۔۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی عاجزی اور التجا دیکھ کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سانپ کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا تو اس نے کمان کی شکل اختیار کر لی۔ (بحار الانوار $\frac{652}{9}$)

گفتگو ذرا طویل ہو رہی ہے۔۔۔ میں نے ابھی دوسرے گروہ کا اور پھر اہل حق کی تیسری مبارک جماعت اہل سنت کا بھی نظریہ بیان کرنا ہے۔۔۔ بس ایک کہانی اور سنیے تاکہ آپ حضرات کو اندازہ ہو سکے کہ کس طرح اس گروہ نے جھوٹے قصے اور لایعنی کہانیاں اور من گھڑت روایات گھڑ کر اپنے مذہب کی اور اپنے عقائد کی عمارت کی بنیاد رکھی ہے۔

خیبر کی فتح سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے زور بازو کا ثمر تھی۔۔۔ خیبر میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے مرحب کو قتل کیا تو جبریل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس کی مبارکباد دینے آئے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تفصیل پوچھی۔ جبریل نے کہا یا رسول اللہ! علی نے مرحب کو قتل کرنے کے لیے جب تلوار اٹھائی تو اللہ تعالیٰ نے اسرافیل اور میکائیل دونوں کو حکم دیا کہ علی کے بازو کو فضا میں اور ہوا میں روک لیں تاکہ تلوار کی ضرب پوری قوت سے زمین پر نہ پڑے۔

اسرافیل اور میکائیل کے روکنے کے باوجود سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی تلوار نے زمین کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا پھر علی رضی اللہ عنہ کی تلوار زمین کو چیرتی ہوئی نیچے چلی گئی۔۔۔ پھر اللہ نے

مجھے حکم دیا جبریل جلدی جا اور علی رضی اللہ عنہ کی تلوار کو روک۔۔۔ کہیں علی رضی اللہ عنہ کی تلوار اس بیل تک نہ پہنچ جائے جس نے زمین کو سینگوں پر اٹھا رکھا ہے، میں جلدی سے گیا اور میں نے علی رضی اللہ عنہ کی تلوار کو اپنے پروں پر روک لیا مگر اس تلوار کا بوجھ میرے پروں پر قومِ لوط کی بستی سے بھی بڑھ کر تھا۔ (انوار نعمانیہ 56/1)

سامعین گرامی قدر! سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شجاعت و بہادری کی داستانیں آپ نے سن لیں۔۔۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی تلوار کی قوت کا آپ نے اندازہ لگا لیا۔۔۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا ڈرنا اور خوف کھانا اور التجائیں کرنا۔۔۔ یہ سب کچھ آپ نے سن لیا۔۔۔ اب ذرا تصویر کا دوسرا رخ بھی دیکھیے۔۔۔ یہ گروہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی کیا تصویر پیش کرتا ہے؟

اس گروہ نے اپنی تقریر و تصنیف میں لوگوں کو مطمئن کرنے کے لیے یہ بات مشہور کر دی۔۔۔ کہ اصحابِ ثلاثہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور ان کے گھرانے پر ظلم ڈھائے۔۔۔ ان سے زبردستی تلوار کے زور سے بیعت لی گئی۔۔۔ سیدنا عمر اور سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہما سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچے۔۔۔ دستک دی مگر علی رضی اللہ عنہ باہر نہیں آئے۔۔۔ بار بار بلانے پر گھر کے اندر سے کوئی آواز نہ آئی تو انہوں نے دروازے کے باہر لکڑیاں چن دیں اور تیل چھڑک کر آگ لگا دی۔

دروازہ جلنے لگا۔۔۔ مگر سیدنا علی رضی اللہ عنہ پھر بھی باہر نہ آئے بلکہ اپنی اہلیہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جلتے ہوئے دروازے کے قریب بھیجا کہ تم جاؤ اور عمر رضی اللہ عنہ سے بات کرو۔

(جو تصویر۔۔۔ بے بسی اور لاچاری کی یہاں پیش کی گئی اور جھوٹ کے زور پر پیش کی گئی کوئی غیر مسلم پڑھے گا تو اس کی نگاہ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی کیا تصویر آئے گی؟ ہم اہل سنت ایک لمحہ کے لیے سوچ بھی نہیں سکتے کہ علی رضی اللہ عنہ جیسا غیرت مند اور علی رضی اللہ عنہ جیسا جرأت مند۔۔۔ بھلا ایسے کر سکتا ہے کہ خود دروازے پر آ کر مخالفین کو جواب دینے کے بجائے اپنی اہلیہ کو بھیج دے)

ذرا آگے سنو! سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا امید سے تھیں۔۔۔ دروازہ کے پاس کھڑی تھیں ابھی کوئی بات بھی نہیں کی تھی کہ دروازہ آپ کے اوپر آ گرا جس سے آپ کا حمل ساقط ہو گیا (مگر سیدنا علی رضی اللہ عنہ پھر بھی دروازے کے قریب نہیں آئے)

دروازے کے جلنے اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے زخمی ہونے کے باوجود سیدنا عمر اور سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہما مکان کے اندر داخل ہو گئے۔۔۔ اور گھر کے اندر خاموش بیٹھے ہوئے علی رضی اللہ عنہ کو پکڑ لیا (سنتے جائیے کیسی بے سروپا کہانی ہے اور لایعنی قصہ ہے جو یار لوگوں نے وضع کر کے مشہور کر دیا تا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور انہیں بھیجنے والے سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کو بدنام کیا جائے)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے سینے پر چڑھ کر ان کے ہاتھ باندھ دیے گلے میں رسی ڈالی اور (العیاذ باللہ) گھسیٹتے ہوئے دربارِ خلافت میں لایا گیا۔

ہزاروں اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم نے یہ منظر دیکھا۔۔۔ ایک شخص بھی آڑے نہ آیا۔۔۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ہتک اور توہین پر کسی نے احتجاج تک نہ کیا۔۔۔ سبحان اللہ! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیسی جماعت تیار کی تھی۔۔۔؟ کس نہج پر ان کی تربیت کی تھی۔۔۔؟ ایک لمحہ کے لیے سوچو تو سہی۔۔۔! سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا تو میرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لختِ جگر ہے۔۔۔ میرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جگر کا ٹکڑا ہے۔۔۔ میرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خون ہے۔۔۔ میرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جان ہے۔

آج بھی کسی عورت اور خاتون کے ساتھ محلے میں یہ سلوک ہو تو غیرت مند لوگ بلکہ پورا محلہ مزاحمت کے لیے گھروں سے باہر آ جاتا ہے۔۔۔ کسی معمولی خاتون کی عزت کی توہین برداشت سے باہر ہوتی ہے اور تم نے کیسی کہانی بنائی۔۔۔ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا زاد کے ساتھ۔۔۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے داماد کے ساتھ۔۔۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بلند درجہ صحابی کے ساتھ۔۔۔ ایسا غیر مہذب سلوک ہوا۔۔۔ اسے عقل و نقل ماننے کے لیے تیار نہیں

ہے۔

ذرا عقل کے معیار پر پرکھیے اور تولیے۔۔۔! کہ جو علی رضی اللہ عنہ بہادر ہے۔۔۔ جو علی رضی اللہ عنہ دلیر ہے۔۔۔ جو علی رضی اللہ عنہ جنگجو ہے۔۔۔ جو علی رضی اللہ عنہ تلوار چلانے کا دھنی ہے۔۔۔ جو علی رضی اللہ عنہ بڑے بڑے بہادروں کو اپنی تلوار کا مزہ چکھا چکا ہے۔۔۔ جو علی رضی اللہ عنہ لاکھوں جنات کو بقول تمہارے آناً فاناً تہہ تیغ کر دیتا ہے۔۔ جس علی رضی اللہ عنہ کی تلوار کی طاقت اور قوت سے بقول تمہارے جبریل امین کانپ اٹھتا ہے۔۔۔ جو علی رضی اللہ عنہ خیبر کے دروازے کو ایک ہاتھ سے اکھاڑ دیتا ہے۔۔۔ پھر اسے ڈھال بنا لیتا ہے۔۔۔ جس کے خوف سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کانپنے لگتے ہیں۔

مگر دوسری جانب وہی بہادر علی رضی اللہ عنہ ہے اور اس کی بیوی کو اس کی آنکھوں کے سامنے بے عزت کیا جاتا ہے۔۔۔ ان کی بیوی کے منہ پر طمانچے مارے جاتے ہیں۔۔۔ اور علی رضی اللہ عنہ خاموش رہتے ہیں۔۔۔ ان کی بیوی کو دھکے دیئے جاتے ہیں۔۔۔ مگر علی رضی اللہ عنہ نے چپ سادھ رکھی ہے۔۔۔ ان کے گھر کے دروازے کو آگ لگا دی گئی مگر علی رضی اللہ عنہ مکان سے باہر نہیں آئے بلکہ بیوی کو دروازے پر بھیج دیا۔

ان کی بیوی جو رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لخت جگر ہیں دربار میں دھکے دیئے گئے۔۔۔ منہ پر بقول تمہارے طمانچے مارے گئے۔۔۔ مگر ذوالفقارِ علی حرکت میں نہیں آئی۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے گلے میں بقول تمہارے رسی ڈال کر دربار میں لایا گیا۔۔۔ اور انہوں نے خاموشی سے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت بھی کر لی۔۔۔ اور بے بسوں اور لاچاروں کی طرح ان کے پیچھے نمازیں بھی پڑھتے رہے۔۔۔ بقول تمہارے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے سامنے قرآن بدل دیا گیا۔۔۔ مگر وہ بزدلی سے سب کچھ برداشت کرتے رہے۔۔۔ اور لطف کی بات یہ ہے کہ اصلی قرآن جسے انہوں نے خود جمع کیا تھا اسے بھی لوگوں کے سامنے نہ

لا سکے۔

اپنی حکومت اور خلافت کے دور میں بھی۔۔۔ جب اقتدار اور اختیار آپ کے پاس تھا۔۔۔ پھر بھی اصلی قرآن امت کے حوالے نہ کر سکے۔۔۔ امامت ان سے چھین لی گئی۔۔۔ مصلیٰ ان سے چھین لیا گیا۔۔۔ خلافت غصب ہو گئی (جو منصوص من اللہ تھی) مگر سیدنا علی رضی اللہ عنہ چپ رہے اور خاموشی سے یہ ظلم وستم برداشت کرتے رہے۔۔۔ اور وہ تلوار بے نیام نہ ہوئی جو کبھی فرشتوں پر بجلی بن کر چمکی اور کبھی جنوں پر غضب بن کر گری۔

باغِ فدک غصب کر لیا گیا۔۔۔ مگر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے احتجاج تک نہ کیا۔۔۔ بلکہ غصب کرنے والوں کے ہاتھ پر بیعت بھی کی۔۔۔ عہدے بھی لیے۔۔۔ وظیفے بھی وصول کیے۔۔۔ ان کے وزیر ومشیر بھی رہے۔۔۔ انہیں اپنا پیشوا اور امام بھی بنایا۔

اور لطف کی بات یہ ہے کہ وہی غاصب اور وہی ظالم (العیاذ باللہ) جب دنیاء فانی سے کوچ کرتے ہیں تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ اپنے ہاتھوں سے انہیں جنت کے ٹکڑے (روضۂ نبی) میں دفن بھی کرتے ہیں۔

شجاع وبہادر علی رضی اللہ عنہ سے بقول تمہارے ان کی بیٹی ام کلثوم جبراً چھین لی گئی۔۔۔ مگر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کچھ نہ کر سکے اور یہ ظلم اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہے۔ (العیاذ باللہ من ھذہ الخرافات)

حضرات گرامی قدر! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال کے بعد خلفاءِ ثلاثہ کے مبارک دور میں بقول تمہارے خانوادۂ علی پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے گئے۔۔۔ ان کے حقوق غصب کیے گئے۔۔۔ مگر سیدنا علی رضی اللہ عنہ مکمل طور پر خاموش رہے بلکہ خلفاءِ ثلاثہ کی بیعت بھی کی۔۔۔ ان کے پیچھے نمازیں بھی پڑھیں۔۔۔ ان سے عہدے بھی لیے۔

ان حقائق کا جب اس گروہ کے پاس کوئی اور جواب نہیں بن پایا تو کہتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے تقیہ کیا تھا۔۔۔ یعنی ظاہراً بیعت کی۔۔۔ نمازیں بھی ان کے پیچھے

پڑھیں۔۔۔اندر سے وہ ان کے حق میں نہیں تھے۔۔۔مصلحتاً انہوں نے یہ سب کچھ کیا تھا۔

میں نے کہا۔۔۔سیدنا حسین رضی اللہ عنہ یزید کے مقابلے میں تقیّہ کر کے خاموش کیوں نہ رہے۔۔۔؟ اللہ گواہ ہے واقعۂ کربلا کا جو پس منظر تم پیش کرتے ہو کہ وقت کا حکمران غاصب، ظالم، شرابی، زانی اور دین کا دشمن تھا۔۔۔اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ وقت کے حکمران کے خلاف نکلے تھے اور انہوں نے سب کچھ قربان کروا دیا۔۔۔بچے ذبح کروا دیئے۔۔۔مگر ظلم کے ساتھ نباہ اور اتحاد نہیں کیا۔

تو پھر واقعۂ کربلا ہمیں یہ سبق دیتا ہے کہ خلفاءِ ثلاثہ کے خلاف جو پروپیگنڈا تم کرتے ہو وہ سراسر غلط اور جھوٹ ہے۔۔۔اگر سیدنا ابوبکر، سیدنا عمر اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہم غاصب اور ظالم ہوتے تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ خاموش کیوں رہتے؟

اگر کسی مصلحت کی بنا پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے خاموشی اختیار کر کے اپنا سب کچھ بچا لیا تھا۔۔۔اور تقیّہ کر کے ساری زندگی ظالموں کو برداشت کیا تھا۔۔۔تو پھر سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے ایسا کیوں نہیں کیا؟

لوگو۔۔۔! سنو۔۔۔! اور غور سے سنو۔۔۔! اگر واقعی سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ یزید کی طرح ہوتے۔۔۔اگر واقعی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ امت کے فرعون ہوتے۔۔۔اگر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ قارون کی مانند ہوتے۔۔۔خلفاءِ ثلاثہ غاصب اور ظالم ہوتے تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ زیادہ نہ سہی کم از کم سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی طرح تو ہوتے۔

بقول تمہارے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے جان دے دی۔۔۔ڈیڑھ سال کے علی اصغر کا گلا کٹوا دیا۔۔۔علی اکبر کی جوانی قربان کر دی۔۔۔اپنے بھائی ذبح کروا دیئے۔۔۔اور بیٹے بھتیجے وار دیئے۔۔۔مگر بقول تمہارے ظالموں کے ساتھ صلح نہیں کی۔۔۔ان کے اقتدار کو تسلیم نہیں کیا۔

اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ پوری زندگی خلفاءِ ثلاثہ کے مشیر اور وزیر رہے، بیعت کی۔۔۔

مالِ غنیمت میں سے حصہ لیتے رہے۔۔۔ان کی اقتداء میں نمازیں پڑھتے رہے۔۔۔اور ان کے ساتھ رشتے ناطے قائم کرتے رہے۔

میں قربان جاؤں کربلا کے شہداء پر۔۔۔ میں نثار جاؤں علی اصغر کے بچپن پر۔۔۔صرف ڈیڑھ سال عمر ہے۔۔۔ میں صدقے جاؤں علی اکبر کی بھرپور، حسین اور خوبصورت جوانی پر۔۔۔۔

یقین جانیے! علی اصغر کے معصوم جسم سے بہنے والے خون کا ایک ایک قطرہ۔۔۔ علی اکبر کے مضبوط وجود سے گرنے والے خون کا ایک ایک قطرہ۔۔۔عباس علمبردار اور دوسرے شہداءِ کربلا کے خون کا ایک ایک قطرہ۔۔۔سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی صداقت۔۔۔سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی عدالت۔۔۔اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی حقانیت کی واضح دلیل ہے۔۔۔اور ان کی خلافت راشدہ پر گواہ ہے۔

وہ یوں کہ علی اصغر اور علی اکبر بزبانِ حال کہہ رہے ہیں کہ اگر خلفاءِ ثلاثہ ظالم ہوتے۔۔۔ غاصب ہوتے۔۔۔ ان کی خلافت خلافِ اسلام ہوتی۔۔۔تو آج ہم کربلا کے تپتے ہوئے صحراء میں کیوں کٹتے؟

ہمارا بابا سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کربلا کے معرکہ تک زندہ رہے۔۔۔ ہمارے دادا سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹوں کو ذبح نہیں کروایا۔۔۔ پھر ہمارے بابا نے ہمیں یہاں کیوں کٹوایا۔۔۔؟

ذرا جواب تو دو! کل قیامت کے دن سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا کیا جواب ہوگا۔۔۔۔ جب علی اصغر اور علی اکبر نے عرش کا پایہ پکڑ کر اپنے پڑنانا امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اپنے دادا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں فریاد کی۔

ہمارے پالنہار مولا! ہمارے بابا حسین رضی اللہ عنہ سے پوچھ۔۔۔کہ ہمارے دادا سیدنا علی رضی اللہ عنہ تو پوری زندگی ظالموں اور غاصبوں کے ساتھ نباہ کرتے رہے۔۔۔ان کی بیعت بھی

کی۔۔۔ان کے پیچھے نمازیں بھی پڑھیں۔۔۔ان سے وظیفے بھی لیے۔۔۔ان کے مشیر بھی رہے۔۔۔ساری زندگی ان کے ساتھ گذار دی۔۔۔بچوں کی شادیاں بھی کیں۔۔۔پھر ہم پیدا ہوئے۔۔۔مگر مولا! ہمارا کیا قصور تھا۔۔۔؟ کہ ہمارا بابا حسین رضی اللہ عنہ ظالموں سے نباہ نہ کر سکا اور ہمیں ذبح کروا دیا۔۔۔اللہ کے دربار میں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا کیا جواب ہوگا؟

جواب ہمارے پاس ہے جس جواب سے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا دامن اجلی اور اُجلا ہو جاتا ہے۔۔۔کہ کربلا کے شہداء نے اپنے خون کی سرخی سے فطرت کے ورق پر لکھ دیا ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ حق پر تھے۔۔۔سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سچ پر تھے۔۔۔سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ عادل تھے۔۔۔ان کی خلافتیں ظالمانہ اور غاصبانہ نہیں تھی بلکہ برحق تھیں۔۔۔اسی لیے تو ہمارا دادا سیدنا علی رضی اللہ عنہ تمام زندگی ان کے ساتھ بسر کرتا رہا۔۔۔ان سے نباہ کرتے رہے۔۔۔ان کے وزیر و مشیر رہے۔۔۔مالِ غنیمت میں سے حصہ لیتے رہے۔

اگر خلفاءِ ثلاثہ ظالم اور غاصب ہوتے تو جس طرح ہمارے بابا حسین رضی اللہ عنہ نے ہمیں ذبح کروا دیا۔۔۔ہمارے دادا سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی اپنے بیٹوں کو قربان کر دیتے اور ظالموں کے ساتھ نباہ کبھی نہ کرتے۔

یقیناً علی اکبر اور علی اصغر کے خون سے بہتر کوئی صابن نہیں ہے جس کے ذریعے ان دھبوں کو اور داغوں کو دور کیا جائے جو بدبخت لوگ سیدنا ابوبکر، سیدنا عمر اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہم کے دامن پر لگانا چاہتے ہیں۔

دوسرا گروہ پہلے گروہ کے بارے میں آپ نے سن لیا جو حبِ علی کے لبادے میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شخصیت کے بارے میں مبالغہ آرائی سے کام لیتے ہیں اور ان کے بارے میں غلو کا شکار ہیں۔

دوسرا گروہ خارجیوں کا ہے۔۔۔یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے ایک منظم سازش کے ذریعہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر کے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اپنی ڈھال بنا لیا۔۔۔انہوں نے کہا

امامت منصوص من اللہ ہوتی ہے۔۔۔اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصی ہیں۔۔۔
اوران کی امامت وخلافت پر ایمان لانا فرض ہے اور جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت وامامت کو
نہیں مانتا وہ کافر ہے۔

پھر جنگ صفین میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح اور تصفیہ کے لیے جب
ثالثی فیصلہ قبول کرنے پر آمادہ ہو گئے اور اس صلح کے لیے دونوں طرف سے ثالث مقرر
ہوئے تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ان نام نہاد محبین نے شدید ترین مخالفت کی۔

(یہ وہی لوگ تھے جن کا مقصد مسلمانوں میں افتراق وانتشار کی کیفیت برقرار رکھنا
تھا اور مسلمانوں کا متحد ہونا اور ان کے مابین صلح اور تصفیہ کا ہو جانا ان کے لیے موت کا پیغام تھا)

ان خبیث لوگوں نے یہ کہہ کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی مخالفت کی کہ آپ کی امامت
منصوص من اللہ ہے اور آپ کی امامت کو ماننا توحید ورسالت اور قیامت کو ماننے کی طرح
ضروری اور لازمی ہے۔۔۔اور جو لوگ آپ کی امامت کو نہیں مانتے اور بیعت سے انکاری
ہیں وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہیں۔۔۔ اس لیے وہ واجب القتل ہیں۔۔۔ سیدنا
معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت نے آپ کے ہاتھ پر چونکہ بیعت خلافت نہیں کی اس لیے وہ
دائرۂ اسلام سے خارج ہیں۔۔۔ وہ قرآنی احکام کے منکر ہیں لہٰذا وہ واجب القتل
ہیں۔۔۔اب آپ ایسے لوگوں سے جو کافر ہیں صلح کس طرح کرنا چاہتے ہیں؟ اور ثالث
کس بات کے لیے مقرر کرنا چاہتے ہیں؟ اگر آپ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت سے
صلح اور تصفیہ کے لیے آمادہ ہیں تو پھر آپ بھی دائرۂ اسلام سے خارج ہو چکے ہیں۔۔۔کفر
سے صلح کرنے والا بھلا مسلمان کیسے رہ سکتا ہے؟

میری اس گفتگو سے یہ بات واضح اور ثابت ہوئی کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے اس
بدبخت گروہ کا اختلاف اور جھگڑا اس بات پر تھا کہ وہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ جیسے واجب القتل
شخص سے صلح کرنے پر آمادہ ہو گئے تھے۔

اہل تشیع کی معتبر ترین کتاب نہج البلاغت کے صفحہ نمبر 72 میں درج ہے:

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے اصحاب میں سے ایک شخص کھڑا ہو کر کہنے لگا کہ پہلے تو آپ نے جنگ صفین میں ہمیں حکم مقرر کرنے سے منع کیا پھر آپ نے خود حکم تسلیم کر لیا، ہم نہیں جانتے کہ اس امر و نہی میں کون سی چیز باعث ثواب ہے۔ یہ سنتے ہی سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ہاتھ پر ہاتھ مارا اور افسوس کے ساتھ فرمایا یہ خبر اس شخص کی ہے جو عقد کو توڑ ڈالے۔

میری گفتگو کا خلاصہ اور نچوڑ یہ ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ محبت کا دعویدار یہ گروہ۔۔۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے صرف اس وجہ سے ناراض ہوا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی جماعت سے خارج ہوا کہ انہوں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کے لیے ثالثی فیصلہ ماننے کی حامی کیوں بھری ہے؟ اس لیے انہوں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو کافر کہنے کے ساتھ ساتھ اب سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بھی کافر کہنا شروع کر دیا۔۔۔ یہ بد بخت گروہ ''خارجی'' کہلایا۔

یہاں گنگا اُلٹی بہتی ہے آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ خارجی کون سے بد بخت لوگ تھے۔۔۔ مگر ہمارے ہاں بہت سے نام نہاد اہل علم و دانش۔۔۔ مسند رسول کے جبری وارث اور بے خبر واعظ۔۔۔ پیشہ ور مقرر اور جاہل مبلغ۔۔۔ تاریخی حقائق سے ناواقف صحافی۔۔۔ دین سے نابلد وکلاء۔۔۔ فہم و فراست سے عاری معلمین۔۔۔ اور اکثر عوام وخواص یہ سمجھتے ہیں کہ خارجی وہ لوگ ہیں جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو حق بجانب سمجھتے ہیں اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے دامن کو اسی طرح بے داغ مانتے ہیں جس طرح سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا دامن بے داغ ہے۔۔۔ اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل ومناقب بیان کرتے ہیں۔۔۔ ان کا احترام کرتے ہیں اور ادب سے نام لیتے ہیں۔

حالانکہ آپ سن چکے ہیں کہ خارجی حقیقت میں وہ لوگ تھے جو ابتدا میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی دوستی اور محبت کا دم بھرتے تھے۔۔۔ وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی امامت کو منصوص من اللہ سمجھتے تھے۔۔۔ اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو صرف اس لیے مورد الزام اور طعن و تشنیع کا نشانہ بناتے اور

انہیں کافر تک کہتے کہ انہوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت نہ کر کے قرآن کے احکام کی خلاف ورزی کی ہے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جب ثالثی فیصلہ منظور کرنے کا اعلان کیا تو یہ لوگ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بھی مخالف ہو گئے۔۔۔اور کہنے لگے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے آپ کی بیعت نہ کر کے کفر کا ارتکاب کیا ہے۔۔اب آپ نے اس کے ساتھ ثالثی فیصلے اور صلح کی بات کی ہے۔۔۔ اس بنا پر آپ بھی دائرۂ اسلام سے خارج ہو گئے ہیں۔(نعوذ باللہ من ھذہ الخرافات)

مگر ہمارے ہاں گنگا الٹی بہتی ہے۔۔۔کہ جو لوگ صحابی ہونے کی حیثیت سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا بھی احترام کرتے ہیں۔۔۔اور ان کے فضائل ومناقب بیان کرتے ہیں۔۔۔اور سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی تعریف وتوصیف اور عظمت ومقام کا ابھی اقرار کرتے ہیں انہیں آنکھیں بند کر کے۔۔۔اور بصیرت سے محروم ہو کر بے دھڑک خارجی کہہ دیا جاتا ہے۔

کسی شاعر نے ان ہی جیسے لوگوں کے لیے کہا تھا:

ان عقل کے اندھوں کو الٹا نظر آتا ہے
مجنوں نظر آتی ہے لیلیٰ نظر آتا ہے

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ثالث ماننے کی وجہ سے یہ گروہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر کفر کا فتویٰ لگا کر ان سے الگ ہوا (اور خارجی کہلوایا) انہوں نے علیحدہ ایک قوت اور طاقت کی صورت اختیار کر لی تو جنگ نہروان میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان کی قوت کو پاش پاش کر کے رکھ دیا۔۔۔اور انہیں شکست فاش کا سامنا کرنا پڑا۔۔۔ان کی کمر ٹوٹ گئی اور یہ شرارتی اپنی اپنی جگہ دبک کر بیٹھ گئے۔

مگر ملت اسلامیہ کا پُرسکون ہونا۔۔۔مسلمانوں کا متحد ہونا۔۔۔بلادِ اسلامیہ میں امن وامان کا قائم ہونا۔۔۔اور اربابِ حکومت کا مطمئن ہو کر کفر کا مقابلہ کرنا ان شرارتیوں اور خبیثوں کو ایک لمحہ کے لیے بھی گوارا نہیں تھا۔۔۔اس صورتِ حال پر یہ اندر ہی اندر

کڑھتے رہتے مگران کا بس نہیں چلتا تھا کہ پُرامن ماحول کو فتنہ وفساد کی آماجگاہ بنادیں۔

تین شخصیات کے قتل کی تدبیر پھر یہ شکست خوردہ ملعون جو بکھرے ہوئے تھے ایک دن سر جوڑ کر بیٹھے۔۔۔آپس میں مشورہ کیا۔۔۔بہت سوچ وبچار کی اور پھر متفقہ طور پر طے پایا کہ

اس وقت ملت اسلامیہ کے پاس تین شخصیات ایسی ہیں جو درجے کے لحاظ سے عظیم بھی ہیں اور مسلمانوں کی نگاہوں میں قابل قدر بھی۔۔۔صاحب تدبر بھی اور انتہائی دلیر بھی۔۔۔اہل علم بھی اور صاحب سیاست بھی۔۔۔فہم وفراست کے مالک بھی اور صاحب حلم بھی۔۔۔اور یہی تین شخص اس مقام ومرتبہ کے حامل ہیں کہ مملکت اسلامیہ کے تمام مسلمان ان پر اتفاق کر سکتے ہیں۔۔۔اور ان تینوں میں سے ہر ایک اس شان اور اس صلاحیت کا مالک ہے کہ وہ بکھرے ہوئے بے طاقت مسلمانوں کو کسی بھی وقت ایک لڑی میں پرو کر۔۔۔کفر کے خلاف ننگی تلوار بن سکتا ہے۔۔۔ان میں سے ایک امیر المومنین، دامادِ نبی، سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی ذاتِ گرامی ہے۔۔۔دوسرے صاحب تدبر وفراست، کاتب وحی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں۔۔۔اور تیسری شخصیت فاتح مصر، صاحب فہم وفراست سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی ہے۔

ان بدبختوں نے سوچا کہ جب تک ان تینوں کو ٹھکانے نہیں لگا دیا جاتا اور ان سے نجات حاصل نہیں کی جاتی۔۔۔اس وقت تک یہ احتمال موجود ہے کہ مسلمان ان تینوں میں سے کسی ایک پر متفق ہو کر اجتماعی قوت پیدا کر لیں اور اس طرح مسلمان ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو جائیں۔

ان منافقین کو بخوبی یہ بات معلوم تھی کہ مسلمانوں کا اتحاد واتفاق، یکجہتی اور یگانگت ہی ہماری موت ہے اور ہماری کامیابی وکامرانی کا راز صرف اور صرف اس میں ہے کہ مسلمان منتشر رہیں۔۔۔بکھرے رہیں۔۔۔آپس میں لڑتے اور بھڑتے رہیں۔

اس لیے اتحاد واتفاق کی علامت اور محور ان تین شخصیات کو راستے سے ہٹانا بہت ضروری ہے۔۔۔ چنانچہ ان ملعون اور بد بخت خوارج میں سے تین سرکردہ اشخاص مکہ مکرمہ میں جمع ہوئے ان میں سے ایک عبدالرحمن بن ملجم تھا۔۔دوسرے کا نام برک بن عبداللہ تمیمی تھا اور تیسرا ملعون عمرو بن بکر تمیمی تھا۔۔۔ان تینوں نے یہ منصوبہ بنایا کہ مسلمانوں کی ان تین شخصیتوں کو رمضان المبارک کی 17 یا 21 تاریخ کو قتل کر دیا جائے تاکہ اس کے بعد ملت اسلامیہ کو کہیں پناہ نہ مل سکے اور نہ انہیں کہیں سر چھپانے کی جگہ میسر آئے اور مسلمان سیاسی طور پر یتیم ہو جائیں۔۔۔سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا قتل برک بن عبداللہ تمیمی نے اپنے ذمہ لیا۔۔۔سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا قتل عمرو بن تمیمی کے ذمہ لگا۔۔۔عبدالرحمن بن ملجم نے کہا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا کام تمام کرنا میری ذمہ داری ہوگئی۔

یہ تینوں بد بخت اپنے اپنے منصوبے۔۔۔ مذموم منصوبے پر عملدر آمد کے لیے اپنی اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئے۔۔مقررہ تاریخ کو عمرو بن بکر تمیمی مصر کی جامع مسجد میں پہنچا۔۔۔صبح کی نماز کا وقت تھا اس نے امام پر خنجر کا وار کیا۔۔۔مگر خوش قسمتی سے اس دن مصر کے گورنر سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ علالت طبعی کی وجہ سے مسجد میں تشریف نہ لا سکے۔۔۔ان کی جگہ سیدنا خارجہ بن حذیفہ رضی اللہ عنہ امامت کے فرائض سرانجام دے رہے تھے۔۔۔اس طرح وہ اس ملعون کے حملہ میں شہید ہو گئے۔

برک بن عبداللہ تمیمی نے دمشق کی جامع مسجد میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر حملہ کیا۔۔۔ مگر وار خطا گیا۔۔۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ معمولی زخمی ضرور ہوئے مگر قاتل اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوسکا اور اللہ تعالیٰ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو بچا لیا۔

عبدالرحمن بن ملجم جو کوفہ کی جامع مسجد کے باہر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے انتظار میں تھا۔۔۔اس نے زہر سے بجھی ہوئی تلوار سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر وار کیا جو کاری ثابت ہوا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ زخموں کی تاب نہ لا کر شہادت کے بلند و بالا منصب پر فائز ہو گئے اور اللہ کے

ہاں سرخرو اور کامیاب ٹھہرے۔

تیسری جماعت ان دونوں گمراہ گروہوں کے علاوہ ایک تیسری جماعت ہے جو اہل سنت و جماعت کی ہے۔۔۔ جو افراط وتفریط سے ہٹ کر اعتدال کے راستے پر گامزن ہے۔

اس جماعت کا نظریہ یہ ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی تمام عظمتوں اور رفعتوں میں سب سے بڑی عظمت یہ ہے کہ وہ میرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی ہیں۔۔۔ اور اصحابِ رسول کا مقام ومرتبہ انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد سب لوگوں سے اونچا، بلند، اعلیٰ اور عظیم ہے۔۔۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے لے کر سیدنا وحشی رضی اللہ عنہ تک سب کے سب صحابہ جنتی ہیں اور ان میں سے کسی ایک کو بھی جہنم کی گرم ہوا چھو بھی نہیں سکتی۔۔۔ اصحابِ رسول کی مقدس جماعت کے ایمان کو معیار قرار دیا گیا۔

فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنتُم بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوا (البقرہ 137)

اگر وہ (یہود ونصاریٰ اور منافقین) تم جیسا ایمان لائیں تب ہدایت پائیں گے۔

اصحابِ رسول کی پوری جماعت بہشت کی مکین ہے مگر ان میں درجات کا نمایاں فرق بھی ہے۔۔۔ فتح مکہ سے پہلے ایمان لانے والے، فتح مکہ کے بعد ایمان لانے والوں سے درجات اور مراتب میں بہت عظیم ہیں۔ (الحدید 10)

پھر ان میں سے وہ چودہ سو صحابہ افضل ہیں جو صلح حدیبیہ میں شامل تھے۔۔۔ پھر ان چودہ سو میں وہ سب سے اعلیٰ جو غزوۂ بدر میں شریک ہوئے۔۔۔ پھر وہ دس صحابہ سب سے اعلیٰ اور برتر ہیں جو عشرۂ مبشرہ کہلائے اور جنہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نام لے کر جنت کی بشارت اور خوشخبری دی۔۔۔ اور ان دس صحابہ میں وہ چار صحابہ سب سے اعلیٰ ہیں جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد مسند خلافت کے وارث ٹھہرے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شخصیت کو ہم دیکھتے ہیں تو ہمیں وہ اسلام کی پہلی صف میں نظر

آتے ہیں۔۔۔ بچوں میں انہوں نے سب سے پہلے اسلام کی دعوت پر لبیک کہا۔۔۔ حدیبیہ کے سفر میں وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ تھے بلکہ صلح نامہ کی تحریر بھی ان کے مبارک ہاتھوں سے لکھی گئی۔

غزوۂ بدر میں نہ صرف یہ کہ وہ شریک تھے بلکہ جنگ کے آغاز میں مشرکین مکہ کے للکارنے پر مقابلے کے لیے انہی کو بھیجا گیا تھا۔۔۔ عشرۂ مبشرہ میں ان کا نام نمایاں ہے اور مسند خلافت پر فائز ہونے میں وہ چوتھے نمبر پر ہیں۔

اہل سنت و جماعت کا متفق علیہ نظریہ ہے کہ پہلے تین خلفاء کو چھوڑ کر تمام امت سے افضل و اعلیٰ مقام و مرتبہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا ہے۔۔۔ اگر ترازو کے ایک پلڑے میں امت کے تمام زاہدین اور عابدین کو رکھا جائے۔۔۔۔ تمام محدثین و مفسرین کو رکھا جائے۔۔۔ ائمہ مجتہدین کو رکھا جائے۔۔۔ تمام علماءِ دین کو رکھا جائے۔۔۔ تمام فقہاء اور اولیاء اور اتقیا کو رکھا جائے۔۔۔ تبع تابعین اور تابعین کو رکھا جائے۔۔۔ اور پہلے تین خلفاء کو چھوڑ کر اصحابِ رسول کو رکھا جائے۔۔۔ اور دوسرے پلڑے میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو رکھا جائے۔۔۔ تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ والا پلڑا جھک جائے گا۔

اہل سنت کا نظریہ ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اصحابِ ثلاثہ کی بیعت اپنی خوشی اور رضا سے کی تھی۔۔۔ انہیں خلیفۂ برحق سمجھ کر کی تھی۔۔۔ ان کے پیچھے نمازیں انہیں امامت کا حقدار سمجھ کر پڑھی تھیں۔۔۔ ان سے عہدے اور غنیمت میں سے حصے ان کے اقتدار کو صحیح سمجھ کر لیے تھے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر کون جبر کر سکتا ہے۔۔۔؟ بہادر علی رضی اللہ عنہ کو کون ڈرا دھمکا سکتا ہے۔۔۔؟ دلیر علی رضی اللہ عنہ کی اہلیہ کی طرف میلی نگاہ سے کون دیکھ سکتا ہے۔۔۔؟ شجاع علی کے گلے میں رسی کون ڈال سکتا ہے۔۔۔؟ نڈر علی رضی اللہ عنہ کے گھر کے دروازے کو آگ کون لگا سکتا ہے۔۔۔؟

علی اور ظلم سے نباہ۔۔۔ اللہ کی پناہ۔۔۔علی اور غاصبوں کی بیعت الامان والحفیظ۔۔۔علی اور بزدلی ایک جگہ پر کیسے جمع ہو گئیں۔۔۔علی اور لوگوں کا خوف یہ کیسے ممکن ہے۔۔۔؟

تم نے بہادر علی کو۔۔دلیر علی کو۔۔نڈر علی کو۔۔تقیّہ باز کے روپ میں پیش کیا۔۔ تم نے کہا وہ ظالموں سے ڈر کے گھر میں چھپ کر بیٹھ گئے۔(العیاذ باللہ من ھذہ الخرفات) بدبختو! تم نے علی جیسے عظیم المرتبت شخص کی کیسی تصویر پیش کی۔۔۔؟ کبھی اپنی کتب بھی پڑھ لیا کرو۔۔۔وہ تمہاری آنکھیں کھولنے کے لیے کافی ہوں گی۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا نہج البلاغت میں درج خطبہ پڑھیے۔۔۔وہ لوگوں سے فرما رہے ہیں:

رَضِيْنَا عَنِ اللهِ قَضَائَهٗ وَسَلَّمْنَا اللهَ اَمْرَهٗ

اللہ کے فیصلے پر ہم راضی ہیں اور ہم نے اللہ کی اس قضا کو محض اس کی رضا کے لیے مان لیا ہے۔

تمہارا کیا خیال ہے کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جھوٹ باندھوں (کہ انہوں نے خلافت کی ذمہ داری میرے سپرد کی ہے) میں پہلا شخص ہوں جس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق کی تھی اب میں وہ پہلا نہیں ہونا چاہتا جو (خلافت کے معاملے میں) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جھوٹ باندھوں۔ میں نے اپنے معاملے میں غور کر کے فیصلہ کیا کہ میرا تابع رہنا میرے خلافت کی بیعت لینے سے سبقت لے چکا ہے۔ (نہج البلاغت $\frac{89}{1}$)

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد بخوشی ورضا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی بیعت کی تو پوری مدت خلافت میں دل وجان سے ان کے ساتھ رہے۔۔۔ان کی شوریٰ کے رکن رہے۔۔۔ ان کی خلافت میں قاضی القضاۃ بھی رہے۔۔۔سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مدینہ سے باہر تشریف لے جاتے تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو قائم مقام امیر المومنین بنا جاتے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ امیر المومنین بنے تو سب سے

پہلے ان کے ہاتھ پر بیعت سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کی۔ (البدایہ والنہایہ 147/7)

اور ان کے دورِ خلافت میں قاضی القضاۃ کے عہدے پر فائز رہے۔۔۔
محاصرے کے ایام میں اپنے بیٹوں کو اسلحہ دے کر بھیجا کہ اپنے خالو اور امیر المومنین کے گھر کا دفاع کرو۔۔۔ باغیوں کو خود ان کے گھر سے ہٹایا۔ (شرح نہج البلاغت ہیثم 161/4)

ایک موقع پر سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

كَانَ عُثْمَانُ خَيْرَنَا وَاَوْصَلَنَا لِلرَّحِمِ وَاَشَدَّنَا حَيَاءً وَاَحْسَنَنَا طُهُوْرًا وَاَتْقَانَا لِلرَّبِّ (البدایہ والنہایہ 194/7)

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ہم سب سے بہتر تھے سب سے بڑھ کر صلہ رحمی کرنے والے تھے اور سب سے زیادہ حیادار تھے اور ہم سب سے بڑھ کر پاکیزہ تھے اور اللہ رب العزت سے بہت ڈرنے والے تھے۔

اہل سنت کا خیال یہ ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ عظیم الشان مرتبے اور بلند ترین مقام اور اعلیٰ ترین اوصاف کے حامل ہونے کے باوجود بشر اور انسان تھے۔۔۔ وہ الٰہ اور معبود نہیں تھے۔۔۔ وہ خود مشکلات میں گھر کر اللہ ہی کو پکارتے تھے۔۔۔ پھر وہ مشکل کشا کیسے ہو سکتے ہیں؟

کیا کربلا میں۔۔۔ مصائب کے گھیرے میں آ کر سیدنا حسین رضی اللہ عنہ یا ان کے کسی ساتھی نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو مدد کے لیے پکارا۔۔۔؟ کیا سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو مشکل کشا اور حاجت روا سمجھ کر صدا لگائی۔۔۔؟

تم نے کہانیاں بنائیں اور مفروضے قائم کیے کہ سیدنا آدم علیہ السلام کی حاجت روائی سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کی۔۔۔ سیدنا نوح علیہ السلام کی مشکل سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے حل کی۔۔۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی حاجت سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے پوری کی۔۔۔ سب انبیاء مشکل میں گھر کر سیدنا

علی رضی اللہ عنہ کو پکارتے رہے۔۔۔اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ ان کی مشکلات حل کرتے تھے (جبکہ قرآن کہتا ہے۔۔۔سورت الانبیاء پڑھو۔۔۔سورۃ الصّٰفّٰت پڑھو۔۔۔سورت ص پڑھو۔۔۔اور دیکھو کہ انبیاء کرام علیہم السلام مشکلات میں مبتلا ہوتے تو اللہ ہی کو پکارتے تھے)

کبھی عقل وفہم کے ترازو پر تول کر دیکھو۔۔۔! کبھی غور کرو۔۔۔! جو مشکل کشا ہوتا ہے اس پر کبھی مشکلات آتی ہیں۔۔۔؟ کیا مشکل کشا کی آنکھیں دکھتی ہیں۔۔۔؟ کیا مشکل کشا شہید ہو جاتا ہے۔۔۔؟ اس پر تلوار کا وار کاری پڑ جاتا ہے۔۔۔؟ کیا مشکل کشا خود بیمار ہو جاتا ہے۔۔۔؟ کیا مشکل کشا کا پورا کنبہ شہید ہو جاتا ہے۔۔۔؟ یارو! یہ کیسے مشکل کشا ہیں جن کے اپنے بچے اور خواتین پیاسے تھے۔

حضراتِ گرامی قدر! تیسرا نظریہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں اہل سنت کا نظریہ ہے اور یہی نظریہ قرآن وسنت کے عین مطابق ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ میں الوہیت کی صفات بھی نہیں پائی جاتیں اور ان میں نبوت کے خصائص اور اوصاف بھی نہیں پائے جاتے۔۔۔ وہ مافوق البشر ہستی نہیں ہیں۔۔۔ بلکہ وہ بشر اور انسان ہیں۔۔۔ اللہ کے عاجز بندے ہیں۔۔۔ وہ ساری زندگی اللہ رب العزت کے آگے سربسجود رہے۔۔۔ اللہ کے آگے عاجزیاں کرتے رہے۔۔۔ زاریاں کرتے رہے۔۔۔ اسے ہی پکارتے رہے۔۔۔ اسی سے مدد مانگتے رہے۔۔۔ اسی کے آگے دامن پھیلاتے رہے۔

خلفاءِ ثلاثہ کے ساتھ ان کے تعلقات برادرانہ اور دوستانہ تھے۔۔۔ انہوں نے تینوں کی بیعت خوش دلی سے کی۔۔۔ ان کے ساتھ رہے اور بلا جبر واکراہ رہے۔۔۔ ان کے پیچھے نمازیں ادا کرتے رہے۔۔۔ اور اپنی مرضی اور خوشی سے ادا کرتے رہے۔۔۔ ان پر جبر اور زبردستی بھلا کون کر سکتا ہے۔۔۔؟ زبردستی، جبر اور اکراہ، دروازے کو آگ لگانا، گلے میں رسی ڈالنا یہ سب کہانیاں ہیں۔۔۔ اور لایعنی باتیں ہیں۔

وما علینا الا البلاغ المبین

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ الْاَمِيْنِ

وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لَا يَسْتَوِیْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوْا وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ (الحدید 10)

سامعین گرامی قدر! انبیاء کرام علیہم السلام کی مقدس ہستیوں کے بعد اولادِ آدم میں سب سے بلند و بالا مقام اور سب سے اونچا درجہ میرے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کا ہے۔ اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم ہی وہ پسندیدہ مخلوق ہے جنہوں نے براہِ راست امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فیض حاصل کیا۔۔۔ یہی خوش نصیب ہیں جن کی تربیت اور تزکیہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود فرمایا اور اسی جماعت پر تیئس سال آپ نے محنت فرمائی۔۔۔ آپ کی کامل تربیت اور مکمل تزکیہ و تطہیر کے نتیجے میں اسی جماعت کو قرآن مجید میں حزب اللہ کے لقب سے پکارا گیا۔۔۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی رضا کی سند عطا کی۔۔۔ جناتِ عدن کے وعدے فرمائے۔۔۔ اور ان کے ایمان کو معیار قرار دیا۔۔۔ ارشاد ہوا:

فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا (البقرہ 137)

اگر وہ (یہود و نصاریٰ) تم جیسا ایمان لائیں تو ہدایت پائیں گے۔

اصحابِ رسول ہم سب کے محسن ہیں کہ قرآن و احادیث۔۔۔ فرامین نبی۔۔۔ ارکانِ اسلام اور دین کے احکام ہم تک اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم ہی کے ذریعے پہنچے ہیں۔

اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم ہی دین کے چشم دید گواہ ہیں۔۔۔ آسمانِ دنیا نے انبیاء کرام علیہم السلام کو چھوڑ کر ایسی مقدس ہستیاں اور اتنے پاکیزہ لوگ کبھی نہیں دیکھے۔

اسی پاکیزہ جماعت کا ایک روشن ستارا اور چمکتا ہوا ہیرا سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما بھی ہے۔۔۔ آج میں اسی عظیم اور بلند ترین شخصیت کے بارے میں کچھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں عبد مناف کی اولاد ہیں۔۔۔ اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ماں اور باپ دونوں طرف سے پانچویں پشت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نسب میں شامل ہو جاتے ہیں۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بعثت نبوی سے پانچ یا چھ سال پہلے بنو امیہ کے سردار اور مدبر سیدنا ابو سفیان رضی اللہ عنہ (صخر بن حرب) کے گھر سیدہ ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئے۔۔۔ آپ کے والد نے نومولود کا نام "معاویہ" تجویز کیا۔

جس طبقہ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے بغض رکھنے اور ان کی ذات سے دشمنی کرنے کو دین کی سب سے بڑی خدمت سمجھ رکھا ہے۔۔۔ اور بُغض معاویہ کو حُبِّ علی کا معیار قرار دے رکھا ہے وہ لوگ بات بات پر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر تنقید کرنے کو ایمان کا حصہ سمجھتے ہیں۔۔۔ وہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہر کام کو تنقیدی نظروں سے دیکھنے کے عادی ہیں۔

اس طبقہ نے "معاویہ" نام پر اعتراض کیا ہے اور لغت کا سہارا لے کر "معاویہ" کا معنیٰ کیا "کتیا" یا "کتے کا بھونکنا" یا "لومڑی کا بچہ۔"

میں کہتا ہوں "معاویہ" نام صرف سیدنا ابو سفیان رضی اللہ عنہ کے فرزند کا نہیں ہے بلکہ

عہد جاہلیت میں بھی اور نبی اکرم ﷺ کی بعثت کے بعد بھی ''معاویہ'' نام عرب میں مشہور اور رائج تھا۔

اگر ''معاویہ'' نام صحیح نہ ہوتا تو نبی اکرم ﷺ اسے تبدیل فرما دیتے۔۔۔۔۔

نبی اکرم ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ جس نام کا معنی صحیح نہ ہوتا یا کوئی نام شرکیہ ہوتا تو آپ اسے بدل دیتے تھے۔۔۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا نام عبدالکعبہ تھا۔۔۔ آپ نے تبدیل فرمایا اور عبداللہ نام رکھا۔

ایک شخص مسلمان ہوا، پوچھنے پر اس نے اپنا نام عبدالعزّٰی بتایا (عزّٰی ایک دیوی کا نام ہے جسے مشرکین عرب حاجات میں مشکل کشا سمجھ کر پکارتے تھے۔۔۔ میدانِ اُحد میں اسی کے نام کا نعرہ لگا تھا:

لَنَا عُزّٰی وَلَا عُزّٰی لَکُمْ

جس کے جواب میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے نعرہ لگایا تھا:

لَنَا مَوْلٰی وَلَا مَوْلٰی لَکُمْ

مشرکین اپنے بچوں کے نام رکھتے ہوئے انہی معبودوں کی طرف منسوب کرتے تھے جیسے آج ہمارے ہاں ''عبدالرسول، عبدالنبی، عطاء محمد، حسین بخش، امام بخش، میراں بخش، پیراں دتہ'' وغیرہ نام رکھنے کا رواج ہے) آپ نے اس شخص کا نام بدلا۔۔۔۔ فرمایا۔۔۔ عبدالعزّٰی نہیں، عبداللہ۔

سیدنا سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ مشہور تابعی ہیں۔۔۔ فرمایا کرتے تھے کہ میرے دادا کا نام ''حَزَن'' (سخت) تھا انہوں نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر ایمان قبول کیا، آپ نے نام پوچھا، انہوں نے بتایا حَزَن۔۔۔ آپ نے فرمایا۔۔۔ تمہارا نام آج کے بعد ''سہل'' (نرم) ہے۔ (بخاری $\frac{914}{2}$)

امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنے بڑے بیٹے کا نام حرب رکھا (لڑائی) آپ

نے فرمایا۔۔۔حرب نہیں بلکہ حسن۔۔۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ارشاد ہے:

اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ کَانَ یُغَیِّرُ الْاِسْمَ الْقَبِیْحِ

(ترمذی، کتاب الادب $\frac{111}{2}$)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم برے نام تبدیل فرمادیا کرتے تھے۔

یاد رکھیے! ''معاویہ'' صرف سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے بیٹے کا نام نہیں بلکہ سینکڑوں محدثین اور مفسرین ''معاویہ'' نام کے ہوئے ہیں۔ مشہور محدث ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے الاصابہ میں ''معاویہ'' نام کے اکتیس محدثین اور مشاہیر کا ذکر فرمایا ہے۔

(الاصابہ $\frac{430}{3}$)

آج سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے حسد اور بغض پالنے والا بدبخت منبر پر بیٹھ کر ''معاویہ'' نام کی لغوی تحقیق شروع کر دیتا ہے۔۔۔اور پھر اس کا تمسخر اڑاتا اور مذاق بناتا ہے۔۔۔ اس بدبخت شاید کو کسی نے نہیں بتایا کہ امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ایک داماد کا نام معاویہ بن مروان ہے۔۔۔سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی ایک بیٹی رملہ کی شادی ابوالہیاج سے ہوئی ان کے انتقال کے بعد ان کا نکاح سیدنا مروان بن حکم رضی اللہ عنہ کے بیٹے معاویہ کے ساتھ ہوا۔

ایک اور حوالہ سنو۔۔۔! ہوسکتا ہے بُغضِ معاویہ میں مبتلا کسی مریض کو شفا مل جائے۔۔۔امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ایک شاگرد کا نام معاویہ ہے۔۔۔سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے تو اپنے شاگرد کا نام نہیں بدلا اور معاویہ کی لغوی تحقیق نہیں کی۔

ایک اور شخصیت کے بارے سنو! وہ تمہارے چھٹے امام ہیں اور انہی کے نام پر تم نے فقہ جعفری کا نعرہ لگایا ہے۔۔۔حضرت سیدنا جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کے ایک شاگرد کا نام معاویہ بن سعید الکوفی ہے اور دوسرے شاگرد کا نام معاویہ بن سلمہ نفری ہے۔

(تنقیح المقال $\frac{223}{3}$)

لطف کی بات یہ ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے جس بیٹے سے محبت کا دعویٰ کرتے ہو۔۔۔جس کے بارے میں کہتے ہو کہ میدانِ کربلا میں وہی علمبردار تھے۔۔۔۔عباس علمبردار۔۔۔۔انہوں نے اپنے ایک بیٹے کا نام معاویہ رکھا۔۔۔اسی طرح سیدنا عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے ایک بیٹے کا نام معاویہ رکھا۔

تم نے ان حضرات کے ناموں پر کبھی گل افشانی نہیں کی۔۔۔تم نے ان حضرات کے ناموں پر طعن و تمسخر کبھی نہیں کیا۔۔۔تم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے داماد معاویہ بن مروان کے نام کے بارے لغت کا سہارا لے کر بھونکنے والی کُتیا یا لومڑی کا چلانا معنی نہیں کیا۔

تم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پوتے۔۔۔اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے بھتیجے اور عباس علمبردار کے بیٹے معاویہ کے نام کی لغوی تحقیق کبھی نہیں کی۔۔۔سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے شاگرد کا نام معاویہ ہے۔۔۔حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں کے نام معاویہ ہیں۔۔۔ مگر وہاں لغوی معنی کرتے ہوئے تمہیں سانپ سونگھ جاتا ہے اور خاموشی اختیار کر لیتے ہو۔

کیا تمہاری تمام تر عداوت۔۔۔ساری دشمنی، طعن و تشنیع، تنقید و تنقیص، بغض، عناد اور حسد صرف سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے بیٹے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے ہے کہ لغت کی کتابیں کھول کر اس کے معنی تلاش کرتے ہو اور پھر اس نام کا تمسخر اڑاتے رہتے ہو۔

تم جاہلوں کو کون سمجھائے کہ اَعلام (یعنی ناموں میں) ابتدائی لفظی معنی مراد نہیں لیے جاتے۔۔۔تم نہیں جانتے ہو کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک نسب میں چھٹی پشت میں کلاب کا لفظی اور لغوی معنی مراد لینے کی کیا کوئی شخص جسارت کر سکتا ہے؟

ناموں کے بارے میں لغت کی جانب رخ نہ کرو۔۔۔ورنہ تمہیں جان چھڑانی مشکل ہو جائے گی۔۔۔تم بتا سکتے ہو کہ لغت میں ''فاطمہ'' کا کیا معنی ہے۔۔۔؟ تم ''باقر'' کا معنی جانتے ہو۔۔۔؟ کیا تمہیں معلوم ہے کہ جعفر کا لغوی معنی کیا ہے۔۔۔؟ ''اُویس'' کا لغوی معنی جانتے ہو۔۔۔؟ جانتے ہو ''عباس'' کا لغوی معنی کیا ہے۔۔۔؟

اگر ان ناموں کے لغوی معنوں کی جانب آپ رخ نہیں کرتے تو "معاویہ" کے لغوی معنی کے کھوج میں بھی نہ پڑو۔۔۔ اگر لغت کے اعتبار سے "معاویہ" کا معنی دیکھنا ہے تو پھر لغت کی معتبر کتاب القاموس دیکھو۔۔۔ منظور افریقی کی لسان العرب دیکھو۔۔۔ تاج العروس اٹھاؤ۔۔۔ اور منتہی الادب کا مطالعہ کرو۔۔۔ لغت کے ان ائمہ نے "معاویہ" کے چار معنی کیے ہیں۔

(1) کسی چیز کو موڑنا یا مروڑنا (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ واقعی اسم بامسمّٰی تھے، انہوں نے کمال جرأت و بہادری سے۔۔۔ تدبر و دانائی سے۔۔۔ اور حکمت عملی سے مجوسیّت اور یہودیّت کی۔۔۔ ابن سبا کے ذریعہ کی گئی سازشوں کو۔۔۔ اور نصرانیت کے مکر و فریب کو اور دشمنانِ دین کے عزائم کو موڑ کر رکھ دیا۔۔۔ انہوں نے یہودیّت کے سینے پر مونگ دلے اور مسلمانوں کے مابین افتراق کا بیج بو کر ان کی قوت کو کمزور کرنے کی اور فتوحات کے راستے روکنے کی جو گہری سازشوں کا رخ موڑ کر رکھ دیا۔۔۔ جس کی تکلیف آج تک ان کی اولاد محسوس کر رہی ہے اور قیامت کی صبح تک یہ درد اور تکلیف انہیں محسوس ہوتی رہے گی۔

(2) "معاویہ" کا دوسرا معنی اہل لغت نے کیا کسی کے آگے مزاحمت اور مدافعت کرنا۔ (اس معنی کے اعتبار سے بھی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اسم بامسمّٰی ثابت ہوئے جو سرد جنگ عبداللہ بن سبا یہودی نے خلافت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ میں شروع کی تھی اور جس کے نتیجے میں خلیفہ ثالث نے جامِ شہادت نوش کیا اور مسلسل پانچ سال تک خانہ جنگی کی کیفیت رہی اور فتوحات کا سلسلہ مکمل طور پر رک گیا اور منافقین یہود اپنے اثر و رسوخ کے ذریعہ حاوی رہے۔۔۔ امیر المومنین سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے بعد ان کے آگے بند باندھ دیا۔۔۔ ایسی مزاحمت اور مدافعت کی کہ منافقین کو سر چھپانے کی جگہ بھی نہیں ملتی تھی)

(3) "معاویہ" کا تیسرا معنی ہے۔۔۔ حمایت یا لڑائی کے لیے لوگوں کو بلانا اور جمع

کرنا۔ (اس معنی کے لحاظ سے بھی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اسم بامسمّٰی تھے۔۔۔ انہوں نے بکھرے ہوئے مسلمانوں کو ایک محاذ پر جمع فرمایا۔۔۔ جو صحابہ آپس کی خانہ جنگیوں کی وجہ سے گوشہ نشین ہو گئے تھے انہیں ایک بار پھر متحرک کیا اور کفار پر غضب الٰہی بن کر ٹوٹے اور پینسٹھ لاکھ مربع میل تک سلطنت اسلامیہ کے رقبے کو وسیع فرما دیا)

(4) ''معاویہ'' کا چوتھا معنی ہے آواز دے کر بلانا اور پکارنا۔۔۔ اور یہی معنی سب سے مناسب بھی ہے۔۔۔ عوٰی کے معنی آواز دینے کے آتے ہیں۔۔۔ تو ''معاویہ'' کا معنی ہوگا آواز دینے والا۔۔۔ یعنی ایسا ہر دلعزیز، محبوب، مقبول، بااثر، باوقار، محترم ومکرم اور دلوں پر راج کرنے والا اور ایسا مؤثر کہ لوگوں کو جب آواز دے اور بلائے تو لوگ اس کی آواز پر لبیک کہیں اور حاضر ہو جائیں۔

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے لڑکے اور لائق ترین فرزند مولانا سید عطاء المنعم شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ''معاویہ'' کے معنی پر بڑی خوبصورت بحث فرمائی ہے ذرا اسے سنیے:

ایک نے کہا کہ ''معاویہ'' کا معنی کتا۔۔۔ میں نے کہا ''معاویہ'' کا لفظ مختلف جانداروں کے لیے مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے، حیوانات میں ''معاویہ'' کا ترجمہ چیتا بھی آتا ہے، بھیڑیا بھی آتا ہے، کتا بھی آتا ہے، لومڑی بھی آتا ہے، گیدڑ بھی آتا ہے، یعنی ہر وہ جانور جو چیخ و پکار کر بولے عربی میں اسے ''معاویہ'' کہہ دیتے ہیں مگر انسانوں میں جو آدمی نوجوان ہو، نعرہ زن ہو، بہادر ہو اس کو ''معاویہ'' کہتے ہیں۔

عرب میں ایک آدمی گذرا ہے بہت بڑے قبیلے کا دادا ہے اس کا نام تھا ''کلب''، کلب کے معنی کتے کے بھی آتے اور چیتے اور ریچھ کے بھی ہیں جو جانور چیر پھاڑ کر رکھ دے وہ بہادر ہوتا ہے۔۔۔ کلب کے معنی صرف کتا نہیں بلکہ اس کے کئی معنی ہیں ہاں کتے کا مفہوم زیادہ عام ہے۔ اب عرب کے ایک پورے قبیلے کے دادا کا نام کلب ہے، کیا خیال ہے

سارے کتے ہی تھے وہ؟ (طلوع سحر 177)

قبولِ اسلام جو لوگ ذھناً سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے مخالف ہیں اور ان کے دل ودماغ پر سبائیت کے اثرات چھائے ہوئے ہیں ان کی پوری کوشش ہوتی ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے کوئی عظمت اور فضیلت ثابت نہ ہونے پائے۔۔۔اور ہر طرح سے ان کی پوزیشن کو کمزور کیا جائے۔

میں اس گروہ کی بات نہیں کر رہا ہوں جو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو سرے سے مسلمان ہی نہیں سمجھتے اور سر عام ان پر تبراء کرتے ہیں بلکہ میں تو ان اہل سنت کہلانے والوں کی بات کر رہا ہوں اور وہی میرے مخاطب ہیں جو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو مسلمان بھی مانتے ہیں اور ان کی صحابیّت کے بھی قائل ہیں۔۔۔مگر اس کے باوجود غلط فہمیوں کی بنیاد پر یا عمداً اور دانستہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر تنقید کرتے ہیں اور ان کی کوشش ہوتی ہے کہ ان کی کوئی فضیلت اور عظمت عوام کے سامنے نہ آئے اور ان کے بارے میں ایسی باتیں مشہور کر دی جائیں کہ سادہ لوح لوگ ان کے بارے میں کوئی اچھی رائے قائم نہ کر سکیں۔

چنانچہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ تاثر دیا گیا کہ وہ ''طُلَقَاء'' میں سے تھے (یعنی جن لوگوں کے بارے میں فتح مکہ کے دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معافی کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا۔۔۔ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ اَنْتُمُ الطُّلَقَاء۔۔۔آج تم پر کوئی الزام نہیں تم سب آزاد ہو۔۔۔ یہ لوگ مجبوراً ایمان لائے کہ ایمان قبول کرنے کے سوا کوئی دوسرا راستہ ہی نہیں تھا)

کبھی کہیں گے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا شمار مُؤَلَّفَۃُ الْقُلُوْب میں ہوتا ہے۔۔۔اس طرح وہ یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے بعد ایمان لائے۔

آج میں آپ کو بڑے مضبوط اور مستحکم دلائل کے ساتھ بتاؤں گا کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ

طلقاء اور مؤلفۃ القلوب میں سے نہیں ہیں بلکہ وہ عمرۃ القضا جو 7 ہجری میں ہوا اس سے پہلے ایمان قبول کر چکے تھے۔

سب سے پہلے علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ سے ایک حوالہ سنیے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

اَسْلَمْتُ یَوْمَ الْقَضِیَّةِ وَلٰکِنْ کَتَمْتُ اِسْلَامِیْ مِنْ اَبِیْ ثُمَّ عَلِمَ فَقَالَ لِیْ هٰذَا اَخُوْكَ یَزِیْدُ وَهُوَ خَیْرٌ مِّنْكَ عَلٰی دِیْنِ قَوْمِهٖ

میں نے عمرۃ القضا کے دن ایمان قبول کیا مگر اپنے والد سے اپنے اسلام کو چھپائے رکھا، پھر میرے والد کو پتہ چل گیا تو انہوں نے مجھ سے کہا تمہارا بھائی یزید تم سے بہتر ہے جو اپنی قوم کے دین پر قائم ہے۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے:

لَقَدْ دَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَکَّةَ فِیْ عُمْرَةِ الْقَضَاءِ وَاِنِّیْ لَمُصَدِّقٌ بِهٖ

(البدایہ والنہایہ 117/8)

جب نبی اکرم ﷺ عمرۃ القضا کے لیے مکہ میں داخل ہوئے تو میں ان کی تصدیق کرنے والا تھا۔

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا اپنا قول نقل کیا ہے کہ

اَسْلَمْتُ قَبْلَ عُمْرَةِ الْقَضِیَّةِ (الاصابہ 433/3)

میں نے عمرۃ القضا سے پہلے اسلام قبول کر لیا تھا۔

ساتویں صدی کے عالم اور مورخ ابن اثیر جزری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

وَکَانَ مُعَاوِیَةُ یَقُوْلُ اِنَّهٗ اَسْلَمَ عَامَ الْقَضِیَّةِ وَاِنَّهٗ لَقِیَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مُسْلِمًا وَّ کَتَمَ اِسْلَامَهٗ مِنْ اَبِیْهِ وَاُمِّهٖ (اسد الغابہ 385/4)

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ میں نے عمرۃ القضا والے سال اسلام قبول کیا اور

اسلام کی حالت میں عمرۃ القضا کے موقع پر نبی اکرم ﷺ سے ملاقات کی مگر اپنے مسلمان ہونے کو اپنے والد اور والدہ سے مخفی رکھا۔

سامعین گرامی قدر! سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ 7 ہجری میں عمرۃ القضا سے پہلے ایمان کے دامن سے وابستہ ہو چکے تھے اور اس کی سب سے بڑی دلیل بخاری کی وہ روایت ہے کہ عمرۃ القضا کے موقع پر نبی اکرم ﷺ کی مروہ پر حجامت کرنے والے (آپ کے بال قینچی سے تراشنے والے) سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ تھے۔

(بخاری کتاب الحج، باب الحلق والتقصیر $\frac{233}{1}$)

مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں تحریر فرمایا:

صحیح بخاری میں ہے کہ اگلے سال عمرۃ القضا میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کے موئے مبارک قینچی سے تراشے تھے یہ واقعہ عمرۃ القضا ہی کا ہے کیونکہ حجۃ الوداع میں تو آپ نے حلق فرمایا تھا۔ (معارف القرآن $\frac{90}{8}$)

حجۃ الوداع میں نبی اکرم ﷺ نے حجِ قِران کیا تھا اور قارن مروہ پر حجامت نہیں کرواتے بلکہ منیٰ میں دسویں ذی الحجہ کو حجامت کرواتے ہیں۔۔۔۔۔اور حجۃ الوداع میں نبی اکرم ﷺ نے بال ترشوائے نہیں تھے بلکہ سر مبارک منڈوایا تھا اور حجۃ الوداع میں سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے آپ کی حجامت کی سعادت حاصل کی تھی۔

پھر یہ حقیقت تسلیم کرنا ہوگی کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا نبی اکرم ﷺ کے بال تراشنا عمرۃ القضا 7 ہجری میں فتح مکہ سے ایک سال پہلے ہوا۔ پھر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو مؤلفۃ القلوب اور طلقاء میں شامل کرنا کتنا بعید از عقل و نقل ہے۔

اگر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ فتح مکہ سے بہت پہلے اسلام قبول کر چکے تھے اور یقیناً کر چکے تھے تو پھر أُولَٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِينَ أَنفَقُوا مِن بَعْدُ وَقَاتَلُوا کے قرآنی وعدے کے وہ مصداق ہیں۔۔۔اس حقیقت کو جھٹلایا نہیں جا سکتا۔۔اس حقیقت کو تسلیم کرنا

پڑے گا۔۔۔ چاہے کوئی خوش دلی سے مانے یا چیں بہ جبیں ہو کر مانے۔۔۔ طوعاً تسلیم کرے یا کرھاً مان لے۔۔۔ تسلیم کرنے کے سوا دوسرا کوئی راستہ نہیں ہے۔

جن لوگوں نے فتح مکہ سے پہلے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا ایمان لانا تسلیم کیا ہے انہوں نے بھی لیت ولعل سے کام لیتے ہوئے کہا کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایمان کو چھپایا ہوا تھا۔۔۔ فتح مکہ کے دن اسلام کو ظاہر کیا۔۔۔ یعنی ایک سال یا ڈیڑھ سال اپنے ایمان کو چھپائے رکھا۔

میں نے کہا بھلے مانسو! فتح مکہ سے ایک سال پہلے عمرۃ القضا کے موقع پر مروہ پہاڑی پر۔۔۔ سب لوگوں کے سامنے ایک شخص آپ کے بال مبارک تراش رہا ہے۔۔۔ پھر اخفاء کیسا۔۔۔؟ پھر ایمان کو چھپانے کا کیا معنی۔۔۔؟ پھر کتمان کہاں رہا۔۔۔؟

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے فتح مکہ سے پہلے بلکہ عمرۃ القضا جو 7 ہجری میں ہوا اس سے بھی پہلے ایمان قبول کیا اور صحابیّت کے شرف سے مالا مال ہو گئے۔

صحابیّت کا مرتبہ صحابیّت کا مرتبہ اور مقام کیا کم مقام ہے؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صحابی ہونا معمولی بات ہے؟ کیا یہ شرف ایسا ہے کہ بعد میں آنے والے لوگ اس پر تنقید کرتے رہیں؟

میرا رب گواہ ہے۔۔۔ اگر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے کوئی عظمت نہ ہو۔۔۔ اگر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی کوئی فضیلت نہ ہو۔۔۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی اسلام کی ترویج کے لیے کوئی خدمات نہ ہوں۔۔۔ میں نے ایک منٹ کے لیے مانا کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کاتب وحی نہیں تھے۔۔۔ میں نے ایک لمحہ کے لیے تسلیم کیا کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پہلے بحری بیڑے کے موجد نہیں ہیں۔۔۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پہلے بحری لشکر کے سالار نہیں ہیں۔۔۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر حسنین کریمین رضی اللہ عنہما نے بیعت نہیں کی۔۔۔ میں نے ایک لمحہ کے لیے مانا کہ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنے جیسا مومن نہیں مانا۔۔۔ سیدنا

معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں کوئی حدیث نہیں ہے۔۔۔اور ان کے لیے رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے دامن پھیلا کر دعائیں بھی نہیں کیں۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے کوئی عظمت نہ ہو۔۔۔فضیلت میں کوئی حدیث نہ ہو۔۔۔اسلام کی ترقی کے لیے کوئی خدمت نہ ہو۔۔۔لوگو! سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے ایک ہی عظمت کافی ہے کہ وہ میرے محمد کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صحابی ہے۔

اہل سنت کی تاریخ کی اور نقد وجرح کی کتب میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا بحیثیت صحابی تذکرہ موجود ہے۔۔۔تحقیق کرنے والے حضرات مندرجہ ذیل کتب کا مطالعہ کریں۔۔۔حقیقت نکھر کران کے سامنے آجائے گی۔

(الاصابہ فی تمیز الصحابہ 433/3، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ تذکرہ معاویہ، طبقات بن سعد 412/7)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا زاد بھائی سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ایک ارشاد گرامی بھی سن لیجیے۔۔۔ان کے اس ارشاد کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بخاری میں نقل فرمایا: فَإِنَّهُ قَدْ صَحِبَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ۔۔۔اَصَابَ اِنَّهٗ فَقِيْهٌ (بخاری 531/1 حدیث نمبر 3765)

یقیناً سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت کا شرف حاصل کیا۔۔۔انہوں نے درست عمل کیا ہے (کیونکہ) وہ فقیہ ہیں۔

صحابیّت کا یہ درجہ۔۔۔اور صحابیّت کا یہ مقام اتنا بلند وبالا ہے کہ اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم کے بعد آنے والی پوری امت مل کر بھی کسی صحابی کے درجے اور مرتبے کو نہیں پہنچ سکتے۔

اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم کے بعد آنے والی امت سے مراد میں اور آپ نہیں ہیں۔۔۔علماءِ دیوبند، علماءِ اہلحدیث اور علماءِ بریلی بھی نہیں ہیں۔۔۔بلکہ اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم کے بعد آنے والی امت سے میری مراد تابعین ہیں۔۔۔جنہوں نے صحابہ کرام کو دیکھا۔۔۔بعد میں آنے والی امت سے میری مراد تبع تابعین ہیں جنہوں نے تابعین کو دیکھا۔۔۔بعد

میں آنے والی امت سے میری مراد ائمہ مجتہدین ہیں۔۔۔امام اعظم امام ابوحنیفہ۔۔۔
ہیں۔۔۔امام شافعی ہیں۔۔۔امام مالک ہیں۔۔۔امام احمد بن حنبل ہیں۔۔۔
امام بخاری۔۔۔امام مسلم۔۔۔ترمذی۔۔۔ابن ماجہ۔۔۔نسائی۔۔۔ابوداؤد ہیں۔۔۔
ابن حجر۔۔۔ابن منیر اور عینی ہیں۔ (رحمہم اللہ تعالیٰ)

امت کے سارے مفسرین اور محدثین، فقہاء اور اتقیاء، علماء اور شہداء، شب زندہ دار اور تہجد گزار۔۔۔امت کے تمام اولیا اور بزرگانِ دین۔۔۔یہ سب مل کر ایک دوسرے کے اوپر نیچے کھڑے ہو جائیں تب بھی کسی صحابی کے پاؤں کے تلووں کو ہاتھ نہیں لگا سکتے۔

اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم ہی وہ مقدس جماعت ہے جن کی تعریف میں قرآن رطب اللسان ہے۔۔۔جنہیں قرآن نے متقی کہا۔۔۔صادق کہا۔۔۔راشد کہا۔۔۔رب نے انہیں اپنی رضا کی سند عطا کی۔۔۔انہیں جنت کی خوشخبریاں دیں۔۔۔انہیں حزب اللہ کہا۔۔۔میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ستاروں سے تشبیہ دی۔۔۔ان پر طعن و تشنیع اور تنقید سے منع فرمایا۔

اصحاب رسول رضی اللہ عنہم کے لیے جتنی فضیلتیں اور عظمتیں ثابت ہیں۔۔۔صحابی ہونے کی حیثیت سے وہ تمام تر فضائل سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو حاصل ہیں۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اگر صحابی ہیں۔۔۔اور یقیناً صحابی ہیں۔۔۔اور وہ زندگی کے آخری سانس تک (معاذ اللہ) مرتد نہیں ہوئے تو اصحاب اور کالنجوم کے دائرے سے انہیں کون نکال سکتا ہے۔

أُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ، أُولٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ، أُولٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُوْنَ، أُولٰئِكَ هُمُ الرَّاشِدُوْنَ کے عموم سے ان کو کون خارج کر سکتا ہے۔۔۔؟ **أُولٰئِكَ حِزْبُ اللهِ** کا شرف ان سے کون چھین سکتا ہے۔۔۔؟ **رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ** والا پروانہ ان سے کون غصب کر سکتا ہے۔۔۔؟ **وَكُلًّا وَّعَدَ اللهُ الْحُسْنٰى** کے تحفے ان سے واپس کون

لے سکتا ہے۔۔۔؟ اَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهَارُ کے وعدہ الٰہی سے انہیں مستثنیٰ کون کرسکتا ہے۔۔۔؟ مَنْ رَاٰنِيْ اَوْ رَاٰ مَنْ رَاٰنِيْ حدیث کے مصداق سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو جنت کے دروازے پر کون روک سکتا ہے۔۔۔؟

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ عظیم المرتبہ صحابی ہیں۔۔۔کاتب وحی ہیں۔۔۔امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعاؤں کا مصداق ہیں۔۔۔اللہ اور اس کے رسول کے محبوب ہیں۔۔۔سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے والد سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سسر اور معتمد علیہ صحابی ہیں۔۔۔سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی والدہ سیدہ ہند رضی اللہ عنہا بھی شرفِ صحابیت رکھتی ہیں۔۔۔سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی ہمشیر سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا ام المومنین کے عظیم مرتبہ پر فائز ہیں۔۔۔سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بڑے بھائی سیدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما صحابی رسول بھی ہیں۔۔۔اور سیدنا صدیق اکبر اور سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کے معتمد علیہ ساتھی بھی ہیں۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کاتب وحی

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ صحابیٔ رسول ہیں اور انہوں نے فتح مکہ سے پہلے ایمان کی دولت حاصل کی تھی۔۔۔سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو اصحابِ رسول کی مقدس جماعت میں یہ شرف حاصل ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وحی لکھنے اور مکتوبات تحریر کرنے کی ذمہ داری ان کے سپرد فرمائی۔۔۔یہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا بہت بڑا اور عظیم شرف ہے۔۔۔ان کی نرالی شان ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی امانت و دیانت پر بھرپور اعتماد کرتے ہوئے۔۔۔انہیں کتابتِ وحی کی نازک، حساس، اہم ترین اور عظیم خدمت پر مامور فرمایا۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اپنی تاریخ میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت پر گفتگو کرتے ہوئے ان کا تعارف ان خوبصورت الفاظ میں کراتے ہیں:

وَهُوَ مُعَاوِيَةُ خَالُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَكَاتِبُ وَحْيِ رَسُوْلِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَصَحِبَ مُعَاوِيَةُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَكَتَبَ الْوَحْيَ بَيْنَ يَدَيْهِ (البدایہ والنہایہ 117/8)

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ مومنوں کے ماموں (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بہن ام حبیبہ رضی اللہ عنہا ازواجِ النبی میں شامل ہیں۔۔۔اور ازواجِ النبی مومنوں کی مائیں ہیں اس لحاظ سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ مومنوں کے ماموں ہوئے) اور اللہ کی وحی کے کاتب ہیں۔۔سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت نصیب ہوئی اور وہ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے وحی کی کتابت کرتے رہے۔

آگے حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے تحریر فرمایا:

كُنْتُ اَلْعَبُ مَعَ الْغِلْمَانِ... ثُمَّ قَالَ اذْهَبْ فَادْعُ لِيْ مُعَاوِيَةَ وَكَانَ يَكْتُبُ الْوَحْيَ (البدایہ والنہایہ 117/8)

(سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں) میں بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کو بلا کر لاؤ۔۔۔سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ وحی لکھا کرتے تھے۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اپنی تاریخ میں ایک روایت لائے ہیں۔۔۔ذرا اسے سنیے اور عظمت معاویہ سے اپنے سینے ٹھنڈے کیجیے۔

اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ اِسْتَشَارَ جِبْرِيْلَ فِيْ كِتَابَةِ مُعَاوِيَةَ فَقَالَ اسْتَكْتِبْهُ فَاِنَّهٗ اَمِيْنٌ (البدایہ والنہایہ 120/8)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو کاتب وحی بنانے کے بارے میں حضرت جبریل امین سے مشورہ کیا تو انہوں نے کہا آپ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو کاتب بنالیں کیونکہ وہ امین ہیں۔

ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے (الاصابہ جلد 3 صفحہ 234) میں۔۔۔امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ نے (جوامع السیرۃ صفحہ 27) میں۔۔صاحب مشکوۃ نے اکمال فی اسماء الرجال میں واضح طور پر لکھا ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کاتب وحی کے منصب پر فائز تھے اور

اس کے علاوہ رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکتوبات بھی لکھتے تھے۔

اہل تشیع کی معتبر کتب میں۔۔۔ معتمد علیہ علماء نے بھی تحریر کیا ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کاتب وحی کے منصب پر فائز تھے۔

نہج البلاغۃ شیعہ کی معتبر ترین کتاب ہے۔۔۔ اہل تشیع کے مختلف علماء نے اس کی شروحات تحریر کی ہیں۔۔۔ ان علماء میں ابوالحامد عبدالحمید بھی ہیں۔۔۔ انہوں نے لکھا ہے:

كَانَ مُعَاوِيَةُ اَحَدَ كُتَّابِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ (ابن ابی الحدید 238)

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کاتبوں میں سے ایک کاتب تھے۔

شیعہ مذہب کے انتہائی معتبر عالم الشیخ عبداللہ مقالی نے اقرار کیا:

فَهُوَ مُعَاوِيَةُ بْنُ اَبِيْ سُفْيَانَ الْقَرَشِيُّ الْاُمَوِيُّ كَاتِبُ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ

(تنقیح المقال فی علم الرجال 222)

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ قریشی اموی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کاتب ہیں۔

اہل تشیع کا کوئی ذمہ دار فرد شیخ طبرسی کی علمیّت، قابلیّت اور تحقیق سے انکار نہیں کر سکتا۔۔۔ شیخ طبرسی ان کے معروف علماء اور اکابرین میں سے ہیں انہوں نے اپنی مشہور تصنیف ''احتجاجِ طبرسی'' میں لکھا ہے:

كَتَبَ مُعَاوِيَةُ اِلٰى اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَنَّ لِيْ فَضَائِلَ كَثِيْرَةً كَانَ اَبِيْ سَيِّدًا فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَاَنَا صِهْرُ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ وَخَالُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَكَاتِبُ وَحْيٍ (احتجاج طبرسی 92)

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ میرے لیے بھی بہت سے فضائل ثابت ہیں میرے والد ابوسفیان زمانۂ جاہلیت میں سردار تھے اور میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا برادر نسبتی بھی ہوں اور مومنین کا ماموں بھی اور کاتب وحی بھی ہوں۔

سامعین گرامی قدر! اہل سنت اور اہل تشیع کی معتبر کتب نے نقل کیا ہے کہ سیدنا

معاویہ رضی اللہ عنہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کاتب وحی مقرر فرمایا۔۔۔اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے وہی قرآن لکھتے رہے جو جبریل امین لے کر اترے تھے۔

آپ نے میری معروضات کو اگر غور سے سنا ہے تو آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کتابتِ وحی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکتوبات تحریر کرنے کے منصب پر فائز تھے۔۔۔کاتب وحی ہونا معمولی منصب نہیں ہے بلکہ یہ بڑی عظمت کی بات ہے۔۔۔مگر ایک بار پھر کہتا ہوں کہ اگر کوئی بدبخت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو کاتب رسول اور کاتب وحی ماننے کے لیے تیار نہیں ہے۔۔۔تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی عظمت و رفعت کے لیے۔۔۔سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقام و شان کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ میرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صحابی ہے۔۔۔ بعد میں آنے والی پوری امت مل کر بھی ان کے مقام اور عظمت کو نہیں پہنچ سکتی۔

امام ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے کیا کہا؟

سیدنا عبداللہ بن مبارک امام اعظم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں۔۔۔انتہائی متقی اور پرہیزگار اور انتہائی منصف مزاج۔۔۔ان سے کسی نے پوچھا کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ میں سے افضل کون ہے؟

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب جواب دیا۔۔۔فرمایا: تم سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے مابین تقابل کر رہے ہو۔۔۔اور پوچھ رہے ہو کہ دونوں میں افضل کون ہے؟

وَاللّٰہِ اِنَّ الْغُبَارَ الَّذِیْ دَخَلَ فِیْ اَنْفِ فَرَسِ مُعَاوِیَۃَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ أَفْضَلُ مِنْ عُمَرَ بِأَلْفِ مَرَّۃٍ

اللہ کی قسم! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں سفر کرتے ہوئے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کے نتھنوں میں جو خاک جم جاتی تھی وہ مٹی بھی عمر بن عبدالعزیز سے ہزار درجہ افضل ہے۔

صَلّٰی مُعَاوِیَۃُ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ فَقَالَ مُعَاوِیَۃُ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ فَمَا بَعْدَ ھٰذَا الشَّرْفِ الْاَعْظَمِ

(تطہیر الجنان 10)

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امامت میں نمازیں پڑھیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ کہتے تھے تو معاویہ رضی اللہ عنہ اس کے جواب میں رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ کہتے تھے۔۔۔ اسکے بعد اس سے بڑی عزت اور شرف اور کیا ہوسکتا ہے؟

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے کہ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے:

اگر در رہ گذر حضرت معاویہ نشینم و گرد سم اسپ جناب بر من افتد باعثِ نجات می شناسم (امداد الفتاوی $\frac{123}{4}$)

اگر میں راستے میں بیٹھا رہوں اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کے سم کا غبار مجھ پر پڑ جائے تو اسے میں اپنی نجات کا ذریعہ سمجھوں گا۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ایسے صحابی ہیں جو مجتہد ہیں اور بہت بڑے فقیہ ہیں۔۔۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا کہ امیر المومنین سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ وتر ایک رکعت پڑھتے ہیں۔۔۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

اَصَابَ اِنَّہٗ فَقِیْہٌ۔۔۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ صائب الرائے آدمی ہیں اور فقیہ ہیں۔

ایک اور روایت میں ہے:

دَعْہُ فَاِنَّہٗ قَدْ صَحِبَ النَّبِیَّ ﷺ (بخاری $\frac{531}{1}$ مشکوٰۃ 113)

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو چھوڑ دو اور کچھ نہ کہو وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی ہیں۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ایسے عظیم المرتبہ صحابی ہیں جن کے لیے مجسم رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دامن پھیلا کر دعائیں مانگیں تھیں۔۔۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ایسے اونچے درجے کے صحابی ہیں جو

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے معتمد علیہ ہیں۔۔۔۔سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی تعریفیں خلیفہ ثانی لاثانی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی کرتے تھے۔۔۔۔سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ایسے اوصاف سے مالا مال صحابی ہیں کہ خلیفہ ثالث سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کی صلاحیتوں کو دیکھ کر پورے صوبہ شام کا گورنر بنایا۔۔ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے باوجود کچھ اختلافات کے انہیں اپنے جیسا مومن تسلیم کیا۔۔۔حسنین کریمین رضی اللہ عنہما نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کرکے انہیں اپنا امام مانا اور ان سے سالانہ وظیفہ وصول کرتے رہے۔

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت سے دستبرداری کے بعد تقریباً پچپن ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کرکے ان کی خلافتِ راشدہ پر مہر تصدیق ثبت کردی۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی جرأت واستقامت، تدبر ودانائی، فہم وفراست، ایمانی غیرت وحرارت، حلم وحوصلہ اور بہادری وشجاعت کو کون بدبخت جھٹلا سکتا ہے؟

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ہی پہلے بحری لشکر کے سالار ہیں۔۔۔پہلے بحری بیڑے کے موجد بھی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں۔۔۔انیس سال ایک ہی صوبے کے گورنر رہے۔۔۔اور بیس سال چون صوبوں کے حکمران اور خلیفہ راشد رہے۔۔۔اسلامی سلطنت کے ایسے سربراہ جس نے زمین کو عدل وانصاف سے بھر دیا۔۔۔سادگی ایسی کہ لوگ دیکھ کر دنگ رہ جائیں۔۔۔حوصلہ ایسا کہ دشمن بھی تعریف کریں۔۔۔تدبر کا بادشاہ۔۔۔فاتح قبرص۔۔۔ خال المسلمین۔۔۔میں مختصر سے وقت میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی کون کون سی خوبی کو بیان کر سکتا ہوں۔۔۔سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی کون کون سی وصف کا تذکرہ کرسکتا ہوں۔

ان شاء اللہ آئندہ خطبات میں۔۔۔میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ان سب اوصاف کو تفصیل کے ساتھ بیان کروں گا۔

وما علینا الا البلاغ المبین

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ الْاَمِیْنِ

وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قَالَ النَّبِیُّ ﷺ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْہُ ھَادِیًا مَھْدِیًّا وَاھْدِ بِہٖ

(ترمذی، مناقب معاویہ بن ابی سفیان 704/2 مکتبہ رحمانیہ)

سامعین گرامی قدر! وہ انسان بڑا خوش قسمت اور خوش نصیب ہے جس کی ہدایت کے لیے یا جس کے حق میں امام الانبیاء، خاتم النبیین ﷺ دعا فرمائیں اور دعا کے لیے ہاتھ اٹھائیں۔

ظاہر بات ہے کہ اللہ کے محبوب پیغمبر ﷺ کے دعا کے لیے اٹھے ہوئے ہاتھ۔۔۔ عام لوگوں کی دعا کی مانند نہیں ہوتے بلکہ نبوت کی مانگی ہوئی دعا۔۔۔ اکثر اوقات قبولیت کے شرف سے مشرف ہوتی ہے۔

یقیناً نبی رحمت ﷺ کا اپنے رب سے ایک لازوال اور بے مثال تعلق ہے۔۔۔ آپ محبوبِ ربانی ہیں۔۔۔ آپ کو حبیب اللہ ہونے کی عظمت حاصل ہے۔۔۔ اللہ سے براہِ راست تعلق ہے۔۔۔ آپ کو اللہ کے سلام آتے ہیں۔۔۔ کل قیامت کے دن بھی اللہ خود بول کر کہیں گے:

قُلْ تُسْمَعْ سَلْ تُعْطَ

میرے پیارے! بول تیری بات سنی جائے گی۔۔۔ میرے محبوب! مانگ تجھے عطا کیا جائے گا۔

اس لیے نبی اکرم ﷺ جس خوش بخت اور خوش نصیب کے حق میں دعا فرماتے ہیں اور اللہ کا دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں۔۔۔ تو آپ کی دعا رائیگاں نہیں جاتی۔۔۔ بلکہ آسمان کا سینہ چیر کر عرش کو ہلا دیتی ہے۔

نبوت کے یہ ہاتھ خطاب کے بیٹے عمر رضی اللہ عنہ کے لیے اٹھ جائیں کہ مولا! اسلام کو عزت و عظمت عطا کرنا چاہتا ہے تو خطاب کا بیٹا عمر عطا کر دے۔۔۔ تو چند دنوں میں ہی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ میرے نبی کی دعا کی تعبیر بن کر سامنے آتا ہے۔

نبوت کے ہاتھ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ماں کی ہدایت کے لیے اٹھتے ہیں۔۔۔ تو سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو دعا کی قبولیت کا اتنا یقین ہے کہ بھاگتے ہوئے گھر کا رخ کرتے ہیں۔۔۔ کسی پوچھنے والے نے پوچھا۔۔۔ ابو ہریرہ! خیر تو ہے؟ آج بھاگتے ہوئے گھر جا رہے ہو۔

فرمایا۔۔۔ میرے محمد کریم ﷺ نے میری ماں کی ہدایت کی دعا مانگی ہے۔۔۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ میں پہلے گھر پہنچتا ہوں یا محمد ﷺ کی دعا پہلے پہنچتی ہے۔

ایک صحابی جمعہ کے دن خطبے کے دوران قحط سالی کی شکایت کر کے دعا کی درخواست کرتا ہے۔۔۔ نبی رحمت ﷺ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔۔۔ صحابہ کہتے ہیں ہم جمعہ پڑھنے آئے تھے دھوپ میں۔۔۔ اور ہماری واپسی ہوئی برستی، موسلا دھار بارش میں۔

میرے ان تمہیدی کلمات کو سامنے رکھ کر۔۔۔ ذرا ان دعاؤں پر غور کریں اور انہیں توجہ سے سنیں۔۔۔ جو دعائیں وقتاً فوقتاً۔۔۔ مختلف مواقع پر۔۔۔ مستجاب الدعوات غلاموں کے آقا و مولیٰ۔۔۔ مستجاب الدعوات خوش نصیب لوگوں کے نبی اور پیغمبر ﷺ نے

امیر المومنین سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں مانگی ہیں۔

ایک موقع پر آپ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے دعا فرمائی:

قَالَ النَّبِيُّ ﷺ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْهُ هَادِيًا مَهْدِيًّا وَاهْدِ بِهٖ

اے اللہ! معاویہ کو ہدایت دینے والا، ہدایت یافتہ بنا اور معاویہ کے ذریعے اور لوگوں کو ہدایت دے۔

اس حدیث کو۔۔۔حدیث کی کون کون سی کتب میں ذکر کیا گیا۔۔۔ذرا اسے بھی سن لیجیے۔

سنن ترمذی میں حافظ ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ نے باب مناقب معاویہ میں حدیث نمبر 3842 میں ذکر کیا۔۔۔امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے مسند احمد حدیث نمبر 1789 میں درج کیا۔

ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں ''ذکر معاویہ بن ابی سفیان'' میں ذکر کیا۔۔۔
علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخ الخلفاء صفحہ نمبر 152 میں اسے ذکر کیا۔۔۔
مشکوٰۃ المصابیح نے بھی نقل کیا۔

علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے نبی اکرم ﷺ کی اس دعا پر بڑی خوبصورت بات تحریر فرمائی ہے:

فَتَأَمَّلْ هٰذَا الدُّعَاءَ مِنَ الصَّادِقِ الْمَصْدُوْقِ وَاَنَّ اَدْعِيَتَهٗ لِاُمَّتِهٖ لَا سِيَمَا اَصْحَابِهٖ مَقْبُوْلَةٌ غَيْرُ مَرْدُوْدَةٍ تَعْلَمُ اَنَّ اللهَ سُبْحَانَهٗ اسْتَجَابَ لِرَسُوْلِ اللهِ ﷺ هٰذَا الدُّعَاءَ لِمُعَاوِيَةَ فَجَعَلَهٗ هَادِيًا لِلنَّاسِ مَهْدِيًّا فِيْ نَفْسِهٖ وَمَنْ جَمَعَ اللهُ لَهٗ بَيْنَ هَاتَيْنِ الْمَرْتَبَتَيْنِ كَيْفَ يُتَخَيَّلُ فِيْهِ مَا تَقُوْلُهٗ عَلَيْهِ الْمُبْطِلُوْنَ وَوَصَمَهٗ بِهٖ الْمُعَانِدُوْنَ مَعَاذَ اللهِ لَا يَدْعُوْ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ هٰذَا الدُّعَاءَ الْجَامِعَ لِمَعَالِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ الْمَانِعَ لِكُلِّ نَقْصٍ نَسَبَتْهُ اِلَيْهِ الطَّائِفَةُ الْمُعَارِقَةُ الْفَاجِرَةُ اِلَّا لِمَنْ

عَلِمَ ﷺ اَنَّہٗ اَھْلٌ لِّذَالِكَ حَقِیْقٌ بِمَا هُنَاكَ فَاِنْ قُلْتَ هٰذَانِ اللَّفْظَانِ اَعْنِیْ هَادِیًا مَّهْدِیًّا مُتَرَادِفَانِ اَوْ مُتَلَازِمَانِ فَلِمَ جَمَعَ النَّبِیُّ ﷺ بَیْنَهُمَا؛ قُلْتُ لَیْسَ بَیْنَهُمَا تَرَادُفٌ وَّلَا تَلَازُمٌ. لِاَنَّ الْاِنْسَانَ قَدْ یَكُوْنُ مُهْتَدِیًا فِیْ نَفْسِهٖ وَلَا یَهْتَدِیْ غَیْرُهٗ بِهٖ. وَهٰذِهِ الطَّرِیْقُ مَنْ اٰثَرَ مِنَ الْعَارِفِیْنَ السِّیَاحَةَ وَالْخَلْوَةَ. وَقَدْ یَهْدِیْ غَیْرَهٗ وَلَا یَكُوْنُ مُهْتَدِیًا وَّهِیَ طَرِیْقَةُ كَثِیْرِیْنَ مِنَ الْقُصَّاصِ الَّذِیْنَ اَصْلَحُوْا مَا بَیْنَهُمْ وَبَیْنَ النَّاسِ وَاَفْسَدُوْا مَا بَیْنَهُمْ وَبَیْنَ اللّٰهِ. وَقَدْ شَاهَدْتُ مِنْ هٰؤُلَاءِ جَمَاعَةً لَمْ یُبَالِ اللّٰهُ بِهِمْ فِیْ اَیِّ وَادٍ هَلَكُوْا. وَقَدْ قَالَ ﷺ: اِنَّ اللّٰهَ یُؤَیِّدُ هٰذَا الدِّیْنَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ. فَلِاَجْلِ هٰذَا طَلَبَ ﷺ لِمُعَاوِیَةَ حِیَازَةَ هَاتَیْنِ الْمَرْتَبَتَیْنِ الْجَلِیْلَتَیْنِ حَتّٰی یَكُوْنَ مَهْدِیًّا فِیْ نَفْسِهٖ هَادِیًا لِلنَّاسِ

صادق ومصدوق پیغمبر ﷺ کی اس دعا پر غور کرو اور (اس پر بھی غور کرو کہ) نبی اکرم ﷺ کی وہ دعائیں جو آپ نے اپنی امت، بالخصوص اپنے اصحاب کے لیے اللہ کے حضور مانگیں مقبول ہوئیں ان میں سے کوئی بھی ردّ نہیں کی گئی، تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ یہ دعا جو نبی اکرم ﷺ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے کی، یہ بھی مقبول ہوئی، اور اللہ تعالیٰ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو لوگوں کو ہدایت دینے والا اور ہدایت یافتہ بنا دیا اور (غور وفکر کرو کہ) جس شخص میں اللہ رب العزت نے یہ دونوں صفتیں جمع فرما دی ہوں اس کی بابت معاذ اللہ وہ باتیں کیونکر خیال کی جا سکتی ہیں جو باطل پرست معاند کہتے ہیں (ظاہر ہے کہ) اللہ کے پیارے رسول ﷺ ایسی جامع دعا جو دنیا وآخرت کے مراتب کو شامل ہو اور ہر نقص سے پاک کرنے والی ہو اسی کے لیے ہی کریں گے جسے آپ نے اس کا اہل سمجھا ہوگا۔

اور اگر تم کہو کہ ''هَادِیًا'' (ہدایت دینے والا) اور ''مَهْدِیًّا'' (ہدایت یافتہ) مترادف یا متلازم ہیں پھر نبی اکرم ﷺ نے یہ دونوں الفاظ کیوں فرمائے؟

تو میں کہوں گا کہ ان دونوں لفظوں میں ترادف ہے نہ تلازم، کیونکہ انسان کبھی خود

ہدایت یافتہ ہوتا ہے مگر دوسروں کو اس سے ہدایت نہیں ملتی جیسا کہ ان عارفین کا حال ہے جنہوں نے سیاحت اور خلوت اختیار کر لی ہے۔

اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ دوسرے تو اس سے ہدایت پاتے ہیں مگر خود ہدایت یافتہ نہیں ہوتا اور یہ روش اکثر قُصّاص (قصے کہانیاں سنانے والے مقررین، خطباء) کی ہے کہ جنہوں نے بندوں کے ساتھ معاملات تو درست رکھے مگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملہ بگاڑ دیا، میں (ابن حجر مکی) نے ایسے بہت سے لوگ دیکھے ہیں، ایسے لوگ جس جنگل میں چاہیں ہلاک ہو جائیں اللہ تعالیٰ کو ان کی کوئی پرواہ نہیں، اور نبی اکرم ﷺ کا فرمان بھی ہے کہ اللہ کبھی اس دین کی مدد بدکار آدمی سے بھی کرا دیتا ہے۔

(مسلم، باب غلظ تحریم قتل الانسان نفسہ 105/1)

اسی لیے نبی اکرم ﷺ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے ان دونوں مراتب جلیلہ کی طلب فرمائی تا کہ آپ خود ہدایت یافتہ ہونے کے ساتھ ساتھ لوگوں کو بھی ہدایت دیں۔

(تطہیر الجنان واللسان عن الخطور والتفوہ بثلب سیدنا معاویہ بن ابی سفیان 388)

امام کبیر شرف الدین حسین بن عبد اللہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی: 743ھ) اس حدیث مبارکہ کے تحت لکھتے ہیں:

وَلَا اِرْتِیَابَ اَنَّ دُعَاءَ النَّبِيِّ ﷺ مُسْتَجَابٌ فَمَنْ کَانَ حَالُهُ هٰذَا کَیْفَ یُرْتَابُ فِيْ حَقِّهٖ (شرح الطیبی علیٰ مشکوٰۃ المصابیح 3948/12)

اس میں کوئی شک نہیں بلاشبہ (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں) نبی اکرم ﷺ کی یہ دعا قبول ہو چکی ہے پس جس کا یہ حال ہو (کہ اللہ رب العزت نے اسے ہدایت دینے والا اور خود ہدایت یافتہ بنا دیا ہو) تو اس کے بارے میں کیسے شک کیا جا سکتا ہے۔

یہی بات ملا علی قاری حنفی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھی ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح 4022/9)

اِجابت نے بڑھ کر گلے سے لگایا
چلی ناز سے جب دعائے محمد
اِجابت کا سہرا عنایت کا جوڑا
دلہن بن کے پلٹی دعائے محمد

سامعین گرامی قدر! اگر رحمت کائنات ﷺ کی زبان مقدس سے نکلنے والا ہر جملہ حقیقت پر مبنی ہوتا ہے۔۔اور یقیناً ہوتا ہے اور اگر آپ کی زبان سے نکلنے والی دعائیں اللہ کے ہاں مقبولیت کا شرف پاتی ہیں اور یقیناً پاتی ہیں۔۔۔تو پھر اس حقیقت کو تسلیم کرنا ہو گا۔۔۔کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ہدایت یافتہ بھی ہیں۔۔۔اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ہادی بھی ہیں اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور لوگوں کی ہدایت کا ذریعہ بھی ہیں۔

اگر تمہیں نبوت کی زبان سے نکلنے والی دعا پر یقین ہے تو پھر ماننا پڑے گا کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی کوئی بات اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا کوئی عمل اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا کوئی فعل ہدایت سے خالی نہیں۔۔۔جسے میرا نبی ﷺ ہادی اور مہدی کہے۔۔۔اس کی باتیں اور اعمال ہدایت سے خالی کیسے ہوسکتے ہیں۔

جولوگ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے کاموں کے بارے میں۔۔۔جولوگ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعض اعمال اور افعال پر بحث کرتے اور تنقید کرتے ہیں۔۔۔انہیں شریعت سے روگردان ثابت کرنے کی مذموم کوشش کرتے ہیں۔۔۔انہیں بدعتی۔۔۔اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر سب وشتم کرنے والا ثابت کرتے ہیں۔۔۔بیت المال میں انہیں امین ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔۔۔انہیں ظالم اور کنبہ پرور ہونے کا طعنہ دیتے ہیں۔

تاریخ کی مہمل، لغو، بے ہودہ اور بے سروپا جھوٹی روایات کا سہارا لے کر۔۔۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف ایسے اعمال اور ایسے افعال کی نسبت کرتے ہیں۔۔۔جو اعمال اور افعال ہدایت سے کوسوں دور ہیں۔۔۔تو ایسے لوگوں کو اپنے ایمان کی خیر منانی

چاہیے۔۔۔اور اپنے لیے ہدایت کی جستجو کرنی چاہیے۔

کیونکہ اس کے یہ تمام تر اعتراضات۔۔۔اور شبہات سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر نہیں ہیں۔۔۔ بلکہ در پردہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہیں جن کی زبانِ مقدس نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو ہادی اور مہدی ہونے کی سند عطا کی۔

دوسری حدیث نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی سیدنا عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

لَا تَذْكُرُوْا مُعَاوِيَةَ اِلَّا بِخَيْرٍ

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا تذکرہ ہمیشہ بھلائی کے ساتھ کیا کرو۔۔۔ کیونکہ میں نے خود نبی اکرم ﷺ کی زبانِ مقدس سے سنا ہے:

اَللّٰھُمَّ اھْدِبِہٖ (ترمذی $\frac{704}{2}$ مکتبہ رحمانیہ)

اے اللہ معاویہ کے ذریعہ سے ہدایت عطا فرمایا۔

میرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صحابی کیا کہہ رہا ہے:

لَا تَذْكُرُوْا مُعَاوِيَةَ اِلَّا بِخَيْرٍ

معاویہ کا تذکرہ ہمیشہ خیر وخوبی اور بھلائی کے ساتھ کرو اور آج کا مفکر اور نام نہاد شیخ الاسلام اور آج کا واعظ اور پیشہ ور مقرر کہتا ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ذکر سے زبان بند رکھو یعنی نہ برا کہو اور نہ تعریف کرو۔

کمال ہے کفِ لسان کا کیا یہی مفہوم ہے؟ دل میں بغض معاویہ ہو تو پھر سچائی اور حق گوئی کی صلاحیتیں بھی اللہ چھین لیتا ہے۔۔۔اللہ کے بندو! کفِ لسان کا معنی ہے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی برائی اور مذمت کرنے سے زبان بند رکھو۔۔۔ان پر اعتراض نہ کرو۔۔۔ ان پر تنقید نہ کرو۔۔۔ان کی تنقیص نہ کرو۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی تعریف تو سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے بھی فرمائی ہے۔۔۔ ان کے ایمان کو اپنے ایمان کی مانند قرار دیا ہے۔۔۔سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی تعریف تو سیدنا

علی رضی اللہ عنہ کے دونوں بیٹوں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو عملی طور پر مومن مان کر۔۔۔ خلافت وامامت کا اہل سمجھ کران کے ہاتھ پر بیعت کر کے کی ہے۔۔۔ یہ تعریف نہیں تو اسے کیا نام دو گے؟

آج رافضیت کی وکالت کرتے ہوئے۔۔ اہل سنت بن کر منبر ومحراب سے آواز لگاتے ہو کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں کفِ لسان کا حکم ہے۔۔۔ یعنی زبان بند رکھو۔۔۔ نہ تعریف کرو، نہ فضائل بیان کرو، نہ ان کی عظمتوں کا تذکرہ کرو، نہ ان کے اوصاف لوگوں کے سامنے بیان کرو، اور نہ ان کی برائی کرو۔ اگر کفِ لسان کا یہی معنی ہے تو پھر یکے از عشرہ مبشرہ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کیوں فرمایا:

مَا رَأَيْتُ اَحَدًا بَعْدَ عُثْمَانَ اَقْضٰى بِحَقٍّ مِّنْ صَاحِبِ هٰذَا الْبَابِ يَعْنِيْ مُعَاوِيَةَ (البدایہ والنہایہ $\frac{142}{8}$ ،تاریخ دمشق لابن عساکر)

میں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد کوئی شخص سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے بہتر حق کا فیصلہ کرنے والا نہیں دیکھا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی اور مفسر قرآن صحابی جن کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی تھی:

اَللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ الْحِكْمَةَ

اے اللہ! ابن عباس کو حکمت سکھادے۔

انہوں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا:

دَعْهُ فَاِنَّهٗ قَدْ صَحِبَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ

(مصنف عبدالرزاق $\frac{20}{3}$ ، السنن الکبریٰ للبیہقی $\frac{39}{3}$)

اے میرے بیٹے! سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے جو عمل کیا ہے درست اور صائب کیا ہے کیونکہ وہ صحابی رسول ہیں، دوسری حدیث میں ہے کہ وہ فقیہ ہیں۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

مَا رَأَيْتُ أَحَدًا بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ أَسْوَدَ مِنْ مُعَاوِيَةَ

(المعجم الکبیر 387/13)

میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ جیسا سردار کوئی نہیں دیکھا۔

''أَسْوَد'' کا ایک معنی امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔۔۔ أَسْخٰی (بہت بڑا سخی)

مشہور صحابی سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ کا ارشاد بھی سن لیجیے۔

مَا رَأَيْتُ أَحَدًا بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ أَشْبَهَ صَلٰوةً بِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مِنْ أَمِيْرِكُمْ هٰذَا يَعْنِيْ مُعَاوِيَةَ (تطہیر الجنان 24)

میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد آپ سے زیادہ مشابہت رکھنے والی نماز پڑھنے والا تمہارے امیر یعنی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کوئی نہیں دیکھا۔

آج تم کہتے ہو کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی تعریف وتوصیف نہیں کرنی چاہیے۔۔۔ ان کی عظمتوں کے جھنڈے نہیں اٹھانے چاہئیں۔۔۔ مسجدوں کے نام ان سے منسوب نہیں کرنے چاہئیں۔

اور ہم دیکھتے ہیں کہ رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے لیے دعائیں مانگ رہے ہیں اور اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم کی زبانیں ان کی تعریف میں پھول برسا رہی ہیں۔۔۔ تابعین نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے تذکرے ان کی خوبیوں کے ساتھ فرمائے۔۔۔ ائمہ مجتہدین ان کے حق میں رطب اللسان رہے۔۔۔ امت کے بزرگ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی تعریف وتوصیف میں مگن رہے۔

مشہور تابعی حضرت اعمش رحمۃ اللہ علیہ جو بہت بڑے محدث بھی ہیں۔۔۔ ان کی مجلس میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے عدل وانصاف کا ذکر ہوا۔۔۔ تو انہوں

نے فرمایا:

فَكَيْفَ لَوْ اَدْرَكْتُمْ مُعَاوِيَةَ

اگر تم سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت پاتے تو تم کیا رائے قائم کرتے؟

لوگوں نے کہا۔۔۔ فِيْ حِلْمِهٖ۔۔۔ یعنی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے حلم و حوصلے اور بردباری کے بارے میں آپ بات کر رہے ہیں۔

فرمایا۔۔۔ لَا بَلْ وَاللّٰهِ فِيْ عَدْلِهٖ۔۔۔ نہیں اللہ گواہ ہے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ عدل وانصاف کے میدان میں بھی حضرت عمر بن عبد العزیز سے بڑھ کر تھے۔

(منہاج السنہ لابن تیمیہ 185/3)

مشہور تابعی حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد بھی سنتے جائیے!

لَوْ اَصْبَحْتُمْ فِيْ عَمَلٍ مِثْلِ مُعَاوِيَةَ فَقَالَ اَكْثَرُكُمْ هٰذَا الْمَهْدِيُّ

اگر تم سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے اعمال کا جائزہ لو تو تم میں سے بہت سے لوگ بول اٹھیں گے کہ یہ مہدی ہیں۔

اور ایک تابعی سیدنا مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد بھی سنیے!

لَوْ اَدْرَكْتُمْ مُعَاوِيَةَ تَعْلَمُوْا هٰذَا الْمَهْدِيُّ

اگر تم سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ پا لیتے تو تم کہتے کہ یہ مہدی ہیں۔

بات ذرا طویل ہو گئی ہے۔۔۔ میں نے سیدنا عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ کا ایک فرمان آپ کو سنایا۔۔۔ کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا تذکرہ ہمیشہ بھلائی کے ساتھ کیا کرو۔۔۔ تو اس کی تائید میں اصحابِ رسول اور تابعین کے خیالات آپ کے سامنے رکھ دیئے کہ انہوں نے ہمیشہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا تذکرہ بھلائی کے ساتھ ہی کیا ہے۔

تیسری حدیث

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک موقع پر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے یوں دعا فرمائی:

اَللّٰهُمَّ عَلِّمْ مُعَاوِيَةَ الْحِسَابَ وَقِهِ الْعَذَابَ (التاریخ الکبیر 326/7)

اے اللہ! معاویہ کو حساب سکھا اور اسے عذاب سے محفوظ فرما۔

اس روایت کو مشہور صحابی سیدنا عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ نے جس طرح اور جس انداز میں نقل فرمایا ہے وہ سننے کے لائق ہے۔ فرماتے ہیں:

رمضان المبارک کا مقدس مہینہ تھا اور سحری کا سہانا اور قبولیتِ دعا کا وقت تھا۔۔۔ میں سحری کے وقت خدمت نبوی میں حاضر تھا۔۔۔ میں نے سنا کہ آپ دعا کر رہے تھے:

اَللّٰهُمَّ عَلِّمْ مُعَاوِيَةَ الْكِتَابَ وَالْحِسَابَ وَقِهِ الْعَذَابَ

(مسند احمد، صحیح ابن خزیمہ 214/3)

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے میرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا اور دعا بھی رمضان کے مقدس مہینے میں۔۔۔ اور پھر دعا سحری کے وقت اور سحری کی مبارک گھڑیوں میں۔۔۔ یہی وقت ہے جب عرش والا آواز لگاتا ہے:

مَنْ يَّدْعُوْنِىْ فَاَسْتَجِيْبَ لَهٗ مَنْ يَّسْأَلُنِىْ فَاُعْطِيَهٗ (بخاری 53/2)

کون ہے جو مجھے پکارے تو میں اس کی پکار کو قبول کروں گا اور کون ہے جو مجھ سے مانگے تو میں اسے عطا کروں گا۔

سیدنا داؤد علیہ السلام نے جبریل امین علیہ السلام سے پوچھا تھا:

اَىُّ اللَّيْلِ اَفْضَلُ

رات کا کون سا وقت اور رات کا کون سا حصہ افضل ہے؟

جبریل امین علیہ السلام نے جواب میں کہا:

مَا اَدْرِىْ غَيْرَ اَنِّىْ اَعْلَمُ اَنَّ الْعَرْشَ يَهْتَزُّ مِنَ السَّحَرِ

(مصنف ابن ابی شیبہ 68/7)

میں یہ تو نہیں جانتا کہ کون سا وقت افضل ہے ہاں اتنا جانتا ہوں کہ سحری کے وقت

عرشِ الٰہی ہلنے لگتا ہے۔

لوگو! ذرا غور تو کرو! قبولیت کے ایسے بابرکت وقت میں محبوبِ الٰہی ﷺ نے جب اپنے اللہ کے حضور التجا اور درخواست کی ہوگی۔۔۔ میرے اللہ! معاویہ کو عذاب سے محفوظ رکھ۔۔۔ ایسے بابرکت وقت میں عام لوگوں کی دعائیں بھی بسا اوقات شرفِ قبولیت پالیتی ہیں۔۔۔ کیا اللہ رب العزت نے اپنے محبوب کی دعا کو قبولیت کے شرف سے نہیں نوازا ہوگا۔

سامعین گرامی قدر! میری اس بات کو غور سے سنیئے گا اور دل کی تختی پر لکھ لیجیے گا۔۔۔ کیا ہم سب مسلمان اس بات کے امیدوار نہیں ہیں کہ کل میدانِ محشر میں ہمارے محبوب پیغمبر سیدنا محمد مصطفی ﷺ ہمارے لیے شفاعت فرمائیں۔۔۔ اللہ کرے ہمیں شفاعتِ نبوی نصیب ہو۔ (آمین)

میرے آقا۔۔۔ میرے نبی ﷺ شفیع المذنبین ہیں۔۔۔ آپ نے اپنی امت کے موحدین لوگوں کے لیے جو گنہگار رہوں گے۔۔۔ شفاعت کرنی ہے۔

ذرا بتلاؤ تو سہی۔۔۔! یہ شفاعت کیا ہوگی؟ آپ گنہگار امتی کے بارے میں کیا کہیں گے؟ اللہ رب العزت سے کیا درخواست کریں گے؟

یہی نا۔۔۔ کہ میرے مولا! اسے معاف کردے۔۔۔ یہی نا کہ میرے اللہ اسے عذاب سے بچالے۔۔۔ تو پھر ہر ایک کے لیے میرے نبی ﷺ قیامت کے دن شفاعت کریں گے۔۔۔ ہاں! سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ایسا خوش نصیب اور ایسا خوش قسمت اور ایسا خوش بخت اور نصیبے والا ہے کہ میرے نبی ﷺ نے سحری کے وقت اور رمضان کے مہینے میں ان کی دربارِ الٰہی میں شفاعت فرمائی۔۔۔ کہ مولا! معاویہ رضی اللہ عنہ کو عذاب سے محفوظ فرما۔

چوتھی حدیث مشہور صحابی سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔۔۔۔ کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کی زبانِ مقدس سے سنا کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں دعا مانگ رہے

تھے:

اَللّٰھُمَّ عَلِّمْہُ الْکِتَابَ وَمَکِّنْ لَہٗ فِی الْبِلَادِ وَوَقِہِ الْعَذَابَ

(البدایہ والنہایہ 121/8)

اے اللہ! معاویہ رضی اللہ عنہ کو کتاب کا علم عطا فرما اور معاویہ رضی اللہ عنہ کو شہروں میں حکومت عطا کر اور معاویہ رضی اللہ عنہ کو عذاب سے محفوظ رکھ۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اسی دعا کا نتیجہ اور ثمر تھا کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ایک ہی صوبے اور علاقے میں تقریباً بیس سال گورنر رہے۔۔۔ اور نواسۂ رسول سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے صلح اور بیعت کرنے کے بعد تقریباً انیس سال پوری مملکت اسلامیہ کے حکمران اور امیر المومنین رہے۔

مَکِّنْ لَہٗ فِی الْبِلَادِ۔۔۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو شہروں میں اقتدار عطا فرما۔۔۔ اس کا عملی نمونہ لوگوں نے دیکھا کہ لشکر اسلام 44 ہجری میں خیبر کے راستے ہندوستان کے دروازے پر دستک دینے لگا۔

ترکستان تک اسلامی فوجیں پہنچیں۔۔۔ سمرقند، ترمذ اور افریقہ کے باقی علاقے اسی دور میں فتح ہوئے۔۔۔ قسطنطنیہ پر حملہ دورِ معاویہ میں ہوا۔۔۔ بحری لشکر کے ذریعہ جزیرۂ روڈس کو فتح کیا گیا۔

غرضیکہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت فتوحات اور کامیابیوں کے اعتبار سے انتہائی شاندار نظر آتا ہے۔۔۔ مسلمانوں کی شان وشوکت، دبدبہ اور رعب سے کفر کی زمینیں کانپتی تھیں۔۔۔ دارالخلافہ دمشق میں بیٹھ کر انہوں نے اسلام کے علم بحر اوقیانوس سے لے کر سندھ اور افغانستان تک لہرا دیے۔

پانچویں حدیث

ایک روز سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے سواری پر سوار تھے۔۔۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنا سینہ اور پیٹ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیٹھ مبارک سے

لگا یا تو آپ نے پوچھا:

يَا مُعَاوِيَةُ مَا يَلِيْنِيْ مِنْكَ

تیرے جسم کا کون سا حصہ میرے قریب ہے۔۔۔؟ تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

بَطْنِيْ۔۔۔ یارسول اللہ! میرا پیٹ آپ کی پیٹھ سے ٹکرا رہا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا مانگتے ہوئے فرمایا:

اَللّٰهُمَّ امْلَأْهُ عِلْمًا وَحِلْمًا (التاریخ الکبیر للبخاری 18/4)

اے اللہ! معاویہ کے پیٹ کو علم اور حلم سے بھر دے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس دعا کے بارے میں دشمنانِ معاویہ اعتراض کرتے ہیں کہ علم کا مقام اور جگہ پیٹ نہیں بلکہ دل، سینہ اور دماغ ہوتا ہے۔۔۔۔۔ ہم کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس دعا میں بطن کا لفظ محاورے کے طور پر استعمال ہوا ہے۔۔۔ مراد آپ کی یہی تھی کہ اللہ معاویہ رضی اللہ عنہ کو علم اور حلم سے وافر حصہ عطا فرمائے۔

اگر کوئی دشمنِ معاویہ ہمارے اس جواب سے مطمئن نہیں ہوتا۔۔۔ تو آ ہم تجھے دکھائیں کہ یہی الفاظ اور یہی جملہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے متعلق بھی فرمایا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب اپنی لختِ جگر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کرنے کا فیصلہ فرمایا تو بقول تمہارے۔۔۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے شکایت کی کہ بابا! عورتیں کہتی ہیں کہ علی کا پیٹ بڑا ہے۔۔۔ اس کے جواب میں آپ نے فرمایا:

اَمَا عَلِمْتِ اَنَّهٗ قَدْ مَلَاءَ عِلْمًا (بحار الانوار شیعہ 32/1)

کیا تم نہیں جانتی کہ وہ پیٹ علم سے بھرا ہوا ہے۔

یہ جملے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے متعلق استعمال فرمائے۔۔۔ اگر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا پیٹ علم سے بھر سکتا ہے تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا پیٹ علم سے کیوں نہیں بھر سکتا؟

ایک ضروری وضاحت

ہم امیر المومنین سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی وکالت کرتے

ہیں۔۔۔ ان کی عظمتوں کے تذکرے کرتے ہیں۔۔۔ ان کی اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لیے خدمات کا ذکر کرتے ہیں۔۔۔ ان کے فضائل ومناقب بیان کرتے ہیں۔۔۔ تو دشمنانِ معاویہ۔۔۔ عوام الناس کو ہم سے متنفر کرنے کے لیے اوران کے جذبات سے کھیلنے کے لیے۔۔۔ پروپیگنڈا کرتے ہیں کہ یہ لوگ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے مخالف ہیں۔۔۔ ان کے گستاخ ہیں۔۔۔ اور یہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا مرتبہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے زیادہ سمجھتے ہیں۔۔۔ میں اس کی وضاحت کرنا چاہتا ہوں کہ قرآن کے دلائل کی روشنی میں دیکھیں تو سیدنا علی اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہما کبھی بھی ہم پلہ اور ہم مرتبہ نہیں ہو سکتے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ ابتداء میں ایمان لائے بلکہ انہیں یہ شرف حاصل ہے کہ وہ بچوں میں سب سے پہلے ایمان لائے۔۔۔ ان کا شمار السابقون الاولون میں ہوتا ہے۔۔۔ انہوں نے ہجرت کی سعادت بہت پہلے حاصل کی تھی۔۔۔ پھر اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لیے انہوں نے جہاد بالسیف فرمایا۔۔۔ اور جہاد میں کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔۔۔ وہ بدر اور اُحد کے غازی ہیں۔۔۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ خندق کے ہیرو ہیں۔۔۔ خیبر میں قلعۂ قموص کے فاتح ہیں۔

حقیقت یہی ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا کوئی تقابل نہیں ہے۔۔۔ کہاں مظلومیت اور ناتوانی کے زمانے میں ایمان لانے والا اور کہاں کامیابیوں اور طاقت کے میسر آجانے کے بعد ایمان قبول کرنے والا؟

پنجابی میں کہتے ہیں:

”اوکھے ویلے دے سنگی تے سوکھے ویلے دے سنگی برابر نہیں ہوندے۔“

(مشکل وقت کے دوست اور آسان وقت کے دوست برابر نہیں ہوتے)

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے افضل یا برابر سمجھنا ایسی صریح اور واضح غلطی ہے جس طرح کربلا کی جنگ کو بدر واُحد کی جنگوں سے اعلیٰ سمجھنا۔۔۔ اور جس طرح کربلا کے شہداء کو بدر واُحد کے شہداء سے افضل اور اعلیٰ ماننا۔

کہاں فتح مکہ سے چھ سال پہلے لڑی جانے والی جنگ غزوہ بدر۔۔۔اور کہاں فتح مکہ کے تقریباً باون سال بعد واقعۂ کربلا۔۔۔کہاں بدر واُحد کے شہداء اور کہاں کربلا کے شہداء۔۔۔ذرا غور تو کرو۔۔۔ذرا عقیدت سے باہر نکل کر سوچو تو سہی۔۔۔!!!

بدر واُحد اور خندق وخیبر کے معرکے۔۔۔کفر واسلام اور حق وباطل کے مابین ہونے والے معرکے ہیں۔۔۔یہ معرکے کفار اور مومنین کے درمیان ہوئے۔۔۔یہ معرکے اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لیے ہوئے۔۔۔ان کا مقام کہاں۔۔۔؟ اور کہاں دو کلمہ گو گروہوں کے مابین جنگ اور خانہ جنگی۔۔۔؟

اگر مسلمانوں اور کفار کے درمیان جنگ ہو تو یقیناً یہ جنگ کفر واسلام اور حق وباطل کی جنگ ہوگی مگر دو مسلمان گروہوں کے درمیان غلط فہمیوں کی بنا پر تصادم اور ٹکراؤ ہو جائے۔۔۔تو یہ جنگ اور تصادم کفر واسلام کا تصادم نہیں ہوگا۔۔۔بلکہ یہ بھی ضروری نہیں کہ یہ تصادم حق وباطل کا تصادم ہو۔

دونوں جانب مسلمان ہوں۔۔۔ایک مرتبے کے ہوں یا افضل اور مفضول کے مابین تصادم ہو۔۔۔کسی صورت بھی یہ تصادم کفر واسلام کا تصادم نہیں سمجھا جائے گا۔ بلکہ اکثر حق اور ناحق کا تصادم بھی نہیں سمجھا جائے گا، ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ ایک احق ہو اور دوسرا حق پر ہو۔۔۔بہر حال یہ دونوں گروہ مسلمان اور مومن ہی رہیں گے۔

قرآن مجید کی اس آیت پر غور فرمایئے:

وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَىٰ فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِيءَ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ فَإِنْ فَاءَتْ فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ (الحجرات 9)

اگر مومنوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو دونوں میں صلح کرا دو پھر اگر ایک گروہ نے دوسرے پر زیادتی اور بغاوت کی ہے تو سب مسلمان مل کر اس سے جنگ کرو یہاں تک

کہ وہ اللہ کے فیصلے کی طرف واپس آجائے پھر اگر وہ اللہ کے فیصلے کی طرف واپس آجائے تو دونوں گروہوں میں عدل کے ساتھ صلح کرادو اور انصاف کرو اللہ یقیناً منصف مزاج لوگوں کو پسند کرتا ہے۔

اس آیت میں غور فرمایئے! قرآنی فیصلہ نے واضح کر دیا کہ مومنوں کے گروہوں کے درمیان بھی لڑائی اور جنگ ہوسکتی ہے اور اس لڑائی کے باوجود دونوں گروہ رہیں گے مومن ہی۔ ان میں سے کسی گروہ کے ایمان کے مشکوک ہونے کی گنجائش قرآن نے باقی نہیں چھوڑی۔

جنگ جمل۔۔۔ جس میں ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی فوجوں کے مابین۔۔۔ منافقین سبائیوں کی سازشوں کے باعث جنگ کی نوبت آئی۔

اور جنگ صفین جس میں سیدنا علی اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہما کی فوجیں منافقین کی گہری سازش کے نتیجہ میں آمنے سامنے آگئیں، ان جنگوں کو سورت الحجرات کی آیت نمبر 9 کے تناظر میں دیکھنے کی ضرورت ہے۔۔۔ اپنی طرف سے رائے زنی کرنا۔۔۔ اور جج بن کر ایک گروہ کو حق اور دوسرے کو باطل قرار دینا۔۔۔ قرآنی فیصلے کو جھٹلانے کے مترادف ہے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا نظریہ آیئے ذرا دیکھیں کہ جس بنا پر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو مطعون کیا جاتا ہے۔۔۔ اور جس وجہ سے ان پر تنقید کی جاتی ہے کہ انہوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے خلاف لشکر کشی کی تھی، تو ہم سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے پوچھ لیتے ہیں۔۔ کہ اے دامادِ نبی! آپ ہی بتلایئے۔۔۔! سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے جنگ کرنے کے باوجود آپ کا نظریہ اور آپ کا خیال ان کے بارے میں کیا ہے۔۔۔؟ کیا آپ ان کو مسلمان اور ایمان دار جانتے ہیں؟

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے فیصلے اور اعلان کے بعد کسی مسلمان کہلانے والے کو۔۔۔ اور کسی محب علی کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف بغض وحسد اپنے سینے میں پالے اور ان کے ایمان واخلاص میں شک کرے۔۔۔ اور ان کی خدمات کے بارے میں

کسی شبہ میں مبتلا ہو۔

آیئے! میں آپ حضرات کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا فیصلہ اور اعلان سناتا ہوں:

جنگ صفین کے بعد کچھ بدبختوں نے اہل شام اور امیر شام سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہنا شروع کیا تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ایک مراسلہ اپنے زیر حکومت علاقہ کے لوگوں کو روانہ فرمایا۔۔۔جس میں تحریر فرمایا:

وَكَانَ بَدَأُ اَمْرِنَا۔۔۔ ہمارے معاملے کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ۔۔۔ اَنِ الْتَقَيْنَا وَالْقَوْمُ مِنْ اَهْلِ الشَّامِ۔۔۔ ہمارا اور اہل شام (یعنی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ) کا مقابلہ ہوا۔۔۔ وَالظَّاهِرُ اِنَّ رَبَّنَا وَاحِدٌ وَنَبِيَّنَا وَاحِدٌ وَدَعْوَتَنَا فِي الْاِسْلَامِ وَاحِدَةٌ۔۔۔اور یہ بات تو ظاہر ہے کہ ہمارا اور ان کا رب ایک ہے۔۔۔ ہمارا اور ان کا نبی بھی ایک ہے۔۔۔ ہماری اور ان کی دعوت بھی ایک ہے۔۔۔ لَا نَسْتَزِيْدُهُمْ فِي الْاِيْمَانِ بِاللّٰهِ وَالتَّصْدِيْقِ بِرَسُوْلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا يَسْتَزِيْدُوْنَنَا۔۔۔ اللہ رب العزت کے ساتھ ایمان لانے میں اور اللہ کے رسول کی تصدیق کرنے میں نہ ہم ان سے زیادہ ہیں اور نہ وہ ہم سے زیادہ ہیں۔۔۔ وَالْاَمْرُ وَاحِدٌ اِلَّا مَا اخْتَلَفْنَا فِيْهِ مِنْ دَمِ عُثْمَانَ وَنَحْنُ مِنْهُ بُرَآءٌ

ہمارا اور ان کا دینی معاملہ ایک جیسا ہے صرف خونِ عثمان کے بارے میں ہمارا اور ان کا اختلاف ہو گیا ہے حالانکہ ہم خونِ عثمان سے بری ہیں۔

(نہج البلاغت خط ص 58 ص 448)

سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے اس مکتوب گرامی کو آپ نے سنا۔۔۔ ذرا اس پر غور و فکر فرمائیے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنے جیسا ایمان دار اور مخلص مسلمان سمجھ رہے ہیں۔۔۔ بلکہ ان کے ایمان پر مہر تصدیق ثبت فرما رہے ہیں۔۔۔ مگر افسوس اور تعجب ہے کہ آج سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی محبت کا دم بھرنے والا سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو کافر، منافق، فاسق،

فاجر، باغی اور نہ جانے کیا کچھ کہتا اور لکھتا رہتا ہے۔

کیا سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر تبراء کرنے والے نادان نے کبھی یہ غور نہیں کیا کہ جو فتویٰ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر چسپاں کیا جائے گا۔۔۔ اور جو گالی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو دی جائے گی۔۔۔ اور ایمان واخلاص کے معاملے میں جو الزام سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر عائد کیا جائے گا۔۔۔ اس کی زد میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی آئیں گے۔۔۔ کیونکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایمان کو اپنے ایمان جیسا قرار دیا ہے۔۔۔ اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایمان واسلام کی شہادت دی ہے۔

معاویہ رضی اللہ عنہ میرے بھائی ہیں

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی زبانِ مقدس سے ایک گواہی مزید پیش کرنا چاہتا ہوں ذرا توجہ سے سماعت فرمایئے! سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے جنگ صفین کے موقع پر پوچھا گیا کہ جو لوگ آپ کے مقابلے میں آئے ہیں:

اَمُشْرِكُوْنَ هُمْ۔۔۔ کیا وہ مشرک ہیں؟

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

لَا۔۔۔ وہ مشرک نہیں ہیں۔

پوچھنے والے نے کہا:

اَمُنَافِقُوْنَ هُمْ۔۔۔ تو کیا وہ منافق ہیں؟

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا؟

لَا۔۔۔ وہ منافق بھی نہیں ہیں۔

پوچھنے والے نے کہا:

پھر آپ کی نگاہوں میں ان کی حیثیت کیا ہے؟

جواب میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

هُمْ اِخْوَانُنَا بَغَوْا عَلَيْنَا (مصنف ابن ابی شیبہ $\frac{1013}{4}$)

وہ ہمارے بھائی ہیں جنہوں نے ہمارے خلاف زیادتی کی ہے۔

آپ تاریخ وسیرت اور احادیث کی کتب اٹھائیں اور پڑھیں۔۔۔آپ کی آنکھیں کھل جائیں گی کہ جولوگ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں سے قیدی بن کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اوران میں سے کسی کا انتقال ہوگیا۔۔۔تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ انہیں غسل دیا جائے اور کفنایا جائے۔۔۔پھرانہوں نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔

اسی طرح سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ دونوں لشکروں کے مقتولین کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

قَتْلَانَا وَقَتْلَاهُمْ فِي الْجَنَّةِ (مصنف ابن ابی شیبہ 1036/4)

ہمارے لشکر کے مقتول اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کے مقتول سب جنت میں جائیں گے۔

ان حوالہ جات سے۔۔۔اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ارشادات سے یہ بات روزِ روشن کی طرح نکھر کر سامنے آگئی کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اوران کے لشکر میں شامل افراد کو نہ مشرک سمجھتے تھے۔۔۔نہ کافر جانتے تھے۔۔۔اور نہ ہی منافق کہتے تھے۔۔۔بلکہ وہ ان کو اپنا دینی بھائی سمجھتے تھے اوران کو اپنے جیسا مومن مسلمان تسلیم کرتے تھے۔

تصویر کا دوسرا رخ

آیئے! اب میں آپ کو تصویر کا دوسرا رخ دکھاتا ہوں۔۔۔ کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کچھ اختلاف کے باوجود ان کا کتنا احترام کرتے تھے اوران کے بارے میں کس قدر حسن ظن رکھتے تھے۔

تاریخ اسلام کے اوراق میں آپ کو نظر آئے گا کہ سیدنا علی اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین جنگ جاری ہے۔۔۔منافقین کی شرارتوں، خباثتوں اور کارستانیوں کے نتیجے میں گھمسان کا رن پڑ رہا ہے۔۔۔کہ اس دوران قیصر روم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے علاقے پر قبضہ کرنے کا خطرناک منصوبہ بنایا۔۔۔اس کا خیال تھا کہ مسلمان آپس میں دست وگریبان

ہیں اور مجھے اس سے زیادہ مناسب موقع کبھی میسر نہیں آئے گا۔

اس نے سوچا کہ اس وقت سیدنا علی رضی اللہ عنہ اندرونی طور پر سخت مشکل میں ہیں۔۔۔ ان کی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے ٹھنی ہوئی ہے۔۔۔ میرے اس اقدام سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بھی خوش ہوں گے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو قیصر روم کے خطرناک اور زہریلے عزائم کی اطلاع ملی تو بے حد پریشان ہوئے۔۔۔ کیونکہ بیک وقت دو محاذوں پر جنگ لڑنا۔۔۔ اور دو محاذوں پر جنگ کا جاری رکھنا ان کے لیے بہت دشوار اور مشکل تھا۔۔۔ مگر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی اس پریشانی اور اضطراب کو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی للکار نے دور کر دیا۔

قیصر روم کے اس ارادے کی اطلاع جب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو ہوئی۔۔۔ تو وہ بے چین ہو گئے اور اسی وقت ایک خط قیصر روم کے نام تحریر فرمایا جس کے ذریعے انہوں نے قیصر روم کی غلط فہمیوں کو اس خوبصورتی کے ساتھ دور کیا کہ خط لکھنے کا حق ادا کر دیا۔۔۔ خط کیا تھا؟ ایک مؤثر ہتھیار تھا۔۔۔ پُر مغز، مؤثر اور جلال سے بھرپور۔۔۔ رعب و دہشت کا مجسمہ، جسے پڑھ کر قیصر روم کے حواس اُڑ گئے اور اوسان خطا ہو گئے۔۔۔ قیصر روم پر ایسی دہشت اور ایسا رعب طاری ہوا کہ اس کے قدم جہاں تھے وہیں رک گئے۔۔۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے خط کا مضمون اور طرزِ تحریر کس قدر ایمان افروز اور کفر سوز ہے یہ ایک الگ حقیقت ہے۔۔۔ مگر خط کی ابتداء میں آپ نے جس تلخ و تیز اور رعب دار اور جلال سے بھرپور لہجے میں قیصر روم کو مخاطب کیا ہے وہ انداز اپنی جگہ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ کی عملی تصویر ہے۔

خط کے آغاز میں تحریر فرمایا:

وَاللّٰہِ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَہِ وَلَمْ تَرْجِعْ اِلٰی بِلَادِکَ یَا لَعِیْنُ

اے لعنتی انسان! مجھے اپنے اللہ کی قسم ہے اگر تو اپنے ارادے سے باز نہ آیا اور اپنے شہروں کی طرف واپس پلٹ نہ گیا۔۔۔ تو کان کھول کر سن!

لَأُصْلِحَنَّ أَنَا وَابْنُ عَمِّي عَلَيْكَ

پھر میں اور میرے چچازاد بھائی تیرے خلاف صلح کر لیں گے۔

وَلَأُخْرِجَنَّكَ مِنْ جَمِيعِ بِلَادِكَ وَلَأُضَيِّقَنَّ عَلَيْكَ الْأَرْضَ بِمَا رَحُبَتْ

پھر تجھے تیرے ملک سے نکال دیں گے اور زمین باوجود وسعت کے تم پر تنگ کر دیں گے۔

فَعِنْدَ ذٰلِكَ خَافَ مَلِكُ الرُّوْمِ وَانْكَفَّ (البدایہ والنہایہ 119/8)

چنانچہ قیصر روم اس خط سے ڈر گیا اور اپنے ارادے سے رک گیا۔

سامعین گرامی قدر! اس سلسلہ میں۔۔۔ میں ایک اور واقعہ آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں اور پھر فیصلہ آپ پر چھوڑ دیتا ہوں کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ، سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے اختلاف کے باوجود ان کا کس قدر احترام کرتے تھے؟

امیر المومنین سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ شہید ہوئے۔۔۔ اور یہ خبر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ تک پہنچی تو وہ رونے لگے (حالانکہ اس وقت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ خود بھی شدید زخمی تھے)

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس قدر غمگین اور پریشان دیکھ کر ان کی اہلیہ محترمہ نے کہا۔۔۔ أَتَبْكِيْهِ وَقَدْ قَاتَلْتَهُ۔۔۔ آج آپ ان پر رو رہے ہیں حالانکہ زندگی میں آپ ان سے لڑ چکے ہیں؟

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اہلیہ کو جواب دیتے ہوئے فرمایا۔۔۔ وَيْحَكِ إِنَّكِ لَا تَدْرِيْنَ مَا فَقَدَ النَّاسُ مِنَ الْفَضْلِ وَالْفِقْهِ وَالْعِلْمِ (البدایہ والنہایہ 130/8)

افسوس ہے تم پر۔۔۔ تمہیں پتہ نہیں کہ آج لوگ کتنے علم و فضل اور تفقہ سے محروم ہو گئے۔

اس سلسلہ میں ایک بات مزید آپ کو سنانا چاہتا ہوں۔

سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد۔۔۔ ان کا ایک عزیز ترین

شاگرد اور ساتھی ضرار صدائی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچا۔۔۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ضرار صدائی سے کہا کہ تم سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ہاں رہے ہو۔۔۔ تم نے انہیں قریب سے دیکھا ہے۔۔۔ ان کے کچھ اوصاف وصفات ہمیں بھی بتاؤ۔

ضرار صدائی نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے اوصاف بیان کرتے ہوئے کہا:

رَحِمَ اللّٰهُ عَلِيًّا كَانَ وَاللّٰهِ طَوِيْلَ السَّهَادِ قَلِيْلَ الرُّقَادِ يَتْلُوْا كِتَابَ اللّٰهِ اٰنَاءَ اللَّيْلِ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ

اللہ رب العزت سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے اللہ گواہ ہے وہ بہت زیادہ جاگنے والے بہت کم سونے والے اور دن رات کے اکثر حصے میں قرآن کی تلاوت کرنے والے تھے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے یہ اوصاف سن کر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ رونے لگ گئے۔۔۔ آنسوؤں سے ان کی داڑھی تر ہوگئی اور ضرار صدائی سے کہنے لگے:

حَسْبُكَ يَا ضِرَارُ كَذٰلِكَ كَانَ وَاللّٰهِ عَلِيٌّ رَحِمَ اللّٰهُ اَبَا الْحَسَنِ

(الاستیعاب مع الاصابہ 44/3 ، حلیۃ الابرار 338/1)

ضرار بس کرو اللہ کی قسم علی ایسے ہی تھے اللہ ابو الحسن (سیدنا علی رضی اللہ عنہ) پر رحم کرے۔

ان تمام حوالہ جات سے۔۔۔ اور ان تمام واقعات سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین اختلاف کفر و اسلام اور حق و باطل کا اختلاف نہیں تھا۔

بلکہ شرارتی عناصر اور منافقین نے دونوں لشکروں میں شامل ہو کر۔۔۔ ایک دوسرے کے بارے میں غلط فہمیاں پھیلائیں تھیں جنہوں نے بعد میں جا کر جنگ کی صورت اختیار کر لی۔

مگر باوجود اس جنگ کے۔۔۔اور باوجود اس لڑائی کے وہ ایک دوسرے کو مومن اور مسلمان سمجھتے تھے۔۔۔ایک دوسرے کے مقتولین کو جنتی جانتے تھے۔۔۔ان کے کفن ودفن کا انتظام کرتے تھے۔۔۔ دشمنانِ اسلام کے خلاف متحد تھے۔۔۔ اور قرآنی ارشاد۔۔۔رُحَمَآءُ بَیۡنَهُمۡ کے مصداق آپس میں بھائی بھائی تھے۔

وہ ایمان واسلام کے معاملے میں اپنے آپ کو دوسرے پر فوقیت نہیں دیتے تھے۔۔۔وہ سب ایک اللہ کے ماننے والے اور ایک رسول کے امتی ونام لیوا تھے۔۔۔وہ سب ایک ہی دین یعنی دین اسلام کے داعی تھے۔۔۔وہ سب کفر سے نفرت کرنے والے تھے۔

ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے بغض نہیں تھا۔۔۔عناد نہیں تھا۔۔۔ بلکہ وہ بھائی بھائی تھے۔۔۔وہ ایک دوسرے کے اوصاف سن کر روتے اور ان کے اوصاف کی شہادت دیتے تھے۔

ان تمام امور کی وضاحت کے بعد بھی۔۔۔اگر کوئی شریف آدمی یہ پروپیگنڈا کرتا ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے دشمن تھے۔۔۔۔۔تو کیا وہ حقائق وشواہد کی تکذیب نہیں کر رہا۔۔۔؟ یقیناً ایسے نظریے اور خیال والا شخص سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا حب دار نہیں ہوسکتا۔

وما علینا الا البلاغ المبین
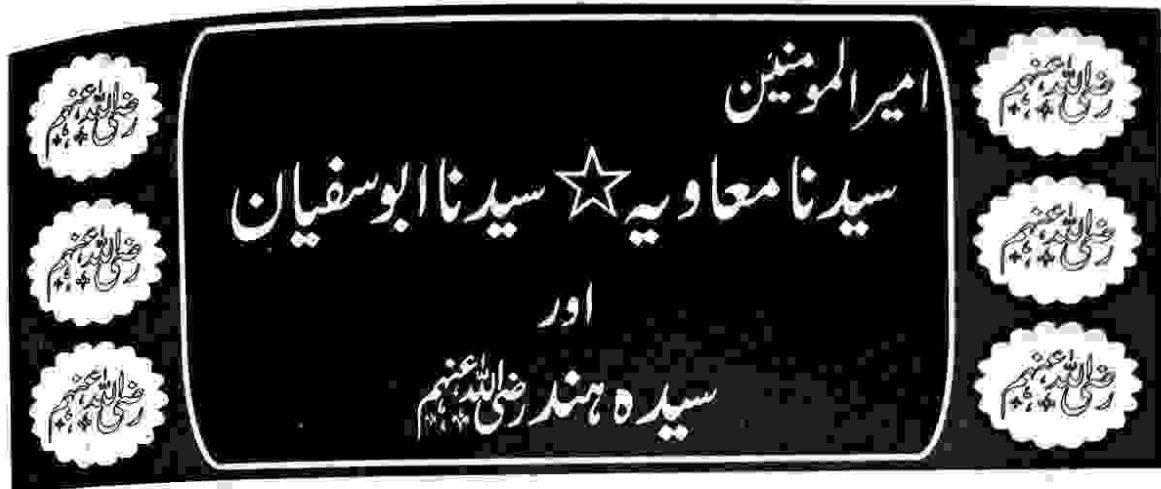
نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ الْاَمِیْنِ

وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

لَا یَسْتَوِیْ مِنْکُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ اُولٰٓئِکَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا وَکُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰی وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ (الحدید 10)

سامعین گرامی قدر! امیر المومنین سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم کی مقدس جماعت میں بڑی نمایاں حیثیت سے شامل ہیں۔۔۔فتح مکہ سے پہلے بلکہ سات ہجری میں ہونے والے عمرۃ القضا سے بھی پہلے دائرۂ ایمان میں داخل ہو کر صحابیت کے شرف سے مالا مال ہو چکے تھے۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیرت وعظمت کا عنوان۔۔۔ان کی شان اور کردار۔۔۔اور خدمات کا موضوع اتنا وسیع ہے۔۔۔اور ان کی حیاتِ طیبہ کے اتنے حصے اور گوشے ہیں کہ مختصر سے وقت میں ان کا احاطہ کرنا ناممکن ہے۔

میرے لیے مسئلہ اور پرابلم یہ ہے کہ ان کی سیرت وعظمت اور اسلام کے لیے ان کی خدمات کے کس حصے کو موضوعِ سخن بناؤں۔۔۔ اور گفتگو کو کہاں سے شروع کروں۔

یقین جانیے! سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت جتنی عظیم ہے اتنی ہی مظلوم بھی ہے۔۔ تاریخ اسلام کا یہ عبقری انسان اور رفیع المرتبت شخصیت شاید تمام اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم میں سب سے زیادہ مظلوم ہے۔

مظلوم اس لحاظ سے

مظلوم اس اعتبار سے کہ ایک طبقہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو مسلمان ماننے کے لیے بھی تیار نہیں۔۔۔ وہ انہیں ظالم اور کافر تک سمجھتے ہیں اور کہتے بھی ہیں۔۔۔ ان کے نزدیک سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ شاید دنیا کا (العیاذ باللہ) سب سے بڑا ظالم اور عیار شخص ہے۔

مگر مجھے اس طبقہ کی معاویہ دشمنی پر۔۔۔ اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر ان کے فتوؤں اور تبراء پر کوئی تعجب نہیں ہے۔۔۔ کیونکہ جو طبقہ اس شخصیت کو مومن ماننے کے لیے تیار نہیں۔۔۔ جو اس امت کا پہلا مومن ہے۔۔۔ یارِ غار ہے۔۔۔ رفیق نبوت ہے۔۔۔ ہجرت کا ہم سفر ہے۔۔۔ خلیفۂ اول بلا فصل ہے۔۔۔ اور آج بھی محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہے۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے متعلق منفی نظریات رکھنے والا بدبخت اگر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر تنقید کے نشتر چلائے تو تعجب کیسا۔۔۔۔؟ مجھے اس طبقہ کی معاویہ دشمنی پر کوئی تعجب نہیں جو اس شخصیت کے ایمان میں شک کر رہا ہے جو مرادِ نبی ہے۔۔۔۔ جو دامادِ علی ہے۔۔۔۔ جو خلیفۂ ثانی لاثانی ہے۔۔۔ جو اتنا عظیم اور دانا اور معاملہ فہم ہے کہ بارہا وحی الٰہی نے اس کے مشورے کی تائید کی۔

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جیسی اتنی عظیم شخصیت کے ایمان میں شک کرنے والا بدبخت اگر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر تنقید کرتا ہے تو تعجب کیسا۔۔؟ مجھے اس طبقہ کی معاویہ دشمنی پر

چنداں تعجب نہیں ہے جو اس شخصیت کا حیا نہ کرے جس سے اللہ کا نبی بھی حیا کرتا ہو اور آسمان کے فرشتے بھی حیا کرتے ہوں۔۔۔ جو میرے نبی کا دوہرا داماد ہے۔۔۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا ہم زلف اور حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کا خالو ہے۔۔۔ سخاوت کا بادشاہ ہے۔۔۔ جو طبقہ سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کو معاف کرنے کے لیے تیار نہیں وہ طبقہ اگر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر تبراء کرے تو تعجب کیسا۔۔۔؟

مجھے اس طبقہ پر کوئی تعجب نہیں۔۔۔ جو اس خاتون کا حیا نہ کرے جس پر رب کے سلام آئیں۔۔۔ جسے جبریل سلام کہے۔۔۔ جس کے بستر پر جبریل قرآن لے کر اترتا ہو۔۔۔ جس کی پاکدامنی کی شہادتیں قرآن میں خود رب نے دی ہوں۔۔۔ جو حبیبۂ حبیب رب العالمین ہو۔۔۔ جو ام المومنین کے منصب پر فائز ہو۔۔۔ جو بدبخت اتنے اوصاف والی سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا حیا نہیں کرتا اور انہیں مومنہ ماننے کے لیے تیار نہیں وہ اگر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر تنقید کرے۔۔۔ تبراء کرے تو گلہ کیسا اور شکوہ کیسا۔۔۔؟

ایک طبقہ نے خلفاءِ ثلاثہ کے ایمان میں شک کیا۔۔۔ ان پر تبراء کیا۔۔۔ انہیں ظالم اور کافر تک کہا۔۔۔ مگر کوئی اہل سنت کہلانے والا سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی توہین کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔۔۔ کوئی سنی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ پر تنقید نہیں کرتا۔۔۔ کوئی اہل سنت کا مدعی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ایمان میں شک نہیں کرتا۔۔۔ کوئی سنی سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تبراء نہیں کرتا۔۔۔ مگر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اصحابِ رسول میں ایسی مظلوم شخصیت ہے کہ دشمنانِ اصحابِ رسول نے انہیں کافر اور ظالم تک کہا۔۔۔ اور اہل سنت کے کچھ دعویداروں کے ذہنوں میں بھی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق وہ عقیدت و پیار، نظریات و خیالات اور جذبات ویسے نہیں رہے جیسے ان کے ذہنوں میں عقیدت و محبت دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں عموماً پائی جاتی ہے۔

تاریخ کی تاریکیوں میں گم ہو کر وہ اہل سنت۔۔۔ بڑے دھڑلے اور بے باکی

ہے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو باغی، خاطی، فتنے کا بانی، بدعات کا مرتکب، خلافت کو ملوکیت میں بدلنے والا، کنبہ پرور، مفاد پرست، بیت المال میں خیانت کرنے والا۔۔۔ اور نہ جانے کیا کچھ کہتے اور لکھتے رہتے ہیں۔

جن حضرات کے قلم سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی کردار کشی میں فراٹے بھرتے رہے ان میں بعض بڑے نامور لوگ بھی ہیں۔۔۔ ان کے بڑے بڑے معروف شاگرد ہیں۔۔۔ اور ہزاروں کی تعداد میں عقیدت مند بھی ہیں۔ ان بزرگوں کے نظریات وخیالات کی تردید کی جائے تو ان کے شاگرد اور معتمد سیخ پا ہو جاتے ہیں کہ دیکھو جی بزرگوں پر تنقید ہو رہی ہے۔

ہم سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا دفاع کرتے ہوئے ایسے حضرات کی خبر لیتے ہیں اور ان کے شبہات کے جواب دینے کی کوشش کرتے ہیں۔۔۔ ہم نے کہا۔۔۔ پہلے یہ فیصلہ کرو کہ بڑا بزرگ کون ہے؟ تمہارا استاذ یا سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ؟ تمہارا مرشد یا سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ؟ تمہارا لیڈر یا سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ؟

تمہارے اساتذہ جیسے لوگوں سے ساری دھرتی بھر جائے اور تمہارے مرشد جیسے لوگوں سے اللہ کی ساری زمین بھر جائے تب بھی وہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے قدموں کی خاک کو نہیں پہنچ سکتے۔

تیرا استاذ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر تنقید کرے تو تجھے تکلیف نہیں ہوتی۔۔۔ تیرے ماتھے پر شکنیں نمودار نہیں ہوتیں۔۔۔ تیرے چہرے پر غصے اور غضب کے آثار نظر نہیں آتے۔۔۔ اور جب تیرے استاذ اور مرشد پر تنقید ہو اور وہ بھی اس لیے کہ اس نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر تنقید کی ہے تو تیرے ماتھے پر نمودار ہونے والی شکنیں گنی نہیں جا سکتیں۔

ایک صاحب نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھا۔۔۔ ماشاء اللہ اہل سنت کے مدعی ہیں اور سیّد ہیں۔

''سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں پورے ذخیرۂ حدیث میں ایک روایت بھی صحیح نہیں ہے۔'' (استخلاف یزید 118)

ایک جگہ تحریر کرتے ہیں:

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خطا اجتہادی نہیں بلکہ عنادی (ضد پر مبنی) تھی اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ حق پر تھے اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ باطل پر۔ (استخلاف یزید)

انہوں نے لکھا کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں زبانیں مُقفّل ہو چکی تھیں۔۔۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے عصبیّت مضر کی پشت پناہی میں اپنے بیٹے کو نامزد کر دیا، کچھ مسلمانوں نے قتل کے ڈر سے چپ سادھ لی، کچھ اپنے عہدوں کی وجہ سے خاموش تھے، بعض کے منہ سونے چاندی سے بھر دیئے گئے۔ (استخلاف یزید 316)

چکوال کے ایک مشہور و معروف عالم نے تحریر کیا کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ مہاجرین میں سے بھی نہیں اور انصار میں سے بھی نہیں، تیسرا طبقہ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُم بِإِحْسَانٍ ہے مگر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی پیروی کے بجائے مخالفت کی اور زبانی مخالفت نہیں کی بلکہ قتال کیا اس صورت میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے موقف کو کون صحیح کہہ سکتا ہے۔

(خارجی فتنہ 476)

خارجی فتنہ کے مُصنّف کو کون بتائے؟ کہ چوّن صوبوں کے مسلمانوں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر کے ان کے موقف کی تائید کی تھی۔۔۔۔ ہزاروں اصحابِ رسول نے انہیں اپنا امام مان کر ان کے موقف کی تائید کی تھی۔۔۔ آنکھیں کھولو۔۔۔! اور دیکھو۔۔۔! سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے دونوں شہزادوں نے خلافت سے دستبردار ہو کر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت خلافت کر کے ان کے موقف کو صحیح تسلیم کیا۔

جماعت اسلامی کے بانی نے تحریر کیا:

"دیت کے معاملے میں بھی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سنت کو بدل دیا۔۔۔۔ایک اور مکروہ بدعت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں یہ شروع ہوئی کہ وہ خود اور ان کے حکم سے ان کے تمام گورنر خطبوں میں برسر منبر سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر سبّ وشتم کی بوچھاڑ کرتے تھے۔۔۔۔مالِ غنیمت کی تقسیم کے بارے میں بھی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے صریح احکام کی خلاف ورزی کی۔۔۔سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے گورنروں کو قانون سے بالاتر قرار دے دیا اور ان کی شرعی زیادتیوں پر شرعی احکام کے مطابق کارروائی کرنے سے انکار کردیا۔" (خلافت وملوکیت 172-174-175)

جماعت اسلامی کے بانی نے ایک صحابیٔ رسول کی جو کاتب وحی بھی ہے جسے جبریل امین نے وحی لکھنے پر امین قرار دیا۔۔۔۔اس معاویہ رضی اللہ عنہ کی کیا حسین تصویر پیش کی ہے کہ وہ قرآن وسنت کے صریح احکام کی خلاف ورزی کرتے تھے۔۔۔۔منبر پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ جیسی شخصیت کو گالیاں نکالتے تھے۔

(میرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوْقٌ۔۔۔کسی مسلمان کو گالی دینا فسق ہے) (بخاری 12/1) اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ جیسے صحابی کو گالی دینا کتنا بڑا فسق ہوگا، اُدھر اللہ کا قرآن کہتا ہے:

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيْمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ أُولٰئِكَ هُمُ الرَّاشِدُوْنَ (الحجرات 7)

لیکن اللہ نے (اے اصحابِ رسول) ایمان کو تمہارا محبوب بنا دیا ہے اور اسے تمہارے دلوں میں مزین کر دیا ہے اور کفر وفسوق کو اور نافرمانی کو تمہاری نگاہوں میں ناپسندیدہ بنا دیا ہے یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔

قرآن کہتا ہے میرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ فسوق وفجور سے دور ہیں۔۔۔تم نے سب کی بات کو نہ مانا اور تاریخ۔۔۔بے سند تاریخ کی بات کا اعتبار کرلیا کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ

منبر پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو گالیاں دیتے تھے۔

میں تمہیں کیا کہوں۔۔۔؟ تمہاری عقل کا ماتم کروں۔۔۔قرآن کو چھوڑ کر تاریخ پر یقین کر رہے ہو۔۔۔قرآن کے بجائے تاریخ کو سینے سے لگا رہے ہو۔

حضرات گرامی قدر! میرا مقصد اور میرا مدعا کسی شخص کو مطعون کرنا نہیں ہے۔۔۔ اوچھی تنقید کرنا مقصود نہیں ہے۔۔۔کسی بزرگ اور اہل علم کی تنقیص مقصود نہیں ہے۔۔۔کسی محقق اور مفکر اسلام پر طعن کرنا بھی مقصود نہیں ہے۔۔۔کسی مؤرخ کی کردار کشی مقصود نہیں ہے۔۔۔کسی خطیب اور عالم کی ہتک مقصود نہیں ہے۔

میں تو صرف آپ حضرات کے سامنے ایک آئینہ رکھ رہا ہوں اور آپ کو سمجھانا چاہتا ہوں اور بتانا چاہتا ہوں کہ خلفاء ثلاثہ کے اور باقی اصحابِ رسول کے دشمن تو رہے اپنی جگہ۔۔۔سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ایسا مظلوم صحابی ہے کہ اہل سنت کہلانے والے بعض حضرات بھی ان کے بارے میں اپنے قلم، اپنے ذہن اور زبان کا توازن برقرار نہ رکھ سکے۔

یہ حضرات سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی دشمنی کا شکار صرف اس لیے ہوئے۔۔۔اور یہ حضرات سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر تنقید صرف اس لیے کرنے پر مجبور ہوئے کہ وہ یزید دشمنی میں بہت آگے نکل گئے ہیں۔۔۔۔یزید سے عداوت۔۔۔۔یزید سے مخالفت۔۔۔۔یزید سے دشمنی۔۔۔۔یزید سے بے جا بغض۔۔۔۔یزید کی کردار کشی۔۔۔یزید کے عمال کے معاملات۔۔۔اس میں الجھ کر یہ حضرات یزید کے والد گرامی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے دامن کو داغ دار کرنے پر مجبور ہوئے۔۔۔ایک عقل مند آدمی اور ذی ہوش شخص سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ یزید اگر فاسق و فاجر تھا، بد اعمال تھا، کبوتر باز اور شراب نوش تھا۔۔۔کنجریوں کی محفل کرواتا تھا۔۔۔بے نماز اور بد خصلت تھا۔۔۔تو پھر جس معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایسے بد کردار شخص کو امت کی گردن پر مسلط کر دیا تھا۔۔۔اس معاویہ (رضی اللہ عنہ) کا دامن صاف اور شفاف کیسے ہو سکتا ہے؟

لوگو! جذباتی اور خیالی بلند پروازیوں سے الگ ہو کر۔۔۔ تاریخی جھوٹوں اور بے سروپا روایات سے کنارہ کش ہو کر، ٹھوس علمی دلائل اور حقیقی بنیادوں پر غور و فکر کیا جائے۔ اور صحیح روایات کو دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا دامن مقدس۔۔ گناہوں کی آلودگیوں سے اور معصیت کے داغوں سے اسی طرح پاک ہے جس طرح سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور دیگر اصحابِ رسول کا دامن پاک ہے۔

میں اربابِ علم و دانش کو دعوتِ فکر دیتا ہوں کہ ایک منٹ کے لیے فرض کر لیتے ہیں کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے سیاسی خطا ہوئی۔۔۔ لیکن کاتب وحی، فاتح قبرص، پہلے بحری بیڑے کے موجد، پہلے بحری لشکر کے سالار، امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعاؤں کے مصداق صحابی کو۔۔۔ ایک یا دو سیاسی لغزشیں اتنا حقیر اور پست بنا سکتی ہیں کہ لوگ اس کی گستاخی اور بے ادبی پر اتر آئیں۔۔۔ اور اس صحابی کا احترام اور عظمت بھی ہمارے دلوں سے نکل جائے۔۔۔ ہم بلا تکلف اور بلا جھجک اس پر تنقید شروع کر دیں۔۔۔ کبھی اسے باغی کہیں، کبھی اسے خاطی کہیں، کبھی جنگ و تفرقہ کا بانی کہیں۔۔۔ اور پھر سب حدود پھلانگ کر اسے منافق کہہ گزریں۔

میرے بھائیو! ذرا انصاف سے بتاؤ اور عدل سے فیصلہ کرو۔۔۔ کہ اگر ستارہ کبھی سیاہ بدلیوں کے اندر آ جائے تو اتنا بے نور ہو جاتا ہے کہ تیل سے جلنے والے چراغ اس کا منہ چڑانے لگیں؟

کیا یہ ارشادِ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں ہے کہ میرے تمام صحابہ ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے جس کی بھی اقتدا اور پیروی کرو گے ہدایت پا جاؤ گے۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ایسا مظلوم صحابی ہے کہ ان کے ساتھ دشمنی اور بغض کی وجہ سے ان کے خاندان۔۔۔ بنو امیہ کی کردار کشی ہوئی۔۔۔ بنو امیہ کو بدنام کرنے کی پوری کوشش ہوئی۔۔۔ ہر برائی اور ہر عیب بنو امیہ کے کھاتے میں ڈال دیا گیا۔۔۔ ان کی اسلام دوستی،

دین کے لیے خدمات اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے قربانیوں پر پردے ڈالنے کی سازشیں کی گئیں۔۔۔ان کی خامیوں کو اچھالا گیا اور ان کے کارناموں کو چھپایا گیا۔

اس کی بنیادی وجہ اور سبب یہ بنا کہ تاریخ بنو عباس کے دور میں مرتب ہوئی اور بنو عباس بنو امیہ کا تختہ الٹ کر برسر اقتدار آئے تھے۔۔۔اور بنو امیہ کے مقتولوں اور زخمیوں کے جسموں پر دستر خوان بچھا کر کھانا کھاتے رہے تھے۔۔۔آپ خود فیصلہ کریں جو اتنے متعصب، مخالف اور دشمن ہوں انہوں نے تاریخ مرتب کروائی۔۔۔تو کیا وہ اپنے مخالفین (سیدنا معاویہ، سیدنا ابو سفیان، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہم وغیرہ) اور اولادِ معاویہ کی خوبیاں بیان کریں گے یا خامیاں اور کمزوریاں؟

ایک مثال میں ایک مثال کے ذریعہ آپ کو تاریخ کی حقیقت بتاتا ہوں۔۔۔

ہمارے ملک کی سیاست میں ایک نمایاں نام اور کردار ہے ذوالفقار علی بھٹو کا۔۔۔ 1971ء میں برسر اقتدار آئے اور 1978ء میں انہیں سزائے موت کے طور پر پھانسی پر چڑھا دیا گیا، انہوں نے تقریباً ساڑھے چار سال حکومت کی۔

آج ان کو پھانسی ہوئے بیالیس سال کا عرصہ بیت گیا ہے۔۔۔آپ میں سے جن کی عمر پچاس سال کے لگ بھگ ہے۔۔۔انہوں نے بھی شعوری طور پر بھٹو کا دورِ حکومت نہیں دیکھا۔۔۔اگر آپ یا آج سے بھی پچاس سال بعد آنے والا شخص بھٹو کو پڑھنا یا سمجھنا چاہتا ہے تو اس کی کیا صورت ہے۔۔۔؟ ظاہر بات ہے تاریخ ہی بھٹو کو سمجھنے کا ذریعہ ہے۔

اگر تاریخ مرتب کرنے والا پیپلز پارٹی کا رکن ہوگا۔۔۔بھٹو کا دوست ہوگا تو وہ بھٹو صاحب کی خوبیوں کا تذکرہ کرے گا۔۔۔وہ لکھے گا بھٹو صاحب نے اسلامی سربراہی کانفرنس منعقد کی۔۔۔تمام مسلمان حکمرانوں کو پاکستان میں جمع کیا۔۔۔جمعۃ المبارک کی سرکاری چھٹی منظور کی۔۔۔مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے میں نمایاں کردار ادا کیا۔۔۔پاکستان کے نوے ہزار گرفتار فوجیوں کو ہندوستان کی قید سے رہا کروایا، وغیرہ

وغیرہ۔

وہ خوبیاں بیان کرے گا اور خامیوں پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرے گا۔۔۔جس شخص کے پاس یہ تاریخ پہنچے گی وہ سمجھے گا کہ بھٹو سے بڑھ کر مسلمان کوئی نہیں اور مسلمانوں کا خیرخواہ بھی اس سے بڑھ کر کوئی نہیں۔

اور اگر تاریخ لکھنے والا بھٹو کا مخالف ہوگا۔۔۔تو وہ خوبیوں پر پردہ ڈالے گا اور خامیوں کو نمایاں کر کے بیان کرے گا۔۔۔وہ لکھے گا کہ مشرقی پاکستان کو بنگلہ دیش بنانے میں بھٹو کا کردار بھی تھا۔۔۔اس کے دور میں خواجہ رفیق کو لاہور کی سڑکوں پر ڈاکٹر نذیر کو ڈیرہ غازی خان میں۔۔۔عبدالصمد اچکزئی کو بلوچستان میں اس کے ایما پر مارا گیا۔۔۔ احمد رضا قصوری کے والد کو لاہور میں قتل کروایا جس کی پاداش میں اسے پھانسی ہوئی۔۔۔وہ لکھے گا کہ بھٹو صاحب نے قذافی اسٹیڈیم لاہور کے جلسۂ عام میں کہا تھا "پیتا ہوں بس تھوڑی سی پیتا ہوں۔"

جس شخص کے پاس یہ تاریخ پہنچے گی وہ پڑھ کر ذہن بنالے گا کہ بھٹو بڑا غلط اور ظالم شخص تھا۔۔۔بس یہی حال ہماری تاریخ کا ہے۔

میں نے عرض کیا نا کہ تاریخ مرتب ہوئی بنوعباس کے دور میں۔۔۔۔۔بنوعباس بنوامیہ کا تختہ الٹ کر برسر اقتدار آئے تھے،انہوں نے چھ سو سال حکومت کی اور حکومت بھی تقریباً آدھی دنیا پر۔۔۔ابومسلم خراسانی اس کے متعدد وزراء۔۔۔مامون الرشید عباسی جس نے شیعیت قبول کر لی تھی اس نے تو یہاں تک اعلان کروایا کہ میری ریاست میں جو شخص سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں بولے گا تو حکومت اس کی حفاظت سے بری ہے۔

اس سے بھی آگے بڑھ کر مامون نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ان کے والد سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور بنوامیہ کے خاندان کی خامیوں،غلطیوں کے بارے میں۔۔۔اور ان کی مذمت میں ایک کتاب تحریر کروائی جسے طبری نے اپنی تصنیف تاریخ الامم والملوک میں محفوظ کر لیا اور

اس طرح سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے خاندان پر سب و شتم اور لعنت کا دروازہ ہمیشہ کے لیے کھول دیا گیا۔۔۔ طبری کو چونکہ سنی مؤرخ سمجھا جاتا ہے۔۔۔ اس لیے اس کی تحریر سے متاثر ہو کر اہل سنت کا ایک طبقہ ہمیشہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیزار رہا۔

پھر لطف کی بات یہ ہے کہ تاریخ کے جن حوالوں پر لوگ رقص کر رہے ہیں ان کے راوی کون ہیں۔۔۔؟ تاریخ مرتب کرنے والے کون ہیں۔۔۔؟ ان کے بیان کردہ واقعات کی سند کیا ہے۔۔۔؟ بھائی ہم بغیر سند کے حدیث ماننے کے لیے تیار نہیں۔۔۔ آپ بغیر سند کے ہم سے لوط بن یحییٰ ابو مخنف کی باتیں منوانا چاہتے ہیں۔۔۔۔ جو پرلے درجے کا کذّاب اور وضّاع تھا۔۔۔۔ آپ ہم سے محمد بن اسحاق جیسے لوگوں کے اقوال منوانے پر مصر ہیں۔۔۔۔ آپ کہتے ہیں ہم ابن ہشام کی باتوں پر ایمان لائیں۔۔۔۔ ہم ابن جریر طبری کی بیان کردہ روایات کو مانیں جو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر لعنت کرتا ہے۔

آپ ہم سے مسعودی جیسے شیعہ کی باتیں منوانا چاہتے ہیں۔۔۔ آپ ہم سے اصفہانی کی تحریریں منوانا چاہتے ہیں۔۔۔ آپ ہمیں تاریخ کی تاریکیوں میں لے جانا چاہتے ہیں۔

تاریخ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر ظلم کیا۔۔۔ اور ظلم بھی اتنا کہ ان کی وجہ سے ان کے پورے خاندان بنو امیہ کو بھی بدنام کرنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی۔۔۔ انہیں ظالموں کے روپ میں پیش کیا گیا۔۔۔ ہمارے ملک کے ایک عالمی مبلغ اپنی اکثر تقریروں میں بنو امیہ کا تذکرہ اس حقارت اور نفرت سے کرتے ہیں جیسے بنو امیہ کوئی کمیوں کا خاندان ہو۔۔۔ وہ باقاعدہ ماتم کرتے ہوئے اور ''ہائے ہائے'' کرتے ہوئے اور ''آہ آہ'' بنو امیہ سے منسوب ظلم کی داستانیں سناتے ہیں۔۔۔ بنو امیہ نے یہ کیا اور بنو امیہ نے یہ کیا۔

ہم نے کہا تمہیں یہ علم نہیں کہ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چار بیٹیوں میں سے تین بیٹیاں بنو امیہ کے خاندان میں بیاہیں۔۔۔ صرف ایک بیٹی ہاشمی خاندان میں دی۔

ہجرت کرنے کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مدینہ طیبہ میں آئے تو میٹھے پانی کا صرف ایک کنواں تھا جو یہودی کے قبضے میں تھا۔۔۔وہ پانی فروخت کرتا تھا۔۔۔امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو کنواں خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کر دے میں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔۔۔بتلاؤ کون اٹھا تھا؟ ہاشمی خاندان کا کوئی فرد یا بنوامیہ کا سپوت سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ؟

مسجد نبوی کی جگہ تنگ پڑ گئی۔۔۔۔نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ساتھیوں کو توجہ دلائی۔۔۔جگہ خرید کر وقف کرنے والے کو جنت کی ضمانت دی۔۔۔بتاؤ کون تیار ہوا تھا۔۔۔؟ بنوامیہ کے ایک معزز فرد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے جگہ خرید کر دی تھی۔

میں آگے جا کر بتانا چاہتا ہوں کہ اصحابِ رسول کی مقدس جماعت میں سب سے مظلوم صحابی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں۔۔۔صرف سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی کردار کشی نہیں کی گئی بلکہ ان کے والد سیدنا ابوسفیان اور سیدہ ہند رضی اللہ عنہا پر بہتان باندھے گئے۔۔۔ان پر ناروا الزام لگائے گئے۔

سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے متعلق کہا گیا کہ وہ فتح مکہ کے دن ڈر کی وجہ سے رسمًا ایمان لائے یعنی ان کا ایمان منافقانہ تھا۔۔۔وہ اخلاص اور صدقِ دل سے ایمان نہیں لائے۔

پھر سادہ لوح لوگوں کو بدر و اُحد اور خندق میں ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا مسلمانوں کے خلاف میدان میں آنا اور لشکر کفار کی قیادت کرنا اسے بیان کر کے ان کی اہمیت کو کم کرنے کی مذموم کوشش کی جاتی ہے۔

افسوس۔۔۔! تمہیں وہ ابوسفیان۔۔۔یاد رہا جو اُحد و خندق میں مشرکین مکہ کے لشکر کی قیادت کرتے ہوئے مدینہ پر حملہ آور ہوا۔۔۔مگر تمہیں وہ ابوسفیان یاد نہ رہا جس کا گھر مکہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے پناہ گاہ بنا کرتا تھا۔

ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فتح مکہ کے دن سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے گھر کو دارالامن قرار دیا تھا، کیونکہ ان کا گھر مکہ مکرمہ میں نبی اکرم ﷺ کے لیے دارالامن بنتا تھا۔ (الاصابہ 179/2)

فتح مکہ کے دن۔۔۔۔۔۔مکہ میں نبی اکرم ﷺ کے داخل ہونے سے پہلے سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے صدقِ دل سے ایمان قبول کیا تھا اور نبی اکرم ﷺ نے انہیں اعزاز بخشا اور اعلان فرمایا:

مَنْ دَخَلَ دَارَ اَبِیْ سُفْیَانَ فَھُوَ اٰمِنٌ (مسلم 102/2 باب فتح مکہ)

جو شخص ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے گھر میں داخل ہو گیا اس کے لیے امن ہے۔

نبی اکرم ﷺ مکہ کے فاتح بن کر مکہ میں داخل ہونے لگے تو ایک منادی لشکر اسلام سے آگے جا کر اعلان کرتا تھا جو شخص ہتھیار ڈال دے گا اسے امن ہے۔۔۔ جو اللہ کے گھر میں آجائے اسے بھی امن ہے۔۔۔ جو شخص اپنے گھر کے دروازے کو بند کرلے اسے بھی امن ہے۔۔۔ منادی کرنے والا یہ بھی اعلان کرتا تھا:

مَنْ دَخَلَ دَارَ اَبِیْ سُفْیَانَ فَھُوَ اٰمِنٌ

جو شخص ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے گھر میں داخل ہو گیا اس کے لیے امن ہے۔

(میں پوچھنا چاہتا ہوں کیا مکہ میں ہاشمیوں کے گھر موجود نہیں تھے۔۔۔؟ کیا سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کے چچا کا گھر مکہ میں نہیں تھا۔۔۔؟ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے والد ابوطالب کا مکان مکہ میں نہیں تھا۔۔۔؟ سب ہاشمیوں کے گھر موجود تھے مگر کسی کے گھر کو نبوت کی زبان نے دارالامن قرار نہیں دیا۔

دارالامن قرار دیا تو اس ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے گھر کو قرار دیا جو بنوامیہ کا سردار ہے اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا والد گرامی ہے)

علماء نے لکھا ہے کہ سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے گھر کو یہ امتیاز اور انفرادی عظمت اس

لیے عطا کی گئی کہ۔۔۔ ہجرت سے پہلے جب کبھی مکہ کے بدمعاش اور اوباش نبی اکرم ﷺ کو ستاتے اور تکلیف پہنچاتے تو آپ سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے جاتے اور وہ آپ کو پناہ دیا کرتے تھے۔۔۔ اور عزت وتکریم سے آپ کو بٹھاتے۔

نبی اکرم ﷺ نے بعثت کے بعد مکہ میں اعلانِ توحید فرمایا۔۔۔ لا اِلٰہ الا اللہ کی ضرب لگائی۔۔۔ اللہ کی الوہیت اور معبودیت کا نعرہ لگایا۔۔۔ اللہ کی وحدانیت کا پرچار فرمایا اور غیر اللہ کی معبودیت اور الوہیت کی نفی فرمائی تو۔۔۔ مشرکین مکہ نے آپ کو اس مشن سے روکنے کے لیے ہر ممکن کوشش کی۔

جسمانی تکلیف پہنچائی۔۔۔ ذہنی اذیّت دی۔۔۔ فتوے لگائے۔۔۔ بہتان تراشے۔۔۔ پھبتیاں کسیں۔۔۔ حتیٰ کہ کمینے دشمن ابوجہل نے ایک دن کم سن سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے چہرے پر تھپڑ مارا۔۔۔ بیٹی روتی ہوئی اور آنسو بہاتی ہوئی اپنے بابا کے ہاں آئی اور سارا ماجرا کہہ سنایا۔

آپ تصور کر سکتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کو کتنی ذہنی اذیّت پہنچی ہوگی۔۔۔ اور آپ پر کیا بیتی ہوگی۔۔۔ آپ نے روتی ہوئی فاطمہ کے آنسو پونچھے اور فرمایا۔۔۔ بیٹا جاؤ اور چچا ابوسفیان کو جا کر بتلاؤ۔۔۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچیں اور سارا واقعہ اور ماجرا ان کے سامنے رکھا۔۔۔ ابوسفیان رضی اللہ عنہ سن کر غصے سے سرخ ہو گئے۔۔۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر پریشان ہو گئے۔۔۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو تسلی اور دلاسہ دیا اور انہیں ساتھ لے کر ابوجہل کے گھر پہنچے اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا:

اپنی پوری طاقت اور قوت کے ساتھ ابوجہل کے چہرے پر تھپڑ رسید کرو۔۔۔

سیدہ فاطمہ نے پوری قوت سے مکہ کے سردار کے چہرے پر تھپڑ مارا۔۔۔۔ ابوجہل سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے غصے اور غضب کو دیکھ کر خاموش رہا۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا خوش خوش واپس اپنے گھر پہنچیں اور ساری بات اپنے بابا کو

بتائی۔۔۔آپ بیٹی کے چہرے کی مسکراہٹ دیکھ کر بہت مسرور ہوئے۔۔۔اور اسی خوشی میں اپنے ہاتھ اللہ رب العزت کے دربار میں اٹھائے اور دعا مانگی:

اَللّٰھُمَّ لَا تَنْسَاھَا لِاَبِیْ سُفْیَانَ

مولا! ابوسفیان کے اس نیک اور مشفقانہ سلوک کو بھول نہ جانا۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا ایمان لانا۔۔۔اور اسلام قبول کرنا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اسی دعا کا نتیجہ ہے۔

آیئے! سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے ایک اور مشفقانہ سلوک کا تذکرہ کرتے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوۂ بدر میں قیدی بن کر آنے والے اپنے بڑے داماد۔۔۔ ابوالعاص اموی سے فرمایا کہ مکہ جا کر میری بیٹی زینب رضی اللہ عنہا کو مدینہ بھیج دینا۔۔۔سیدہ زینب رضی اللہ عنہا جب مکہ سے مدینہ کے لیے روانہ ہونے لگیں تو چند شرارتی اور اوباش قسم کے کفار نے ان کا راستہ روک لیا۔۔۔نیزوں سے حملہ آور ہوئے۔۔۔سیدہ زینب رضی اللہ عنہا زخمی ہوگئیں۔۔۔۔۔ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو جب اس واقعہ کی اطلاع ملی تو فوراً وہاں پہنچے اور سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو بحفاظت واپس لائے۔۔۔علاج معالجہ کے بعد وہ تندرست اور صحت یاب ہوگئیں تو خاموشی کے ساتھ انہیں مدینہ روانہ کر دیا۔

آج اہل سنت کہلانے والے علماء۔۔۔اور اہل سنت اسٹیج کی زینت بننے والے واعظین۔۔۔اور اہل سنت کے منبر و محراب کے وارث۔۔۔سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ پر تنقید کرنے میں قلبی تسکین محسوس کرتے ہیں۔۔۔فتح مکہ سے کچھ دیر قبل ان کے ایمان لانے کو مجبوری کا ایمان قرار دیا جاتا ہے۔۔۔ان کے ایمان کو منافقانہ کہا جاتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر کے موقع پر ایک تجارتی قافلہ کی قیادت کرتے ہوئے شام سے براستہ مدینہ مکہ جا رہے تھے۔۔۔نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چند صحابہ کے ساتھ اس تجارتی قافلہ کو روکنے کے لیے پیش قدمی فرمائی مگر ابوسفیان رضی اللہ عنہ

راستہ تبدیل کر کے مکہ پہنچ گئے اور ابو سفیان رضی اللہ عنہ کی اطلاع پر ابو جہل ایک ہزار لشکر کے ساتھ میدانِ بدر میں اترا۔

غزوۂ بدر میں مشرکین کی ذلت آمیز شکست کا بدلہ چکانے کے لیے قریش مکہ نے جنگی تیاریاں کیں۔۔۔ تو اس کی نگرانی بھی ابو سفیان رضی اللہ عنہ کے سپرد تھی۔۔۔ غزوۂ اُحد میں کفار کے لشکر کے سپہ سالار وہی تھے۔

5ہجری میں عرب کے مختلف گروہوں کو متحد کر کے ایک بڑے لشکر کے ساتھ جو مدینہ پر لشکر کشی ہوئی اس کی سرداری بھی ابو سفیان رضی اللہ عنہ کے سپرد تھی۔

مگر لگتا ایسے ہے کہ غزوۂ احزاب میں مشرکین کی ناکامی۔۔۔ اور اپنے مطلب کے حصول میں مسلسل نامرادی سے سیدنا ابو سفیان رضی اللہ عنہ کی ہمت جواب دے گئی تھی۔۔۔ غزوۂ احزاب کے بعد کسی مہم میں ان کا کوئی کردار۔۔۔ نمایاں کردار نظر نہیں آتا۔۔۔ اب قیادت ابو جہل کے بیٹے عکرمہ (جو فتح مکہ کے بعد مسلمان ہو گئے) صفوان بن امیہ (انہیں بھی فتح مکہ کے بعد دولتِ ایمان نصیب ہوئی) اور سہیل بن عمرو کے ہاتھ میں آ گئی تھی۔

مکہ کے لوگ قحط سالی کا شکار ہوئے۔۔۔ باہر سے آنے والی رسد روک لی گئی۔ سیدنا ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ نے غلہ کی ترسیل بند کر دی تو سیدنا ابو سفیان رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر استدعا کی کہ آپ ثمامہ کو حکم دیں کہ وہ غلے کی ترسیل جاری کرے۔ آپ نے ابو سفیان رضی اللہ عنہ کی استدعا منظور کر کے ثمامہ کو پابندی اٹھانے کا حکم دیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی محسوس کیا کہ ابو سفیان رضی اللہ عنہ کی دشمنی کی شدت میں کچھ کمی آئی ہے۔۔۔ چنانچہ آپ نے ایک بندے کے ذریعہ مدینہ کی مشہور کھجور عجوہ ابو سفیان رضی اللہ عنہ کو تحفے کے طور پر بھیجی اور ابو سفیان رضی اللہ عنہ نے اس کے بدلے میں ایک خوبصورت چمڑے کا بنا ہوا چغہ بھیجا جسے آپ نے قبول فرمایا اور پسند بھی فرمایا۔ (الاصابہ 179/2)

قحط سالی کے ان ایام میں خیر خواہی کے جذبے سے آپ نے مکہ کے لوگوں کے لیے بطور مدد بہت سی رقم سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے ہاں بھیجی تا کہ وہ اسے لوگوں میں تقسیم کریں۔

معلوم ہوتا ہے کہ غزوۂ احزاب کے بعد ہی ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے رویوں میں نمایاں تبدیلی آ گئی تھی۔۔۔اور اسلام دشمنی کی وہ کیفیت اور شدت ان میں باقی نہیں رہی تھی۔

اُدھر ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی بیٹی سیدہ رملہ (ام حبیبہ رضی اللہ عنہا) حبشہ میں تنہائی اور مسافری کی زندگی گزار رہی تھیں۔۔۔ان کے خاوند عبیداللہ بن جحش نے مرتد ہو کر عیسائی مذہب قبول کر لیا اور زیادہ شراب پینے کی وجہ سے مر گیا۔۔۔اس سے ان کے ہاں ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام ''حبیبہ'' تھا اسی کی نسبت سے ام حبیبہ کے نام سے معروف ہوئیں۔

ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو جب اطلاع پہنچی کہ محمد کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میرے داماد بن گئے ہیں تو بے ساختہ ان کی زبان سے کیا الفاظ نکلے۔۔۔؟ ''محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) میری بیٹی کے لیے سب سے بہتر ہیں۔''

صلح حدیبیہ کے موقع پر جو انتہائی نازک مرحلہ تھا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا مشرکین کی جانب سے کوئی تذکرہ اور سرگرمی تاریخ و سیرت کی کتب میں موجود نہیں ہے۔

صلح حدیبیہ کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مختلف ممالک کے بادشاہوں کے نام مکتوب تحریر کر کے انہیں اسلام کی دعوت دی۔۔۔شاہِ روم ہرقل کے نام بھی ایک خط تحریر کیا گیا۔۔۔اتفاق سے شاہِ روم بیت المقدس فلسطین کے علاقے میں آیا ہوا تھا۔۔۔ اور اتفاق کی بات ہے ابوسفیان رضی اللہ عنہ بھی شام تجارت کی غرض سے گئے ہوئے تھے۔۔۔ ہرقل نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بارے تحقیق حال کے لیے انہیں دربار میں طلب کیا۔۔۔ ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے باوجود مخالفت کے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا تذکرہ بڑے احسن اور خوبصورت اور عمدہ انداز میں کیا۔

شاہِ روم پوچھتا ہے۔۔۔ مدعیٔ نبوت کا خاندان کیسا ہے۔۔۔؟ ابوسفیان رضی اللہ عنہ جواب دیتے ہیں انتہائی کریم اور شریف خاندان ہے۔۔شاہِ ہرقل کہتا ہے۔۔۔مدعیٔ نبوت نے کبھی جھوٹ بھی بولا ہے۔۔۔؟ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔۔۔ پوری زندگی میں انہوں نے کبھی بھی جھوٹ نہیں بولا۔۔۔ ہرقل کہتا ہے۔۔۔ مدعیٔ نبوت کبھی اپنے عہد و پیان اور وعدہ واقرار سے منحرف ہوا ہے۔۔۔؟ ابوسفیان رضی اللہ عنہ جواب میں کہتے ہیں۔۔۔آج تک انہوں نے کبھی عہد و پیمان کی خلاف ورزی نہیں کی۔۔۔آئندہ دیکھتے ہیں کہ ہمارے ساتھ کیے ہوئے معاہدے پر کاربند رہتے ہیں یا نہیں؟

چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب دس ہزار قدوسیوں کے جھرمٹ میں فتح مکہ کے لیے چلے اور مکہ سے کچھ دور مرّ الظہر ان کے مقام پر پڑاؤ ڈالا۔۔۔سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے وہاں آکر اسلام کے دامن کو تھام لیا۔۔۔اور صدقِ دل سے اللہ کی الوہیت کو تسلیم کرلیا اور محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا اقرار کرلیا۔۔۔اور مکہ مکرمہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے داخلے سے پہلے جا کر اعلان کیا:

مکہ کے لوگو! سنو۔۔۔! میں نے اسلام کے دامن کو تھام لیا ہے۔۔۔ مجھے سمجھ آگئی ہے کہ سچا دین صرف اسلام ہے جو ایک اللہ ہی کی عبادت کی دعوت دیتا ہے۔۔۔ ہمارے معبودوں نے ہماری کیا مدد کی ہے۔۔۔؟ ہمارے معبود ہمارے کس کام آئے۔۔۔؟ میں تمہیں بھی کہتا ہوں کہ بت پرستی اور غیر اللہ کی پوجا پاٹ ختم کر کے اللہ ہی کو اپنا اکیلا معبود بنالو۔

سورت الحدید کی آیت نمبر 10 میں اللہ رب العزت نے اصحاب رسول کو مقام کے اعتبار سے دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔۔۔فتح مکہ سے پہلے ایمان لا کر جہاد کرنے والے اور مال خرچ کرنے والے۔۔۔اور فتح مکہ کے بعد ایمان لا کر اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے جہاد کرنے والے اور اپنے اموال اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے۔

فرمایا: فتح مکہ سے پہلے ایمان لانے والے۔۔۔ أُولٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً۔۔۔ ان کے مرتبے اور درجے پچھلوں سے بہت اونچے اور بلند و عظیم ہیں۔

اللہ رب العزت علّام الغیوب ہے نا۔۔۔ اللہ عَالِمَ مَا كَانَ وَمَا يَكُونُ ہے نا۔۔۔ اسے علم تھا کہ بعد میں کچھ ایسے لوگ آئیں گے جو فتح مکہ کے دن ایمان لانے والوں کے ایمان میں شک کریں گے اور ان پر تنقید و تبرا کریں گے، اسی لیے ساتھ ہی فرمایا کہ مقام اور درجہ، شان اور عظمت یقیناً پہلوں کی بلند و بالا ہے مگر

وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى۔۔۔ جنت کا وعدہ اللہ نے سب سے کر لیا ہے۔

جس ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے اللہ نے جنت کا وعدہ کیا ہے۔۔۔ اسے موردِ الزام ٹھہرانا اور برائی سے ان کا تذکرہ کرنا بدبختی نہیں تو کیا ہے؟

کیا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے ماضی کو کھنگالنے والے۔۔۔ ماضی کی اسلام دشمنی کا تذکرہ کرنے والے میرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد کو بھول بیٹھے ہیں یا جان بوجھ کر اغماض برت رہے ہیں۔۔۔ میرے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَنَّ الْاِسْلَامَ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهٗ (مسلم 76/1)

اسلام کا قبول کرنا یقیناً پچھلے تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔

اگر کسی کو اس فرمانِ نبوی پر یقین ہے۔۔۔ تو اسے چاہیے کہ سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے ماضی کے کردار و اعمال کو نہ اچھالے۔۔۔ ایمان قبول کرنے سے اور اسلام لانے سے ان کی زندگی کے تمام گناہ۔۔۔ کفر و شرک اور بت پرستی، اسلام کے خلاف لشکر کشی۔۔۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ذہنی اذیت پہنچانا۔۔۔ سب کو اللہ نے معاف فرما دیا ہے۔

تمہیں کبھی تاریخ کی جھوٹی روایات پڑھنے سے فرصت ملے تو اس کتاب کو بھی پڑھ لیا کرو جس کے ماتھے کا جھومر ہے:

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ

کبھی نظریں اللہ کے قرآن پر بھی ڈال لیا کرو۔

سورت الممتحنہ کی آیت نمبر 7 میں ارشاد ہوا:

عَسَى اللّٰهُ أَنْ يَجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِينَ عَادَيْتُمْ مِنْهُمْ مَوَدَّةً (الممتحنہ 7)

امید ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان اور ان لوگوں کے درمیان جن سے تم دشمنی رکھتے ہو محبت والفت پیدا فرما دے۔

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں تحریر فرمایا ہے۔۔۔ کہ اس آیت کریمہ میں اشارہ ہو رہا ہے کہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں اور مسلمانوں کے درمیان جو عداوت و دشمنی ہے اس کا عنقریب خاتمہ ہو گا اور محبت والفت، مفاہمت و یگانگت، یکجہتی اور بھائی چارے کی فضائیں قائم ہوں گی۔

قرآن میں علّام الغیوب کہہ رہا ہے کہ تمہارے درمیان اور تمہارے دشمنوں کے درمیان اللہ محبت والفت پیدا کر دے گا اور آج کا خطیب اور مُصنّف ان کے ایمان کے بارے میں شکوک وشبہات کا شکار ہے۔۔۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے دن سب لوگوں کے لیے عام معافی کا اعلان فرما دیا۔۔۔ مگر آج کا نام نہاد محقق سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو معاف کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔

جن کے ایمان لانے پر میرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خوشی ومسرت کا اظہار فرمایا۔۔۔ میرا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے ایمان پر مطمئن ہے مگر آج کا مفکّر اُن کے ایمان کو مجبوری کا ایمان لانا قرار دے رہا ہے اور پھر اپنی اس روش پر اصرار کر رہا ہے۔

سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی خدمات

فتح مکہ کے بعد غزوۂ حنین پیش آیا۔۔۔ سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور ان کے دونوں بیٹے سیدنا معاویہ اور سیدنا یزید رضی اللہ عنہما اس غزوہ میں شامل وشریک رہے۔

غزوۂ حنین کے بعد۔۔۔ غزوۂ طائف میں بھی سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کے ساتھ۔۔۔آپ کی قیادت و امارت میں شریک ہوئے۔۔۔اسی غزوہ میں لڑتے ہوئے ایک تیر ان کی آنکھ پر آن لگا جس سے آنکھ اپنے دائرے سے باہر آ گئی۔

سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کمال حوصلہ سے آنکھ اپنی ہتھیلی پر رکھ کر رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے فرمایا:

اِنْ شِئْتَ دَعَوْتُ

اگر تم کہو اور تمہاری خواہش ہو تو میں دعا کروں۔

فَرُدَّتْ اِلَیْكَ

تمہاری آنکھ درست اور صحیح ہو جائے گی۔

وَاِنْ شِئْتَ فَالْجَنَّةَ

اور اگر آپ چاہیں تو اللہ اس کے بدلے میں آپ کو جنت عطا فرما دے۔

چند دن قبل ایمان کے دامن میں آنے والے ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے حوصلے اور حلم کو دیکھیے۔۔۔دنیا کے مقابلے میں جنت کی تمنا کا اندازہ لگائیے۔۔۔نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کی صداقت پر یقین ملاحظہ کیجیے۔۔۔کہا۔۔۔اَلْجَنَّةَ۔۔۔مجھے آنکھ نہیں بلکہ جنت چاہیے۔
(الاصابہ ذکر صخر بن حرب 179/2)

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت ہے اور جنگ یرموک کی تیاری ہو رہی ہے۔۔۔

سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ اپنے پورے کنبہ کے ساتھ اس جنگ میں شریک ہوئے۔

اسی جنگ میں ان کی دوسری آنکھ بھی تیر لگنے سے شہید ہو گئی۔۔۔دونوں آنکھیں سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے قربان کر دیں مگر کچھ بدبختوں کو ابھی بھی ان کے ایمان اور اخلاص میں شک ہے۔

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ بنو ثقیف جب ایمان لائے۔۔۔تو ان کے بت کو جسے وہ اپنا معبود سمجھتے تھے۔۔۔نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ اسے پاش پاش کر

دیا جائے۔۔۔اس بت کو توڑنے کے لیے نبی اکرم ﷺ نے سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور مشہور صحابی سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا ان دونوں نے اس بت کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔

(البدایہ والنہایہ 33/5)

اسی طرح رحمت کائنات ﷺ نے غدیر کے مقام پر منات نامی بت کو توڑنے کے لیے بھی سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو بھیجا تھا۔ (الاصابہ 179/2)

امام الانبیاء ﷺ سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے فہم وفراست پر بہت اعتماد فرماتے تھے۔۔۔ اہل نجران کے ساتھ طے پانے والے معاہدہ میں بطور گواہ سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا نام رکھا گیا۔ (البدایہ والنہایہ 55/5)

نجران کے امور کا نگران بھی نبی اکرم ﷺ نے سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔

ایک بات جو بہت کم بیان ہوتی ہے بلکہ ہوتی ہی نہیں۔۔۔آج میں آپ حضرات کے سامنے بیان کرنے لگا ہوں۔۔۔۔ یہ ایسی فضیلت اور خصوصیت ہے جس میں سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے ساتھ کوئی دوسرا شریک نہیں ہے۔۔یہ امتیازی وصف سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ ہی کو حاصل ہے کہ سب سے پہلا شخص جس نے کسی مرتد کو موت کے گھاٹ اتارا وہ سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ ہیں۔۔۔ سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو نبی اکرم ﷺ کے انتقال کی خبر یمن میں ملی جہاں وہ عامل وحاکم بن کر گئے ہوئے تھے۔۔۔وہ فوراً مدینہ کے لیے روانہ ہوئے۔۔۔ سفر کے دوران ان کی ملاقات ذوالخمار نامی ایک شخص سے ہوئی۔۔۔ جو دین اسلام سے اعراض کر کے اور منحرف ہو کر مرتد ہو چکا تھا۔۔۔پہلے سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے اسے سمجھایا اور دعوت دی کہ دوبارہ دین اسلام کے دامن میں آجاؤ۔۔۔مگر وہ بدبخت اپنی ضد اور انکار پر قائم رہا تو سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے اس مرتد کی گردن تن سے جدا کر دی۔

مشہور صحابی سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مرتدوں کے خلاف سب سے پہلے قتال کرنے والے سیدنا ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر، سورت الممتحنہ)

بات کچھ طویل ہوگئی ہے۔۔۔مگر میں ضروری سمجھتا تھا کہ۔۔۔سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے والد ہونے کی نسبت سے جس سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہا جاتا ہے۔۔۔طعن وتشنیع اور تضحیک وتحقیر کی جاتی ہے۔۔۔ان پر بیہودہ الزامات کی بوچھاڑ کی جاتی ہے۔۔۔ان کی کردار کشی ہوتی ہے۔۔۔بعض اہل سنت کے دعویدار بھی عزت واحترام سے ان کا نام لینا گوارا نہیں کرتے۔۔۔تو ضروری تھا کہ آپ حضرات کو بتایا جائے کہ سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ صحابیٔ رسول ہیں۔۔۔ان کے گھر کو میرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دار الامن قرار دیا ہے۔۔۔وہ میرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سسر ہیں۔۔۔اسلام کی اشاعت کے لیے اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے ان کی قربانیاں بھلائی نہیں جاسکتیں۔

ان کی دونوں آنکھیں اللہ کے راستے میں شہید ہوئی تھیں۔۔۔میرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان پر مکمل اعتماد تھا۔۔۔ان کے ایمان پر، اخلاص پر، ایثار پر، وفا پر مکمل یقین تھا تب ہی تو انہیں یمن اور نجران کا عامل بنایا۔

ان کے اتنے فضائل ومناقب اور اتنے مقام ومرتبہ۔۔۔اور ان کے ایمان واخلاص کے بعد بھی اگر کوئی زبان سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازیبا گفتگو کرے یا کوئی قلم انصاف کا خون کرتے ہوئے سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ پر تنقید کرے اور طعن کے نشتر چلائے تو ایسی زبان اور ایسا قلم اس لائق ہے کہ ان پر قیامت کی صبح تک لعنت اور پھٹکار برستی رہے۔

سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ میں کئی خوبیاں اور اوصاف پائے جاتے ہیں۔۔۔لیکن اگر کوئی شریف شخص ان کی خوبیوں کا معترف نہ ہو۔۔۔تو اس کے لیے عرض ہے کہ سیدنا ابو سفیان رضی اللہ عنہ کی ایک ہی خوبی باقی امت پر فضیلت کے لیے کافی ہے کہ وہ میرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صحابی ہے۔

سیدہ ہند بنت عتبہ اُمّ معاویہ رضی اللہ عنہا

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بغض اور دشمنی میں لوگ اتنے آگے بڑھ گئے کہ ان کی والدہ محترمہ اور امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشدامن سیدہ ہند رضی اللہ عنہا

پر تبراء اور طعن و تشنیع کا بازار خوب گرم کیا۔

غیر سنجیدہ خطباء اور منبر و محراب کے تقدس سے ناواقف واعظین کی زبانیں سیدہ ہند رضی اللہ عنہا کا تذکرہ کرتے ہوئے بے لگام ہو جاتی ہیں۔۔۔ بودے دلائل اور بے عقلی پر مبنی ثبوت ان کے وعظ کا کل سرمایہ ہوتا ہے۔

بعض حضرات کے قلم سیدہ ہند رضی اللہ عنہا کے خلاف زہر اگلنے میں فراٹے بھرتے ہیں۔۔۔ کئی نامور لوگوں نے انہیں کینہ توز، سنگدل۔۔۔ جگر خوار۔۔۔ اور نہ جانے کیا کچھ نہ کہا۔۔۔ غرضیکہ ان پر سبّ و شتم کی بارش کر دی ہے۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی والدہ ہونے کی نسبت سے مؤرخین نے ظلم کرتے ہوئے انہیں ایسے بھیانک روپ میں پیش کیا کہ اکثر لوگ ان کا نام سن کر چیں بہ جبیں ہو جاتے ہیں۔

آیئے! میں آپ کو بتاتا ہوں کہ فتح مکہ کے دن یہی ہند رضی اللہ عنہا مسلمانوں کا کیسے جائزہ لیتی ہے۔۔۔ اور پھر کس انداز میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچتی ہے۔۔۔ اور میرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کن الفاظ سے اس خاتون کا استقبال کرتے ہیں اور کیسے جذبات کا اظہار کرتے ہیں۔

فتح مکہ کے موقع پر سیدہ ہند رضی اللہ عنہا ایمان قبول کرنے کی غرض سے اپنے چہرہ کو نقاب سے ڈھانپے ہوئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہا:

میں اللہ تعالیٰ کی الوہیت پر ایمان لائی ہوں۔۔۔ اللہ کے رسول کی تصدیق کرتی ہوں۔۔۔ ان کے لائے ہوئے احکام کو مانتی ہوں۔۔۔ پھر ہند رضی اللہ عنہا نے اپنے چہرے سے نقاب الٹ دیا اور کہا میں عتبہ کی بیٹی ہند ہوں۔۔۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خوشی و مسرت سے فرمایا۔۔۔ مَرْحَبًا بِكِ۔۔۔ جی آیاں نوں۔۔۔ خوش آمدید۔

(طبقات ابن سعد ذکر ہند $\frac{319}{8}$)

ایک اور روایت سنیے! جسے علامہ ابن حجر شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ سیدہ ہند رضی اللہ عنہا کو اسلام کی طرف راغب کرنے کے اسباب وواقعات میں سے ایک سبب اور واقعہ یہ بھی ہے کہ جب مکہ فتح ہو گیا:

دَخَلَتِ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ لَيْلًا

سیدہ ہند رضی اللہ عنہا رات کے وقت مسجد حرام میں آئیں۔

فَرَأَتِ الصَّحَابَةَ قَدْ مَلَؤُوْهُ

دیکھا کہ بیت اللہ کا صحن اصحاب رسول کی مقدس جماعت سے بھرا ہوا ہے۔

وَانَّهُمْ عَلٰى غَايَةٍ مِّنَ الْاِجْتِهَادِ فِي الصَّلٰوةِ وَقِرَآءَةِ الْقُرْاٰنِ وَالطَّوَافِ وَالذِّكْرِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ مِنَ الْعِبَادَاتِ

سیدہ ہند رضی اللہ عنہا نے دیکھا کہ اصحابِ رسول بڑی توجہ اور انہماک کے ساتھ نماز پڑھ رہے ہیں، قرآن کی تلاوت میں مشغول ہیں، بیت اللہ کا طواف کر رہے ہیں اور ذکر الٰہی جیسی عبادات میں مصروف ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عباداتِ الٰہی میں اس انہماک اور توجہ وخلوص کو دیکھ کر کہنے لگیں:

وَاللّٰهِ مَا رَأَيْتُ اللّٰهَ عُبِدَ حَقَّ عِبَادَتِهٖ فِيْ هٰذَا الْمَسْجِدِ قَبْلَ هٰذِهِ اللَّيْلَةِ

اللہ کی قسم! میں نے اس مسجد حرام میں آج کی رات سے پہلے کبھی نہیں دیکھا کہ اللہ کی عبادت کا اس طرح حق ادا کیا گیا ہو۔

فَاطْمَأَنَّتْ اِلَى الْاِسْلَامِ

یہ سب کچھ دیکھ کر وہ اسلام کی حقانیت کے بارے میں پوری طرح مطمئن ہو گئیں۔

مگر انہیں یہ خوف اور ڈر کھائے جا رہا تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کیسے حاضر ہوں۔۔۔ میں غزوۂ اُحد میں ان کے چچا کے ساتھ (باقی عورتوں کے ساتھ مل کر) جو

کچھ کر چکی تھی۔۔۔ نبی اکرم ﷺ سخت ناراض ہوں گے۔۔۔ ڈانٹ ڈپٹ ہوگی۔۔۔ زجر توبیخ ہوگی۔۔۔ اور شاید معافی بھی نہ ملے۔

پھر سیدہ ہند رضی اللہ عنہا اپنی برادری اور خاندان کے ایک شخص کو ساتھ لے کر رحمت کائنات ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔

فَوَجَدَتْ عِنْدَهُ مِنَ الرَّحْبِ وَالسَّعَةِ وَالْعَفْوِ وَالصَّفْحِ مَالَمْ يَخْطُرْ بِبَالِهَا (تطہیر الجنان 9)

سیدہ ہند رضی اللہ عنہا نے دربارِ نبوی میں اپنی ایسی پذیرائی دیکھی، ایسی وسعت کا نبی اکرم ﷺ نے اظہار کیا، درگزر اور معافی کا ایک نظارہ دیکھا جس کا خیال بھی ان کے دل میں کبھی نہیں گزرا تھا۔

سامعین گرامی قدر! ایک اور روایت بھی سماعت فرمایئے۔۔۔ کچھ حصہ بیہقی سے سناؤں گا اور کچھ حصہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی مایہ ناز کتاب صحیح بخاری سے پڑھوں گا۔۔۔ بخاری کی حدیث کو روایت کرنے والی ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہیں۔۔۔ کچھ دیگر کتابوں نے بھی اسے نقل کیا ہے۔

نبی اکرم ﷺ صفا پر موجود تھے، ہند رضی اللہ عنہا حاضر خدمت ہوئیں، عرض کیا اسلام قبول کرنے کے لیے آئی ہوں آپ مجھے بیعت کر لیں۔۔۔ بیعت میں ایمان لانے کا تذکرہ ہوا:

وَلَا أُشْرِكُ بِاللهِ۔۔۔ کا اقرار ہوا کہ میں اللہ ذات وصفات میں کسی کو شریک اور ساجھی نہیں بناؤں گی۔

جب بیعت لیتے ہوئے یہ جملہ آیا۔۔۔ وَلَا أَسْرِقُ شَيْئًا۔۔۔ میں چوری نہیں کروں گی، تو ہند رضی اللہ عنہا نے کہا یا رسول اللہ! میں آپ کے دست پاک پر سچی توبہ کر رہی ہوں میں جھوٹ نہیں بول سکتی۔۔۔ آپ نے فرمایا کیا کہنا چاہتی ہو۔۔۔؟ کہنے لگیں۔۔۔ أنا

اٰخُذُ مِنْ مَالِ اَبِیْ سُفْیَانَ بِغَیْرِ عِلْمِہٖ۔۔۔ میں اپنے شوہر ابوسفیان کے مال میں سے بغیر پوچھے کچھ مال خرچ اخراجات کے لیے نکال لیتی ہوں۔

آپ مجھ سے عہد اور وعدہ لے رہے ہیں کہ میں چوری نہیں کروں گی۔۔۔ آپ واضح فرمائیں کیونکہ میں جھوٹ نہیں بول سکتی اور اپنے شوہر ابوسفیان کے مال میں سے بغیر پوچھے کچھ مال نکالنا میری مجبوری ہے کیونکہ میرے شوہر میرے لیے اور بچوں کے لیے اتنا خرچہ نہیں دیتے جو گھر چلانے کے لیے کافی ہو۔

نبی اکرم ﷺ ہند رضی اللہ عنہا کی بات سن کر مسکرا دیے اور فرمایا۔۔۔ کھانے پینے کی چیزیں لے لیا کرو۔۔۔ سونا چاندی اور نقدی سے نہ لیا کرو۔۔۔ بیعت کرتے ہوئے ایک فقرے پر سیدہ ہند رضی اللہ عنہا کا ذرا جواب سنیے!

وَلَا اَزْنِیْ۔۔۔ میں زنا نہیں کروں گی۔

سیدہ ہند رضی اللہ عنہا فقرہ سن کر حیران اور مبہوت ہو گئیں۔۔۔ کہنے لگیں یا رسول اللہ! میں حیران ہو رہی ہوں کہ آپ مجھ سے کیا عہد لے رہے ہیں؟ کیا کوئی شریف زادی بھی زنا کا ارتکاب کر سکتی ہے؟ هَلْ تَزْنِی الْحُرَّةُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ (تطہیر الجنان 9)

ایک کافرہ عورت کا کریکٹر دیکھیے۔۔۔ سیدہ ہند رضی اللہ عنہا کا عملی مزاج دیکھیے۔۔۔ کیا کوئی شریف عورت زنا کا ارتکاب کر سکتی ہے۔۔۔؟

آیئے۔۔۔! امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بخاری میں ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے جو روایت نقل کی ہے اس کے الفاظ سنیے۔۔۔ اور غور سے سنیے۔۔۔! سیدہ ہند رضی اللہ عنہا نے اسلام قبول کرنے کے بعد نبی اکرم ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے عرض کیا:

یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَا کَانَ عَلٰی ظَھْرِ الْاَرْضِ اَھْلُ اَخْبَاءٍ اَوْ خِبَاءٍ اَحَبُّ اِلَیَّ اَنْ یَّذِلُّوْا مِنْ اَھْلِ اَخْبَائِکَ اَوْ خِبَائِکَ شَكَّ یَحْیٰی ثُمَّ مَا اَصْبَحَ الْیَوْمَ اَھْلُ اَخْبَاءٍ اَوْ خِبَاءٍ اَحَبُّ اِلَیَّ اَنْ یَّعِزُّوْا مِنْ اَھْلِ اَخْبَائِکَ اَوْ خِبَائِکَ

آج سے پہلے روئے زمین پر کوئی گھرانہ ایسا نہیں تھا جو میرے نزدیک آپ کے گھرانے سے زیادہ ذلیل اور ناپسند ہو (میری دلی تمنا تھی جاہلیت کے ایام میں اور کفر کے دور میں کہ آپ اور آپ کے گھرانے کے لوگ (نقل کفر کفر نباشد، العیاذ باللہ) ذلیل اور پامال ہو جائیں (عزت اور عظمت انہیں نصیب نہ ہو) مگر آج ایمان قبول کرنے کے بعد اور آپ کو اللہ کا سچا نبی ماننے کے بعد۔۔۔ روئے زمین پر کوئی گھرانہ ایسا نہیں ہے جو مجھے آپ کے گھرانے سے بڑھ کر پیارا اور محبوب اور معزز ہو (یعنی اب میری خواہش ہے کہ دنیا کے تمام گھرانوں سے بڑھ کر عزت وتکریم اور عظمت ووقار آپ کو اور آپ کے گھرانے کو نصیب ہو)

سیدہ ہند رضی اللہ عنہا کے ان خیالات، خواہش اور تمنا کے جواب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کتنے خوبصورت الفاظ اپنی زبانِ مقدس سے ادا فرمائے:

وَاَیْضًا وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِہٖ (بخاری، باب کیف کان یمین النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

ہاں اس ہستی اور اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں محمد کی جان ہے یقینا تمہارے گھرانے والوں کے متعلق میری بھی یہی تمنا اور خیال ہے۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ ابھی تمہاری محبت اور بھی بڑھے گی۔

(سیدہ ہند رضی اللہ عنہا نے کہا مسلمان ہونے سے پہلے میں یہی کہتی تھی اور یہی چاہتی تھی کہ آپ اور آپ کے گھر کے لوگ ذلیل ہوں اور ذلیل بھی ایسے کہ کائنات میں ایسے ذلیل کوئی اور نہیں۔۔۔ مگر آج آپ کے ہاتھ پر بیعت کر کے اور اسلام کا ہار گلے میں ڈال کر اور آپ کے چہرۂ پر انوار کو دیکھ کر۔۔۔ اور آپ کے حوصلے اور حلم اور درگزر کو محسوس کر کے میں کہتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو سب کائنات سے بڑھ کر معزز بنا دے۔۔۔ میرے نزدیک محبوب ترین ذات آپ کی ہے اور عظیم ترین گھرانہ آپ کا گھرانہ ہے)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں کیا فرمایا۔۔۔؟ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے گھرانے کو سب وشتم کا نشانہ بنانے والو۔۔۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے گھرانے کو تنقید کا نشانہ بنانے

والو۔۔۔سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے گھرانے کی تنقیص کرنے والو۔۔۔سیدنا ابو سفیان اور سیدہ ہند رضی اللہ عنہا کا نام سن کر ماتھے پر بل لانے والو۔۔۔سنو۔۔۔! میرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا فرمایا۔۔۔؟ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اسے نقل فرمایا۔۔۔امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسے اپنی صحیح بخاری کی زینت بنایا۔۔۔وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى کے ہونٹوں سے کیا جملے نکلے۔۔۔فرمایا:

وَاَيْضًا وَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ

ایک جگہ پر ہے:

وَاَيْضًا وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ

محمد کی جان جس کے قبضۂ قدرت میں ہے۔۔۔تمہارے متعلق اور تمہارے خاندان اور گھرانے کے متعلق میرا بھی یہی خیال ہے، میرا بھی یہی نظریہ ہے، میری بھی یہی منشاء ہے۔

لوگو سنو۔۔۔! اور غور سے سنو۔۔۔! میرے محبوب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قسم کھا کر اپنی خواہش کا اظہار فرمایا ہے۔۔۔اللہ کے پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس گھرانے کی عزت وتکریم کے خواہشمند ہوں۔۔۔آج کچھ بدبخت تاریخ کی تاریکیوں میں گم ہو کر ایسی باتیں کہیں اور ایسی باتیں تحریر کریں جن سے سیدنا ابو سفیان رضی اللہ عنہ کے گھرانے کی بے توقیری ہوتی ہے۔۔۔ ہم ایسی تاریخ کو پاؤں کے نیچے مسل کر رکھ دیں گے۔

رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس گھرانے کے متعلق تمنا کریں کہیں وہ گھرانہ معزز ہو۔۔۔ مکرم ہو۔۔۔ان کی عزت ہو۔۔۔اسے کوئی بے توقیر اور ذلیل کر سکتا ہے۔۔۔؟

آج ہر ذمہ دار خطیب پر لازم ہے۔۔۔اور ہر منصف مزاج مصنف پر بھی لازم ہے کہ وہ تقریر وتحریر کے ذریعہ سیدہ ہند رضی اللہ عنہا کے گھرانے کی خدمات اور فضائل کو لوگوں کے سامنے بیان کریں۔۔۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا تقاضا یہ ہے کہ جس گھرانے کی توقیر اور

عزت میرے نبی ﷺ کی تمنا ہے ہم بھی اس گھرانے سے محبت کریں۔

اس گھرانے سے بغض اور حسد۔۔۔اس گھرانے پر تنقید و تنقیص اور من گھڑت روایات کے سہارے اس گھرانے کے ساتھ توہین آمیز رویہ۔۔۔۔ ذرا سوچیے۔۔۔! کیا نبی اکرم ﷺ کی تکذیب کے مترادف تو نہیں۔۔۔؟

اسلام قبول کرنے کے بعد اور ایمان لانے کے بعد سیدہ ہند رضی اللہ عنہا گھر آئیں تو ساری زندگی جس معبود کے آگے سجدہ ریز رہیں اسے کلہاڑے کی ضرب سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔۔۔اس کے سر پر ضرب لگا کر کہا:

كُنَّا مِنْكَ فِي غُرُوْرٍ

(تیرا ستیاناس ہو) تیری وجہ سے ہم دھوکے اور فریب میں رہے۔

اگر تجھ میں سچائی ہوتی۔۔۔تو واقعی مشکل کشا ہوتا۔۔۔اور متصرف ہوتا۔۔۔اور فتح و شکست تیرے ہاتھ میں ہوتی۔۔۔تو آج مکہ پر محمد عربی ﷺ کا قبضہ نہ ہوتا۔

سیدہ ہند رضی اللہ عنہا نے ایمان قبول کیا۔۔۔تو ماضی کے تمام تر قصور اور گناہ اور اسلام دشمنی۔۔۔اُحد کے میدان کے واقعات۔۔۔اسلام نے سب کو مٹا دیا۔۔۔اَنَّ الْاِسْلَامَ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهٗ۔۔۔میرے نبی ﷺ نے فرمایا۔۔۔اسلام کا قبول کرنا ماضی کے تمام تر گناہوں کو ختم کر دیتا ہے۔

سیدہ ہند رضی اللہ عنہا پر سب سے بڑا الزام۔۔۔جسے ہمارے خطیب بڑھا چڑھا کر اور حاشیہ آرائی کر کے بیان کرتے ہیں۔۔۔کہ انہوں نے سید الشہداء سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کا جگر اور کلیجہ نکال کر چبانے کی کوشش کی تھی۔۔۔اور سیدہ ہند رضی اللہ عنہا نے ہی وحشی سے کہا تھا کہ اگر تم حمزہ رضی اللہ عنہ کو قتل کر دو تو میں تمہیں آزاد کر دوں گی۔

لطف کی بات یہ ہے کہ وحشی سیدہ ہند رضی اللہ عنہا کے غلام ہی نہیں تھے بلکہ وہ جبیر بن مطعم کے غلام تھے۔۔۔پھر سیدہ ہند رضی اللہ عنہا وحشی کو کیسے کہہ سکتی ہیں کہ میں تمہیں آزاد کر دوں گی؟

پھر کبھی لوگوں نے اس حقیقت پر غور کرنے کی زحمت گوارا کی کہ غزوۂ اُحد میں مشرکین کی طرف سے کیا صرف سیدہ ہند رضی اللہ عنہا آئی تھیں یا ان کے علاوہ فاطمہ بنت ولید۔۔۔ برّہ بنت مسعود۔۔۔ ام حکیم بنت حارث۔۔۔ سلافہ بنت سعد۔۔۔ اور کچھ اور خواتین بھی شریک تھیں۔

مؤرخین نے لکھا ہے کہ مشرکین کے مردوں اور عورتوں نے مل کر سید الشہداء سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ اور کچھ دیگر شہید ہونے والے صحابہ کے جسموں کا مثلہ کیا تھا۔

مگر ہمارے خطباء اور واعظین دوسری خواتین اور مشرکین کے مردوں کا ذکر نہیں کرتے بلکہ تمام تر زورِ خطابت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی والدۂ محترمہ کو جگر خوار ثابت کرنے پر خرچ کرتے ہیں۔

سید الشہداء سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کا مکمل اور تفصیلی واقعہ خود سیدنا وحشی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے جسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی صحیح بخاری میں نقل کرتے ہیں۔

سیدنا وحشی رضی اللہ عنہ کے بیان کردہ واقعہ میں کہیں بھی۔۔۔ سیدہ ہند رضی اللہ عنہا کا ذکر تک موجود نہیں۔۔۔ کہ تم سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کو قتل کر دو تو میں تمہیں آزاد کر دوں گی۔۔۔ بلکہ وحشی نے کہا مجھے میرے مالک جبیر بن مطعم نے کہا تھا اگر تم حمزہ رضی اللہ عنہ کو قتل کر دو تو میں تمہیں آزاد کر دوں گا۔۔۔ اور نہ ہی کلیجہ اور جگر چبانے کا ذکر ہے۔

سیدنا وحشی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں جب ایمان قبول کرنے کی غرض سے خدمتِ نبوی میں حاضر ہوا۔۔۔ آپ نے عفو و درگزر سے کام لیتے ہوئے مجھے معاف تو کر دیا مگر ساتھ ہی فرمایا:

فَهَلْ تَسْتَطِيعُ أَنْ تُغَيِّبَ وَجْهَكَ عَنِّي (بخاری $\frac{583}{2}$)

کیا تم اپنا چہرہ مجھ سے چھپا سکتے ہو۔ (میرے سامنے نہ آیا کرو مجھے چچا یاد آجاتے ہیں)

سیدنا وحشی رضی اللہ عنہ کا جرم تو اتنا بڑا نہیں تھا کیونکہ جب میدانِ جنگ میں دو فوجیں برسرِ پیکار ہوتی ہیں تو ہر ایک کی کوشش ہوتی ہے کہ مخالف فریق کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچائے۔۔۔غلبہ حاصل کرنے کے لیے ہر ممکن حربہ استعمال کرے اور فریق مخالف کے سپوتوں کو قتل کرے چنانچہ سیدنا وحشی رضی اللہ عنہ نے ایسے ہی کیا۔

مگر بدترین جرم تو یہ ہے کہ مقتولوں کے جسموں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے۔۔۔ ناک کان کاٹ دیئے جائیں اور بے حرمتی کی جائے۔۔۔پھر جرم کی انتہا یہ ہے کہ جگر اور کلیجہ نکال کر چبانے کی مذموم کوشش کی جائے۔۔۔اور اعضا کا ہار بنا کر گلے میں ڈال لیا جائے۔

اگر بقول تمہارے سیدہ ہند رضی اللہ عنہا نے یہ سب کچھ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے جسم کے ساتھ کیا ہوتا تو ہمیں مطمئن کرو کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چھوٹے مجرم سیدنا وحشی رضی اللہ عنہ کو اپنے سامنے آنے سے سختی کے ساتھ روک دیا۔۔۔۔۔اور سیدہ ہند رضی اللہ عنہا کے آنے پر مَرْحَبًا بِكِ۔۔۔۔۔ خوش آمدید۔۔۔جی آیاں نوں۔۔۔کہہ کر استقبال کیا۔۔۔ان کے گھر کے معزز ہونے کی تمنا کا اظہار کیا۔۔۔سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے مقتول جسم کو مثلہ کرنا، کلیجہ چبانا، اعضا کاٹ کر گلے کا ہار بنانا تو اتنا غلیظ، گھناؤنا جرم تھا کہ فتح مکہ کے دن سیدہ ہند رضی اللہ عنہا کے قتل کا اعلان کیا جاتا یا ان سے اظہار بیزاری کیا جاتا۔۔۔مگر اس کے بجائے ان کے گھر کو میرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دارالامان قرار دیا۔

پھر ایک اور بات بھی غور طلب ہے کہ سیدہ ہند رضی اللہ عنہا سے بیعت لیتے ہوئے جب یہ عہد لیا گیا کہ اپنی اولاد کو قتل نہیں کرو گی تو سیدہ ہند رضی اللہ عنہا نے جواب میں کہا۔۔۔ہم نے تو انہیں بچپن میں پالا پوسا۔۔۔جب جوان ہوئے تو آپ نے انہیں تہہ تیغ کر دیا۔

سیدہ ہند رضی اللہ عنہا کے اس جواب پر بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے قتل کرنے، وحشی رضی اللہ عنہ کے لیے انعام کے اعلان کرنے، سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کو مثلہ کرنے یا کلیجہ چبانے کے بارے میں کوئی بات نہیں فرمائی۔

امام الانبیاء ﷺ ان باتوں کا تذکرہ نہیں فرماتے بلکہ انہیں مَرْحَبًا بِكِ۔۔۔ کے ساتھ خوش آمدید کہتے ہیں۔۔۔اور آج ہمارا خطیب اور واعظ سبائیت اور رافضیت کے مسلسل پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور ان کی اہلیہ اور نبی اکرم ﷺ کی خوش دامن سیدہ ہند رضی اللہ عنہا اور ان کے لائق ترین فرزند سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایسے تعریفی اور توصیفی الفاظ کہنے سے ہچکچاتا ہے جن سے ان کی عظمت و مقام اجاگر ہو۔

مؤرخین نے۔۔۔ جھوٹی روایات کے سہارے اور بعد کے لوگوں نے مسلسل زہریلے پروپیگنڈے کے ذریعے یہ بات عوام کے دل و دماغ میں راسخ کر دی ہے کہ خاندانِ ابوسفیان میں زمانۂ کفر کی برائیاں اور گناہ اسی طرح موجود رہے۔۔۔ بلکہ ان کے ایمان کو مبنی بر نفاق قرار دیا گیا۔۔۔کہا گیا ان کا اسلام قبول کرنا مجبوراً تھا کہ اب دوسرا کوئی راستہ بچا ہی نہیں تھا۔

لطف کی بات یہ ہے کہ۔۔۔ اَنَّ الْاِسْلَامَ یَهْدِمُ مَا کَانَ قَبْلَهٗ۔۔۔اسلام کا قبول کرنا گناہوں کو ختم کر دیتا ہے۔۔۔اس ضابطے اور اس قاعدے سے خاندانِ ابوسفیان کو مستثنیٰ قرار دیا گیا۔

سامعین گرامی قدر! سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا گھرانہ دائرہ اسلام میں داخل ہوا تو اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ کا مصداق ٹھہرا۔۔۔ وہ میرے نبی ﷺ کے رفیق رہے۔۔۔رشتے دار بھی تھے۔۔۔سسرالی رشتہ نبوت کا ان کے ساتھ تھا۔

اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم کے جتنے فضائل کا تذکرہ کیا ہے خاندانِ ابوسفیان بھی اس کا مصداق ہے۔۔۔ اللہ رب العزت نے ان کی ماضی کی خطائیں معاف فرما دیں۔۔۔ان کی بلندیٔ درجات کے اعلان ہوئے۔۔۔انہیں اپنی رضا کی سند عطا کی۔۔۔اور جنت ان کی میراث ٹھہرائی۔

میرے عرض کرنے کا مقصد یہ ہے اور میں نے آج آپ کو یہ حقیقت سمجھانے کی

کوشش کی ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ۔۔۔ اصحابِ رسول کی مقدس جماعت میں سب سے مظلوم صحابی ہیں۔۔۔ تاریخ نے ان کے ساتھ بڑی زیادتی اور انتہائی ظلم کیا۔۔۔ ان کی کردار کشی کی۔۔۔ ان کی خدمات کو چھپانے کی کوشش کی۔۔۔ ان کی خامیوں کو اجاگر کیا۔۔۔ ان پر بہتان طرازی کی گئی۔۔۔ الزامات کی بوچھاڑ کی گئی۔۔۔ انہیں باغی اور خاطی تک کہا گیا۔۔۔ اور اہل سنت کے نادانوں نے۔۔۔ انہیں ملوکیت کا بانی کہا۔۔۔ انہیں کنبہ پرور مشہور کیا گیا۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ایسا مظلوم صحابی ہے کہ ان کی وجہ سے ان کے والد محترم سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی کردار کشی کی گئی۔۔۔ اور ان کی وجہ سے ان کی والدۂ محترمہ سیدہ ہند رضی اللہ عنہا کو بھیانک روپ میں پیش کرنے کی مذموم کوشش کی گئی۔۔۔ پھر ان کی وجہ سے ان کے پورے خاندان بنوامیہ کو بدنام کرنے کے لیے سبائی کمربستہ ہو گئے۔۔۔ بنوامیہ کے ظلم کی داستانیں اور من گھڑت کہانیاں سنا سنا کر عوام کو متنفر کرنے کی مذموم سازش کی گئی۔

میں نے آج کے خطبہ میں بنوامیہ کا تعارف بھی پیش کیا۔۔۔ ان کی خدمات کا تذکرہ بھی کیا۔۔۔ سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے مقام ومرتبے کو بھی بیان کیا اور سیدہ ہند رضی اللہ عنہا کی صحیح تصویر بھی پیش کی۔

وما علینا الا البلاغ المبین

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِیْمِ الْاَمِیْنِ

وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قَالَ النَّبِیُّ ﷺ اِنَّ ابْنِیْ هٰذَا سَیِّدٌ لَعَلَّ اللهَ اَنْ یُّصْلِحَ بِهٖ بَیْنَ فِئَتَیْنِ عَظِیْمَتَیْنِ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ (بخاری $\frac{373}{1}$، کشف الغمہ شیعہ $\frac{546}{1}$)

سامعین گرامی قدر! انبیاء کرام علیہم السلام کا اللہ رب العزت کے ساتھ ایک خاص تعلق ہوتا ہے۔۔۔ ایسا تعلق کہ دوسرے لوگ اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔

انبیاء کرام علیہم السلام پر وحی کا نزول ہوتا ہے۔۔۔ انہیں رب کے سلام اور پیغام آتے ہیں۔۔۔ وحی کے ذریعہ وہ گذشتہ اقوام پر آنے والے عذاب اور ان پر گزرنے والے حالات سے لوگوں کو خبردار اور آگاہ کرتے ہیں۔۔۔ انبیاء کرام علیہم السلام غیب کی کچھ خبروں پر اطلاع پاتے ہیں۔

مستقبل میں آنے والے کتنے واقعات کی انہیں خبر دی جاتی ہے۔۔۔ کئی امور کے بارے میں وہ پیشگوئیاں کرتے ہیں۔۔۔ اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اترنے والی وحی کے ذریعہ ہوتا ہے۔

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم صرف نبی نہیں بلکہ امام الانبیاء ہیں۔۔۔ خاتم النبیین ہیں۔۔۔

رحمۃ اللعالمین ہیں۔۔۔شفیع المذنبین ہیں۔۔۔سب انبیاء سے اعلیٰ۔۔۔اولیٰ۔۔۔برتر اور بالا قدر ہیں۔۔۔آپ پر چونکہ نبوت کا سلسلہ اختتام پذیر ہوا اس لیے آپ نے قیامت تک ہونے والے اہم واقعات کو امت کے سامنے بیان فرمایا۔

ان واقعات میں کچھ پیشنگوئیاں بھی ہیں۔۔۔جو آپ نے فرمائیں۔۔۔اور وحی کا اشارہ پا کر فرمائیں۔۔۔پھر آپ کی ہر پیشنگوئی پتھر پر لکیر ہوگئی۔

جس واقعہ کی خبر دی وہ ہو کر رہا۔۔۔جو بات مستقبل کے بارے میں ارشاد فرمائی وہ سو فیصد سچی ثابت ہوئی۔۔۔لطف کی بات یہ ہے کہ جس واقعہ کی اطلاع آپ نے دی اور جو پیشنگوئی آپ نے فرمائی۔۔۔اس کی صداقت پر اور اس کی سچائی پر مسلمان تو مسلمان رہے کافروں اور دشمنوں تک کو بھی یقین تھا۔۔۔وہ بھی سمجھتے تھے کہ جو محمد ﷺ کی مقدس زبان سے نکل گیا وہ پتھر پر لکیر ہو گیا۔

مشرکین اور کفار اگرچہ میرے نبی مکرم ﷺ پر ایمان نہیں لاتے تھے مگر انہیں سو فیصد یقین تھا کہ۔۔۔کائنات اِدھر سے اُدھر ہو سکتی ہے۔۔۔زمین اوپر جا سکتی ہے۔۔۔اور آسمان نیچے آسکتا ہے۔۔۔ستارے بے نور ہو سکتے ہیں۔۔۔چاند اپنی تابانی کھو سکتا ہے۔۔۔سورج اپنا راستہ بدل سکتا ہے۔۔۔پہاڑ اپنی جگہ سے سرک سکتا ہے۔۔۔سمندر اپنا رخ تبدیل کر سکتا ہے۔۔۔پھول اپنی خوشبو کھو سکتا ہے۔۔۔اور تدبیر ٹل سکتی ہے۔۔۔مگر محمد عربی ﷺ کی کوئی پیشنگوئی غلط نہیں ہو سکتی۔

اپنے مقصد کی بات کرنے سے پہلے۔۔۔صرف ایک پیشنگوئی کا تذکرہ کروں گا۔۔۔کہ میرے سچے اور سُچے نبی ﷺ کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ اور پیشنگوئی پر کفار کو کتنا یقین تھا۔

نبی اکرم ﷺ کے ایک صحابی ہیں سیدنا سعد رضی اللہ عنہ۔۔۔امیہ بن خلف کے دوست تھے۔۔۔امیہ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کا مالک تھا اور انہیں تپتے ہوئے کوئلوں پر لٹایا کرتا تھا اور نہیں

طرح طرح کی صعوبتیں دیا کرتا تھا۔

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ میں آئے اور امیہ کے گھر مہمان بنے۔۔۔ بیت اللہ کا طواف کرنے لگے تو ابو جہل کی نظر پڑی۔۔۔ کہنے لگا تم صابی ہو۔۔۔ تم بیت اللہ میں کیسے آئے اور تمہیں اس کی اجازت کس نے دی؟

(اس زمانے میں جو خوش قسمت در، در سے پیشانی ہٹا کر ایک کے در پر جھکا دیتا تھا اسے صابی کے لقب سے یاد کرتے تھے۔۔۔ جیسے آج کے دور میں جو خوش قسمت شرک کی غلاظتوں اور بدعات کی نجاستوں سے دامن بچا کر صرف رب کا پجاری بن جائے تو اسے وہابی کہتے ہیں)

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے غصے میں لال سرخ ہوتے ابو جہل کو ترکی بہ ترکی جواب دیا۔۔ کہ مکہ کے چوہدری تمیز سے بات کرو۔۔۔ ورنہ شام آنے جانے کا راستہ بند کر دوں گا۔۔۔ تمہاری تجارت اور معیشت کا ستیاناس ہو جائے گا۔

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کے سخت جواب کو سن کر امیہ بھی ابو جہل کا ہم نوا بننے لگا اور کہا سعد! ابو جہل ہمارا سردار ہے۔۔۔ بات ذرا نرمی سے کرو۔۔۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔۔۔ امیہ تم بھی سنو! میں نے اپنے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مقدس سے سنا ہے کہ امیہ میرے ساتھیوں کے ہاتھوں مارا جائے گا۔

امیہ کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا۔۔۔ ہوائیاں اُڑنے لگیں۔۔۔ تھا تو وہ پرلے درجے کا کافر اور بدترین دشمن رسول۔۔۔ مگر اسے یقین تھا کہ کائنات کی ہر بات غلط ہو سکتی ہے۔۔۔ مگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے نکلی ہوئی کوئی بات غلط نہیں ہو سکتی۔

ابو جہل ایک ہزار لشکر لے کر بدر کی طرف جانے لگا۔۔۔ تو امیہ موجود نہیں تھا۔۔ ابو جہل اس کے گھر پہنچا کہ تم سردار ہو۔۔۔ اگر تم نہیں آؤ گے تو مکہ کے دوسرے لوگ بھی نہیں جائیں گے۔۔۔ باہر نکلو اور لشکر میں شامل ہو کر محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ کے لیے چلو۔

امیہ کہنے لگا: تمہیں معلوم ہے میرے یثرب کے دوست سعد نے بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے کیا کہا تھا؟ مجھے رہنے دو کہیں محمد ﷺ کی بات آج ہی سچی ثابت نہ ہو جائے؟

ابو جہل کے اصرار پر امیہ کو بدر کے لیے نکلنا پڑا اور پھر میرے نبی ﷺ کے ساتھیوں کے ہاتھوں جہنم رسید ہوا۔۔۔ اور اس طرح میرے نبی ﷺ کی پیشنگوئی حرف بہ حرف سچ ثابت ہوئی۔ (بخاری $\frac{563}{2}$)

(میں حدیث و سیرت کی کتابوں سے ایسی بیسیوں پیشنگوئیاں بیان کر سکتا ہوں جو سو فیصد پوری ہوئیں مگر اس طرح میں اپنے اصلی موضوع سے دور نکل جاؤں گا۔۔۔ سراقہ کے ہاتھ میں کسریٰ کے کنگن۔۔۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہنا کہ میرے خاندان میں سے تم سب سے پہلے آکر مجھے ملو گی۔۔۔ یا میری ازواج میں سے سب سے پہلے آکر وہ زوجۂ محترمہ ملے گی جس کے ہاتھ لمبے ہوں گے)

اس تمہید کو مدنظر رکھ کر ذرا اس حدیث کا مفہوم سمجھنے کی کوشش فرمایئے۔۔۔ جو حدیث میں نے خطبے میں تلاوت کی ہے۔

امام الانبیاء ﷺ منبر پر خطبہ ارشاد فرما رہے ہیں۔۔۔ آپ کے نواسے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ قریب بیٹھے ہوئے تھے۔۔۔ آپ کبھی لوگوں کو دیکھتے اور پھر اپنے پیارے نواسے کو دیکھتے۔۔۔ پھر کائنات کے سب سے بڑے صادق و امین انسان نے اللہ تعالیٰ کی منشا کے مطابق اور وحی کا اشارہ پا کر ارشاد فرمایا:

اِنَّ ابْنِیْ هٰذَا سَیِّدٌ۔۔۔ لوگو! میرا یہ حسن بیٹا سردار ہے۔

کیوں سردار ہے؟ جنگ کرے گا یا لڑائی لڑے گا؟ فرمایا۔۔۔ نہیں بلکہ اس لیے سردار ہے:

لَعَلَّ اللّٰهَ اَنْ یُّصْلِحَ بِهٖ بَیْنَ فِئَتَیْنِ عَظِیْمَتَیْنِ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ

(بخاری $\frac{373}{1}$ ، کشف الغمہ شیعہ $\frac{546}{1}$)

ہوسکتا ہے اللہ میرے اس بیٹے کے ذریعے مسلمانوں کی دو عظیم جماعتوں کے درمیان صلح کرائے گا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ پیشگوئی 41 ہجری میں اس وقت پوری ہوئی جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ان کے بیٹے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ ان کے مشورے سے مسند آرائے خلافت ہوئے اور تمام تر اختیارات بلاشرکت غیرے ان کے ہاتھ میں آگئے۔۔۔سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے خلافت وحکومت کی بھاری ذمہ داریاں۔۔انتہائی مشکل اور نازک وقت میں سنبھالیں بھی اس مقصد اور اس غرض کے لیے تھیں۔۔۔کہ پوری طرح بااختیار ہوکر مسلمانوں کے مابین ہونے والے انتشار واختلاف کو مٹایا جاسکے اور ملت اسلامیہ کو ایک مرتبہ پھر متفق اور متحد کردیا جائے۔

مگر وہ شرارتی عنصر اور بدبخت لوگ جو گذشتہ تقریباً پانچ سال سے اسلام اور ملت اسلامیہ کو نقصان پہنچانے میں اور اختلاف وانتشار پھیلانے میں اور مسلمانوں کی قوت کو کمزور کرنے میں مصروف تھے اور خاصی حد تک کامیاب بھی تھے، بھلا وہ بیکار اور خاموش بیٹھنے والے کب تھے۔۔۔انہیں یہ بات کس طرح گوارا تھی کہ مسلمان متحد ہوکر کفر کے لیے عذابِ الٰہی بن جائیں۔۔۔وہ کب برداشت کرسکتے تھے کہ یہ تلواریں آپس میں نہ ٹکرائیں اور مشرکین وکفار کے خلاف چمکیں۔

انہوں نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو ابھارا اور مسلسل اصرار کیا کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف لشکر کشی کی جائے اور شام پر چڑھائی کی جائے اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت اور ان کے اقتدار کو خاک میں ملادیا جائے مگر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اس بات کو پسند نہیں فرماتے تھے۔

(ناسخ التواریخ 184)

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے بطور امتحان فرمایا اور اپنے جرنیلوں، کمانڈروں اور سرداروں کو جمع کرکے پوچھا تمہارے ارادے کیا ہیں۔۔۔؟ کیا تم سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ

جنگ اور لڑائی کے لیے تیار ہو۔۔۔؟ اور اگر جنگ بپا ہو جائے تو پوری طرح میرا ساتھ دو گے۔۔۔؟ اور جرأت اور بہادری سے مقابلہ کرو گے؟

جواب میں کہنے لگے۔۔۔ ہم آپ کے لیے جان اور مال کی بازی لگا دیں گے۔۔۔ ہم کٹ جائیں گے مگر پیچھے نہیں ہٹیں گے۔

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔۔۔ پھر تیاری کرو تمہارے جوہر کا امتحان اور تمہاری وفاؤں کی پرکھ میدانِ جنگ میں ہو گی۔

ادھر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو مہر و وفا کے یہ عہد دے کر گئے اور اُدھر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو چند سرداروں نے خطوط تحریر کیے۔۔۔ کہ اگر ہم سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو گرفتار کر کے آپ کے پاس لائیں تو کیا انعام اور کتنا معاوضہ ملے گا؟

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے جاسوسوں نے ان کو۔۔۔ کوفہ کے ان بے وفاؤں کی بدعہدی، بے وفائی بلکہ غداری کی اطلاع دی کہ جناب:

جن پر تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے

یہ افسوسناک اطلاع۔۔۔ اور تعجب انگیز خبر سن کر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے فیصلہ کر لیا کہ یہ لوگ جو اپنے آپ کو ہمارا ہمدرد اور محب کہتے ہیں۔۔۔ دراصل دین اسلام کے دشمن اور ملت اسلامیہ کے غدار ہیں۔۔۔ ان پر مزید بھروسہ اور اعتماد کرنا دانشمندی کے خلاف ہو گا۔۔۔ یہ لوگ کسی وقت اور کسی مقام پر بھی میری قیمت وصول کر سکتے ہیں اس لیے کہ شرم وحیا اور غیرت نام کی کوئی چیز ان بدبختوں کے قریب کبھی پھٹکی ہی نہیں۔

اس لیے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر کے مسلمانوں کی قوت وطاقت کو یکجا کرنا چاہیے۔۔۔ تاکہ کفار و مشرکین اور اسلام کے مخالفین کے خلاف منظم جہاد ہو سکے اور اطمینان ویکسوئی سے فتوحات کا سلسلہ ایک مرتبہ پھر شروع ہو سکے اور ان بدفطرت سازشیوں کو اور خبیث النفس شرارتیوں کو منہ کی کھانی پڑے۔

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اپنی فراست و دانائی سے یہ سمجھتے تھے اور انہیں تجربہ بھی تھا اور انہیں اچھی طرح معلوم بھی تھا کہ ان شرارتیوں اور فسادیوں سے۔۔۔ جو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت میں ملوث ہیں اور جنگ جمل اور صفین جن کی وجہ سے ہوئیں اور جو تمام تر انتشار واختلاف اور فساد کا باعث بنے۔۔۔ ان سے اگر کوئی شخصیت کماحقہ نپٹ سکتی ہے تو وہ صرف اور صرف سیدنا معاویہ کی شخصیت ہے۔۔۔ تو پھر میں کیوں نہ خلافت وحکومت کی ذمہ داریاں ان کے حوالے کر دوں اور ان کے حق میں دستبردار ہو جاؤں اور مسلمانوں کے مابین صلح وآشتی کا سبب بن جاؤں۔۔۔ چنانچہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے لشکر کے سرداروں کو اور اپنی فوج کے ذمہ داروں کو بلایا اور اپنا فیصلہ سنایا۔۔ کہ میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔

کہنے لگے یہ صلح کس نکتے پر ہو گی۔۔۔؟ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔۔۔ میں حکومت وامامت سے دستبردار ہو جاؤں گا اور خلافت وامامت اور حکومت کی تمام تر ذمہ داریاں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دوں گا اور ان کے ہاتھ پر بیعت امامت وخلافت کرلوں گا۔

یہ سن کر ان غداروں کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔۔۔ ان کے تیور بدل گئے۔۔۔ انہیں اپنے خطرناک منصوبے خاک میں ملتے نظر آئے۔۔۔ انہیں اپنا بُنا ہوا جال تار تار دکھائی دینے لگا۔۔ انہیں اپنے مذموم مقاصد اور مکروہ عزائم ناکام ہوتے نظر آئے۔۔۔ ان کی کامیابی کا تمام تر دارومدار مسلمانوں کے اختلاف وانتشار اور پھوٹ میں مضمر تھا۔۔ اگر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کرلیں اور مسلمانوں کی دو عظیم جماعتیں متحد ومتفق ہو جائیں تو ان بدبختوں کی تمام تر جدوجہد ناکام ہوتی تھی اس لیے ان لوگوں نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی یہ صلح کن بات سن کر ایک دوسرے کی طرف تعجب بھری نگاہوں سے دیکھا اور پھر جو کچھ کہا اسے اہل تشیع کی معتبر کتابوں سے سنیئے:

(جب اُن لوگوں کو یہ خبر پہنچی کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کرنا چاہتے

ہیں) تو وہ لوگ کہنے لگے اللہ کی قسم حسن رضی اللہ عنہ معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کرنا چاہتا ہے۔۔۔ یہ تو اپنے والد کی طرح (العیاذ باللہ) کافر ہو گیا ہے۔

(یعنی جس طرح سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کے لیے ثالثی فیصلہ قبول کرنے کے لیے اپنی طرف سے سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو ثالث بنا کر (العیاذ باللہ) کفر کا ارتکاب کیا تھا)

یہ کہہ کر وہ لوگ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے خیمہ پر حملہ آور ہوئے اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے نیچے سے جائے نماز کھینچ لی۔۔۔ اور ایک شخص نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی ران میں نیزہ مار کر انہیں زخمی کر دیا۔ (مناقب آل ابی طالب 433، ناسخ التواریخ $\frac{211}{1}$)

پھر کہنے لگے۔۔۔ اے حسن! تو امیر المومنین نہیں بلکہ مُذِلُ المومنین ہے یعنی مومنوں کو ذلیل کرنے والا۔ (اعلام الوریٰ طبرسی، الارشاد شیخ مفید)

یعنی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کی بات اور صلح کا ارادہ کر کے تم نے مومنوں کو ذلیل کر کے رکھ دیا ہے۔ (العیاذ باللہ)

سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے ان بدبختوں اور خبیثوں کے اس رویے کو دیکھا تو فرمایا:

اے عراقیو! تمہارے تین کرتوتوں کی وجہ سے میں نے تم سے کنارہ کشی کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔

(1) تم نے میرے والد گرامی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو شہید کیا۔

(2) تم میرے خیمے پر حملہ آور ہوئے اور میرا سامان تک لوٹ لیا۔

(3) تم نے میرے پیٹ اور میری ران میں نیزہ مار کر مجھے زخمی کیا۔

میں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی ہے اس لیے اب تمہیں ان کے احکام ماننا اور ان کی اطاعت کرنا ضروری ہے۔ (مروج الذہب مسعودی $\frac{431}{2}$)

ملا باقر مجلسی نے ''حیات القلوب'' میں۔۔۔ شیخ مفید نے ''الارشاد'' میں۔۔

اور اربلی نے ''کشف الغمہ'' میں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی ایک اور بات لکھی ہے:

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں سے کہا۔۔۔ مجھے اس بات کا اندیشہ ہے کہ اگر میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے جنگ کے لیے نکلوں۔۔۔ تو تم مجھے عین لڑائی کے موقع پر پکڑ کر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ فروخت کر دو گے، پھر یا تو معاویہ رضی اللہ عنہ مجھ پر احسان کر کے مجھے رہا کر دے گا اور اس احسان کا بدلہ میں قیامت تک نہیں اتار سکوں گا۔۔۔ یا پھر معاویہ رضی اللہ عنہ مجھے قتل کر دے گا۔۔۔ تو تمہارا کیا۔۔۔ نواسۂ رسول مارا جائے گا اس لیے بہتر ہے کہ میں باوقار طریقے سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح کر لوں۔

سامعین گرامی قدر! ایک اور حوالہ سنیے۔۔۔! ''احتجاج طبرسی جلد 2 صفحہ 10 اور ناسخ التواریخ جلد: 1 صفحہ: 3'' میں ہے کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اللہ کی قسم میں سمجھتا ہوں کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ میرے لیے ان لوگوں سے بہتر ہیں جو اپنے آپ کو ہماری طرف منسوب کرتے ہیں۔۔۔ ان لوگوں نے تو مجھے قتل کرنے کا ارادہ کیا، میرا سامان لوٹ لیا۔۔۔ میرا مال چھین لیا۔۔۔ اللہ کی قسم! اگر میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے عہد کر لوں جس سے میری جان بچ جائے اور میرے گھرانے کو امان مل جائے تو یہ صلح اس سے بہتر ہے کہ یہ لوگ مجھے قتل کر دیں اور میرا گھر برباد ہو جائے۔

وَاللهِ لَوْ قَاتَلْتُ مُعَاوِيَةَ لَاَخَذُوْا بِعُنُقِيْ يَدْفَعُوْنِيْ سَلْمًا

اللہ کی قسم! اگر میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے جنگ کر لوں تو یہ لوگ میری گردن سے پکڑ کر مجھے معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیں گے۔

اسی دوران سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی مہر و محبت اور شفقت و پیار سے بھرپور اور لبریز خطوط سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو تحریر کیے۔ (ناسخ التواریخ 220)

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بھی صلح و آشتی کی شدید ترین خواہش رکھتے تھے۔۔۔۔ علامہ

ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اِنَّ ابْنِیْ ھٰذَا سَیِّدٌ حدیث کی تشریح میں نقل کیا ہے کہ:

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے دو عظیم المرتبت صحابہ عبدالرحمن بن سمرہ اور عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہما کو صلح کی پیشکش کے ساتھ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیجا اور ان ہی دو صحابہ کی کوششوں اور محنت اور ضمانت پر دونوں فریقوں کے درمیان صلح کا معاملہ طے پا گیا۔

جو خطوط صلح کے لیے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے تحریر فرمائے ان میں سے ایک خط میں تحریر فرمایا:

يَا ابْنَ عَمِّ لَا تَقْطَعِ الرَّحِمَ الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنِيْ فَإِنَّ النَّاسَ قَدْ غَدَرُوْا بِكَ وَبِأَبِيْكَ مِنْ قَبْلِكَ (ناسخ التواریخ)

اے میرے چچا کے بیٹے! میرے اور تیرے درمیان جو رشتہ داری ہے اسے نہ توڑو۔ ان لوگوں نے صرف آپ سے نہیں بلکہ آپ کے والد محترم سے بھی غداری کی تھی۔ اس کے ساتھ ہی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سرداروں اور چوہدریوں کے خطوط بھی سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو بھیج دیئے جو انہوں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو تحریر کیے تھے ان خطوط میں ان غداروں اور مکاروں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھا تھا۔۔۔ اے معاویہ! ہماری جانب کوچ کیجیے جب تم پہنچو گے تو ہم سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو اس کے ہاتھ گردن سے باندھ کر تمہارے سپرد کر دیں گے یا خود انہیں قتل کر دیں گے۔

ان عجیب و غریب حالات کو دیکھتے ہوئے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف صلح کا پیغام بھیجا کہ میں خلافت سے دستبردار ہوتا ہوں اور چند شرائط پر آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہتا ہوں۔۔۔ ان شرائط کو اگر آپ تسلیم کر لیں تو پھر آپ میرے امام اور میں آپ کا مقتدی۔۔۔ آپ ہر محاذ پر آگے اور میں آپ کے پیچھے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سفید کاغذ پر مہر لگا کر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی طرف روانہ فرمایا کہ جو شرائط آپ کے جی میں آئیں تحریر کر

دیجیے وہ سب کی سب شرائط مجھے بلا حیل وحجت منظور ہوں گی۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی کھلے دل سے یہ پیشکش ۔۔۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی دلی خواہش تھی کہ تمام مسلمان ایک محاذ پر اکٹھے ہوں ان کے مابین ہونے والی تلخیاں ختم ہو جائیں۔۔۔رنجشیں دور ہو جائیں۔۔۔تاکہ یہود و نصاریٰ اور دیگر کفار و منافقین اور اسلام دشمن طاقتوں کا شدت سے اور متحد ہو کر تعاقب کیا جا سکے اور کفر کی طاقت کا قلع قمع ہو جائے۔

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے برادرِ عزیز سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور اپنے مخلص احباب کے مشورے سے چار شرائط تجویز کر کے صلح کر لی اور فرمایا:

اگر خلافت و امامت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا حق تھا تو ان کو پہنچ گیا۔۔۔اور اگر یہ میرا حق تھا تو میں اس سے دستبردار ہو گیا اور اپنا حق سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو بخش دیا۔ چار شرائط میں سے پہلی شرط تھی:

مجھے اور میرے تمام ساتھیوں کو جان کی امان حاصل ہو گی۔

دوسری شرط رکھی:

مجھے اور میرے بھائی سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو بیت المال سے سالانہ ایک لاکھ درہم وظیفہ دیا جائے گا۔

(یہ وظیفہ کس لیے لے رہے ہیں۔۔۔؟ کس کے سامنے شرط رکھ رہے ہیں۔۔۔؟ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے رکھ رہے ہیں۔۔۔ذرا غور کیجیے اور بتایئے کہ اگر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کافر تھا تو اس کا مال کیسے جائز اور حلال ہو گیا)

ذرا تیسری شرط سنیے:

جب تک حکومت کرو گے قرآن وسنت کے عین مطابق کرو گے۔۔۔بس صرف اتنی شرط رکھی؟ نہیں بلکہ ساتھ ہی کہا۔۔۔۔حکومت اس طرح کرو گے جس طرح سیدنا

ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے کر کے دکھائی ہے۔۔۔ خلفاء راشدین کے طریقے کے مطابق خلافت وحکومت کا نظام چلاؤ گے۔

چوتھی شرط رکھی:

مسلمانوں کی خلافت وامامت کا فیصلہ مسلمانوں کے باہمی مشورہ سے طے ہو گا۔۔۔ جس آدمی کو مشورے سے مسلمان آپ کے بعد خلیفہ منتخب کرلیں وہی خلیفہ ہوگا۔

(کشف الغمہ 570/1)

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ تو مسلمانوں کی خیر خواہی۔۔۔ اور مسلمانوں کے باہمی اتفاق کے جذبہ کے تحت پہلے ہی صلح کے لیے ہمہ تن تیار تھے۔۔۔ انہوں نے ان تمام شرائط کو آنکھیں بند کر کے قبول کرلیا اور اس طرح مسلمانوں کے مابین خوش گوار ماحول میں صلح ہوگئی۔

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور ان کے برادر عزیز سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے مخلص احباب سمیت۔۔۔ اور اپنے لشکر کے کمانڈروں کے ہمراہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر کے ان کو مملکت اسلامیہ کا متفقہ قائد۔۔۔ اور عالم اسلام کا بلا شرکت غیر حکمران۔۔۔ اور امیر المومنین تسلیم کرلیا۔۔۔ اور پھر زندگی بھر یہ دونوں عظیم المرتبت بھائی اس بیعت پر قائم رہے۔

حسن، معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین ہونے والی صلح کے واقعہ کو فریقین کی معتبر کتابوں نے نقل کیا ہے۔۔۔ اہل سنت کی کتابوں کے حوالے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔۔۔ اس لیے کہ تمام اہل سنت کے علماء اس صلح کو مانتے اور تسلیم کرتے ہیں۔

اہل تشیع کی معتبر کتاب رجال کشی۔۔۔ علامہ کشی تیسری صدی کا معتبر عالم ہے۔۔۔ وہ اس واقعہ کو کس طرح بیان کرتا ہے۔۔۔ آیئے دیکھتے ہیں:

سَمِعْتُ اَبَا عَبْدِ اللهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَقُوْلُ اِنَّ مَعَاوِيَةَ كَتَبَ اِلَى الْحَسَنِ اَنِ اقْدِمْ اَنْتَ وَالْحُسَيْنُ وَاَصْحَابُ عَلِيٍّ فَخَرَجَ مَعَهُمْ قَيْسُ بْنُ سَعْدٍ وَقَدِمُوْا

الشَّامَ

حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی طرف خط لکھا کہ آپ برادر عزیز سیدنا حسین اور سیدنا علی رضی اللہ عنہما کے ساتھیوں کے ساتھ تشریف لائیں۔۔۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ ان کو ساتھ لے کر چلے تو سیدنا قیس بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ بھی ان حضرات کے ساتھ نکلے۔۔۔ یہ سب لوگ شام پہنچ گئے۔۔۔ جب یہ سب حضرات شام میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں تشریف لائے۔۔۔ تو کہا گیا:

قُمْ یَا حَسَنُ۔۔۔ حسن اٹھو۔۔۔ فَبَایِعْ۔۔۔ اور بیعت کرو۔۔۔ فَقَامَ فَبَایَعَ۔۔۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے اٹھ کر بیعت کرلی۔۔۔ پھر سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سے کہا۔۔۔

قُمْ یَا حُسَیْنُ فَبَایِعْ۔۔۔ حسین اٹھیے اور بیعت کیجیے۔۔۔

پھر قیس بن سعد رضی اللہ عنہ سے کہا۔۔۔ یہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی فوج کے کمانڈر تھے۔۔۔ قُمْ یَا قَیْسُ فَبَایِعْ۔۔۔ قیس اٹھو اور بیعت کرو۔۔۔ فَالْتَفَتَ اِلَی الْحُسَیْنِ۔۔۔ قیس نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھا (کہ میں فوجی آدمی ہوں آپ نے بیعت کرلی ہے مجھے رہنے دیں)

اور آنکھوں آنکھوں میں پوچھا کہ میرے لیے کیا حکم ہے۔۔۔؟ فَقَالَ یَا قَیْسُ اِنَّهٗ اِمَامِیْ یَعْنِی الْحَسَنَ عَلَیْهِ السَّلَامُ

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا قیس! سیدنا حسن رضی اللہ عنہ میرے امام ہیں۔۔۔ (یعنی جو کچھ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے کیا ہے ہمیں اس میں تردد نہیں ہونا چاہیے، جب سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے بیعت کر کے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو امام مان لیا ہے تو ہم بھی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنا امام مانتے ہیں۔ (رجال کشی 102)

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے جب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کرلی اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنا امام اور امیر مان لیا تو۔۔۔ فَلَامَهٗ بَعْضُهُمْ عَلٰی بَیْعَتِهٖ۔۔۔ کچھ شرارتی قسم کے

لوگوں نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو اس بیعت کرنے پر ملامت کی تو سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں سے فرمایا۔۔۔ بربادی تمہارا مقدر بنے۔۔۔ تم نہیں جانتے کہ میں نے جو کچھ کیا ہے یہ میرے ماننے والوں کے لیے دنیا اور جو کچھ دنیا میں موجود ہے سب سے بہتر ہے۔

(احتجاج طبرسی $\frac{9}{2}$، جلاء العیون $\frac{403}{1}$)

یہ صلح ربیع الاول 40 ہجری میں ہوئی، تقریباً آٹھ سال کے بعد 49 ہجری میں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا۔۔۔ ان آٹھ سالوں میں باوجود کچھ لوگوں کے اکسانے کے اور باوجود ان کی توہین کرنے کے وہ اپنی اس بیعت پر قائم اور پختہ رہے۔ وہ ہر سال سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت وحکومت کے دور میں بیت المال سے وظیفہ وصول کرتے رہے۔

البدایہ والنہایہ جلد: 8 صفحہ: 163 میں حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ بیعت مکمل ہو جانے کے بعد اپنے بھائی سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ بھی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں آتے تھے۔۔۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں بھائیوں کا بہت احترام کرتے اور انتہائی عزت فرمایا کرتے تھے، مرحباً کے الفاظ سے استقبال کرتے۔۔۔ اپنے پاس بٹھاتے اور بڑے بڑے عطیات دیتے تھے۔

اہل تشیع کی معتبر کتاب شرح نہج البلاغۃ ابن ابی الحدید جلد: 2 صفحہ: 282 میں ہے:

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سیدنا حسن اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہما میں سے ہر ایک کو لاکھ لاکھ درہم سالانہ وظیفہ دیا کرتے تھے۔

سیدنا حسین اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہما

49 ہجری میں جب سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا انتقال پُرملال ہوا۔۔۔ تو کوفہ کے انہی شرارتیوں نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو جو تعزیتی خطوط تحریر کیے ان میں انہیں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت توڑنے کی ترغیب دی۔۔۔ کہ اصل صلح تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے آپ کے بھائی سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے کی تھی۔۔۔ اب وہ خود دنیا میں نہیں رہے تو پھر صلح کے باقی رہنے کا بھی کوئی جواز نہیں۔

"الارشاد شیخ مفید صفحہ: 200 میں ہے۔۔۔اسی طرح مقتل حسین ابومخنف میں ہے کہ عراق کے لوگ پھر سے متحرک ہو گئے اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے ہاں آنا جانا شروع کر دیا۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو جب ان حالات کی خبر ہوئی۔۔۔تو انہوں نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو ایک خط تحریر فرمایا۔۔۔جس میں لکھا:

آپ کوفیوں کو اچھی طرح پہچانتے ہیں، ان کے فریب میں آ کر اس امت کے اتفاق و اتحاد کو نہ توڑنا اگر آپ بے وفائی نہیں کریں گے تو میں بھی بے وفائی نہیں کروں گا۔۔۔آپ میری عزت کریں گے تو میں بھی آپ کی عزت کروں گا۔

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے جواب میں تحریر فرمایا:

معاذ اللہ! میں اس عہد و پیمان کو توڑ دوں جو عہد و پیمان میرے بھائی سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے آپ کے ساتھ باندھا تھا۔۔۔میری کوئی منفی بات اگر آپ تک پہنچی ہے تو یقین جانیے وہ چغل خوروں، غیبت کرنے والوں اور مسلمانوں کی جماعتوں کے درمیان جدائی ڈالنے والوں کی کارستانی ہے۔ وَاللهِ يَكْذِبُوْنَ۔۔۔بخدا وہ جھوٹ بکتے ہیں۔

الارشاد میں شیخ مفید نے لکھا ہے کہ

جب عراق کے کچھ لوگوں نے تحریک چلائی کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت توڑ دیں۔۔۔۔تو سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے ان کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔۔۔ وَذَكَرَ اَنَّ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ مُعَاوِيَةَ عَهْدًا۔۔۔ میں جیتے جی معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کو نہیں توڑوں گا۔۔میرے اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان عہد اور معاہدہ ہے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا بیٹا معاہدہ کی خلاف ورزی کا سوچ بھی نہیں سکتا۔

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا جوابی خط جب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ تک پہنچا۔۔۔تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے صلہ رحمی سے کام لیا اور ان کے ہدایا، وظیفے اور عطیات میں کوئی کمی نہ آنے دی۔

وَكَانَ يَبْعَثُ اِلَيْهِ فِيْ كُلِّ سَنَةٍ اَلْفَ دِيْنَارٍ سِوَى الْهَدَايَا مِنْ كُلِّ صِنْفٍ

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو ہر سال ایک ہزار دینار دیا کرتے تھے یہ ایک ہزار دینار ان تحائف اور انعامات کے علاوہ ہیں جو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ہر قسم کی اشیاء سے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو دیا کرتے تھے۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ

وَلَمَّا تُوُفِّيَ الْحَسَنُ كَانَ الْحُسَيْنُ يَفِدُ إِلَى مُعَاوِيَةَ فِيْ كُلِّ عَامٍ فَيُعْطِيْهِ وَيُكْرِمُهُ (البدایہ والنہایہ $\frac{163}{8}$)

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد بھی سیدنا حسین رضی اللہ عنہ ہر سال سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں تشریف لے جایا کرتے تھے وہ ان کا اکرام و احترام بھی فرماتے اور انہیں عطیات بھی دیتے۔

لمحہ فکریہ سامعین گرامی قدر! ایک لمحہ کے لیے یہاں رکیے۔۔۔ اور اللہ کو گواہ بنا کر میرے سوال کا جواب دیجیے۔۔۔ کہ یہ تشریف آوری کس کے ہاں ہو رہی ہے۔۔۔؟ یہ وفاداری کے خطوط کس کو تحریر ہو رہے ہیں۔۔۔؟ یہ سالانہ وظیفے اور ہدایا کس کی حکومت میں وصول کیے جا رہے ہیں۔۔۔؟

معاف کیجیے! اگر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت، اسلامی خلافت نہیں تھی۔۔۔ اگر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت صحیح نہیں تھی۔۔۔ اگر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ قرآن و سنت کے احکام کی خلاف ورزی کرتے تھے۔۔۔ اگر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ عدل و انصاف کے تقاضے پورے نہیں کرتے تھے۔۔۔ اگر واقعی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بے انصاف اور ظالم تھے۔۔۔ تو پھر اس خلافِ شریعت اور بددیانت و ظالمانہ حکومت کے سربراہ کے دربار میں ہر سال جا کر وظیفے وصول کرنے والوں کا دامن کس طرح صاف اور بے داغ ثابت کرو گے۔۔۔؟

لہٰذا اللہ سے ڈریئے اور۔۔۔ خانوادۂ علی پر رحم کھایئے۔۔۔ اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کو بھی تسلیم کیجیے۔۔۔ اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا احترام بھی کیجیے۔۔۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ

کی خلافت سے دستبرداری اور صلح کر لینے کے بعد اور بیعت معاویہ کر لینے کے بعد مملکت اسلامیہ اور ملت اسلامیہ کے مسلمان ایک بار پھر متفق علیہ امام۔۔۔ اور امیر المومنین سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی امامت وخلافت پر اکٹھے ہو گئے۔

اسی لیے اس سال کا نام ''عام الجماعۃ'' رکھا گیا ہے۔۔۔ یعنی وہ سال جس میں عالم اسلام کا انتشار وافتراق ختم ہو گیا اور مسلمان پھر سے مجتمع اور اکٹھے ہو گئے۔ تمام مسلمان ایک متفق علیہ امام کی امامت پر متفق ہو گئے۔۔۔ مسلمان پھر سے ایک عظیم قائد کی قیادت میں جمع ہو گئے۔

میں کہتا ہوں کہ 41 ہجری میں جب سیدنا حسنین کریمین رضی اللہ عنہما نے اپنے ساتھیوں سمیت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت خلافت کر لی۔۔۔ اس کے بعد مملکت اسلامیہ کے تقریباً چون صوبوں میں ایک شخص بھی ایسا نہیں ملتا جس نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت سے انکار کیا ہو۔۔۔ اگر سب نے بیعت کر لی تو پھر ماننا پڑے گا کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت وامامت متفقہ تھی اور برحق خلافت تھی۔

بَیْنَ فِئَتَیْنِ عَظِیْمَتَیْنِ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک الفاظ پر ضد وعناد اور ہر قسم کے تعصب سے کنارہ کش ہو کر غور فرمایئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں جماعتوں کو مسلمانوں کی عظیم جماعتیں کہا۔۔۔ ایک جماعت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی۔۔۔ اور دوسری جماعت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی۔

آج کچھ لوگوں نے حُبِّ اہل بیت کے لبادے میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو اسلام کا دشمن، خاندانِ نبوت کا مخالف۔۔۔ کافر وفاسق کہہ کر ان پر تبرا کیا اور گالیاں دیں۔۔۔ اور بدقسمتی سے کچھ اہل سنت کہلانے والوں نے بھی تاریخ کی تاریکیوں میں گم ہو کر۔۔۔ اور تاریخ کو وحی کا درجہ دے کر کبھی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو باغی کہا۔۔۔ کبھی فتنہ فساد کا بانی کہا۔۔۔ کبھی کہا وہ دورِ جاہلیت کو واپس لانے والا اور بدعات ایجاد کرنے والا تھا۔۔۔ کبھی انہیں

کنبہ پرور اور کبھی خلافت کو ملوکیت میں بدلنے والے کا طعنہ دیا۔

مگر میرے پیارے پیغمبر ﷺ کے مبارک الفاظ پر ذرا غور فرمایئے۔۔۔کہ آپ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی جماعت کو فِئَةٌ بَاغِيَةٌ نہیں فرمایا۔۔۔بلکہ فِئَةٌ عَظِيمَةٌ فرمایا۔۔ یعنی عظیم جماعت۔۔۔اور پھر مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ کے الفاظ فرما کر رحمت کائنات ﷺ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایمان اور اسلام پر مہر تصدیق ثبت فرما دی۔

لگے ہاتھ میں یہاں ایک مشہور اعتراض کا جواب دینا چاہتا ہوں۔۔۔یہ اعتراض مخالفینِ معاویہ اپنی تقریروں اور تحریروں میں بار بار دہراتے رہتے ہیں اور اُگلے ہوئے لقمے چباتے رہتے ہیں۔۔۔وہ اعتراض یہ ہے کہ سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی فوج میں تھے اور وہ جنگ صفین میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کے ہاتھوں شہید ہوئے اور امام الانبیاء ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ ''عمار! تجھے باغی گروہ قتل کرے گا۔'' اس سے واضح ہوا کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی باغی تھے۔

مگر آپ حضرات یہ سن کر حیران ہو جائیں گے کہ یہ حدیث متواتر یا مشہور کے درجہ میں نہیں ہے بلکہ خبر واحد ہے اور وہ بھی صحیح نہیں بلکہ محدثین نے اس پر جرح کی ہے۔۔۔اس حدیث کا ایک راوی معلیٰ بن عبد الرحمن ہے۔۔۔تہذیب التہذیب میں ہے کہ ابوداؤد کہتے ہیں کہ میں نے یحییٰ بن معین سے معلیٰ بن عبد الرحمن کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا اس کا کیا پوچھتے ہو۔۔۔اس سے موت کے وقت کسی نے پوچھا تم اللہ سے معافی طلب کیوں نہیں کرتے؟ تو وہ جواب میں کہنے لگا میں اپنی مغفرت سے ناامید نہیں ہوں کیونکہ میں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں ستر حدیثیں گھڑی ہیں۔

حضرت علی بن عبد اللہ المدینی رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ

كَانَ يَضَعُ الْحَدِيْثَ

یہ شخص حدیثیں گھڑتا تھا۔

اور امام دارقطنی نے فرمایا۔۔۔ یہ شخص پرلے درجے کا جھوٹا ہے۔

(تہذیب التہذیب 238/10)

پھر علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے شہرۂ آفاق کتاب (اللآلی المصنوعہ صفحہ:212 جلد:11) میں اس حدیث کو باسند تحریر کر کے کہا:

مَوْضُوْعٌ وَالْمَعَلّٰی مَتْرُوْكٌ يَضَعُ

یہ روایت من گھڑت ہے کیونکہ اس روایت کی سند میں معلّٰی نامی راوی ایسا ہے جو متروک ہے اس لیے کہ وہ اپنی طرف سے حدیثیں گھڑتا تھا۔

اب آپ خود فیصلہ فرمالیں کہ جس روایت کی سند میں ایسا راوی ہو۔۔۔ جو وضّاع اور کذّاب ہو۔۔۔ جھوٹی حدیثیں گھڑ گھڑ کر امام الانبیاء ﷺ کے ذمے لگاتا ہو ایسی حدیث کو کون باشعور شخص قبول کر سکتا ہے؟ اور ایسی ''ستھری'' حدیث کب اس قابل ہے کہ اسے بطور حجت پیش کر کے ایک اولوالعزم صحابی اور اس کے تمام رفقا پر باغی ہونے کا فتویٰ چسپاں کر دیا جائے۔

پھر عقل وخرد کے میزان پر اس حدیث کو ذرا پرکھ کر دیکھیے۔۔۔ کہ جو جلیل القدر اصحابِ رسول سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔۔۔ اور ان کے لشکر میں شامل تھے اس فرمان کی موجودگی میں سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد وہ سب کے سب اس بات کا فیصلہ کر لیتے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا باغی ہونا واضح ہو گیا ہے لہٰذا ہمیں اُن کا ساتھ نہیں دینا چاہیے۔ لیکن تاریخ کی کسی کتاب میں نہیں ملتا کہ سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد کسی ایک شخص نے بھی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے علیحدگی اختیار کی ہو۔

اور اس من گھڑت حدیث کے الفاظ پر غور فرمائیے! اے عمار! تجھے قتل کرے گا فِئَةٌ بَاغِيَةٌ۔۔۔ ایک باغی گروہ مگر دوسری جانب بخاری کی حدیث ہے سونے کی طرح کھری۔۔۔ جس میں نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ۔۔۔ یہ حسن میرا سردار بیٹا ہے اللہ اس کے ذریعے

صلح کروائے گا۔۔۔ بَیْنَ فِئَتَیْنِ عَظِیْمَتَیْنِ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ۔۔۔ مسلمانوں کی دو عظیم جماعتوں کے درمیان۔۔۔ رحمت کائنات ﷺ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی جماعت کے ساتھ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی جماعت کو بھی فِئَۃٌ عَظِیْمَۃٌ۔۔۔ عظیم جماعت کا درجہ دے رہے ہیں۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ عالم اسلام کے متفقہ قائد

سامعین گرامی قدر! میں عرض کر رہا تھا کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے خداداد تدبر وفراست اور حلم و بردباری اور ایثار وقربانی اور مسلمانوں کے لیے خیر خواہی کے جذبے کے تحت خلافت وامامت اور حکومت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمادی اور خود ان کے ہاتھ پر بیعت کر کے بکھرے ہوئے اور ٹوٹے ہوئے مسلمانوں کو پھر سے جوڑ دیا اور اس طرح سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ مملکت اسلامیہ کے متفقہ قائد اور امیر المومنین کے منصب پر فائز ہوئے۔

آج سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراض کرنے والوں کو۔۔۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر تبرا کرنے والوں کو۔۔۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے نفرت کا اظہار کرنے والوں کو۔۔۔ ایک لمحہ کے لیے سوچنا چاہیے کہ ہم کس پر تبرا کر رہے ہیں۔۔۔؟ ہم کس کو گالیاں دے رہے ہیں۔۔۔؟ ہم کس سے نفرت کا اظہار کر رہے ہیں۔۔۔؟ ہم کس پر طعن وتنقید کے نشتر چلا رہے ہیں۔۔۔؟ جو حسنین کریمین رضی اللہ عنہما جیسی عظیم شخصیات کا امیر بھی تھا۔۔۔ امام بھی اور محسن بھی۔۔۔ اور مقتدا بھی۔

اللہ کے بندو! کبھی تنہائی میں بیٹھ کر۔۔۔ ضد وعناد سے کنارہ کش ہو کر۔۔۔ اور تعصب کی پٹی آنکھوں سے اتار کر غور کر لیا کرو۔۔۔ کہ وہ امام کتنا رفیع المرتبہ ہوگا جس کا مقتدی عظیم المقام، نواسۂ رسول سیدنا حسن رضی اللہ عنہ ہو۔۔۔ اور جس کا مقتدی سیدنا حسین رضی اللہ عنہ جیسا بلند مرتبہ اور عالی شان ہو، وہ پیشوا کتنا عظیم ہوگا۔

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے اس خوبصورت اقدام سے اور ان کی دور اندیشی اور ان کے اخلاص کے نتیجے میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ مملکت اسلامیہ کے متفقہ قائد اور امیر المومنین

بنے۔۔۔ پھر تقریباً انیس سال عدل وانصاف اور خشیت الٰہی کے ساتھ خلافت وحکومت کی ذمہ داریاں نبھائیں۔۔۔۔ بڑی جرأت واستقلال سے آگے بڑھے اور نصف دنیا پر پرچم اسلام لہرایا۔۔۔ بڑی شجاعت سے کفر کو ناکوں چنے چبوائے۔۔۔۔ اور کفار کے سینے پر مونگ دلتے رہے۔۔۔ ان کے دورِ خلافت میں اللہ کے دین کا کلمہ بلند ہوا۔۔۔ اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے عملی جدوجہد ہوئی۔۔۔ مسلمان راحت اور آرام، عافیت وسکون اور اطمینان کی زندگی بسر کرنے لگے۔۔۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں منافقین کی کارستانیوں کی وجہ سے اور مسلمانوں کی آپس میں تلخیوں اور لڑائیوں کی وجہ سے فتوحات کا جو سلسلہ رک گیا تھا۔۔۔ وہ سلسلہ پھر سے شروع ہوا۔۔۔ اسلام اور مسلمانوں کی ترقی کے دروازے پھر سے کھل گئے۔۔۔ یقیناً سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا دور اتحادِ امت کا سنہری اور لاجواب دور تھا۔

سامعین گرامی قدر! جو لوگ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ویری اور غالی دشمن ہیں اور انہیں مسلمان تک ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔۔۔ ان کے عقیدے اور نظریے میں یہ بنیادی بات شامل ہے کہ خلافت وامامت ایک منصوص من اللہ منصب ہے یعنی اللہ واضح اور صریح حکم سے خلیفہ اور امام خود نامزد فرماتا ہے۔

اور ساتھ ہی ان کا یہ نظریہ بھی ہے کہ خلافت اور امامت کا عہدہ۔۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے شروع ہوا اور ان کی اولاد ہی میں رہا۔۔۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور اولادِ علی کے علاوہ کوئی شخص بھی خلافت وامامت کے منصب کے لائق نہیں ہے۔

ہم اہل سنت کا خیال یہ ہے کہ ان حضرات کا یہ نظریہ درست اور صحیح نہیں ہے۔۔۔ یہ عقل اور نقل کے ترازو پر پورا نہیں اترتا۔۔۔ اہل سنت کے ہاں اس کے بہت سے دلائل ہیں۔

ان میں سے ایک دلیل سیدنا حسن اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہما کی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح اور ان کے ہاتھ پر بیعت کرنا بھی ہے۔۔۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا خلافت سے دستبردار ہو کر

خلافت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دینا اس بات کی قوی دلیل ہے کہ امامت وخلافت منصوص من اللہ نہیں ہوتی۔۔۔ بلکہ امامت وخلافت کا منصب اور عہدہ امت کے دیگر افراد کے لیے بھی صحیح اور درست ہے۔

اگر یہ بات صحیح نہ ہوتی تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لخت جگر اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نورِ نظر خلافت کا منصب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالے کرنے پر راضی نہ ہوتے۔

نبوت کا منصب منصوص من اللہ ہوتا ہے۔۔۔ اللہ رب العزت تمام لوگوں میں سے نبی کا انتخاب کرتا ہے۔۔۔ کوئی نبی کسی دوسرے کو یہ منصب سپرد نہیں کرسکتا۔

اسی طرح اگر امامت وخلافت کا منصب بھی منصوص من اللہ ہوتا اور کوئی امام یہ منصب اپنے ارادے اور اپنی مرضی سے کسی کے سپرد نہیں کرسکتا تو سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے امامت وخلافت کا منصب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کیسے اور کیوں کر دیا؟

عام الجماعۃ سیدنا حسن اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین صلح اور اتفاق واتحاد کی مسلمانوں کے ہاں بڑی اہمیت ہے۔۔۔ اسی صلح کے ذریعہ ایک بڑے انتشار اور افتراق کا خاتمہ ہوا۔۔۔ مسلمانوں کے مابین اختلاف مٹ گئے۔۔۔ ایک مدت سے مسلمانوں کی تلواریں اسلام کے دشمنوں پر غلبہ پانے سے رکی ہوئی تھیں۔۔۔ فتوحات کا سلسلہ بند تھا۔۔۔ دشمنانِ اسلام مسلمانوں کے باہمی انتشار پر بغلیں بجاتے تھے۔۔۔ پھر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے ایثار کی بنا پر اللہ رب العزت نے سب مسلمانوں کو ایک مرکز پر متفق اور مجتمع کر دیا۔

سب مسلمانوں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو متفقہ امیر اور خلیفہ تسلیم کر لیا۔۔۔ جو حضرات سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں۔۔۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے دور، دور تھے۔۔۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے بیعت کرنے پر ان تمام حضرات نے بھی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت خلافت کر لی۔۔۔ اسی وجہ سے اس سال کا نام ''عام الجماعۃ'' پڑ گیا۔

(البدایہ والنہایہ 21/8، فتح الباری 53/13)

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی صلح اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعتِ خلافت۔۔۔اسی طرح سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی بیعتِ خلافت کے بعد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفہ برحق قرار پائے اور امیر المومنین کے منصب پر فائز ہوئے اور امام صادق کے لقب کے مستحق ٹھہرے۔

(الصواعق المحرقہ لابن حجر مکی $\frac{218}{2}$)

خلافتِ معاویہ ایک اور پیشگوئی

امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت اور امارت کے لیے بشارت دی ہے۔۔۔سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ خود ذکر کرتے ہیں:

مَا زِلْتُ اَطْمَعُ فِی الْخِلَافَةِ مُنْذُ قَالَ لِی رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِنْ مَلَكْتَ فَاَحْسِنْ

(مصنف ابی ابن شیبہ $\frac{147}{11}$)

میں ہمیشہ خلافت کے بارے امیدوار رہا کیونکہ مجھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا اے معاویہ! اگر تجھے حکومت ملے تو لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔

ایک حدیث اور بھی سنیے!

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وضو کروایا کرتے تھے۔۔۔ایک دن وہ بیمار ہو گئے تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وضو کروانے لگے۔۔۔نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک یا دو بار سر اٹھا کر معاویہ کو دیکھا اور فرمایا:

یَا مُعَاوِیَةُ اِنْ وُلِّیْتَ اَمْرًا فَاتَّقِ اللهَ وَاعْدِلْ

(مجمع الزوائد 355، تطہیر الجنان 15)

اے معاویہ! اگر خلافت وامارت کا تمہیں والی بنایا جائے تو (خلافت کی ذمہ داریاں نبھاتے ہوئے) اللہ سے ڈرنا اور عدل وانصاف سے کام لینا۔

قَالَ مُعَاوِیَةُ فَمَا زِلْتُ اَظُنُّ اَنِّیْ مُبْتَلًی بِعَمَلٍ بِقَوْلِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ حَتّٰی ابْتُلِیْتُ

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان کے پیش نظر ہمیشہ

مجھے خیال رہا کہ میں خلافت کے اس کام میں مبتلا ہوں گا یہاں تک کہ میں اس آزمائش میں داخل ہوا اور مجھے یہ اٹھانا پڑا۔

ذرا تصویر کا ایک رخ اور دیکھیے!

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مشہور صحابی سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔۔۔ بلکہ نصیحت فرمائی:

اے ابوذر! تم دو آدمیوں پر بھی امیر نہ بننا اس لیے کہ تم کمزور ہو۔

اور ادھر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے خلافت وامارت کی بشارت سنائی جا رہی ہے اور پیشگوئی کی جا رہی ہے۔۔۔ ساتھ ہی تلقین بھی فرمائی جا رہی ہے کہ خلافت وامارت کی ذمہ داریاں نبھانے میں اللہ سے ڈرتے رہنا اور ہمیشہ عدل وانصاف کا دامن تھام کر رکھنا۔

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روایت نقل کی ہے۔۔۔۔۔ اور روایت بھی ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے۔۔۔۔ کہ سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی باری کے دن ان کے دورازے پر کسی نے دستک دی۔۔۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔۔۔ دیکھو کون ہے دستک دینے والا۔۔۔؟ دیکھا تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ تھے۔۔۔ آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا انہیں اندر آنے کی اجازت دے دو۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اس حالت میں اور اس شان سے اندر داخل ہوئے کہ ان کے کان پر قلم رکھا ہوا تھا۔۔۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔۔۔ معاویہ! تیرے کان پر قلم کیسا ہے۔۔۔؟ اور آج قلم کان پر لگا کر کیوں آئے ہو۔۔۔؟ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔۔۔ یہ قلم میں نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے تیار کیا ہے۔۔۔ آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا معاویہ! اللہ تجھے میری طرف سے اچھا بدلہ عطا فرمائے۔۔۔۔ اللہ تعالیٰ کی قسم ہے میں نے تمہیں جو کاتب مقرر کیا ہے تو یہ اللہ کی وحی اور حکم کے مطابق کیا ہے۔۔۔ اور میں کوئی چھوٹا یا بڑا کام اللہ کی وحی اور حکم کے بغیر نہیں کرتا۔۔۔ معاویہ! اگر تمہیں اللہ خلافت کی قمیص

پہنائے تو تیری کیا رائے ہے؟

خلافت کی بشارت سن کر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اٹھ کھڑی ہوئیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے جا کر بیٹھ گئیں اور کہنے لگیں:

یارسول اللہ! کیا واقعی اللہ معاویہ کو خلافت کی قمیص پہنائے گا؟

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔۔۔ ہاں! اللہ انہیں خلافت کی قمیص پہنائے گا مگر اس میں کچھ تکالیف اور پریشانیاں بھی ہیں۔۔۔۔ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یارسول اللہ! آپ معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے دعا فرمادیں تاکہ وہ تکالیف ان کے لیے آسان ہو جائیں۔

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور کہا:

اَللّٰھُمَّ اھْدِہٖ بِالْھُدٰی وَجَنِّبْہُ الرَّدٰی وَاغْفِرْ لَہٗ فِی الْاٰخِرَۃِ وَالْاُوْلٰی

(البدایہ والنہایہ $\frac{120}{8}$)

میرے مولا! معاویہ کو ہدایت سے سرفراز فرما اور انہیں مصائب سے بچا اور دنیا و آخرت میں معاویہ کی مغفرت فرما۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ پیشگوئی حرف بہ حرف پوری ہوئی۔۔۔نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ پیشگوئی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کی دلیل بن گئی۔۔۔سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے خلافت سے دستبردار ہو کر مملکت اسلامیہ کے چون صوبوں کی حکومت، خلافت اور امارت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمائی۔۔۔اور پورے انیس سال انہوں نے انتہائی عدل وانصاف کے ساتھ، تقوٰی اور خشیت الٰہی کے تحت اور کرم واحسان کے ساتھ حکومت وخلافت کی ذمہ داریوں کو پورا فرمایا۔۔۔تقریباً پچپن ہزار اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم نے ان کے ہاتھ پر بخوشی ورضا بیعت کر کے ان کے امیر المومنین اور خلیفہ برحق ہونے پر مہر تصدیق ثبت کی۔

وما علینا الا البلاغ المبین

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ الْاَمِیْنِ

وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قَالَ النَّبِیُّ ﷺ اَوَّلُ جَیْشٍ مِّنْ اُمَّتِیْ یَغْزُوْنَ الْبَحْرَ قَدْ اَوْجَبُوْا

(بخاری $\frac{410-409}{1}$)

سامعین گرامی قدر! یہ حقیقت نا قابل تردید ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام ذات اور حقیقت کے اعتبار سے بشر ہوتے ہیں۔۔۔ اللہ رب العزت نے انسانوں کی ہدایت کے لیے نبوت اور رسالت کے عظیم مرتبے پر کسی نوری اور ناری کو فائز نہیں فرمایا۔۔۔ بلکہ یہ منصب صرف بشر ہی کو عطا فرمایا ہے۔

سورت ال عمران میں ارشاد ہوا:

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّؤْتِیَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ یَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّیْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (آل عمران 79)

کسی بشر کو لائق اور مناسب نہیں جسے اللہ کتاب اور حکم اور نبوت عطا کرے اور پھر وہ لوگوں سے کہنے لگے کہ اللہ کو چھوڑ کر میری عبادت کرنے والے بن جاؤ۔

ارشاد باری نے اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ نبوت اور کتاب صرف بشر ہی کو ملی ہے۔۔۔ انبیاء کرام علیہم السلام ہوتے تو بشر ہیں مگر اللہ رب العزت انہیں کچھ ایسی امتیازی خصوصیات اور انفرادی اوصاف سے نوازتا ہے جن کے ذریعہ وہ دوسرے انسانوں سے ممتاز ہو جاتے ہیں۔

مثلاً انبیاء کرام علیہم السلام معصوم عن الذنوب والعصیان ہوتے ہیں۔۔۔ وہ ماں کی گود سے لے کر قبر میں جانے تک چھوٹے بڑے گناہوں سے معصوم اور پاک ہوتے ہیں۔۔۔ یاد رکھیے! گناہوں سے معصوم ہونا صفت نبوت کی ہے۔۔۔ اگر کوئی شخص انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ کسی اور کو گناہوں سے معصوم مانتا ہے تو وہ دراصل ختم بنوت کے سیل بند محل میں نقب لگانا چاہتا ہے۔

انبیاء کرام علیہم السلام کی امتیازی خصوصیات میں سے ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ ان کا خواب عام لوگوں کے خواب کی طرح نہیں ہوتا۔۔۔ بلکہ انبیاء کرام علیہم السلام کا خواب قطعی ہوتا ہے اور وحی کا درجہ رکھتا ہے۔۔۔ انبیاء کرام علیہم السلام کا خواب دین میں حجت ہوتا ہے اور دلیل بنتا ہے۔

یاد رکھیے۔۔۔! اور اپنے عقیدے کی اصلاح کر لیجیے۔۔۔! کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ کسی کا خواب بھی دین میں حجت اور دلیل نہیں بن سکتا۔۔۔ کوئی بڑا ہو یا چھوٹا۔۔۔ امام ہو یا مقتدی۔۔۔ پیر ہو یا مرید۔۔۔ کوئی بڑے سے بڑا مفسر ہو۔۔۔ یا عظیم محدث ہو۔۔۔ کوئی امام ہو۔۔۔ تابعی ہو یا صحابی ہو۔۔۔ کسی کا خواب بھی قطعی نہیں ہوتا۔۔۔ حجت نہیں ہوتا۔۔۔ اور اسے شریعت میں یا عقیدے کے ثبوت میں بطور دلیل پیش نہیں کیا جا سکتا۔

صرف اللہ کے نبی کا خواب ہے جو وحی کا درجہ رکھتا ہے۔۔۔ نبی کے خواب کا حکم بالکل اسی طرح ہے جیسے بیداری کی حالت میں اس پر وحی اتر رہی ہے۔۔۔ اللہ تعالیٰ کا نبی

جو کچھ خواب میں دیکھتا ہے۔۔۔جو کچھ اللہ اسے خواب میں دکھاتا ہے۔۔۔وہ سب کچھ لازماً ہو کر رہتا ہے۔

امام الموحدین سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام خواب میں دیکھیں کہ اپنے لخت جگر کے گلے پر چھری رکھ رہے ہیں تو ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے بیٹے سیدنا اسماعیل علیہ السلام کو تیار کر کے میدان میں لے جائیں اور جبین کے بل لٹا کر ذبح کرنے کے لیے تیار ہو جائیں۔سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے علاوہ کوئی اور یہی خواب دیکھے تو اس کے لیے جائز نہیں کہ صبح بیٹے کے گلے پر چھری رکھے۔سورۃ صٰفٰت کی آیت 100 سے لے کر آیت نمبر 111 تک اس خواب اور واقعہ کا اللہ رب العزت نے تذکرہ فرمایا ہے۔

اسی طرح قرآن نے سورت الفتح میں امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک خواب کا تذکرہ کیا ہے:

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰہُ رَسُوْلَہُ الرُّؤْیَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ اٰمِنِیْنَ (الفتح 27)

اللہ نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھایا کہ تم داخل ہو گے مسجد حرام میں اگر اللہ نے چاہا امن واطمینان سے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس خواب کا تذکرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فرمایا۔۔۔آپ نے وقت کی تعیین نہیں فرمائی۔۔صحابہ کرام میں سے اکثر کا خیال (شدتِ شوقِ زیارتِ بیت اللہ کے لیے) اس طرف گیا کہ یہ سفر اسی سال پیش آئے گا۔۔۔نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارادہ بھی اسی سال عمرہ کرنے کا بن گیا۔۔۔مگر حدیبیہ کے مقام پر روک لیے گئے تو واپسی پر صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یارسول اللہ! کیا آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ ہم امن واطمینان سے مکہ میں داخل ہوں گے اور عمرہ کریں گے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔۔۔میں نے یہ تو نہیں کہا تھا کہ اسی سال ایسا ہو گا۔۔۔

اگر میرے اللہ کو منظور ہوا تو یقیناً تم احرام باندھ کر عمرے کی ادائیگی کے لیے بیت اللہ کا طواف کرو گے۔

پھر صلح حدیبیہ سے اگلے سال 7 ہجری میں ایسے ہی ہوا۔۔۔ اور جو کچھ خواب میں میرے نبی ﷺ نے دیکھا تھا سو فیصد اسی طرح ہوا۔

میرے اس بیان سے یہ حقیقت واضح ہوگئی ہے کہ اللہ کے نبی کا خواب دوسرے لوگوں کے خواب کی طرح ظنی نہیں ہوتا۔۔۔ بلکہ قطعی ہوتا ہے۔۔۔ وحی کا درجہ رکھتا ہے۔۔۔ اور دین وشریعت میں حجت اور دلیل کی حیثیت رکھتا ہے۔

اس تمہید کو ذہن میں رکھ کر ذرا اس حدیث پر غور کیجیے جو خطبے میں۔۔۔ میں نے تلاوت کی ہے۔۔۔ یہ حدیث امام بخاری اپنی شہرہ آفاق کتاب بخاری میں سات جگہوں پر لائے ہیں۔۔۔ مسلم میں بھی ہے۔۔۔ مؤطا امام مالک نے بھی اسے درج کیا ہے۔۔۔ جامع ترمذی نے اسے جگہ دی ہے۔۔۔ سنن ابی داؤد نے اسے زینت بنایا۔۔۔ ابن ماجہ نے بھی نقل کیا۔

آج موضوع روایات کے سہاروں پر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی کردار کشی کرتے ہو۔۔۔ ساتویں درجے کی کتب کے حوالوں کو کھول کھول کر مداریوں کی طرح دکھاتے پھرتے ہو۔۔۔ تاریخ کی تاریکیوں میں گم ہو کر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے کردار کو نشانہ بناتے ہو۔۔۔ بے سروپا کہانیاں سناتے ہو۔۔۔ جھوٹے واقعات کے بل بوتے پر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی صحابیت کے درجے کو مجروح کرنے کی مذموم کوشش کرتے ہو۔

اقوالِ رجال کو معتبر مان کر صحابیت کے تقدس کو پامال کرتے ہو۔۔۔ من گھڑت روایات کو بنیاد بنا کر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر تنقید کی پٹاری کھول بیٹھتے ہو۔

تمہیں بخاری میں درج نبی اکرم ﷺ کی یہ صحیح حدیث نظر نہیں آتی جس میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی عظمت واضح ہو رہی ہے۔۔۔ انہیں جنت کی خوشخبری زبانِ نبوت سے

ل رہی ہے۔۔۔ تمہاری غلاظت اگلتی زبانیں۔۔۔ تمہاری نجس سوچ۔۔۔ اور گند بھری تحریریں۔۔۔ میں انہیں خرافات سے زیادہ اہمیت نہیں دیتا۔۔۔ سنو! جس نبی ﷺ کا نام لے کر عشق نبی کے دعوے کرتے ہو انہوں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں کیا فرمایا ہے؟

تم نے ان روایات کا سہارا لیا جو سبائیوں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے انتقام لینے کے لیے وضع کیں اور بعد کے مؤرخین نے صحیح اور غیر صحیح۔۔۔ ضعیف اور من گھڑت۔۔۔ سوکھی اور گیلی ہر طرح کی کہانیاں اپنی اپنی تاریخ میں درج کر دیں۔۔۔ اور پھر تم نے انہیں وحی کا درجہ دے کر سینے سے لگا لیا۔۔۔ نہ تم نے اسناد کو پرکھا۔۔۔ اور نہ درایت کے میزان پر تولا۔

فاتحہ خلف الامام۔۔۔ رفع یدین۔۔۔ آمین بالجہر۔۔۔ اور طلاقِ ثلاثہ والی روایات پر جرح و تعدیل، تنقیح و تحقیق کی محنت کی جاتی ہے۔۔۔ دونوں اطراف سے کتابیں تحریر ہوتی ہیں۔۔۔ حدیثوں کی اسناد پر بحث ہوتی ہے۔۔۔ مگر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں۔۔۔ اور عہد صحابہ کے تاریخی واقعات کی تحقیق کے سلسلہ میں۔۔۔ روایت، درایت، عقل و شعور، تحقیق و جستجو کے تمام تر تقاضے فراموش کر دیتے ہو اور ہر قسم کی روایت کو اور حکایت کو اور کہانیوں کو بغیر سوچے سمجھے قبول کر لیتے ہو۔

میں بخاری سے حدیث پیش کر رہا ہوں۔۔۔ جسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سات جگہوں پر لائے ہیں۔۔۔ بخاری اسناد کی عمدگی اور مضبوطی کے اعتبار سے بے مثال کتاب ہے۔

سنو۔۔۔! بخاری کے مقابلے میں۔۔۔ اور بخاری کے خلاف روایات کے بے شمار دفتر بھی درجۂ قبولیت نہیں پا سکتے۔۔۔ جب تک یہ ثابت اور واضح نہ کر دیا جائے کہ بخاری کی سند کمزور ہے اور بخاری کی مخالف روایت کی سند مضبوط اور اعلیٰ ہے۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں۔۔۔اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی کردار کشی میں جو تاریخ کی کتابیں تم پیش کرتے ہو۔۔۔ان کتب کی روایات کا بخاری کے مقابلے میں مضبوط اور مستند ہونا تو دور کی بات ہے۔۔۔وہ روایات محققین علماء کے نزدیک اس لائق بھی نہیں کہ انہیں کسی صف میں جگہ دی جاسکے۔

ادنیٰ فہم وشعور اور معمولی سی عقل رکھنے والا شخص اور عدل وانصاف کے ترازو پر ہر چیز کو تولنے والا شخص یہ ماننے کے لیے کیا اپنے آپ کو تیار کر سکے گا؟۔۔۔کہ بخاری کی روایت ہو اور دنیا کے سب سے بڑے صادق کا فرمان ہو۔۔۔جس میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے جنتی ہونے کی بشارت ہو۔۔۔اسے ترک کر کے اور اسے پس پشت ڈال کر ضعیف اور موضوع روایات کے بل بوتے پر اور جھوٹ اور افتراء سے بھرے ہوئے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر تبرا کرے۔۔۔نامناسب تنقید وتنقیص کرتا پھرے۔۔۔ان کی دین داری کو مجروح کرتا پھرے۔۔۔ان کی امانت ودیانت کے بارے میں مشکوک ہو۔۔۔اور انہیں باغی اور بدعتی اور خاطی اور عنادی کے الفاظ سے یاد کرتا پھرے۔

میری اس تمہید کو ذہن میں رکھ کر اب ذرا توجہ سے وہ حدیث سنیے۔۔۔!

امام الانبیاء، نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوپہر کے وقت کبھی کبھی اپنی رضاعی خالہ سیدہ ام حرام رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لے جایا کرتے تھے۔۔۔ایک روز دوپہر کے وقت وہیں سو گئے۔۔۔ بیدار ہوئے تو چہرۂ انور پر مسکراہٹ تھی۔

سیدہ ام حرام رضی اللہ عنہا نے مسکرانے کی وجہ پوچھی کہ یارسول اللہ! آج خلافِ معمول چہرے پر مسکراہٹ کی کوئی خاص وجہ؟ رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔۔۔مجھے خواب میں اپنی امت کا وہ لشکر دکھایا گیا جو سمندری جنگ میں مجاہد ہیں اور وہ لکڑی کے تختوں پر ایسے براجمان ہیں جس طرح تخت پر بادشاہ بیٹھے ہوتے ہیں۔(اسی حسین منظر کو دیکھ کر میں مسکرا رہا ہوں) پھر میرے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَوَّلُ جَيْشٍ مِّنْ اُمَّتِيْ يَغْزُوْنَ الْبَحْرَ قَدْ اَوْجَبُوْا

میری امت کا پہلا لشکر جو سمندری جنگ کرے گا ان پر جنت واجب ہو گئی ہے۔

اس حدیث کی شرح میں مشہور محدث علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کیا لکھتے ہیں ذرا اسے بھی سماعت فرمالیجیے:

قَالَ الْمُهَلَّبُ فِيْ هٰذَا الْحَدِيْثِ مَنْقَبَةٌ لِمُعَاوِيَةَ لِاَنَّهٗ اَوَّلُ مَنْ غَزَّ الْبَحْرَ

(فتح الباری $\frac{103}{6}$)

مہلب نے کہا ہے کہ اس حدیث سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت اور منقبت ثابت ہوتی ہے کیونکہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ہی نے سب سے پہلے بحری جنگ کی تھی۔

وَقَوْلُهٗ قَدْ اَوْجَبُوْا اَیْ فَعَلُوْا فِعْلًا وَجَبَتْ لَهُمْ بِهِ الْجَنَّةَ

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان قَدْ اَوْجَبُوْا ۔۔۔ سے مراد یہ ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر نے ایسا کارنامہ سرانجام دیا جس کی بنا پر ان سب کے لیے جنت واجب ہو گئی۔

علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

قَوْلُهٗ اَوَّلُ جَيْشٍ مِّنْ اُمَّتِيْ يَغْزُوْنَ الْبَحْرَ اَرَادَ جَيْشَ مُعَاوِيَةَ وَقَالَ الْمُهَلَّبُ مَعَاوِيَةُ اَوَّلُ مَنْ غَزَا الْبَحْرَ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی کہ میری امت کا پہلا لشکر جو سمندری جہاد کرے گا اس سے مراد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا لشکر ہے اور مہلب نے کہا ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ہی وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے سمندری جہاد کیا۔

علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں کیا لکھتے ہیں آیئے دیکھتے ہیں:

اَوَّلُ جَيْشٍ مِنْ اُمَّتِيْ يَغْزُوْنَ الْبَحْرَ هُوَ جَيْشُ مَعَاوِيَةَ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد سے مراد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا لشکر ہے۔

آپ کے اس ارشاد سے واضح ہوا کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی یہ بحری لڑائی اللہ کے

راستے میں۔۔۔ اللہ کی رضا کے لیے تھی اور مقصد اعلائے کلمۃ اللہ تھا۔۔۔ یہ سب شرکاء کے لیے جنت کے واجب ہونے کی خوشخبری اور پیشگوئی ہے۔ نبی اکرم ﷺ کو اس لشکر کے شرکاء خواب میں دکھائے گئے وہ بادشاہوں کی طرح بیٹھے ہوئے تھے۔۔۔ اور آپ ان کو دیکھ کر خوش ہوئے اور مسکرائے۔

سبحان اللہ! سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی عظمت و مقام اور شان و عزت پر قربان جاؤں جو حالت بیداری میں بھی امام الانبیاء ﷺ کی قلبی مسرت کا باعث بنتے تھے اور جنھوں نے نیند میں بھی آپ کو خوش کیا اور راحت پہنچائی۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے خلافت عثمانی میں اس پیشگوئی کو پورا فرمایا اور اس جنتی لشکر کی قیادت کر کے روم کی شان و شوکت کو جڑ سے اکھاڑ دیا اور ان کا غرور خاک میں ملا دیا۔۔۔ اور آتش کدہ کفر کو سرد کر کے رکھ دیا۔۔ سچی اور حقیقی بات یہ ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی اسلامی خدمات کو دیکھ کر۔۔۔ اور ان کی سیرت و کردار کو دیکھ کر یہ بات تسلیم کرنی پڑتی ہے۔۔۔ کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ تدبر میں بے مثال۔۔۔ فہم و فراست میں لاجواب۔۔۔ ان کی عسکری صلاحیتیں بے مثل۔۔۔ اور تنظیمی امور پر ان کی نظر گہری تھی۔

تاریخ کا ادنیٰ طالب علم بھی جانتا ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اسلامی سیاست و سیادت کے بادشاہ۔۔ خلوص و وفا کے پیکر۔۔ ایثار و قربانی کے مجسمہ تھے۔۔۔ شجاعت و بہادری ان کی فطرت اور خطابت ان کی لونڈی تھی۔۔۔ سخاوت و شرافت کی وہ علامت تھے۔۔۔ اور صداقت و عدالت ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔۔۔ انتہائی زیرک اور دور رس نگاہ کے مالک۔۔۔ معاملہ فہم و دانشمند۔۔۔۔ مسلمانوں کے لیے حلم و بردباری اور حوصلے کا کوہِ گراں۔۔۔ مگر کفار کے لیے سیفِ براں۔۔۔ خانوادہ نبوت سے انتہائی پیار اور دشمنانِ رسول کے لیے دودھاری تلوار۔۔۔ نبی اکرم ﷺ کے محبوب بھی اور محب بھی۔۔۔ صحابی بھی اور کاتب وحی کے منصب پر فائز بھی۔۔۔۔ نبی اکرم ﷺ کے دوست بھی اور

برادرِ نسبتی بھی۔۔۔۔خال المومنین (مومنوں کے ماموں) بھی اور امیر المومنین بھی۔۔۔
فاتح شام وقبرص بھی۔۔۔۔۔سیدنا صدیق اکبر اور سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کے معتمد علیہ
بھی۔۔۔اور سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے وزیر اور حیدر کرار رضی اللہ عنہ کے ویر بھی۔۔۔اور
حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کے مقتدا بھی اور امام بھی۔۔۔سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ وہ خوش نصیب صحابی
ہے جس کے لیے اللہ کے آخری اور سچے پیغمبر امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم دعا کے لیے ہاتھ بلند کرتے
ہیں اور کہتے ہیں:

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ هَادِيًا مَهْدِيًّا وَاهْدِ بِهٖ (ترمذی $\frac{224}{2}$)

اے اللہ معاویہ کو ہادی اور مہدی بنا دے اور اس کے ذریعے سے دوسرے لوگوں
کو ہدایت عطا فرما۔

کیا اس حقیقت سے کوئی ذی ہوش اور ذی علم انکار کرسکتا ہے؟ امیر المومنین سیدنا
عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دورِ حکومت میں پہلا اسلامی بحری بیڑا جس میں سینکڑوں کے
حساب سے کشتیاں تھیں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے بنایا تھا اور 28 ہجری میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی
قیادت میں اور سپہ سالاری میں پہلا لشکر بحری جہاد کے لیے سمندر پار قبرص پر حملہ آور ہوا اور
فاتح بن کر پلٹا۔۔۔

پہلے بحری بیڑے کے موجد سامعین گرامی قدر! صرف یہ نہیں کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ
پہلے بحری لشکر کے سالار رہیں (اور اس لشکر کے تمام افراد کے لیے جنت لازم اور واجب ہوگئی
ہے) بلکہ پہلے بحری بیڑے کے موجد بھی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ہی ہیں۔

امیر المومنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے
ان سے عرض کی کہ ہمیں ایک بحری بیڑا کی تیاری کرنی چاہیے کیونکہ سلطنتِ روم کے
بدمعاش کشتیوں کے ذریعہ مسلمانوں کے ساحلی علاقوں تک پہنچتے ہیں اور لوٹ مار کرکے اور
مسلمانوں کو نقصان پہنچا کر کشتیوں کے ذریعہ بھاگ جاتے ہیں۔

ہمیں دشمنانِ اسلام کو صرف خشکی پر نہیں بلکہ سمندر میں بھی شکست فاش دینی چاہیے اور بحری جنگ کے ذریعہ ان کو ناکوں چنے چبوانے چاہئیں۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی اس تجویز سے اتفاق نہ فرمایا۔۔۔ وسائل کی کمی بھی اس راہ میں رکاوٹ بنی اور میدانی علاقوں میں جنگی مہمات میں مشغولیت بھی ایک معقول عذر تھا۔

بحر روم میں قبرص دشمن کی بحری قوت کا مرکز تھا اور شام کے ساحل سے قریب تھا اور ہر وقت خطرہ رہتا کہ شام کے مسلمانوں پر کسی نہ کسی وقت وہ سمندری راستے سے حملہ آور ہو جائیں۔۔۔ ضروری تھا کہ قبرص کو فتح کر لیا جائے تاکہ شام اور مصر کی حفاظت ممکن بن سکے۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ان سے اجازت طلب کی۔۔۔ انہوں نے اجازت دے دی۔۔۔ تو صرف ایک سال میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے پہلا بحری بیڑا سمندر میں ڈالا جس میں سینکڑوں کشتیاں تھیں۔

اسی بحری بیڑے کے ذریعہ خلافتِ عثمانی میں قبرص فتح کر لیا گیا۔۔۔ اسی پہلی بحری جنگ کے شرکاء کے لیے جنت کی خوشخبری لسانِ نبوت نے اللہ کا اشارہ پا کر دی تھی اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اس لشکر کے قائد اور سالار تھے۔

آج ہر ایرا غیرا نتھو خیرا محقق بنا ہوا ہے۔۔۔ اسے مفکر اسلام کہلانے کا شوق کھائے جا رہا ہے۔۔۔ ہر واعظ اور غیر ذمہ دار خطیب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن و تشنیع اور تنقید و تنقیص کا بازار گرم کرنے میں مصروف ہے۔۔۔ انہیں باغی، خاطی، ملوکیت کا بانی، اور کنبہ پرور اور مال غنیمت کا خائن۔۔۔ نہ جانے کیا کچھ کہا جاتا ہے۔

یہ لوگ معتبر ترین کتاب بخاری سے کیوں بھاگ رہے ہیں۔۔۔؟ جس بخاری کی تکمیل پر بڑے بڑے اجتماعات کرتے ہو۔۔۔ اور لوگوں کو اس روحانی محفل میں شرکت کی

دعوتیں دیتے ہو۔۔۔سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت کو پہچاننے کے لیے۔۔۔بخاری کی اس روایت کو پس پشت کیوں ڈالتے ہو؟

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر تنقید اور مطاعن کے لیے ساتویں درجے کی کتب کو بطور سند پیش کرتے ہو۔۔۔ابو مخنف، واقدی، ابن ہشام کی روایات پر آنکھیں بند کر کے ایمان لا کر اپنی عاقبت برباد کرتے ہو۔۔۔محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بردار نسبتی، کاتب وحی، فاتح قبرص، اور محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعاؤں کے مصداق سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر تبراء اور تنقید۔۔۔غلطیوں کی نشاندہی اور اعمال پر بحث کرتے ہوئے تمہیں حیا تک نہیں آتی۔۔۔کبھی فکر کر لیا کرو کہ کل حوضِ کوثر پر محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سامنا کیسے کرو گے۔۔۔؟ سوچ لو۔۔۔!!!

بخاری کی یہ روایت سند کے اعتبار سے سونے کی طرح کھری روایت اسے پڑھو۔۔۔وہ کون سا لشکر تھا جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دکھایا گیا۔۔۔؟ جس لشکر کے تمام شرکاء کو جنت کی بشارت زبانِ نبوت نے دی۔۔۔ذرا ہمیں بھی بتاؤ کہ اس لشکر کا سپہ سالار کون تھا۔۔۔؟ بتلاؤ ذرا۔۔۔! اس کا سپہ سالار وہی معاویہ رضی اللہ عنہ تھا جس کا بغض تمہارے سینوں میں ہے۔۔۔ہاں وہی معاویہ رضی اللہ عنہ جس کے بارے میں تمہارا قلم زہر اگلتا ہے۔۔۔ہاں ہاں! وہی معاویہ رضی اللہ عنہ جس کی تنقیص میں تمہاری زبانیں گند اگلتی رہتی ہیں۔

میاں میرا مشورہ مانو اور اپنی آخرت کی اور اپنے انجام کی فکر کرو۔۔۔جس معاویہ رضی اللہ عنہ پر تم تنقید اور تبراء کر رہے ہو وہ تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے جنت اور بخشش کی ضمانت لے چکا ہے۔

قسطنطنیہ پر پہلا حملہ آور بخاری کی اسی حدیث کا دوسرا حصہ بھی ذرا سنیے گا، جسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے سات جگہوں پر ذکر فرمایا۔

سیدہ ام حرام رضی اللہ عنہا کے گھر دوپہر کے وقت خواب دیکھا۔۔۔میری امت کا پہلا لشکر جو بحری جہاد کرے گا ان پر جنت واجب ہو گئی۔۔۔سیدہ ام حرام رضی اللہ عنہا نے اس لشکر

کے جنتی ہونے کی بشارت سنی تو عرض کیا:

اُدْعُ اللّٰهَ اَنْ یَّجْعَلَنِیْ مِنْهُمْ فَدَعَا لَهَا

یا رسول اللہ! آپ میرے لیے دعائیں فرمائیں کہ اللہ مجھے ان میں سے کر دے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لیے دعا فرمائی۔۔۔۔ سیدہ ام حرام رضی اللہ عنہا کہتی ہیں پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَوَّلُ جَیْشٍ مِنْ اُمَّتِیْ یَغْزُوْنَ مَدِیْنَةَ قَیْصَرَ مَغْفُوْرٌ لَّهُمْ

میری امت کا پہلا لشکر جو قیصر کے شہر پر حملہ آور ہوگا ان سب کی مغفرت مقدر ہو چکی ہے۔

بخاری کے شارح علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے مدینہ قیصر کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ اس سے مراد رومی سلطنت کا دار الحکومت قسطنطنیہ ہے۔

(بخاری میں یہ روایت تقریباً سات جگہوں پر آئی ہے) (بخاری $\frac{410}{1}$)

(بخاری $\frac{392}{1}$) (بخاری $\frac{1069}{2}$) (بخاری $\frac{409\text{-}405\text{-}403}{1}$)

سیدہ ام حرام رضی اللہ عنہا کی حدیث میں جس دوسرے لشکر کا اور اس میں شامل ہونے والوں کے مغفور ہونے کا تعلق ہے تو اس خوش قسمت لشکر کی روانگی امیر المومنین سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ہوئی اور اس لشکر کا سالار اور کمانڈر ان کا بیٹا یزید تھا۔

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے البدایہ والنہایہ جلد: 8 صفحہ: 227 میں لکھا ہے:

جب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے قسطنطنیہ پر حملہ کرنے کا پختہ عزم کر لیا تو زبانِ نبوت سے اس لشکر کے مغفور ہونے کی بنا پر یزید نے اپنے والد محترم سے خود درخواست کی تھی کہ اس مقدس اور انتہائی اہم لشکر کی امارت کی ذمہ داری کا شرف مجھے بخشا جائے۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کے ان جذبات کو دیکھتے ہوئے قسطنطنیہ پر حملہ آور

ہونے والے پہلے لشکر کی قیادت وامارت کی ذمہ داری اسے سونپ دی۔

بخاری کے متن میں موجود ہے (کسی تاریخ یا بے سند کتاب میں نہیں) ذرا سنیے:

قَالَ مَحْمُودُ بْنُ الرَّبِيعِ فَحَدَّثْتُهَا قَوْمًا فِيهِمْ أَبُو أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيُّ صَاحِبُ رَسُولِ اللهِ ﷺ فِي غَزْوَتِهِ الَّتِي تُوُفِّيَ فِيهَا وَيَزِيدُ بْنُ مَعَاوِيَةَ عَلَيْهِمْ بِأَرْضِ الرُّومِ (بخاری $\frac{158}{1}$)

سیدنا محمود بن الربیع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے یہ حدیث اُن لوگوں کے سامنے بیان کی جن میں (میزبانِ رسول) سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے اسی غزوہٗ قسطنطنیہ میں ان کی شہادت ہوئی اور اس لشکر کے سالار سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے یزید تھے۔

سامعین گرامی قدر! سیدنا محمود بن الربیع رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد بخاری کے متن میں موجود ہے۔۔۔ کہ جس غزوہ میں سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی شہادت واقع ہوئی ہے۔۔۔ اس غزوہ میں مسلمانوں کے لشکر کی قیادت وسپہ لاری سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے یزید کے ہاتھ میں تھی۔۔۔ بخاری کے اس قول کو ترک کر کے تاریخ وسیرت کی بلا سند روایات کو قبول کر کے یہ کہنا کہ اس مغفور لشکر کا سالار یزید نہیں تھا بلکہ کوئی اور تھا۔۔۔ سراسر بے انصافی اور حقیقت کو جھٹلانے کے مترادف ہے۔

قیصر کے شہر قسطنطنیہ پر سمندری راستے سے لشکر اسلام کا یہ حملہ 59 ہجری کا واقعہ ہے۔۔۔ جونہی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس لشکر کشی کا حکم دیا تو عالم اسلام میں رہنے والے مسلمان اس مغفور لشکر میں شمولیت کے لیے دیوانہ وار دوڑ پڑے۔۔۔ اس لیے کہ اس لشکر کے شرکاء کے لیے مغفرت کی بشارت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سن رکھی تھی۔۔۔ اب جب مغفرت اور جنت کے دروازے کھلنے کا وقت آیا تو تمام لوگ ایمان کی شمعیں اپنے سینوں میں روشن کیے دمشق کی طرف چل نکلے۔

اس مغفور لشکر میں شمولیت کے لیے سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ جن کی عمر اسی سال سے تجاوز کر چکی تھی ۔۔۔۔ وہ بھی دمشق پہنچے ۔۔۔۔ اگرچہ عمر کے اعتبار سے جہاد کے قابل نہیں تھے مگر جب جنت سامنے آئی تو بڑھاپا ان کا راستہ نہ روک سکا ۔۔۔۔

اس مغفور لشکر میں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے ہونہار فرزند سیدنا عبداللہ بن عمر ۔۔۔۔ عشرہ مبشرہ میں شامل سیدنا زبیر بن عوام کے لائق ترین فرزند سیدنا عبداللہ بن زبیر ۔۔۔۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی سیدنا عبداللہ بن عباس ۔۔۔۔ سیدنا عبداللہ بن جعفر ۔۔۔۔ اور سیدنا عبداللہ بن جابر رضی اللہ عنہم شامل تھے۔

علامہ بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ نے عمدۃ القاری جلد: 14 صفحہ: 198 میں اور علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری جلد 6 صفحہ 103 میں لکھا ہے:

إِنَّ يَزِيْدَ بْنَ مُعَاوِيَةَ غَزَا بِلَادَ الرُّوْمِ حَتّٰى بَلَغَ قُسْطُنْطُنِيَةَ وَمَعَهُ جَمَاعَةٌ مِنْ سَادَاتِ الصَّحَابَةِ مِنْهُمْ ابْنُ عُمَرَ وَابْنُ عَبَّاسٍ وَابْنُ الزُّبَيْرِ وَاَبُوْ اَيُّوْبَ الْاَنْصَارِيُّ وَكَانَتْ وَفَاةُ اَبِيْ اَيُّوْبَ الْاَنْصَارِيِّ هُنَاكَ قَرِيْبًا مِنْ سُوْرِ الْقُسْطُنْطُنِيَةِ وَقَبْرُهُ هُنَاكَ

یزید بن معاویہ رومی علاقوں میں مصروفِ جہاد رہا یہاں تک کہ وہ قسطنطنیہ تک جا پہنچا اس کے ساتھ اکابر صحابہ کی ایک جماعت بھی تھی جس میں سیدنا ابن عمر، ابن عباس، ابن زبیر اور ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہم شامل ہیں اسی جہاد میں سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا اور شہر کی فصیل کے نزدیک وہیں ان کی قبر منور بھی ہے۔

علامہ عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

قسطنطنیہ پر سب سے پہلے جہاد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے یزید نے کیا، اس کے ساتھ بڑے بڑے صحابہ کی ایک جماعت تھی جن میں سیدنا عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن زبیر اور سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ شامل تھے۔ (حاشیہ بخاری $\frac{410}{1}$)

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

بڑے بڑے اصحابِ رسول کی ایک بڑی تعداد یزید کے ساتھ روانہ ہوئی اور یزید نے قسطنطنیہ کا محاصرہ کرلیا۔۔۔۔ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اس لشکر میں شامل تھے جس نے یزید بن معاویہ کے ساتھ قسطنطنیہ پر حملہ کیا تھا۔ (البدایہ والنہایہ $\frac{151}{8}$)

حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

قسطنطنیہ پر پہلا حملہ کرنے والی فوج کے سپہ سالار یزید تھے اور چونکہ لشکر معین تعداد کو کہا جاتا ہے اس لیے اس فوج کا ہر ہر فرد مغفرت کی اس خوشخبری میں شریک ہے۔۔۔ کہتے ہیں کہ یزید نے اسی ارشادِ نبوی کو مدنظر رکھ کر قسطنطنیہ پر حملہ کیا تھا۔

(منہاج السنہ $\frac{252}{2}$)

ابن جریر طبری نے لکھا ہے کہ:

یزید بن معاویہ نے روم میں جنگ کی، یہاں تک کہ قسطنطنیہ تک جا پہنچا، سیدنا ابن عباس، ابن عمر، ابن زبیر اور ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہم جیسے صحابہ اس کے ساتھ تھے۔

(طبری $\frac{186}{5}$ اردو)

شیخ العرب والعجم مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

یزید کو متعدد معارک جہاد میں بھیجنے اور جزائر ابیض اور بلاد ہائے ایشیاء کوچک کے فتح کرنے حتیٰ کہ خود استنبول (قسطنطنیہ) پر بڑی بڑی افواج سے حملہ کرنے وغیرہ میں آزمایا جاچکا تھا۔ تاریخ شاہد ہے کہ معارک عظیمہ میں یزید نے کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے۔ (مکتوبات شیخ الاسلام $\frac{25}{1}$)

مشہور سیرت نگار علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

یہ بشارت سب سے پہلے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں پوری ہوئی اور دیکھا گیا کہ دمشق کی سرزمین پر اسلام میں سب سے پہلے تخت شاہی بچھایا جاتا ہے اور دمشق کا

شہزادہ یزید اپنی سپہ سالاری میں مسلمانوں کا پہلا لشکر لے کر بحر اخضر میں جہازوں کے بیڑے ڈالتا ہے اور دریا عبور کر کے قسطنطنیہ کی چہار دیواری پر تلوار مارتا ہے۔

(سیرت النبی ﷺ 601/3)

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے:

قسطنطنیہ پر پہلی مرتبہ حملہ کرنے والے لشکر یزید کو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے یزید کی قیادت میں روانہ کیا تھا۔۔۔اور یہ بات صحیح ہے کہ سب سے پہلے قسطنطنیہ پر جہاد کرنے والا لشکر مغفرت شدہ ہے اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اس لشکر کا قائد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا بیٹا یزید تھا۔

(المنتقی 288)

سامعین گرامی قدر! اس تفصیلی گفتگو کے آخر میں بڑی محبت اور بڑے پیار سے ایک سوال اپنے ان دوستوں سے کرنے کی جسارت کرتا ہوں جو دوست دن رات خلوت وجلوت میں اور تقریر و تحریر میں یزید کو شرابی، زانی، بدمعاش، بدکردار، فاسق وفاجر اور نہ جانے کیا کچھ کہتے رہتے ہیں۔۔۔تاریخ اسلام کا یہ ایمان افروز واقعہ جس کی خبر اور بشارت نبی اکرم ﷺ نے امت کو دی تھی۔۔۔اور پورے لشکر کو مغفرت اور بخشش کی خوشخبری سنائی تھی۔۔۔پھر جن لوگوں کو اللہ رب العزت نے اس لشکر میں شمولیت کا شرف بخشا۔۔۔وہ مقدس لوگ کہ جن کے ذکر سے ایمان کے باغ میں بہار آجاتی ہے۔۔۔جن کی یاد سے دل لذت پاتے ہیں۔۔۔جن کے تصور سے چہرے منور ہو جاتے ہیں۔۔۔جن کا نام سن کر زبانیں رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ پکارنے لگتی ہیں۔۔۔وہ پاکیزہ صفات لوگ کہ دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کرنے لگیں۔۔۔کیا کائنات کے رب نے زمین پر بسنے والے ان پاکیزہ صفات اور مقدس اوصاف، عظیم المرتبہ اور رفیع الشان ہستیوں کی سرداری اور امارت کے لیے ایک فاسق وفاجر اور زانی وشرابی کو چنا تھا۔۔۔؟

میں تو اس طرح کے خیال اور اور اس قسم کے تصور سے بھی پناہ مانگتا ہوں۔۔۔

اپنے ان دوستوں اور مہربانوں سے کہتا ہوں۔۔۔ خدارا کچھ سوچیے۔۔۔! فکر وتدبر کیجیے۔۔۔! تعصب اور ہٹ دھرمی کی وادی سے نکل کر حقائق کو دلائل اور براہین کے آئینے میں دیکھنے کی عادت ڈالیے۔

وفاتِ ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ میزبانِ رسول سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ اس مغفور لشکر میں ایک فوجی کی حیثیت سے شامل تھے ان کی عمر اس وقت تقریباً اسی سال تھی۔۔۔ موسم شدید گرم تھا۔۔۔ سفر بے حد طویل تھا۔۔۔ پھر زندگی کے آخری کناروں کو چھوتی ہوئی ضعیفی اور کمزوری۔۔۔ وہ پیٹ کے مرض میں مبتلا ہو گئے۔۔۔ بیماری نے شدت اختیار کر لی اور زندگی نے مایوسی کی نوید سنا دی۔۔۔ امیر لشکر یزید عیادت کے لیے آئے۔۔۔ سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے انہیں وصیت کرتے ہوئے فرمایا:

میرے جنازے کو دشمن کی سرزمین میں جہاں تک ممکن ہو لے جانا اور پھر دفن کرنا نیز مسلمانوں کو میری طرف سے سلام کہنا اور یہ حدیث بھی لوگوں کو سنانا جو میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی کہ:

مَنْ مَّاتَ وَلَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا جَعَلَهُ اللّٰهُ فِي الْجَنَّةِ

جو شخص اس حالت میں مرا کہ اس نے اللہ کے ساتھ کسی چیز کو ساجھی اور شریک نہیں ٹھہرایا تو اللہ اسے جنت میں داخل کرے گا۔ (البدایہ والنہایہ 59/8)

یزید نے میزبانِ رسول کی وصیت کو پورا کرتے ہوئے مسلمانوں کو ان کا سلام پہنچایا۔۔۔ پھر ان کی بیان کردہ حدیث سنائی۔۔۔ پھر ان کی تجہیز وتکفین کے بعد یزید ہی نے ان کے جنازے کی نماز پڑھائی۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے:

وَكَانَ اَبُوْ اَيُّوْبَ فِيْ جَيْشِ يَزِيْدِ بْنِ مُعَاوِيَةَ وَاِلَيْهِ اَوْصٰى وَهُوَ الَّذِيْ صَلّٰى عَلَيْهِ (البدایہ والنہایہ 58/8)

سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ یزید بن معاویہ کے لشکر میں شامل تھے انہوں نے اپنے معاملات کے لیے وصیت بھی یزید کو کی تھی اور یزید نے ان کے جنازے کی نماز پڑھائی تھی۔

جنازہ پڑھانے کے بعد قسطنطنیہ کے قلعہ کی دیوار کے قریب میزبانِ رسول کو دفن کر دیا گیا۔۔۔قلعہ کی دیوار کے سائے میں تدفین کا یہ عمل دیکھ کر رومی سربراہ نے قاصد کے ذریعہ پوچھا کہ تم کیا کر رہے ہو؟

یزید نے جواب دیا:

یہ ہمارے پیارے پیغمبر کے صحابی ہیں جنہوں نے وصیت فرمائی تھی کہ انہیں تمہارے ملک میں اندر جا کر دفن کیا جائے اب ہم ان کی وصیت پر عمل کرتے ہوئے انہیں یہاں دفن کر رہے ہیں۔

قاصد پیغام لے کر واپس پہنچا تو شاہِ روم کی زبان سے یہ تیز وتند اور غرور سے بھرا ہوا گستاخانہ جملہ نکلا کہ:

تمہارے چلے جانے کے بعد ہم یہ لاش نکلوا کر کتوں کو کھلا دیں گے۔

شاہِ روم کی زبان سے یہ ناپاک اور خبیث الفاظ سن کر یزید نے بڑے جرأت وشجاعت اور دلیری وجوان مردی سے کہا:

يَا اَهْلَ الْقُسْطُنْطُنْيَةِ هٰذَا رَجُلٌ مِّنْ اَكَابِرِ اَصْحَابِ مُحَمَّدٍ نَبِيِّنَا وَقَدْ دَفَنَّا حَيْثُ تَرَوْنَ وَاللهِ لَئِنْ تَعَرَّضْتُمْ لَهٗ لَاَهْدِمُ مِنْ كُلِّ كَنِيْسَةٍ فِيْ اَرْضِ الْاِسْلَامِ وَلَا يُضْرَبُ نَاقُوْسٌ بِاَرْضِ الْعَرَبِ اَبَدًا (تاریخ التواریخ 66/2)

اے قسطنطنیہ کے رہنے والو! (کان کھول کر سنو!) یہ ہمارے نبی محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابہ میں سے ایک ہیں اور تم دیکھ رہے ہو کہ ہم نے انہیں یہاں دفن کیا ہے۔۔۔مجھے کعبہ کے رب کی قسم ہے اگر تم نے ان کی قبر کو کوئی نقصان پہنچایا تو میں سرزمین

اسلام میں ہر کلیسا منہدم کر دوں گا اور پھر پورے عرب میں کبھی ناقوس تک نہیں بج سکے گا۔

علامہ ابن عبدربہ کی روایت کے الفاظ اس طرح ہیں:

اگر مجھے معلوم ہوا کہ ان کی قبر کو اکھیڑا گیا ہے یا کسی قسم کی بے ادبی اور گستاخی کا معاملہ کیا گیا تو کان کھول کر سن لو:

لَا تَرَكْتُ بِأَرْضِ الْعَرَبِ نَصْرَانِيًّا إِلَّا قَتَلْتُهُ وَلَا كَنِيْسَةً إِلَّا هَدَمْتُهَا

(العقد الفرید 133/3)

میں کسی عیسائی کو زندہ نہیں چھوڑوں گا اور کسی کلیسا کو سلامت نہیں رہنے دوں گا۔

سامعین گرامی قدر! میں اللہ کا واسطہ دے کر پوچھنا چاہتا ہوں۔۔۔قیصر روم کو اس طرح خطاب کرنا۔۔۔اور پوری جرأت و دلیری سے اپنا مافی الضمیر بیان کرنا اس کی توقع کسی زانی، شرابی اور فاسق و فاجر شخص سے کی جا سکتی ہے۔۔۔؟ یزید ایسا ویسا ہوتا تو کہتا۔۔۔ہمیں کیا لاش کے ساتھ جو سلوک چاہو کرتے پھرو۔۔۔مگر یہ غیرت مند باپ کا غیرت مند بیٹا ہے جس نے قسطنطنیہ کے باشندوں کو ایسے للکارا ہے جیسے للکارنے کا حق ہوتا ہے۔

ایک نظر اپنے حکمرانوں پر ڈالیے جو آج کی نام نہاد سپر طاقت امریکا کے ہاتھ بندھے غلام بنے ہوئے ہیں۔۔۔امریکی پیشواؤں کا فون آ جائے تو احترام میں کھڑے ہو کر یس سر یس سر کی گردان پڑھتے ہیں۔۔۔امریکی ڈرون حملوں میں اکثر بے گناہ اور مظلوم لوگ مارے جاتے ہیں اور یہ خاموشی سے دیکھتے رہتے ہیں۔۔۔بلیک واٹر ملک دشمن سرگرمیوں میں ملوث ہوتی ہے مگر یہ چپ سادھ لیتے ہیں۔۔۔امریکا کے سامنے بھیگی بلی۔۔۔بزدل، ڈرپوک اور بے حمیت۔۔۔

اُدھر اُس زمانے کی سپر طاقت روم کے حکمرانوں کو یزید نے جس طرح للکارا ہے۔۔۔وہ اپنی مثال آپ ہے۔

سامعین محترم! یزید کے فسق و فجور کو ثابت کرنے کے لیے۔۔۔ایسی ایسی باتیں

مضحکہ خیز باتیں تراشی گئیں کہ سن کر ہنسی بھی آتی ہے اور رونے کو بھی دل کرتا ہے۔۔۔کہا جاتا ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ یزید کو کاندھے پر بٹھا کر مسجد نبوی کے سامنے سے گذر رہے تھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا تو فرمایا۔۔۔جنتی کے کاندھے پر جہنمی سوار ہے۔

آپ سن کر یقیناً حیران ہوں گے کہ یزید نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں پیدا ہی نہیں ہوا۔۔۔بلکہ یزید کی پیدائش سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں 22 ہجری میں ہوئی۔ (البدایہ والنہایہ 125/7)

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ و یزید سامعین محترم! گفتگو کے آخر میں۔۔۔میں ایک بات کی وضاحت کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔۔۔کہ یزید کے بارے میں جو حقائق میں نے بیان کیے ہیں۔۔۔ان سب کے باوجود۔۔۔اگر ساری دھرتی یزید جیسے لوگوں سے بھر بھی جائے تو سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا مقابلہ نہیں ہوسکتا۔۔۔سیدنا حسین رضی اللہ عنہ عظیم ہیں بلکہ عظیم تر ہیں۔۔۔وہ نواسۂ رسول ہیں۔۔۔ان کا نام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رکھا۔۔۔کان میں اذان دی۔۔۔پھر گھٹی لگائی۔۔۔سیدنا حسین رضی اللہ عنہ عظیم ہیں کہ راکب بردوش رسول ہیں۔۔۔اور سب سے بڑی عظمت ان کی یہ ہے کہ صحابئ رسول ہیں۔۔۔اور صحابیت کا مرتبہ اتنا اونچا ہے کہ بعد میں آنے والی پوری امت (تابعین، تبع تابعین، آئمہ مجتہدین، مفسرین ومحدثین، علماء، اتقیاء، اصفیا، زاہدین اور عابدین) مل کر بھی ایک صحابی کے مرتبے کو نہیں پہنچ سکتے۔

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے مقام میں معمولی سی گستاخی۔۔۔ان کی شان کے متعلق ذرا سی بے ادبی اور توہین انسان کو گمراہی کے راستے پر ڈال سکتی ہے۔۔۔سیدنا حسین رضی اللہ عنہ پر تنقید۔۔۔ان کے مؤقف پر تنقید کسی کلمہ گو کو زیب نہیں دیتی۔۔۔سیدنا حسین رضی اللہ عنہ پر طعن کرنے والا اہل سنت کہلانے کا حقدار نہیں ہے۔

اہل سنت وجماعت کا مدعی وہی ہوسکتا ہے جو تمام اصحابِ رسول کی طرح سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا احترام کرتا ہے۔۔۔اور باقی اصحابِ رسول کی طرح سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو بھی

تنقید سے بالاتر سمجھتا ہے۔

جولوگ سیدنا معاویہ، سیدنا عمرو بن العاص اور سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہم کے وکیل صفائی صرف اس لیے بنتے ہیں کہ یہ حضرات صحابیت کے عظیم منصب پر فائز ہیں۔۔۔اور صحابیت کا دفاع ہمارا فریضہ ہے۔۔۔وہ لوگ یہ بات کیوں بھول جاتے ہیں کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ بھی صحابیت کے اعلیٰ مرتبے پر فائز ہیں اور ان کا دفاع کرنا بھی ہمارا فریضہ ہے۔

اللہ رب العزت ہمیں اپنے فضل وکرم سے ہر قسم کی افرط وتفریط سے بچائے اور ہر صحابی کے مقام ومرتبے کو پہنچاننے کی اور پھر اس کے دفاع کی توفیق عطا فرمائے۔

وما علینا الا البلاغ المبین
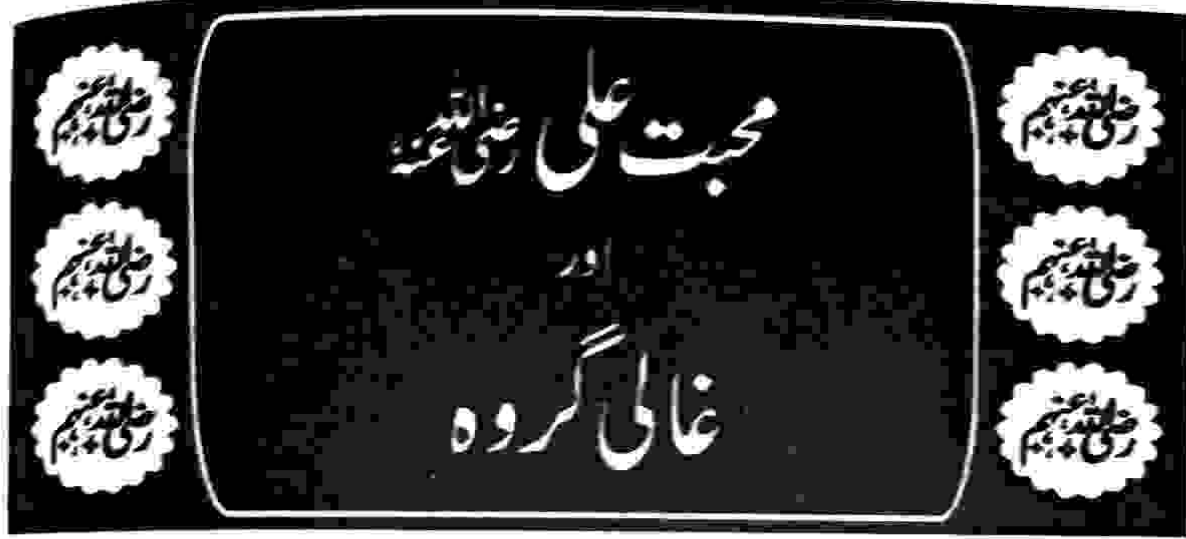
24

نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ الْاَمِيْنِ
وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ اَمَّا بَعْدُ
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ
(الفتح 29)

سامعین گرامی قدر! گذشتہ خطبے میں آپ سماعت فرما چکے ہیں اور میں بیان کر چکا ہوں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے متعلق تین مختلف نظریے رکھنے والی تین جماعتیں اور تین گروہ رہے ہیں اور اب بھی ہیں۔

ان میں سے پہلا گروہ ایسے لوگوں کا ہے جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے محبت کے مدعی ہیں اور حب علی میں غلو اور مبالغہ پر مبنی عقائد ونظریات کے حامل ہیں۔

اس گروہ کے نزدیک مسئلہ امامت دین کے بنیادی ارکان میں سے ایک رکن ہے۔۔۔۔جس پر ایمان لانا اسی طرح ضروری ہے جس طرح اللہ کی الوہیت پر۔۔۔۔ انبیاء کرام علیہم السلام کی رسالت پر۔۔۔اور قیامت پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اس گروہ کے

ہاں اسلامی عقائد پانچ اصولوں اور پانچ بنیادوں پر کھڑے ہیں۔توحید۔۔۔نبوت۔۔امامت۔۔۔عدل۔۔۔اور قیامت۔

وہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ پر نبوت و رسالت کا سلسلہ ختم ہو گیا۔۔۔اس لیے آپ کے بعد کوئی نبی یا کوئی رسول قیامت تک نہیں آئے گا۔آپ پر قرآن نازل ہوا اور آپ کی تعلیمات محفوظ ہیں۔۔۔اور یہی دو چیزیں مکمل دین کا سرچشمہ ہیں، اس لیے نبوی دور سے لے کر قیامت کی صبح تک ہر مسلمان اپنے عقائد و نظریات میں، اپنے اعمال و کردار میں، اپنے اقوال افعال میں، اپنی نشست و برخاست میں۔۔۔غرضیکہ زندگی کے ایک ایک موڑ پر اللہ اور اس کے رسول مکرم ﷺ کا حکم معلوم کرنے کا پابند ہے۔

نبی اکرم ﷺ کی زندگی اور حیاتِ طیبہ تک کوئی پریشانی نہیں تھی کہ اس آیت کا مفہوم کیا ہے۔۔۔۔۔؟ اور آپ کے ارشاد اور فرامین کی نوعیت و کیفیت کیا ہے۔۔۔۔؟ مقصد و مفہوم کیا ہے۔۔۔؟ نبی اکرم ﷺ موجود تھے اور لوگ ہر پریشانی میں ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔

مگر آپ کی وفات حسرتِ آیات کے بعد قرآن کی آیت میں اور ارشادِ نبوی کی تشریح میں اختلاف یقینی تھا۔۔۔تو ضروری تھا کہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے کوئی حاکم اور امام مقرر ہو اور بندوں کی راہنمائی کے لیے کوئی ایسا انتظام ہوتا کہ لوگ اس کی جانب رجوع کر کے دین کی صحیح راہنمائی حاصل کر سکیں۔۔۔اگر اللہ ایسا نہ کرتا تو اس کے عدل کے خلاف ہوتا اور بندوں پر ظلم ہوتا۔

نبی اکرم ﷺ کے لیے بھی لازمی اور ضروری تھا کہ وہ قرآن کے لیے اور اپنی سنت اور اپنے فرامین کے لیے ایسے شارح اور معلم چھوڑ جاتے جن کی طرف لوگ رجوع کرتے۔۔۔جن کی تعلیم عین تعلیمِ رسول ہوتی اور وہ معصوم ہوتے اور ان سے غلطی کا ارتکاب ممکن ہی نہ ہوتا۔

چنانچہ اسی لیے اللہ رب العزت نے انبیاء کرام علیہم السلام کی مقدس ہستیوں کے بعد لوگوں کی ہدایت وراہنمائی کے لیے اور بندوں کی قیادت کے لیے۔۔۔ اور بندوں پر حجت قائم کرنے کے لیے امامت کا سلسلہ قائم فرمایا اور قیامت تک کے لیے بارہ امام نامزد کر دیئے۔

یہ بارہ امام انبیاء کرام علیہم السلام کی طرح بندوں پر اللہ کی حجت ہوتے ہیں۔۔۔ معصوم عن الخطاء والعصیان ہوتے ہیں۔۔۔ مفترض الطاعت ہوتے ہیں۔۔۔ ان کی امامت پر ایمان لانا اور ان کی امامت کو تسلیم کرنا اسی طرح لازمی اور ضروری ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کی معبودیت کو ماننا ضروری ہے۔۔۔ انبیاء کی رسالت کو ماننا ضروری ہے اور جس طرح قیامت پر ایمان لانا ضروری ہے۔

اس گروہ کی سب سے معتبر کتاب اصول کافی میں ایک قول حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ (امامِ سادس) سے منسوب کیا گیا ہے:

نَحْنُ الَّذِیْ فَرَضَ اللهُ طَاعَتَنَا

ہم ہی وہ لوگ ہیں جن کی اطاعت کو اللہ رب العزت نے فرض قرار دیا ہے۔

مَنْ عَرَّفَنَا کَانَ مُؤْمِنًا وَمَنْ اَنْکَرَنَا کَانَ کَافِرًا

(اصول کافی کتاب الحجہ 266/1 باب فرض طاعۃ الامام)

جس نے ہمیں پہچان لیا وہی مومن ہے اور جس نے ہمارا انکار کیا وہ کافر ہے۔

اسی گروہ کے ماضی قریب کے ایک انتہائی معتبر اور مستند عالم خمینی نے اپنی کتاب کشف الاسرار میں نبوت وامامت جزء دین است (نبوت اور امامت دین کی جزء اور حصہ ہے) کا عنوان قائم کر کے دھینگا مشتی سے قرآن کی بہت سی آیات سے استدلال کیا ہے اور ائمہ کی امامت کو ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔۔۔ اور تمام دلائل بیان کرنے کے بعد آخر میں تحریر کیا ہے:

جو شخص اس حالت میں مر گیا کہ اس نے اپنے امام کو نہیں پہنچانا تو وہ عہد جاہلیت کے مردوں کی طرح ہے۔ (کشف الاسرار 176)

اس گروہ نے امامت کے متعلق یہ عقیدہ اور نظریہ اپنایا تو ان پر اعتراض ہوا کہ اللہ کی الوہیت و معبودیت پر ایمان لانا اس لیے ضروری ہے کہ قرآن و حدیث میں اس کے بے شمار دلائل موجود ہیں۔۔۔ قرآن نے جگہ جگہ اَللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ۔۔۔ کی ضربیں لگائی ہیں۔۔۔ جگہ جگہ اللہ کی عبادت کی دعوت دی ہے۔۔۔ مسئلہ توحید سے قرآن بھرا پڑا ہے۔۔۔ اللہ رب العزت کی صفات اور اوصاف قرآن نے جگہ جگہ بیان فرمائے ہیں۔۔۔ انبیاء کرام علیہم السلام کی رسالت اور امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت پر ایمان لانا اس لیے ضروری ہے کہ قرآن نے واضح الفاظ میں ان کی نبوت اور رسالت کو جگہ جگہ بیان کیا ہے۔۔۔۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی گزرے ہوئے انبیاء کرام علیہم السلام کا تذکرہ فرمایا اور اپنی رسالت و نبوت کو ماننا بھی ایمان کے لیے لازمی قرار دیا۔

قیامت پر ایمان لانا اس لیے ضروری ہے کہ قرآن و حدیث میں بے شمار دلائل ہیں جن میں قیامت کے واقع ہونے کا تذکرہ ہوا ہے۔

اگر امامت پر ایمان لانا ضروری ہے اور اگر امامت منصوص من اللہ ہوتی ہے تو پھر قرآن میں اس کا تذکرہ بھی ہونا چاہیے تھا۔۔۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واضح الفاظ میں بیان فرماتے کہ میرے بعد خلیفہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ ہوں گے۔ مگر اس کا تذکرہ قرآن کی کسی آیت میں نہیں ہوا۔۔۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی کسی مقام پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی امامت و خلافت کا تذکرہ نہیں فرمایا، ان کی خلافت کا اعلان نہیں فرمایا۔

اس گروہ پر یہ اعتراض ہوا تو انہوں نے اپنے ائمہ کی امامت کے لیے اور خاص کر کے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے خلیفہ بلا فصل ہونے پر قرآن کی کچھ آیات سے استدلال کرنے کی ناکام اور مذموم کوشش کی۔۔۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کچھ ارشاد بھی ڈھونڈ نکالے۔

میں وقت کی کمی کی وجہ سے صرف ایک آیت جسے وہ گروہ بڑے شدومد سے پڑھتا ہے۔۔۔اور سب سے زیادہ زور اسی آیت کی تفسیر پر خرچ ہوتا ہے۔۔۔اور یہ آیت ان کے ہاں ان کے مؤقف پر بڑی مضبوط دلیل ہے۔۔۔ میں بھی اسی آیت کا صحیح مفہوم آپ کو سنانا چاہوں گا۔۔۔ یہ آیت سورۃ المائدہ کی ہے، پہلے آیت کریمہ سن لیجیے:

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ

(المائدہ 67)

اے میرے رسول! آپ کی طرف جو کچھ آپ کے رب کی طرف سے اتارا گیا ہے اسے (لوگوں تک) پہنچا دیجیے اگر آپ نے ایسا نہ کیا (یعنی نہ پہنچایا) تو پھر آپ نے اللہ کے (کسی پیغام کو بھی) نہیں پہنچایا (باقی رہی بات لوگوں کی اور دشمنوں کی) اور اللہ لوگوں سے آپ کی حفاظت فرمائے گا اللہ کفار کو ہدایت نہیں دیتا۔

اس گروہ نے اس آیت سے کیا مراد لی ہے۔۔۔؟ انہوں نے تبلیغ رسالت اور مَا أُنْزِلَ سے کیا ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔۔۔؟ اسے میں کچھ دیر بعد آپ کے سامنے بیان کروں گا۔

پہلے میں آپ کو بتانا چاہوں گا کہ یہ آیت کب اتری اور اس کا صحیح مفہوم اور مراد کیا ہے۔۔۔؟ اس آیت کریمہ کے بعد والی آیات میں یہود و نصاریٰ کے علماء اور رہبانوں پر کفر کے فتوؤں کا تذکرہ ہے۔

آیت نمبر 68 میں اعلان ہوا:

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَسْتُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيمُوا التَّوْرَاةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ (المائدہ 68)

آپ اعلان کریں اے اہل کتاب تم کسی دین پر نہیں ہو جب تک تم تورات وانجیل

پر اور جو کچھ تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے اتارا گیا ہے اس پر قائم نہ ہو جاؤ۔

آگے آیت نمبر 72 میں بڑے جاندار انداز میں کفر کا فتویٰ عیسائیوں پر لگایا گیا:

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْا إِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ (المائدہ 72)

بیشک وہ لوگ کافر ہو گئے جو کہتے ہیں کہ مسیح بیٹا مریم کا وہی اللہ ہے۔

آیت نمبر 73 میں عیسائیوں پر کفر کا فتویٰ لگایا گیا:

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْا إِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ وَمَا مِنْ إِلٰهٍ إِلَّا إِلٰهٌ وَّاحِدٌ

(المائدہ 73)

یقیناً وہ لوگ بھی کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ اللہ تین میں تیسرا ہے حالانکہ اللہ اکیلے کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے۔

آگے جا کر آیت نمبر 76 میں ارشاد ہوا:

قُلْ أَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ (المائدہ 76)

آپ اعلان کریں کیا تم اللہ تعالیٰ کے سوا ان کی پوجا پاٹ کرتے ہو جو تمہارے نفع ونقصان کا اختیار نہیں رکھتے اور اللہ ہی (ہر ایک کی پکار کو) سننے والا اور (ہر ایک کی حالت کو) جاننے والا ہے۔

تبلیغ کا یہ انداز اور وحی الٰہی کی تعمیل۔۔۔ اور یہود و نصاریٰ کے علماء اور گدی نشینوں پر کفر کے فتوے۔۔۔ یہ کوئی آسان اور سہل کام نہیں تھا۔

اسی لیے نبی اکرم ﷺ کو خاص طور پر یَا أَیُّهَا الرَّسُوْلُ سے خطاب کر کے یہ دعوت اور پیغام آپ کے سپرد کیا جا رہا ہے۔۔۔ اللہ رب العزت اس طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ اللہ کا رسول۔۔۔ اللہ کا قاصد اور پیغامبر ہوتا ہے۔۔۔ اور اس کا فرض منصبی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والے پیغام اور وحی کو واضح الفاظ میں لوگوں تک پہنچائے۔

آپ کو پیغام پہنچانے میں ہرگز یہ نہیں سوچنا چاہیے کہ اس کا ردِعمل کیا ہوگا۔۔۔؟
اور پیغام پہنچانے والے کے ساتھ لوگوں کا سلوک کیسا ہوگا۔۔۔؟ اللہ رب العزت نے
ساتھ تسلی بھی دی کہ پیغام پہنچانے میں کوتاہی نہ ہو۔۔۔ رہا منافقین کا معاملہ تو
وَاللّٰهُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ۔۔۔ لوگوں سے آپ کی حفاظت اللہ فرمائے گا۔

اس آیت میں بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْكَ سے مراد وہ پیغام ہے جسے آیت نمبر 68 سے
لے کر آیت نمبر 76 تک بیان کیا گیا ہے۔۔۔ اور وَاللّٰهُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ۔۔۔ میں
اَلنَّاس سے مراد اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ ہیں۔۔۔ جو نبی اکرم ﷺ کے خلاف
سازشوں میں مصروف رہتے تھے۔۔۔ مگر آنے والی آیات میں جو لہجہ اختیار کیا گیا اسے سن
کر وہ ہر قسم کی سازش اور تدبیر کر گزریں گے۔۔۔ اسی لیے اللہ رب العزت نے آپ کو
اطمینان دلایا کہ آپ ان کی مخالفت اور عداوت کی قطعاً پرواہ نہ کریں۔۔۔ ان کے ہر شر اور
ان کی ہر تدبیر سے اللہ آپ کو محفوظ رکھے گا۔

مفسرین نے اس آیت کا شانِ نزول بیان کرتے ہوئے کہا کہ غزوۂ اُحد کے
موقع پر کفار کے حملوں کا بہت خطرہ تھا۔۔۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ہر وقت آپ کا پہرہ دینا
شروع کر دیا۔۔۔ تب یہ آیت اتری اور نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کو بتا دیا کہ اللہ رب العزت
نے میری حفاظت کا ذمہ خود اٹھا لیا ہے۔

یہ ہے اس آیت کا صحیح مفہوم اور شانِ نزول۔۔۔ مگر وہ گروہ اس آیت کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ
کی خلافت و امامت پر بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔۔۔ اور اس آیت کے شانِ نزول میں
انہوں نے ایک طویل کہانی اور لمبا چوڑا قصہ گھڑا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے نبوت کے عطا
ہونے کے بعد مسلسل تیئیس سال پوری محنت سے اللہ کے احکام لوگوں تک پہنچائے، توحید
و رسالت اور قیامت کے احکام نازل ہو چکے تھے اور بیان بھی ہو چکے تھے، ارکانِ اسلام کا
نزول ہو چکا تھا اور ان کی تبلیغ بھی ہو چکی تھی۔۔۔ نبی اکرم ﷺ حجۃ الوداع کے لیے تشریف

لائے۔۔۔اس موقع پر صرف حج کے احکام اور ارکان اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت وامامت کو بیان کرنا باقی تھا۔۔۔چنانچہ جبریل امین اللہ کا حکم لے کر آئے کہ لوگوں کے بھرپور اجتماع میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت وامامت کا اعلان کریں۔۔۔چنانچہ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی:

يَاأَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ فِيْ حَقِّ عَلِيٍّ

اے میرے رسول! جو کچھ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے حق میں آپ پر نازل ہو چکا ہے اسے لوگوں تک پہنچا دیجیے۔

(موجودہ قرآن میں فِيْ حَقِّ عَلِيٍّ موجود نہیں ہے اس گروہ کا خیال ہے کہ جن لوگوں نے قرآن جمع کیا تھا انہوں نے تحریف کرتے ہوئے ان ۔۔۔ات کو نکال دیا)

اس گروہ کے مشہور مفسر سید فرمان علی نے اس آیت ۔۔۔سیر میں لکھا:

یہ آیت غدیر خم میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی اسی وجہ سے ابن مردویہ نے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں اس آیت کو یوں پڑھتے تھے:

يَاأَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ إِنَّ عَلِيًّا مَوْلَى الْمُؤْمِنِيْنَ

سچ یوں ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک عرصہ سے چا۔۔۔ تھے کہ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ نامزد کر دیں مگر کچھ اپنے ساتھیوں کی مخالفت کے خوف سے اس پر اقدام نہ کرتے تھے آخر خدا نے آخری حج کے بعد راستہ میں یہ تاکیدی حکم نازل کیا تب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجبور ہو گئے اور خم غدیر پر ایک لاکھ آدمیوں کے سامنے انہیں اپنا خلیفہ نامزد کر دیا۔

اس گروہ کے ماضی قریب کے ایک انتہائی معتبر عالم امام خمینی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یہ آیت غدیر خم کے دن سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی امامت کی تبلیغ اور اعلان میں لوگوں سے خائف تھے۔

(کشف الاسرار 130)

سامعین گرامی قدر! اس سے پہلے کہ میں اس گروہ کی اس تفسیر کی وضاحت کروں اور بتاؤں کہ یہ تفسیر نہیں تحریف معنوی ہے۔۔۔ یہ بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ اس گروہ کے متقدمین علماء اور معتبر ترین محدثین نے کہا ہے کہ مسئلہ امامت وخلافت ایک راز تھا جسے افشاء کرنا صحیح نہیں ہے۔

اصول کافی اس گروہ کی سب سے معتبر کتاب ہے جو بارھویں امام کی نظروں سے گزری ہے اور انہوں نے اسے اپنے گروہ کے لیے کافی قرار دیا ہے۔

اصول کافی میں پانچویں (معصوم) امام محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ کا ایک فرمان سنیے!

وِلَايَتُ اللهِ اَسَرَّهَا اِلٰى جِبْرِيْلَ وَاَسَرَّهَا جِبْرِيْلُ اِلٰى مُحَمَّدٍ ﷺ وَاَسَرَّهَا مُحَمَّدٌ ﷺ اِلٰى عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَاَسَرَّهَا عَلِيٌّ اِلٰى مَنْ شَآءَ ثُمَّ اِنَّكُمْ تُذِيْعُوْنَ ذَالِكَ

(اصول کافی 487)

ولایتِ علی (یعنی امامت) کا مسئلہ اللہ نے راز کے طور پر جبریل سے کہا اور جبریل نے بطور راز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچایا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے راز کے طور پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بتایا اور علی رضی اللہ عنہ نے راز کے طور پر جسے چاہا بتایا پھر تم اسے کیوں شہرت دے رہے ہو۔

پانچویں امام کے اس واضح فرمان سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح نکھر کر سامنے آ گئی کہ مسئلہ امامت اللہ کے رازوں میں سے ایک راز ہے جس کو چھپانا بہت ضروری تھا۔

اگر یہ راز ہے اور اسے مخفی رکھنا مقصود ہے تو پھر بَلِّغْ کے حکم کے ساتھ تبلیغ کیسی۔۔۔؟ اور اگر بار بار جبریل آ کر کہتا ہے بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ۔۔۔ اگر تبلیغ مقصود تھی تو پھر اسے چھپانا کیسا۔۔۔؟

پھر ثابت ہوا کہ اس آیت تبلیغ کا ولایت وامامت اور خلافت علی کے اعلان سے

دور دور تک کوئی تعلق نہیں ہے۔ پھر لطف کی ایک اور بات سنیے کہ اس پورے گروہ کا خیال یہ ہے کہ یہ آیت حجۃ الوداع سے واپسی پر غدیر خم کے مقام پر اٹھارہ ذوالحجہ کو نازل ہوئی۔

اور اس گروہ کے چھٹے (معصوم) امام حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کیا فرما رہے ہیں۔۔۔ذرا اسے سنیے:

ثُمَّ نَزَلَتِ الْوِلَايَةُ وَاِنَّمَا اَتَاهُ ذَالِكَ فِيْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ بِعَرَفَةِ... فَنَزَلَت يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ ۔۔۔ (اصول کافی 178)

مسئلہ ولایت نازل ہوا عرفات کے مقام پر جمعہ کا دن تھا اور اسی موقع پر یہ آیت یعنی آیتِ تبلیغ نازل ہوئی۔

اب بھی وہ گروہ اسی عقیدے اور نظریے پر بضد ہے کہ نہیں۔۔۔ یہ آیت خم غدیر پر اتری تھی اور اس میں خلافتِ علی کو بیان کرنے اور لوگوں تک پہنچانے کا حکم ہو رہا ہے تو پھر ہمارے کچھ اشکالات ہیں انہیں دور کیا جائے۔

ہم چھٹے امام حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کا قول بیان کر چکے ہیں کہ یہ آیت عرفات کے میدان میں اور عرفہ کے دن نازل ہوئی تھی۔۔۔تو پھر اس کا اعلان بھی میدانِ عرفات میں ہونا چاہیے تھا۔۔۔خم غدیر کی نسبت عرفات میں بہت زیادہ لوگ موجود تھے۔

خم غدیر پر پہنچنے تک طائف وحنین کے لوگ مکہ مکرمہ اور دیگر اردگرد کے علاقوں سے آنے والے لوگ اپنے گھروں کو روانہ ہو چکے تھے۔

اگر یہ آیت عرفہ کے دن نازل ہو چکی تھی تو اس کی تبلیغ اور اس حکم کو پہنچانے کا اس دن سے بہتر کون سا دن ہو سکتا تھا۔۔۔؟ پھر اُنْزِلَ ماضی کا صیغہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خلافتِ علی کا حکم پہلے نازل ہو چکا تھا۔۔۔اب تو بَلِّغْ کے ساتھ اس کی تبلیغ کی تاکید کی جا رہی ہے۔۔۔تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اللہ کے اس حکم کی تعمیل کیوں نہیں کی۔۔۔؟ کیا آپ نے (العیاذ باللہ، خاکم بدہن) فریضۂ رسالت کی ادائیگی میں سستی اور

کوتاہی کی؟

ایک سوال اور بھی ذہن میں پیدا ہوتا ہے کہ مَا اُنْزِلَ اِلَیْكَ کے الفاظ سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی امامت اور خلافت کا مفہوم کس طرح سمجھ لیا گیا۔۔۔؟ قرآن مجید میں مَا اُنْزِلَ اِلَیْكَ کے الفاظ اور جگہوں پر بھی آئے ہیں مگر وہاں مَا اُنْزِلَ سے مراد خلافتِ علی نہیں لی گئی۔

مثلاً سورۃ البقرہ کی ابتدائی آیات میں متقین کی صفات کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد ہوا:

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ (البقرہ 4)

متقی لوگ وہ ہیں جو اس وحی پر ایمان لاتے ہیں جو آپ کی طرف اتاری گئی اور اس وحی پر بھی ایمان لاتے ہیں جو آپ سے پہلے اتاری گئی۔

یہاں مَا اُنْزِلَ سے مراد مکمل وحی ہے۔۔۔ جتنے احکام اتارے گئے ان سب پر ایمان لاتے ہیں، جتنے اوامر ہیں سب کی تعمیل کرتے ہیں اور جتنے نواہی ہیں ان سے اجتناب کرتے ہیں۔۔۔ توحید سے لے کر اعمال تک۔۔۔ رسالت سے لے کر قیامت تک۔۔۔ ختم نبوت، دین کے ارکان، اسلام کے احکام سب مَا اُنْزِلَ میں داخل ہیں۔

اس گروہ کی اس آیت کی من مانی تفسیر مان لی جائے تو ایک بہت ہی نقصان دہ سوال ذہن میں آتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں سے ڈرتے تھے اس لیے خلافتِ علی کا اعلان نہیں کرتے تھے۔۔۔ جب اللہ نے یقین دلایا۔۔۔ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (لوگوں کے شر سے اللہ آپ کو محفوظ رکھے گا) تب جا کر آپ نے امامت ولایت علی کا اعلان کیا۔

میں امام خمینی سے ایک حوالہ آپ کو سنا چکا ہوں کہ یہ آیت غدیر خم کے دن سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی امامت کی تبلیغ و اعلان میں

لوگوں سے خائف تھے مگر اللہ نے انہیں حکم دیا کہ وہ امامتِ علی کا اعلان کریں اور لوگوں سے ان کی حفاظت کا وعدہ فرمایا۔ (کشف الاسرار 130)

اس گروہ کی اس بات کو مان لیا جائے تو نبی اکرم ﷺ پر الزام دھرنا پڑتا ہے کہ آپ لوگوں سے ڈر کر اور خائف ہو کر فریضۂ رسالت کی ادائیگی میں کوتاہی کے مرتکب ہوئے اور یہ نظریہ قرآن کے سراسر خلاف ہے۔

قرآن مجید نے انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے میں واضح الفاظ میں فرمایا:

الَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهٗ وَلَا يَخْشَوْنَ أَحَدًا

(الاحزاب 39)

وہ لوگ جو اللہ کے پیغامات پہنچاتے تھے اور اسی سے ڈرتے تھے اور اللہ کے سوا کسی سے بھی نہیں ڈرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کے نبی اور پیغمبر فریضۂ رسالت کی ادائیگی میں کسی سے خوف زدہ نہیں ہوتے۔۔۔ کسی کی ملامت کی پرواہ نہیں کرتے۔۔۔ اور کسی کے طعن و تشنیع کو خاطر میں نہیں لاتے۔

ہر نبی اور ہر رسول کی یہ صفت بیان ہوئی ہے۔۔۔ میرے نبی ﷺ تو امام الانبیاء ہیں۔۔۔ سید الاولین والآخرین ہیں۔۔۔ خاتم النبیین ہیں۔۔۔ کائنات کے سردار ہیں۔۔۔ اللہ رب العزت کی ساری مخلوق سے اعلیٰ، افضل، اولیٰ، برتر اور بالا قدر ہیں۔

کیا آپ اللہ کا حکم پہنچانے میں لوگوں سے خائف ہو گئے۔۔۔؟ العیاذ باللہ کیا آپ نے اپنے ساتھیوں سے ڈر کر اللہ کی وحی کو چھپا لیا تھا۔۔۔؟ ہم ایسے غلیظ اور گھناؤنے نظریے سے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں۔

طائف کے بازاروں میں۔۔۔ پتھروں کی بارش میں۔۔۔ اور اوباشوں کے منفی نعروں میں۔۔۔ کیا آپ نے اللہ ہی کی معبودیت کا پیغام نہیں پہنچایا۔۔۔؟ کیا غزوۂ حنین

میں جب تیروں کی اچانک بارش ہوئی اور صحابہ کے پاؤں اکھڑ گئے۔۔۔کیا آپ نے اپنے خچر کا رخ تیروں کی جانب نہیں موڑ دیا تھا۔۔۔؟

نبی اکرم ﷺ کے راستے میں کوئی بھی دیوار بن کر کھڑا نہ ہو سکا۔۔۔آپ پر ڈرنے اور لوگوں سے خائف ہونے اور خائف ہو کر تبلیغ رسالت میں کوتاہی اور سستی کا الزام وہی لگا سکتا ہے جو نبوت و رسالت کے صحیح مقام سے واقف نہیں ہے یا وہ دامنِ نبوت کو اپنے الزام سے داغ دار کرنے کی مذموم کوشش کر رہا ہے۔

میرے بیان سے آپ اتنی حقیقت تو سمجھ گئے ہوں گے۔۔۔جن لوگوں نے اس آیت سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی امامت و خلافت اور ولایت کو ثابت کرنے کی سعی کی ہے۔۔۔ ان کا استدلال سراسر غلط اور ہر لحاظ سے باطل ہے۔۔۔بلکہ میں یوں کہوں تو بے جا نہیں ہوگا کہ آیت تبلیغ کا یہ مفہوم بیان کرنا قرآن مجید کی معنوی تحریف ہے۔۔۔اور بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ۔۔۔ کے ساتھ اِنَّ عَلِيًّا مَوْلَى الْمُؤْمِنِيْنَ یا فِيْ حَقِّ عَلِيٍّ کے الفاظ بڑھانا۔۔۔قرآن مجید میں لفظی تحریف بھی ہے۔

اس آیت کا مفہوم اگر وہی مراد لیں جو اس گروہ کا خیال ہے۔۔۔تو نبی اکرم ﷺ پر بزدلی اور لوگوں سے ڈر کر حق کو چھپانے کا الزام بھی عائد کرنا ہے۔

مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے عقیدت و محبت میں حد درجہ مبالغہ کرنے والے اس گروہ نے۔۔۔سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بلافصل پر ایک حدیث سے استدلال کیا ہے بلکہ ان کے پیش کردہ تمام دلائل میں سے ان کے گمان میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بلافصل کے لیے یہی حدیث سب سے پختہ، پکی اور مضبوط دلیل ہے۔

حجۃ الوداع سے واپسی پر صرف دو دن کی مسافت پر ایک جگہ ہے جسے خُم غدیر کہا جاتا ہے۔۔۔اس گروہ کے نزدیک اسی مقام پر اٹھارہ ذوالحجہ کو نبی اکرم ﷺ نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا۔۔۔سب لوگ جمع تھے۔۔۔سخت گرمی کا موسم تھا اور چلچلاتی دھوپ تھی۔۔۔

دوپہر کا وقت تھا۔۔۔خطبہ ارشاد فرمانے سے پہلے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی دستار بندی فرمائی۔۔۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے جانشین کے سر پر عمامہ باندھا۔۔۔روایت کے الفاظ مختلف حدیثوں میں مختلف آئے ہیں۔سب سے مشہور روایت ہے:

مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَھٰذَا عَلِیٌّ مَوْلَاہُ اَللّٰھُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاہُ وَعَادِ مَنْ عَادَاہُ

جس کا میں مولا ہوں اس کا علی بھی مولا ہے اے میرے اللہ! جو علی کو دوست رکھے تو بھی اسے دوست رکھ اور جو علی سے دشمنی رکھے تو بھی اس کو دشمن رکھ۔

ایک روایت میں ہے کہ خطبہ کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بازو کو پکڑا اور اتنا بلند کیا کہ بغل کی سفیدی نظر آنے لگی۔۔۔سب صحابہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو دیکھ رہے تھے،آپ نے لوگوں سے پوچھا:

اَیُّھَا النَّاسُ مَنْ اَوْلَی النَّاسِ بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ

اے لوگو! مومنین کی جانوں سے بھی بڑھ کر ان کے نزدیک کون ہے؟

سب لوگوں نے جواب دیا۔۔۔اللہ اور اللہ کا رسول بہتر جانتا ہے۔۔۔پھر آپ نے فرمایا:

اِنَّ اللہَ مَوْلَایَ وَاَنَا مَوْلَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَاَنَا اَوْلٰی بِھِمْ مِنْ اَنْفُسِھِمْ فَمَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاہُ

یقیناً میرا مولا اللہ ہے اور میں سب مومنوں کا مولا ہوں (ان الفاظ پر ذرا غور فرمایئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمارہے ہیں میں تمام مومنوں کا مولا ہوں) اور میں مومنوں کی جانوں سے بڑھ کر ان کے قریب ہوں (یعنی مومن اپنی جانوں سے بڑھ کر میرے ساتھ محبت کرتے ہیں) اور جس کا میں مولا ہوں اس کے علی بھی مولا ہیں۔

سامعین گرامی قدر! سب سے پہلے میں بیان کروں گا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ

الفاظ کیوں کہے۔۔۔؟ ان الفاظ کے کہنے کا پس منظر کیا تھا۔۔۔؟

نبی اکرم ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو یمن کا عامل اور قاضی بنا کر بھیجا تھا۔۔۔انہوں نے خمس کے مال میں سے ایک لونڈی اپنے لیے مخصوص کر لی۔۔۔لوگوں نے اسے اچھا نہ سمجھا اور اس پر اعتراض کیا۔۔۔اور حج کے موقع پر اس کی شکایت نبی اکرم ﷺ تک پہنچائی۔

سیدنا بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ اور کچھ دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے کسی رویہ کے بارے میں نبی اکرم ﷺ کے آگے شکایت کی۔

(بخاری $\frac{623}{2}$ ، ترمذی $\frac{212}{2}$)

لوگوں کی شکایت کرنے پر نبی اکرم ﷺ کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا اور صاف نظر آ رہا تھا کہ آپ غصے میں ہیں۔۔۔آپ نے شکایت کرنے والوں کی شکایت کے جواب میں فرمایا:

مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاہُ اَللّٰھُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاہُ وَعَادِ مَنْ عَادَاہُ
(ترمذی $\frac{213}{2}$)

جس کا میں مولا ہوں اس کا علی بھی مولا ہے اے اللہ! جو علی کو دوست رکھے تو بھی اس کو دوست رکھ اور جو علی سے دشمنی رکھے تو بھی اس کو دشمن رکھ۔

مجھے امید ہے کہ میری بات آپ کو سمجھ آ گئی ہو گی کہ کچھ لوگوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی کچھ شکایات نبی اکرم ﷺ کے سامنے کیں۔۔۔نبی اکرم ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی دلجوئی کے لیے اور اپنے ساتھ ان کے گہرے تعلق کو بتانے کے لیے مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاہُ کے جملے ارشاد فرمائے۔

مگر محبت علی میں غلو اور مبالغہ کرنے والے اس گروہ نے ان جملوں سے ولایت علی اور خلافت علی ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی۔۔۔اور اس روایت کو اپنے معانی پہنا کر

اتنی تشہیر کی کہ سادہ لوح اہل سنت بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔۔۔ بلکہ اہل سنت کہلانے والے بعض علماء اور کئی عالمی مبلغ بھی دشمنانِ اصحابِ رسول کی بجائی ہوئی ڈگڈگی کے آگے رقص کرنے لگے۔

اس سے پہلے کہ میں اس روایت کی سند کے بارے میں گفتگو کروں کہ اس کی سند کس درجہ کی ہے۔۔۔؟ راوی کون ہے۔۔۔؟ اس سے پہلے یہ عرض کردوں کہ ایک لمحہ کے لیے میں نے مان لیا کہ اس کی سند سونے کی طرح کھری ہے۔۔۔ حدیث کے متن میں کوئی اضطراب نہیں ہے۔۔۔ مگر ہمیں یہ تو بتایا جائے کہ ان الفاظ سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بلافصل کیسے ثابت ہوتی ہے۔۔۔؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ رب العزت نے کتنی تاکید کے ساتھ فرمایا کہ بَلِّغۡ مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡكَ مِنۡ رَّبِّكَ۔۔۔ جو کچھ (یعنی خلافتِ علی کے بارے میں) آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے اسے لوگوں تک پہنچایئے۔

پھر اللہ نے تاکید کی اگر آپ نے (سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا اعلان نہ کیا) تو پھر کچھ بھی نہیں پہنچایا۔۔۔ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دی گئی کہ سیدنا ابوبکر وعمر سے اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے نہ ڈریئے، یہ آپ کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے۔۔۔ لوگوں اور مخالفین کے شر سے میں آپ کی حفاظت کروں گا۔

اتنی شدید تاکید کے باوجود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح اور صریح الفاظ میں خلافتِ علی کا اعلان کیوں نہیں فرمایا۔۔۔؟ آپ کو واضح اور صاف الفاظ میں اعلان کرنا چاہیے تھا:

اَیُّهَا النَّاسُ اَنَا رَسُوۡلُ اللّٰهِ وَعَلِیٌّ خَلِیۡفَتِیۡ مِنۡ بَعۡدِیۡ بَلَا فَصۡلٍ

اے لوگو! میں اللہ کا رسول ہوں اور علی میرے بعد بلافصل میرا خلیفہ ہے۔

اگر ایسے واضح اور غیر مبہم الفاظ میں اعلان ہوتا تو کسی کو بھی اعتراض کی۔۔۔ اور لیت ولعل کی۔۔۔ اور یعنی کے اور اگر چہ مگر چہ کی گنجائش باقی نہ رہ جاتی۔

کمال ہے بقول ملا باقر مجلسی کہ اللہ تعالیٰ نے ایک سو بیس مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو

اپنے ہاں آسمان پر بلایا اور ہر مرتبہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور دوسرے تمام ائمہ طاہرین کی ولایت وامامت کی اس قدر تاکید فرمائی کہ اتنی تاکید دین کے دوسرے فرائض کے بارے میں نہیں فرمائی۔ (حیات القلوب 502/2 باب بست وچہارم)

معاملہ عقیدے کا تھا۔۔۔دین کا دارومدار خلافت وامامتِ علی پر موقوف تھا۔۔۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج سے بڑھ کر خلافتِ علی کے اعلان کی تاکید کی گئی تھی۔۔۔۔۔مگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح اور صریح الفاظ میں اعلان نہیں فرمایا (ہوسکتا ہے یار لوگوں کا خیال ہو کہ معاذ اللہ۔۔۔اللہ کے وعدے وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ کے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابھی تک سیدنا ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما سے ڈر رہے تھے) ایسا لفظ بولا جس کے کئی معانی ہیں۔

شیعہ مذہب کے مشہور عالم علامہ طبرسی نے کہا ہے کہ مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ۔۔۔سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بلافصل کے لیے واضح اور صریح دلیل نہیں ہے بلکہ اشارۃً اس فرمان سے خلافتِ علی ثابت ہورہی ہے۔۔۔تحریر کرتے ہیں:

اَثْبَتَ حُجَّةَ اللهِ تَعْرِيْضًا لَا تَصْرِيْحًا بِقَوْلِهٖ فِيْ وَصِيَّةٍ مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ (احتجاج طبرسی 135)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو اپنے وصی (سیدنا علی رضی اللہ عنہ) کے بارے میں فرمایا تھا۔۔۔ مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ۔۔۔آپ نے اللہ کی حجت (یعنی امامتِ علی) کو اشارے سے بیان فرمایا ہے صراحت سے بیان نہیں فرمایا۔

محبت علی میں غلو کرنے والے گروہ کے نزدیک مولیٰ کا معنی حاکم، خلیفہ اور اَولیٰ بالتصرف ہے۔۔۔اور اسی کو امام کہتے ہیں۔۔۔لہٰذا وہ حضرات مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ۔۔۔سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بلافصل پر استدلال کرتے ہیں۔۔۔مگر ہم کہتے ہیں کہ مولیٰ عربی زبان کا لفظ ہے اور اس کے بہت سے معنی ہیں۔

لغت کی مشہور کتاب القاموس میں مولیٰ کا معنی کیا گیا:

اَلْمَالِكُ وَالْعَبْدُ وَالصَّاحِبُ وَالنَّاصِرُ وَالْمُحِبُّ وَالتَّابِعُ وَالصِّهْرُ
(القاموس 302/4)

مولا کے معنی مالک، غلام، ساتھی، دوست، محب، مددگار، تابع اور قریبی رشتے دار کے ہیں۔

تاریخ الخلفاء میں ہے:

اِسْمُ الْمَوْلٰی یَقَعُ عَلَی الرَّبِّ وَالْمَالِكُ وَالسَّیِّدُ وَالنَّاصِرُ وَالْمُحِبُّ
(تاریخ الخلفاء 119)

مولیٰ کا نام رب، مالک، سردار، ناصر اور محب کے معانی میں استعمال ہوتا ہے۔

مولیٰ عربی میں کئی معانی میں مستعمل ہے۔۔۔ پھر کسی ایک معنی کی تخصیص کے لیے کوئی مضبوط دلیل اور پختہ قرینہ چاہیے۔ اس حدیث میں تو مضبوط قرینہ موجود ہے۔۔۔ مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاہُ۔۔۔ کے بعد میرے پیارے نبی ﷺ نے مولیٰ کا معنی اور مفہوم خود متعین فرما دیا۔

اَللّٰھُمَّ مِنْ وَالِ مَنْ وَالَاہُ۔۔۔ اے میرے اللہ! تو اسے دوست رکھ جو علی کو دوست رکھے۔

تو ثابت ہوا کہ یہاں مولیٰ کا معنی خلیفہ، امام اور اولیٰ بالتصرف نہیں ہے بلکہ یہاں مولیٰ کا معنی محب اور دوست کا ہے۔ اس روایت کے بل بوتے پر زور وشور سے یہ پروپیگنڈا کرنا کہ نبی اکرم ﷺ نے خم غدیر پر 18 ذوالحجہ کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا اعلان فرمایا تھا۔۔۔ پھر 18 ذوالحجہ کو خوشی و مسرت منانا اور عید خم غدیر کے نام پر ناچنا، کودنا اور ایک دوسرے کو مبارک بادیں دینا (دراصل 18 ذوالحجہ کے دن خلیفۂ ثالث، دوہرے دامادِ نبی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو سبائی یہودیوں کی سازش سے انتہائی بے دردی کے ساتھ چالیس دن پیاسا رکھ کر شہید کیا گیا تھا۔ 18 ذوالحجہ کے دن دشمنانِ صحابہ اسی خوشی و مسرت میں عید

مناتے ہیں۔۔۔کاش اہل سنت۔۔۔دشمنانِ صحابہ کی ان مکروہ چالوں کو سمجھ سکیں۔۔۔جیسے 22 رجب کو کونڈے پکائے جاتے ہیں۔۔۔اور خوشی کھائے جاتے ہیں اور دوستوں کی دعوتیں کی جاتی ہیں۔۔۔کہا جاتا ہے کہ یہ حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کی نیاز ہے حالانکہ حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ 22 رجب کو نہ پیدا ہوئے اور نہ ان کا اس دن انتقال ہوا۔۔۔حقیقت یہ ہے کہ 22 رجب کو امیر المومنین، خلیفہ سادس سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا۔۔۔ان کی وفات کے دن کونڈے پکا کر خوشی و مسرت کا اظہار کیا جاتا ہے)

میں کہتا ہوں اگر بقول تمہارے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت و امامت کا اعلان خم غدیر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی وفات سے تقریباً تین مہینے پہلے فرما دیا تھا تو پھر اپنے انتقال سے چار دن پہلے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت تحریر کروانے کے لیے قلم دوات کیوں منگوائی تھی۔۔۔؟ اگر ایک لاکھ افراد کے سامنے خلافت علی کا اعلان۔۔۔سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے سر پر عمامہ باندھ کر اور ان کا ہاتھ پکڑ کر اور بلند کر کے ہو چکا تھا تو آج چند لوگوں کے سامنے خلافتِ علی لکھوانے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

سامعین گرامی قدر! اس سلسلہ میں ایک بڑا زبردست حوالہ میں شیعہ مذہب کی ایک کتاب سے پیش کرنا چاہتا ہوں۔۔۔مشہور شیعہ عالم ابو جعفر طوسی نے نقل کیا ہے کہ

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت ان سے کہا گیا کہ آپ اپنے بعد خلافت کے بارے میں کوئی وصیت کیوں نہیں کرتے تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا کیا اللہ کے نبی نے ایسی وصیت فرمائی تھی؟ کہ میں وصیت کروں اور کسی کو خلیفہ نامزد کروں۔۔۔(مَآ اَوْصٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ فَاُوْصِی) اگر اللہ رب العزت نے مسلمانوں کے ساتھ خیر کا ارادہ فرمایا تو انہیں کسی بہترین آدمی پر جمع فرما دے گا جس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد انہیں بہترین شخص (یعنی ابوبکر رضی اللہ عنہ) پر جمع کر دیا تھا۔ (تلخیص الشافی 237/2)

مولیٰ کا معنی یہاں خلیفہ اور امام نہیں ہے جس طرح غالی گروہ کا خیال ہے اور مَنْ

كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ۔۔۔ میں مولیٰ کا معنی مالک اور مددگار کا بھی نہیں۔۔۔ غالی لوگ اس معنی میں بھی مولا علیٰ کہتے ہیں یعنی علی مشکل کشا اور مددگار ہیں۔۔۔ قرآن نے اس معنی میں مولیٰ کا لفظ صرف اور صرف اللہ رب العزت کے لیے استعمال کیا ہے۔

أَنْتَ مَوْلَانَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِيْنَ (البقرہ 286)

تو ہمارا مددگار ہے (اس معنی کا قرینہ ساتھ ہی موجود ہے) تو ہماری کفار کے مقابلے میں مدد فرما۔

ایک اور جگہ پر ارشاد ہوا:

بَلِ اللّٰهُ مَوْلَاكُمْ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ (آل عمران 150)

بلکہ اللہ ہی تمہارا مددگا ہے (اس معنی کا قرینہ ساتھ ہی موجود ہے) اور وہی بہترین مددگار ہے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لیے مولا لفظ اس معنی میں بولنا واضح اور صریح شرک ہے۔۔۔ قرآن وحدیث نے اس حقیقت کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ سارے جہانوں کا حاکم، آقا اور مددگار صرف اور صرف اللہ رب العزت ہے اس کے سوا کوئی بھی ناصر اور مددگار نہیں ہے۔۔۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو غالی گروہ اسی معنی میں مولائے کائنات یا مولا علی کہتے ہیں۔

گذشتہ سالوں میں ایک مشہور خطیب عالمی مبلغ نے خدا معلوم کیوں اپنی تقریر میں کہا اور بڑی وضاحت سے کہا کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو مولی کہا ہے۔۔۔ تو ہمیں بھی مولیٰ علی کہنا چاہیے جس طرح فلاں (غالی) گروہ کہتا ہے۔

عالمی مبلغ کے نظریات کا زیادہ جھکاؤ بھی اسی غالی گروہ کے نظریات کی جانب ہے۔۔۔ یا تو حضرت نے غالی گروہ کے نظریات کا مطالعہ نہیں کیا یا جان بوجھ کر ایسے بیان فرماتے ہیں۔

عالمی مبلغ کو کون بتائے کہ غالی گروہ مولیٰ کا لفظ اور امام کا لفظ کن معنوں میں لیتا ہے۔۔۔؟ وہ امام کا لفظ اس معنی میں نہیں لیتے جس معنی میں ہم امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام رازی اور امام ابن تیمیہ رحمہم اللہ وغیرہ بولتے ہیں۔

بلکہ ان کے ہاں امامت کا ایک جداگانہ تصور ہے۔۔۔ان کے ہاں امام منصوص من اللہ ہوتا ہے (یعنی اسے اللہ خود نامزد کرتا ہے) ان کے ہاں امام مفترض الطاعت ہوتا ہے (انبیاء کرام علیہم السلام کی طرح ان کی اطاعت لازم ہے) ان کے ہاں امام معصوم عن الخطاء والعصیان ہوتا ہے۔ امام سے کوئی گناہ، غلطی، خطا حتیٰ کہ نسیان یعنی بھول چوک بھی نہیں ہوتی۔

امام پر وحی اترتی ہے، اسے ہر سال کتاب عطا ہوتی ہے۔۔۔امام عالم الغیب اور مختار کل ہوتا ہے۔۔۔زمین و آسمان اس کی ملکیت ہے۔۔۔موت و حیات اس کے اختیار میں ہے۔

اس معنی میں وہ امام حسین کہتے ہیں۔۔۔کیا اس معنی میں ہم اہل سنت امام حسین رضی اللہ عنہ کہنے کے لیے تیار نہیں۔۔۔؟ کوئی اہل سنت خطیب اور مبلغ امام ابوبکر، امام عمر، امام عثمان نہیں کہتا مگر برا ہو اس غالی گروہ کا جس نے ایسا پروپیگنڈا کیا کہ ہمارا خطیب ہمارے منبر پر بیٹھ کر ترجمانی اسی غالی گروہ کی کر رہا ہے۔۔۔وہ جب بھی بولتا ہے یا لکھتا ہے تو امام حسین ہی بولتا اور لکھتا ہے۔

عالمی مبلغ کو کون بتائے۔۔۔کہ جناب غالی گروہ مولیٰ علی کا نعرہ۔۔۔مددگار، مشکل کشا اور خلیفہ بلا فصل کے مفہوم میں لگاتے ہیں۔۔۔۔۔اور آپ بڑے درد دل سے اہل سنت عوام سے فرما رہے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہہ دیا ہے لہٰذا تم ہمیشہ مولا علی بولا کرو۔۔۔میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ جو لوگ۔۔۔ہاں خوش نصیب لوگ اس خطبہ میں موجود تھے کیا انہوں نے اس خطبہ کو سننے کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو مولیٰ علی کہہ کر بلانا شروع کر دیا

تھا۔۔۔؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو مولیٰ علی کہتے تھے۔۔۔؟ کیا اولادِ علی میں سے کسی نے مولیٰ علی کہا ہے۔۔۔؟ کسی محدث نے۔۔۔ کسی مفسر نے۔۔۔ کسی فقیہ نے مولیٰ علی کہا ہے؟

آیئے کچھ گفتگو اس روایت کی سند پر بھی کرلیں۔۔۔ علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

فَلَا یَصِحُّ مِنْ طَرِیْقِ الثِّقَاتِ اَصْلًا (منہاج السنہ $\frac{86}{4}$)

یہ روایت ثقہ راویوں کی روایت سے درجہ صحت کو نہیں پہنچتی۔

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت پر بہت خوبصورت بحث کی ہے۔۔۔ وہ فرماتے ہیں:

اَلْاَسَانِیْدُ اِلَیْھِمْ ضَعِیْفَۃٌ

اس روایت کا ایک راوی میمون ابوعبداللہ جس پر اس روایت کی عمارت کھڑی ہے، وہ محدثین کے نزدیک قابل اعتبار و اعتماد نہیں ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں اس کی روایات منکر ہوتی ہیں اور یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یہ شخص لاشئی (کچھ بھی نہیں) ہے۔

ایسی روایت جس کے راوی لاشئی اور منکر ہوں۔۔۔ اور جن میں تشیع کے جراثیم بھی موجود ہوں۔۔۔ ایسی روایت سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بلافصل اور امامت کو ثابت کرنا بے عقلی اور جہالت کی دلیل ہے۔۔۔ عقیدے کے اثبات کے لیے خبر واحد جو سونے کی طرح کھری ہو اسے بھی دلیل نہیں بنایا جاسکتا۔۔۔ چہ جائیکہ ایک مجروح اور ضعیف روایت۔۔۔ اور اسے بطورِ دلیل پیش کیا جارہا ہے خلافت و امامت جیسے انتہائی اہم عقیدے کے لیے۔

یاد رکھیے۔۔۔! مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاہُ اگر سند کے لحاظ سے صحیح بھی

ہو۔۔۔تب بھی اس کا معنی وہ نہیں ہوگا جو غالی گروہ مراد لیتا ہے بلکہ سیاق وسباق کا لحاظ رکھ کر معنی ہوگا۔۔۔ ''جس کا میں دوست اس کا علی دوست۔''

اسی غالی گروہ نے سینکڑوں حدیثیں وضع کر کے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذمہ لگا ئیں۔۔۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے تو ایسی روایات کی تعداد تین لاکھ بتائی ہے جو غالی گروہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں گھڑی ہیں۔

کئی اہل علم تھے جنہوں نے تقیہ کی چادر اوڑھ کر ساری زندگی اہل سنت بن کر گزاری۔۔۔مرنے کے بعد معلوم ہوا کہ یہ شخص تو سنیت کے لبادے میں رافضیت پھیلاتا رہا۔۔۔ان بدبختوں نے روایات گھڑیں۔۔۔اور عوام میں پھیلائیں۔

آج بھی اپنے آپ کو اہل سنت کہلانے والوں کے منبر ومحراب سے لوگوں کو سنایا جاتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَلنَّظَرُ اِلٰی وَجْهِ عَلِیٍّ عِبَادَةٌ

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے چہرے کی طرف دیکھنا عبادت ہے۔

امام ذہبی، ابن جوزی اور ابن حجر رحمۃ اللہ علیہم نے اس روایت کو موضوع قرار دیا ہے۔

ایسے الفاظ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب کرنا جو آپ کی زبانِ مقدس سے نکلے ہی نہیں۔۔۔کتنا بڑا ظلم ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بہتان ہے۔۔۔پھر اس کی وضاحت کوئی نہیں کرتا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے چہرے کو دیکھنا کس کی عبادت ہے۔۔۔؟ اللہ کی یا سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی؟

حقیقت یہ ہے کہ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ پُرانوار کو ایمان کی حالت میں دیکھنا اتنی عظیم سعادت ہے کہ روئے زمین کے تمام عابدین وزاہدین اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔۔۔ بلکہ امت کے علماء اس بات پر متفق ہیں کہ جس خوش نصیب نے ایمان قبول کرنے کے بعد

امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ پرانوار کو ایک لمحہ کے لیے دیکھ لیا اللہ تعالیٰ نے دوزخ کی آگ اس پر حرام قرار دے دی۔

اور صحابیّت کا یہ مقام اور صحابیّت کا درجہ اتنا اونچا اور بلند ہے کہ بعد میں آنے والی پوری امت مل کر بھی ایک صحابی کے مقام کو نہیں پہنچ سکتی۔

غالی لوگ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت وامامت کو ثابت کرنے کے لیے ایک اور روایت کا سہارا لیتے ہیں۔۔۔اور اس روایت کے الفاظ سنیے:

اَنَا مَدِیْنَةُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا

میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں۔

حدیث کی کتب میں صرف ترمذی نے اسے نقل کیا ہے مگر وہاں اَنَا مَدِیْنَةُ الْعِلْمِ کے بجائے اَنَا دَارُ الْحِکْمَةِ۔۔۔میں حکمت کا گھر ہوں۔۔۔کے الفاظ ہیں۔

مگر امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد اس پر یوں تبصرہ فرمایا:

هٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ مُنْكَرٌ

یہ حدیث غریب (غریب اس حدیث کو کہتے ہیں کہ اس کی اسناد میں کسی موقع پر صرف ایک راوی رہ جائے جبکہ امام ترمذی غریب بول کر ضعیف مراد لیتے ہیں) اور منکر ہے (اور منکر اس روایت کو کہتے ہیں جس کا کوئی راوی ضعیف ہو اور ثقہ راویوں کی مخالفت کرتا ہو)

علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو موضوع قرار دیا ہے۔۔۔اَنَا مَدِیْنَةُ الْعِلْمِ کے الفاظ کے ساتھ یہ روایت امام حاکم نے مستدرک میں نقل کی ہے اور روایت کے صحیح ہونے کا دعویٰ بھی کیا ہے۔۔۔مگر امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے رد کیا اور کہا کہ یہ حدیث موضوع ہے۔

قرآن مجید کے بعد دین کا سب سے بڑا ماخذ نبی اکرم ﷺ کی احادیث ہیں۔۔۔قرآن کی تشریح اور تفسیر بھی نبی اکرم ﷺ نے فرمائی ہے۔۔۔احادیث کا یہ ذخیرہ اصحابِ رسول کے ذریعہ ہم تک پہنچا ہے۔۔۔سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جو حدیثیں روایت کی ہیں ان کی تعداد پانچ سو چھیاسی ہے۔

ذرا غور فرمایئے! کیا نبی اکرم ﷺ کا سکھایا ہوا کل علم اتنا ہی ہے۔۔۔؟ کیا حدیث کا اور فرامینِ نبوی کا کل ذخیرہ یہی ہے۔۔۔؟ کیا علم نبوت کے پھیلنے کا صرف ایک دروازہ ہے۔۔۔؟ کیا باقی اصحابِ رسول کے ذریعہ دین محمدی عام نہیں ہوا۔۔۔؟ میرے نبی ﷺ نے سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا:

أَعْلَمُهُمْ بِالْحَلَالِ وَالْحَرَامِ

حلال وحرام کو سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ جانتے ہیں۔

صحابی رسول سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے متعلق ارشادِ نبوی ہے۔۔ أَقْرَأُهُمْ۔۔۔ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ قرآن کے سب سے بڑے قاری ہیں۔۔۔سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا۔۔۔علم میراث کے سب سے بڑھ کر ماہر ہیں۔

کچھ حضرات نے فضیلتِ علی میں ایک روایت بیان کی ہے۔۔۔کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی عصر کی نماز رہ گئی اور سورج غروب ہو گیا۔۔۔ نبی اکرم ﷺ کی دعا سے سورج لوٹ آیا۔۔۔سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے نماز عصر ادا فرمائی پھر سورج غروب ہو گیا۔

جن لوگوں نے بغیر سوچے سمجھے اس روایت کو نقل کیا اور آج منبر ومحراب کی زینت بنانے پر تلے ہوئے ہیں۔۔۔انہوں نے اتنا بھی نہیں سوچا کہ تمام امت کا اتفاق ہے کہ نمازیں معین اوقات میں فرض کی گئی ہیں۔۔۔قرآن میں ارشادِ باری ہے:

إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا (النساء 103)

یقیناً نماز مومنوں پر وقت مقررہ میں فرض کی گئی ہے۔

کسی نماز کا وقت گزر جاتا ہے تو نماز فوت ہو جاتی ہے اب اسے کسی وقت بھی پڑھا جائے تو قضا کہلائے گی۔۔۔ ادا نہیں کہلائے گی۔۔۔ پھر سورج کے لوٹنے کا کیا فائدہ۔۔۔؟ کیا قضا نماز ادا بن جائے گی۔۔۔؟

سورج کا مغرب سے نکلنا قیامت کی علامتوں میں سے ایک علامت ہے۔۔۔ اگر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لیے سورج مغرب سے نکل آیا تو پھر قیامت کیوں نہیں آ گئی؟

محدثین نے اس روایت کو جھوٹی روایت قرار دیا ہے۔۔۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے لکھا کہ اس روایت کی کوئی اصل اور بنیاد نہیں ہے۔۔۔ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے موضوع قرار دیا۔ (موضوعات کبیر 157.41)

سامعین گرامی قدر! میری گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ۔۔۔ ایک گروہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شخصیت کے بارے میں انتہائی غلو اور مبالغہ آمیزی سے کام لیا۔۔۔ ان کے فضائل میں روایات وضع کی گئیں۔۔۔ قصے تراشے گئے۔۔۔ بے سروپا کہانیاں بنائی گئیں۔

مقصد اس غالی گروہ کا یہ تھا کہ حب علی کے پردے میں اصحابِ رسول کی کردار کشی کی جائے۔۔۔ اس گروہ نے لوگوں کو باور کرایا کہ خلافت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا حق تھا۔۔۔ اصحابِ ثلاثہ نے اسے غصب کیا اور باقی صحابہ نے ان کے ہاتھ پر بیعت کر کے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے حق کی مخالفت کی۔

یقین جانیے! اس غالی گروہ کا سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کچھ تعلق نہیں ہے۔۔۔ ان کا عقیدہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے عقیدے کے مطابق نہیں۔۔۔ ان کے اعمال سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے اعمال سے مطابقت نہیں رکھتے۔۔۔ حتیٰ کہ ان کی ظاہری صورتیں اور شکلیں بھی سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے نہیں ملتیں۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے چہرے پر داڑھی تھی جو سینے کو ڈھانپ لیتی تھی۔۔۔ یہ داڑھی کا اور داڑھی والوں کا تمسخر اڑاتے ہیں۔۔۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نمازی تھے۔۔۔ حافظ تھے۔۔۔

قاری تھے۔۔۔مجاہد تھے۔۔۔عابد تھے۔۔۔زاہد تھے۔۔۔باحیا تھے۔۔۔غیرت مند تھے۔۔۔با اخلاق تھے۔۔۔نرم مزاج تھے۔۔۔سیدنا علی رضی اللہ عنہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا احترام کرتے تھے۔۔۔سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے پیار کرتے تھے۔۔۔سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے برادرانہ تعلقات رکھتے تھے۔۔۔سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنے جیسا مومن مانتے تھے۔۔۔امہات المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن کو احترام کی نظر سے دیکھتے تھے۔۔۔اصحابِ رسول کے تقویٰ کی تعریفیں کرتے تھے۔

اس غالی گروہ کا سیدنا علی رضی اللہ عنہ جیسے باحیا اور باوفا سے کیا تعلق ہے۔۔۔؟

وما علینا الا البلاغ المبین

25

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ الْاَمِيْنِ

وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ

(المجادلہ 11)

سامعین گرامی قدر! آج کی اس عظیم الشان کانفرنس اور پروگرام کا عنوان اور موضوع جو یہاں کے احباب نے اشتہاروں میں تجویز کیا۔۔۔ وہ انتہائی معلوماتی بھی ہے اور بہت خوبصورت و حسین بھی ہے۔

یعنی ام المومنین۔۔۔ مریم اسلام۔۔۔ عفیفۂ کائنات۔۔۔ محبوبۂ محبوبِ باری سیدہ عائشہ صدیقہ۔۔۔ عتیقہ۔۔۔ طیبہ۔۔۔ طاہرہ۔۔۔ عابدہ۔۔۔ ساجدہ۔۔۔ زاہدہ رضی اللہ عنہا کی سیرت و کردار، مقام و مرتبہ اور ان کی عظمت کو بیان کرنا، میری جماعت۔۔۔۔ اشاعت التوحید والسنت کا طرۂ امتیاز ہے کہ اس جماعت کا ہر خطیب اور مقرر اپنی تقریر اور اپنے بیان میں۔۔۔ قصوں، کہانیوں، موضوع روایات، من گھڑت احادیث، ضعیف اور شاذ اور منکر روایات اور لایعنی واقعات کا سہارا نہیں لیتا۔۔۔ بلکہ ہم اپنے بیان کو اور اپنی تقریر کو قرآن کی آیات سے مزین اور مستند احادیث سے منور اور مبرہن کرتے ہیں۔۔۔

ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا

میں ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کے مقام و مرتبہ کو اور ان کی عظمت کو۔۔۔اور اس حقیقت کو کہ وہ تمام صحابیات میں سب سے اعلیٰ، سب سے برتر، سب سے بالا قدر اور سب سے افضل ہیں۔۔۔اس بات کو قرآن مجید کی ایک آیت مبارکہ کے ایک حصے سے ثابت کرنا چاہتا ہوں۔۔۔آیت کا وہی حصہ جسے میں نے خطبے میں تلاوت کیا ہے۔

سورۃ المجادلہ کی آیت نمبر 11 میں اللہ رب العزت نے بلندیٔ درجات کے دو سبب بیان فرمائے۔

يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ۔۔۔اللہ درجات بلند کرتا ہے ان لوگوں کے جو تم میں سے ایمان لائے۔

وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ۔۔۔اور اہل علم کے درجات بلند کرتا ہے۔

اللہ رب العزت نے بلندیٔ درجات کے دو سبب بیان فرمائے۔۔۔ایک ایمان اور دوسرا سبب ہے علم۔۔۔ان دو اسباب کو مدنظر رکھ کر ہم نے ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی سیرت اور زندگی کو دیکھا تو وہ ہمیں ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد تمام ازواج سے بھی اور باقی صحابیات سے بھی آگے نظر آئیں۔

پہلا سبب ایمان ہے۔۔۔اور ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے آنکھ ہی ایمان کے گھر میں کھولی۔۔۔ان کے والد گرامی کا گھر ہی مکہ میں ایسا گھر تھا جہاں سب سے پہلے آفتابِ نبوت کی کرنیں پہنچیں۔

ام المومنین رضی اللہ عنہا خود فرماتی ہیں کہ میں نے جب ہوش سنبھالا اپنے والدین کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں اور اللہ کی الوہیت میں سرشار پایا۔

بخاری کی ایک حدیث ہے۔۔۔ام المومنین رضی اللہ عنہا خود فرماتی ہیں کہ سورۃ القمر کی

آیت:

بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَدْهٰى وَأَمَرُّ (القمر 46)

نازل ہوئی میں اس وقت کھیلتی تھی۔ (بخاری 204/2)

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ولادت بعثتِ نبوی سے چند سال پہلے کی ہے کیونکہ سورۃ القمر۔۔۔ نبوت ملنے کے پانچ سال بعد اتری تھی۔

اگر آپ کی ولادت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت ملنے کے بعد تسلیم کر لی جائے جیسے کچھ حضرات کا خیال ہے تو کیا پانچ نبوی میں انہیں معلوم ہو گیا اور انہیں اتنا شعور بھی حاصل ہو گیا کہ یہ اللہ کا کلام ہے اور اس کا نام سورۃ القمر ہے۔

غرضیکہ ام الومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کفر وضلالت کے دور سے گزری ہی نہیں، انہوں نے بت پرستی کبھی کی ہی نہیں، وہ پیدا ہی مسلمان ہوئیں۔

مگر آج میں اس سبب پر گفتگو نہیں کروں گا۔۔۔ بلکہ میں دوسرے سبب پر تفصیلی گفتگو کروں گا کہ علم وفہم میں، قرآن فہمی میں، اور ارشاداتِ نبوی کی کنہ اور حقیقت اور منشا کو سمجھنے میں۔۔۔ دوسری خواتین تو رہیں ایک طرف۔۔۔ ایک دو صحابہ کو چھوڑ کر باقی اصحابِ رسول سے بھی وہ بلند، فائق اور برتر نظر آتی ہیں۔۔۔ قرآن فہمی میں اور علومِ دینیہ میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا مقام اس لیے بھی بلند تھا کہ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو معلم بن کر تشریف لائے تھے ان کے گھر میں موجود تھے۔۔۔ ہر وقت کی نبوی صحبت میسر تھی۔۔۔۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد نبوی میں اپنے ساتھیوں کی تعلیم وتربیت فرماتے۔۔۔ ان کا حجرہ مسجد نبوی سے ملحق تھا۔۔۔ یہ اس محفل میں بوجہ قریب ہونے کے عملاً شریک رہتیں۔۔۔ اگر کبھی آواز ان کے کان میں صحیح نہیں پہنچتی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لاتے تو پوچھ لیتیں۔

پھر ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عادت کہہ لیں یا ذوق وشوق کہ گا ہے بہ

گاہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کچھ نہ کچھ پوچھ لیتیں۔۔۔اور پوری تسلی کرتیں۔

ایک موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمایا:

مَنْ حُوْسِبَ عُذِّبَ

قیامت کے دن جس کا حساب ہوا اسے عذاب دیا گیا۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا۔۔۔ یا رسول اللہ! قرآن میں اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے:

فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا

اس سے آسان اور سہل حساب لیا جائے گا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس سے مراد اعمال کی پیشی ہے۔۔۔ہاں جس کے اعمال کے بارے میں چھان پھٹک اور جرح وقدح اور تحقیق وجستجو شروع ہو گئی تو سمجھو وہ تباہ اور برباد ہو گیا۔ (بخاری $\frac{21}{1}$ کتاب العلم)

ایک موقع پر سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے یہ آیت پڑھی:

وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ

(الزمر 67)

اور ساری زمین اللہ کی ایک مٹھی میں قیامت کے دن اور آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا۔۔۔ یا رسول اللہ! جب آسمان اور زمین نہیں ہوں گے تو لوگ کہاں ہوں گے۔۔۔؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: پل صراط پر۔ (مسند احمد $\frac{79}{4}$ بیروت)

نکاح میں عورت کی رضامندی بھی ضروری ہے۔۔۔مگر اکثر دیکھنے میں آیا کہ کنواری لڑکیاں زبان سے رضامندی کے کلمات ادا کرتے ہوئے شرم محسوس کرتی ہیں۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ایک دن اس کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ۔۔۔! نکاح کے وقت عورت سے اجازت لینی ضروری ہے۔۔۔؟ آپ نے فرمایا ہاں، ان سے اجازت لینی ضروری ہے۔

ام المومنین رضی اللہ عنہا نے کہا۔۔۔ کبھی وہ شرم وحیا کی بنا پر خاموش ہو جاتی ہیں۔۔۔ آپ نے فرمایا۔۔۔ ان کی خاموشی ہی ان کی رضا اور اجازت ہے۔

(مسلم، باب النکاح $\frac{455}{1}$)

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی عادت مبارکہ تھی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات کی وضاحت کے لیے کچھ نہ کچھ پوچھ لیا کرتی تھیں۔۔۔ ایک موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو تلقین اور نصیحت فرمائی کہ ہر کام اعتدال سے کیا کرو۔۔۔ لوگوں کے ساتھ نرمی کا رویہ اختیار کرو۔۔۔ انہیں اپنے قریب لانے کی کوشش کرو۔۔۔ لوگ اپنے اعمال کی بنا پر جنت میں نہیں جائیں گے بلکہ رحمت الٰہی انہیں جنت میں پہنچائے گی۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو یہ بات عجیب محسوس ہوئی اور عرض کیا۔۔۔ وَلَا اَنْتَ یَا رَسُوْلَ اللہ۔۔۔؟ یا رسول اللہ! آپ بھی نہیں۔۔۔؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔۔۔ وَلَا اَنَا اِلَّا اَنْ یَّتَغَمَّدَنِیَ اللہُ بِرَحْمَتِہٖ

(بخاری، باب القصد والمداومۃ علی العمل $\frac{957}{2}$)

عائشہ! میں بھی جنت میں تب جاؤں گا جب اللہ کی رحمت والی چادر مجھے ڈھانپ لے گی۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا علمی مقام

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا علمی میدان میں۔۔۔ اور خاص کر کے قرآن کے فہم میں بہت بلند اور اعلیٰ مقام رکھتی ہیں۔

مشہور محدث امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول ذرا سنیے۔۔۔ اور پھر سوچیے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا علمی میدان میں کیا مقام ہے؟

لَوْ جُمِعَ عِلْمُ النَّاسِ كُلِّهِمْ ثُمَّ عِلْمُ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ ﷺ فَكَانَتْ عَائِشَةُ أَوْسَعَهُمْ عِلْمًا (مستدرک حاکم 12/4 بیروت)

اگر تمام لوگوں کا علم اور تمام ازواج مطہرات کا علم اکٹھا کر لیا جائے تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا علم ان سب سے بڑھ کر ہے۔

مشہور تابعی حضرت عطا بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ کا ایک تجزیہ اور فرمان بھی سنیے:

كَانَتْ عَائِشَةُ أَفْقَهَ النَّاسِ وَأَعْلَمَ النَّاسِ وَأَحْسَنَ النَّاسِ رَأْيًا فِي الْعَامَّةِ (مستدرک حاکم 15/4 بیروت)

تمام لوگوں میں سب سے زیادہ فقاہت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا میں پائی جاتی ہے۔۔۔ سب لوگوں سے بڑھ کر علم بھی ان کے پاس ہے، اور تمام لوگوں میں سب سے بہتر رائے رکھنے والی بھی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں۔

امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مقولہ طبقات ابن سعد نے نقل کیا ہے ذرا سنیے:

كَانَتْ عَائِشَةُ أَعْلَمَ النَّاسِ يَسْأَلُهَا الْأَكَابِرُ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سب لوگوں سے بڑھ کر عالمہ تھیں اور بڑے بڑے صحابہ بھی ان کی دہلیز پر آ کر ان سے مسائل پوچھا کرتے تھے۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے علم وفہم کی تصدیق میں سب سے بڑی گواہی مشہور صحابی سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی ہے، وہ فرماتے ہیں:

مَا أَشْكَلَ عَلَيْنَا أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ حَدِيثٌ قَطُّ فَسَأَلْنَا عَائِشَةَ إِلَّا وَجَدْنَا عِنْدَهَا مِنْهُ عِلْمًا (ترمذی 227/2)

ہم اصحاب رسول کو دین کے معاملے میں جب بھی کوئی دقت پیش آئی تو ہم نے اس کے بارے میں ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا تو ہمیں انہی سے اس کے حل کے بارے میں معلومات ملیں۔

قرآن فہمی اور حدیث دانی

سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور تابعین کی آراء آپ سن چکے ہیں۔۔۔ یہ آراء مبالغہ پر مبنی نہیں ہیں۔۔۔ بلکہ واقعی ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو قرآن فہمی کی جس نعمت سے اللہ رب العزت نے نوازا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔

بندہ حیران ہوتا ہے کہ قرآن کے اوراق میں اور آیات میں ام المومنین رضی اللہ عنہا کی کتنی گہری اور عمیق نظر ہے۔۔۔ جس مقام پر سیدنا عبداللہ بن عمر۔۔۔ سیدنا عبداللہ بن عباس۔۔۔ اور سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہم کی نگاہ نہیں پہنچی وہاں ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی نظر پہنچ گئی۔۔۔ پھر انہوں نے اپنے موقف اور نظریے پر قرآن کی آیت سے استدلال کیا اور جو صحابہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث سے مغالطے میں مبتلا تھے۔۔۔ میری ماں نے اس حدیث کا ایسا خوبصورت مفہوم بیان کیا کہ انسان عش عش کر اٹھتا ہے۔۔۔ میں بیان کروں گا تو آپ کو بھی اس حقیقت کی سمجھ آجائے گی۔

اَلْبُكَاءُ عَلَى الْمَيِّتِ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دن ایک جنازہ دیکھا جس پر لوگ رو رہے تھے، آپ نے پوچھا یہ کون مر گیا ہے۔۔۔؟ بتلایا گیا کہ یارسول اللہ! ایک یہودی عورت مر گئی ہے اور اس کے ورثا اور بال بچے رو رہے ہیں اور واویلا کر رہے ہیں۔

آپ نے فرمایا۔۔۔ لوگ اس پر رو رہے ہیں اور اسے عذاب ہو رہا ہے۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اس فرمان کا مفہوم یہ سمجھا کہ لوگوں کے رونے کی وجہ سے میت کو عذاب ہو رہا ہے۔

انہوں نے لوگوں کو سختی سے منع کرنا شروع کر دیا کہ میت پر رونا نہیں چاہیے۔۔۔ ورثا کے رونے سے میت کو عذاب ہوتا ہے، میں نے خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایسے ہی سنا ہے۔

(شریعت اسلامیہ نے ماتم کرنے سے۔۔۔اور بین کرنے سے منع کیا ہے۔۔۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ ضَرَبَ الْخُدُوْدَ اَوْشَقَّ الْجُيُوْبَ اَوْدَعَا بِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ لَيْسَ مِنَّا

(بخاری $\frac{173}{1}$)

جو شخص مصیبت اور دکھ کے وقت اپنے چہرے پر تھپڑ مارے اور گریبان پھاڑے اور جاہلیت کی آوازیں نکالے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

شریعت نے رونے سے اور آنسو بہانے سے منع نہیں فرمایا۔۔۔آنسوؤں کا آجانا دل کی کیفیت کا نام ہے اور دل پر کسی کا اختیار نہیں ہے۔۔۔اگر رونے سے مرنے والے کو عذاب ہوتا۔۔۔تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے بیٹے ابراہیم کی وفات کے بعد روتے ہوئے یہ نہ کہتے:

اِنَّ الْعَيْنَ تَدْمَعُ وَالْقَلْبَ يَحْزَنُ وَلَا نَقُوْلُ اِلَّا مَا يَرْضٰى رَبُّنَا وَاَنَا بِفِرَاقِكَ يَا اِبْرَاهِيْمُ لَمَحْزُوْنُوْنَ (بخاری $\frac{173}{1}$)

میری آنکھیں تیری جدائی میں روتی رہیں گی اور میرا دل تیرے فراق میں غمگین رہے گا۔

بخاری میں جہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان موجود ہے کہ میت پر رونے سے میت کو عذاب ہوتا ہے۔۔۔۔اسی بخاری میں یہ بھی موجود ہے کہ آپ اپنے ایک صحابی سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ (جن سے آپ بڑی محبت فرمایا کرتے تھے) کی وفات پر ان کے گھر تشریف لائے اور سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی میت پر آ کر رونے لگے)

کسی نے ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے ذکر کیا کہ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما میت پر رونے سے منع فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تمہارے رونے سے میت کو عذاب ہوتا ہے۔۔۔اس پر وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان بھی پیش کرتے ہیں۔

میں قربان جاؤں اپنی ماں کی قرآن فہمی پر۔۔۔اور حدیث نبوی کی اصل حقیقت کو جاننے پر۔۔۔فرمانے لگیں:

رَحِمَ اللّٰهُ اَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ سَمِعَ شَيْئًا فَلَمْ يَحْفَظْ

(مسلم، کتاب الجنائز $\frac{642}{2}$ بیروت)

اللہ ابو عبدالرحمن پر رحم کرے انہوں نے سنا ضرور ہے مگر محفوظ نہیں رکھا۔

ایک دوسری روایت میں ہے:

يَغْفِرُ اللّٰهُ لِاَبِيْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَمَا اَنَّهٗ لَمْ يَكْذِبْ وَلٰكِنَّهٗ نَسِيَ اَوْ خَطَأَ

اللہ ابو عبدالرحمن پر رحم فرمائے وہ جھوٹ نہیں بول رہے لیکن یا تو وہ بھول گئے ہیں یا غلطی کر رہے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

لَيُعَذَّبُ بِخَطِيْئَتِهٖ وَذَنْبِهٖ وَاِنَّ اَهْلَهٗ لَيَبْكُوْنَ عَلَيْهِ الْاٰنَ

میت کو عذاب گناہوں کی بنا پر ہو رہا ہے اور یہ لوگ اب اس کی جدائی پر رو رہے ہیں۔ (بخاری $\frac{567}{2}$)

انہوں نے قرآن نہیں پڑھا۔۔۔؟ ماں جی! قرآن کیا کہتا ہے۔۔۔؟ فرمایا قرآن میں اللہ رب العزت نے واضح الفاظ میں فرمایا:

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى (بنی اسرائیل 15)

کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاتا۔

کسی کا گناہ دوسرے پر نہیں لادا جا سکتا۔۔۔ روئیں گھر والے اور اللہ عذاب دے میت کو۔۔۔ کرے کوئی اور بھرے کوئی۔۔۔ یہ اللہ کے عدل وانصاف کے خلاف ہے۔

کہنے والوں نے کہا۔۔۔ ماں جی! سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنے موقف اور

نظریے پر فرمانِ نبوی پیش کرتے ہیں۔۔۔ام المومنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

ابن عمر رضی اللہ عنہما نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان سنا ضرور ہے۔۔۔مگر سمجھا نہیں ہے۔۔۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کہنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا کہ ورثا کے رونے کی وجہ سے میت کو عذاب ہو رہا ہے۔۔۔ بلکہ آپ کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ یہ لوگ رو رہے ہیں، واویلا کر رہے ہیں اس کی خوبیوں کو بیان کر رہے ہیں۔۔۔اور اسے یہودی ہونے کی وجہ سے عذاب ہو رہا ہے۔۔۔عذاب کا سبب ورثا کا رونا نہیں بلکہ میت کا یہودی ہونا اور کفر پر ہونا ہے۔

سماعِ موتٰی اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا

غزوۂ بدر میں مشرکین کے تقریباً ستر افراد موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔۔۔انہیں تین دن کے بعد ایک کنویں میں پھینک دیا گیا۔۔۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کنویں کی منڈیر پر تشریف لائے اور ایک ایک کافر کا نام لے کر ان سے مخاطب ہوئے اور فرمایا:

اِنَّا قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا

جو وعدہ ہم سے ہمارے رب نے فرمایا تھا ہم نے اس کو سچا پا لیا، کیا تم نے بھی اس وعدے کو سچا پا لیا ہے جو رب نے تم سے کیا تھا۔

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مردوں سے کلام فرما رہے ہیں تو عرض کیا:

يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ تُكَلِّمُ اَجْسَادًا لَا اَرْوَاحَ فِيْهَا

(بخاری 566/2، مسند احمد 357)

یا رسول اللہ! آپ ایسے جسموں سے کلام فرما رہے ہیں جن میں روح موجود نہیں۔

اور مسند احمد جلد: 2 صفحہ: 287 میں اس طرح روایت ہے:

يَا رَسُوْلَ اللهِ اَتُنَادِيْهِمْ بَعْدَ ثَلَاثٍ وَهَلْ يَسْمَعُوْنَ يَقُوْلُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ:
اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى

یا رسول اللہ! آپ ان سے گفتگو فرما رہے ہیں جن کو ہلاک ہوئے تین دن گزر چکے ہیں، حالانکہ اللہ رب العزت قرآن میں ارشاد فرماتا ہے بیشک آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے۔

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اس سوال کرنے سے معلوم ہوا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا عقیدہ تھا کہ مردے دنیا والوں کا کلام سننے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔۔۔اگر ان کا عقیدہ ہوتا کہ مردے سنتے ہیں تو وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ سوال کبھی نہ کرتے۔۔۔نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ مردوں کے نہ سننے پر اس آیت کو سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بطور دلیل پیش کیا اور انہوں نے اس آیت کا مفہوم یہی سمجھا کہ مردے دنیا والوں کی کلام سننے کی طاقت نہیں رکھتے اور ظاہر ہے انہیں اس آیت کا مفہوم امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سمجھایا ہوگا۔

(آج اشاعت التوحید والسنہ کے علماء نے بھی سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے ساتھ سچی محبت وعقیدت کا ثبوت دیتے ہوئے اس آیت سے مردوں کے نہ سننے پر استدلال کیا ہے۔۔۔ہاں ہمارے مہربان اس وقت ہوتے تو شاید انہیں سمجھاتے کہ یہ آیت سماعِ موتی کی نفی کی دلیل نہیں بن سکتی کیونکہ یہاں سننے کی نہیں سنانے کی نفی ہے)

اس موقع پر صرف سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے تعجب کا اظہار نہیں کیا بلکہ دوسرے بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مردوں سے کلام کرنے پر تعجب ہوا۔۔۔چنانچہ بخاری جلد:2 صفحہ:573 میں ہے:

قَالَ نَاسٌ مِّنْ اَصْحَابِهٖ يَا رَسُوْلَ اللهِ تُنَادِيْ نَاسًا اَمْوَاتًا

اور مسند احمد جلد:2 صفحہ:276 میں ہے:

فَقَالَ لَهٗ اَصْحَابُهٗ يَا رَسُوْلَ اللهِ اَتُكَلِّمُ قَوْمًا مَوْتٰى

یعنی دیگر اصحابِ رسول نے بھی از راہِ تعجب عرض کیا۔۔۔ یا رسول اللہ! آپ مردوں سے کلام فرما رہے ہیں۔

اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم کے پوچھنے سے یہ بات ظاہر ہو گئی کہ تمام اصحابِ رسول کا یہ عقیدہ تھا کہ مردے دنیا والوں کی کلام سننے کی صلاحیت و طاقت نہیں رکھتے۔ اگر ان کا عقیدہ ہوتا کہ مردے سنتے ہیں تو امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کفار کی لاشوں سے کلام کرنے پر تعجب کا اظہار کبھی نہ کرتے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تعجب کو دیکھا تو فرمایا:

اِنَّهُمُ الْاٰنَ يَسْمَعُوْنَ مَا اَقُوْلُ لَهُمْ (بخاری 567/1)

جو بات میں ان سے کہہ رہا ہوں وہ اس وقت اس کو سن رہے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد کو قائلین سماع موتی اپنے عقیدے پر بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔۔۔ ہم سب سے پہلے مریم اسلام ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے دروازے پر جا کر ان سے اس فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مفہوم و مطلب پوچھتے ہیں۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے سامنے جب اس واقعہ کا تذکرہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ہوا تو ام المومنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

كَيْفَ يَقُوْلُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ذَالِكَ وَاللّٰهُ تَعَالٰى يَقُوْلُ وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ۔۔۔ اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ بات کس کر کہہ سکتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرے پیغمبر! آپ قبور میں مدفون لوگوں کو نہیں سنا سکتے۔۔۔ میرے پیغمبر! آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے۔ (بخاری 567/2)

(تعصب کی عینک اتار کر انابت کی آنکھ سے دیکھیے! ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا قرآن مجید کی ان آیتوں کو سماع موتی کی نفی پر پیش فرما رہی ہیں)

مسلم شریف جلد: 2 صفحہ: 303 میں ہے کہ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔۔۔ وَقَدْ وَهِلَ۔۔۔ کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھول گئے ہیں اور وہ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے الفاظ یاد نہیں رکھ سکے۔۔۔ آپ نے کفار مردوں کے سننے کی بات ہی نہیں کہ بلکہ آپ نے اس طرح فرمایا تھا:

اِنَّهُمْ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّ مَا كُنْتُ اَقُوْلُ لَهُمْ حَقٌّ ثُمَّ قَرَأَتْ اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى... وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ

بیشک وہ مشرکین اگلے جہان میں پہنچ کر اس حقیقت کو سمجھ اور جان رہے ہیں کہ جو کچھ میں ان سے کہتا تھا وہ حق تھا، پھر ام المومنین رضی اللہ عنہا نے قرآن کی دو آیتیں تلاوت فرمائیں کہ میرے پیغمبر! آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے، میرے پیغمبر! آپ قبور میں مدفون لوگوں کو نہیں سنا سکتے۔ (بخاری $\frac{567}{2}$، مسلم $\frac{303}{2}$)

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اس ارشاد سے ادنیٰ عقل وفہم رکھنے والا شخص بھی بخوبی سمجھ سکتا ہے۔۔۔ کہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کہنا یہ چاہتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن کے خلاف لب کشائی نہیں کر سکتے۔۔۔ اور یہ جملہ نہیں کہہ سکتے کہ کفار مردوں کے لاشے میری گفتگو سن رہے ہیں۔

ام المومنین رضی اللہ عنہا نے واضح طور پر فرما دیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ (کہ کفار مردے میری بات کو سن رہے ہیں) فرمایا ہی نہیں ہے۔

رؤیتِ باری تعالیٰ اصحاب رسول رضی اللہ عنہم اور تابعین ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دین کے معاملات میں سوال کرتے رہتے تھے۔۔۔ اور اپنے اشکال ان کے سامنے رکھتے تھے، وہ قرآن وحدیث کی رو سے ان کے جواب ارشاد فرماتیں۔

مشہور تابعی حضرت مسروق رحمۃ اللہ علیہ نے ایک موقع پر دریافت کیا:

هَلْ رَأٰى مُحَمَّدٌ صلی اللہ علیہ وسلم رَبَّهٗ

کیا معراج کے سفر میں نبی اکرم ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا:

مَنْ حَدَّثَكَ اَنَّ مُحَمَّدًا ﷺ رَأَى رَبَّهُ فَقَدْ كَذَبَ

جو شخص تجھے بتائے کہ نبی اکرم ﷺ نے معراج کی رات اپنے رب کو دیکھا ہے اس نے جھوٹ بولا ہے۔

ام المومنین رضی اللہ عنہا نے اپنے اس دعوی پر قرآن کی آیت سے استدلال فرمایا:

لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ

(الانعام 103)

اس (اللہ) کو نگاہیں نہیں پا سکتیں اور وہ نگاہوں کو پالیتا ہے اور وہ نہایت باریک بین اور خبردار ہے۔ (بخاری $\frac{720}{2}$)

اس آیت کا مفہوم یہ ہے چونکہ اللہ رب العزت کی صفت لطیف ہے اس لیے نگاہیں اس کو نہیں پا سکتیں اور چونکہ وہ خبیر ہے اور ہر چیز سے آگاہ ہے اس لیے وہ سب نگاہوں کو پالیتا ہے۔

رئیس المفسرین مولانا حسین علی الوانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

اس دنیا میں انسانی آنکھیں اللہ رب العزت کی ذات کا ادراک نہیں کر سکتیں، بلکہ وہ اپنی صفات سے پہچانا جاتا ہے۔

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے یہ بات سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تک پہنچی کہ وہ فرماتے ہیں کہ معراج کی رات نبی اکرم ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے اور اس پر وہ سورۃ النجم کی ان آیتوں سے استدلال کرتے ہیں:

وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَىٰ (النجم 13)

اور اس کو دوبارہ اترتے ہوئے دیکھا۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا اس سے مراد اللہ تعالیٰ نہیں بلکہ جبریل امین ہیں۔۔۔اس سے پہلی آیات کو پڑھو تو حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے۔

عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ۔۔۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سکھایا ہے ایک طاقتور نے۔۔۔ ذُوْ مِرَّةٍ ۔۔۔زور آور نے۔۔۔ وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ۔۔۔اور وہ افق اعلیٰ (آسمان کے اونچے کنارے) پر تھا۔۔۔ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۔۔۔ پھر وہ قریب آیا پھر لٹکا۔۔۔ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۔۔۔پھر رہ گیا فرق دو کمان کے برابر یا اس سے بھی نزدیک۔۔۔ فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى ۔۔۔پھر وحی کی اللہ کے بندے پر جو وحی کی۔

ان آیتوں میں پہلی وحی کے اترنے کا تذکرہ ہو رہا ہے جو غارِ حرا میں اتری تھی۔۔۔اور آگے وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ۔۔۔ میں جبریل کو دوسری بار اصلی شکل میں دیکھنے کا تذکرہ ہو رہا ہے۔۔۔یہاں اللہ کو دیکھنے کا ذکر نہیں بلکہ جبریل امین کو دیکھنے کا ذکر ہے۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا فہم اور ان کی ذہانت و ذکاوت بے مثال ہے۔۔۔بات کہ تہہ تک پہنچنا کوئی ان سے سیکھے۔

مشہور صحابی ہیں سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ۔۔۔انہوں نے اپنے انتقال کے وقت نئے کپڑے پہنے۔۔۔لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان مبارک ہے کہ

مسلمان جس لباس میں مرتا ہے اسی میں اٹھایا جاتا ہے۔

کسی نے اس کا ذکر ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کہا تو انہوں نے فرمایا۔۔ اللہ رب العزت ابو سعید پر رحمت فرمائے۔۔۔انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کے مفہوم کو نہیں سمجھا۔۔۔لباس سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقصود انسان کے اعمال ہیں۔

(ابوداؤد، کتاب الجنائز $\frac{444}{2}$)

کیا ابو سعید رضی اللہ عنہ کو علم نہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ لوگ قیامت کے دن ننگے بدن، ننگے سر اور ننگے پاؤں اٹھائے جائیں گے۔

دیکھا آپ نے! جس جگہ سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی نظر نہیں پہنچی وہاں ام المومنین رضی اللہ عنہا کی ذہانت بھری نظر پہنچی۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ محبت کیوں؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی ازواجِ مطہرات میں سب سے زیادہ محبت ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرماتے تھے (میں ابھی اسے آپ کے سامنے بیان کرنے کی کوشش کروں گا) کئی ظاہر بین اور سطحی رائے رکھنے والوں کا خیال یہ ہے کہ یہ محبت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ظاہری حسن و جمال کی بنا پر تھی۔

جبکہ یہ بات ہر لحاظ سے غلط بھی ہے اور ناپسندیدہ بھی۔۔۔ کیونکہ ازواجِ مطہرات میں سیدہ زینب بنت جحش، سیدہ صفیہ اور سیدہ جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن بھی ظاہری حسن و جمال میں کسی سے کم نہ تھیں۔

پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی موقع پر سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اپنی محبت کا اظہار کرتے ہوئے ان کے ظاہری حسن و جمال کا تذکرہ نہیں فرمایا۔۔۔ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنا ارشادِ گرامی بھی موجود ہے کہ

شادی کے لیے کسی عورت کا انتخاب چار اوصاف کی بنا پر ہوتا ہے۔۔۔ ایک عورت کا دولتمند اور مالدار ہونا (سطحی ذہن رکھنے والے لوگ مال و دولت کے لالچ میں کسی عورت سے نکاح کر لیتے ہیں نہ شرافت دیکھتے ہیں نہ نسب و حسب اور نہ ہی حسن و جمال)

دوسرا سبب ہے حسن و جمال (کئی حسن پرست کسی عورت سے صرف اس کے ظاہری حسن کو دیکھ کر شادی کر لیتے ہیں۔۔۔ تیسرا وصف ہے حسب و نسب۔۔۔ اور چوتھا سبب ہے عورت کا دیندار ہونا۔۔۔ تم ہمیشہ دیندار عورت کی تلاش کرو۔ (بخاری 762/2)

اس فرمانِ نبوی کو مدنظر رکھ کر یہ ماننا پڑتا ہے۔۔۔ کہ ازواجِ مطہرات میں سے

نبی اکرم ﷺ کی نگاہوں میں وہی بیوی زیادہ محبوب اور منظورِ نظر ہوسکتی ہے جو دین کی خدمت سب سے زیادہ کرسکتی ہو۔۔۔ جو قرآن وسنت کے فہم میں سب پر فائق ہو۔۔۔ جو سب سے زیادہ بڑھ کر عالمہ ہو۔۔۔ اور فقہی مسائل میں ید طولیٰ رکھتی ہو۔۔۔ فرمانِ نبوی کے اصل منشا کو سمجھتی ہو۔

اس علمی میدان میں ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تمام ازواجِ مطہرات سے آگے نظر آتی ہیں۔۔۔ اور اسی باطنی حسن وجمال کی بنا پر نبی اکرم ﷺ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے۔۔۔ اور اسی باطنی حسن (یعنی علم وفہم اور تفقہ فی الدین) کی وجہ سے نبی اکرم ﷺ کا طبعی میلان اور دلی اور قلبی محبت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے تھی۔

میری ماں کا علم کی دنیا میں وہ اعلیٰ مقام ہے کہ قرآن کی تفسیر کرنے لگتی ہیں تو مشکل سے مشکل گتھیاں ایک ایک کرکے سلجھا دیتی ہیں اور مفسرین صحابہ انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں۔

حدیث نبوی کا ذکر ہوتا ہے تو سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جیسے صحابی کو ٹوک دیتی ہیں۔۔۔ اور عبد اللہ بن عمر اور عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کی رائے سے اختلاف کرکے اپنی رائے کو قرآن کی آیت سے مدلل کر دیتی ہیں۔

فقہی مسائل پر گفتگو ہونے لگے تو وضو وغسل سے لے کر نماز، روزہ، حج اکبر کے تمام جزئیات۔۔۔ اور مسائل کو ایسے انداز میں بیان کرتی ہیں کہ بڑے بڑے صاحب علم اس کی وسعتِ علمی کے آگے پانی بھرتے نظر آتے ہیں۔۔۔ بڑے بڑے صحابہ۔۔۔ فقہی مسائل کو حل کرنے سے عاجز ہوتے تو اسی خاتون کے دروازے پر حاضر ہوتے۔۔۔ مسائل بتاتے اور جواب سے مطمئن ہوکر پلٹتے۔

اسی باطنی حسن وجمال کی بنا پر امام الانبیاء ﷺ تمام ازواجِ مطہرات میں سے

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے سب سے زیادہ اور سب سے بڑھ کر محبت کرتے تھے۔

نبی اکرم ﷺ کا مشہور و معروف فرمان ہے کہ مولا! میں بیویوں کے درمیان عدل وانصاف کرنے کی پوری کوشش کرتا ہوں جو چیز میرے بس میں ہے اور میرے اختیار میں ہے (یعنی دنوں کی تقسیم، خرچ واخراجات، کھانا اور لباس وغیرہ) میں اس میں عدل کرتا ہوں۔۔۔ مگر مولا! جو چیز میرے بس میں نہیں اور میرے اختیار میں نہیں ہے (یعنی قلبی محبت اور دل کا رجحان وہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی جانب دوسری بیویوں کی نسبت زیادہ ہے) اسے معاف فرما دینا۔

سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ایک غزوہ سے واپس آئے تو انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے دریافت کیا:

اَیُّ النَّاسِ اَحَبُّ اِلَیْكَ

یارسول اللہ! آپ سب سے زیادہ کس سے محبت کرتے ہیں؟

آپ نے فرمایا۔۔۔ عائشہ کے ساتھ۔

سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

مِنَ الرِّجَالِ

یارسول اللہ! میں عورتوں کے بارے میں نہیں بلکہ مردوں کے بارے میں پوچھ رہا ہوں۔

میرے آقا ﷺ نے فرمایا:

مردوں میں عائشہ رضی اللہ عنہا کے بابا کو سب سے زیادہ محبوب رکھتا ہوں۔

(بخاری مناقب ابی بکر $\frac{517}{1}$)

اصحابِ رسول کو بھی معلوم تھا

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اس حقیقت کو بخوبی سمجھتے تھے کہ نبی اکرم ﷺ کو ازواجِ مطہرات میں سے سب سے بڑھ کر محبت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے

ہے۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تحفے اور ھدیے اس دن بھیجتے جس دن سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں قیام کی باری ہوتی۔ (بخاری $\frac{351}{1}$)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سمجھتے تھے کہ اس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زیادہ مسرور ہوں گے۔

دوسری ازواجِ مطہرات نے اسے محسوس کیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لختِ جگر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اپنا ایلچی بنایا۔۔۔کہ تم جاؤ اور بابا سے بات کرو کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کہیں کہ وہ تحفے بلا امتیاز بھیجا کریں، صرف عائشہ رضی اللہ عنہا کی باری کے دن تحائف کا بھیجنا صحیح نہیں ہے۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا ازواج کا پیغام لے کر بابا کے ہاں آئیں۔۔۔آپ نے اپنی لختِ جگر کی بات سن کر فرمایا:

يَا بُنَيَّةَ اَلَا تُحِبِّيْنَ مَا اُحِبُّ

فاطمہ بیٹی! جس سے تمہارا ابا محبت کرتا ہے کیا تم اس سے محبت نہیں کرو گی؟

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بابا کا جواب سن کر خاموشی سے واپس چلی گئیں۔۔۔۔۔۔

ازواجِ مطہرات نے دوبارہ بھیجنے کی بہت کوشش کی مگر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا آمادہ نہ ہوئیں۔

ازواجِ مطہرات نے سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو راضی کیا کہ تم جا کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ بات کہو۔۔۔انہوں نے ازواج کا پیغام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچایا تو آپ نے جواب میں فرمایا:

يَا اُمِّ سَلَمَةَ لَا تُؤْذِيْنِيْ فِيْ عَائِشَةَ ۔۔۔ام سلمہ! عائشہ کے معاملے میں مجھے اذیت میں مبتلا نہ کرو۔

فَاِنَّهٗ مَا اُنْزِلَ عَلَيَّ الْوَحْيُ وَاَنَا فِيْ لِحَافِ امْرَاَةٍ مِّنْكُنَّ غَيْرِهَا

(بخاری $\frac{532}{1}$)

کسی بیوی کے بستر پر میں ہوتا ہوں تو مجھ پر وحی نہیں اترتی صرف عائشہ میری

ایسی بیوی ہے کہ میں اس کے بستر پر ہوتا ہوں اور جبریل قرآن لے کر اتر پڑتا ہے۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کہیں سے ایک بہت ہی خوبصورت اور بیش قیمت ہار آیا۔۔۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواجِ مطہرات اتفاقاً وہیں موجود تھیں۔۔۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نواسی اور سیدہ زینب بنت محمد رضی اللہ عنہم کی بیٹی سیدہ امامہ گھر کے کونے میں کھیل رہی تھیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ازواجِ مطہرات سے ہار کے بارے میں پوچھا کہ کیسا ہے۔۔۔؟ ازواج نے عرض کیا۔۔۔ اتنا خوبصورت، حسین اور اتنا نفیس ہار ہم نے آج تک نہیں دیکھا۔

یہ ہار کسے ملے گا۔۔۔؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ ہار میں اسے دوں گا جس کے ساتھ مجھے سب سے بڑھ کر محبت ہے۔۔۔ ازواجِ مطہرات نے کھسر پھسر کی کہ یہ ہار تو عائشہ رضی اللہ عنہا کے حصے میں آئے گا۔ (ازواجِ مطہرات یہ جانتی تھیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سب سے زیادہ محبت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہے)

پھر میرے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی نواسی کو بلایا اور اس کے گلے میں اپنے ہاتھ سے وہ ہار ڈالا۔۔۔ امامہ کی آنکھ میں کچھ میل تھی جسے میرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے صاف کیا۔ (مسند احمد 101/6)

اسی نوعیت کا ایک واقعہ اور بھی ہے جب حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے ایک خوبصورت اور قیمتی انگوٹھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بطور تحفہ بھیجی۔۔۔ آپ نے فرمایا۔۔۔ یہ انگوٹھی میں اس کو دوں گا جو مجھے سب سے بڑھ کر محبوب ہے۔۔۔ لوگوں کے خیال میں آیا کہ یہ انگوٹھی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو عطا ہوگی۔

مگر آپ نے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی بیٹی اور اپنی نواسی امامہ کو بلایا اور وہ انگوٹھی اس کی انگلی میں پہنا دی۔

جب نبی اکرم ﷺ فرماتے تھے کہ یہ ہار یا یہ انگوٹھی میں۔۔۔اسے دوں گا جس کے ساتھ میں سب سے بڑھ کر محبت کرتا ہوں۔۔تو اصحابِ رسول اور ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہم کا ذہن اسی طرف جاتا تھا کہ یہ ہار اور انگوٹھی سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ہاں جائے گی۔

سیدہ اُمامہ رضی اللہ عنہا سامعین گرامی قدر! آپ میں سے کتنے حضرات جانتے تھے کہ سیدہ امامہ رضی اللہ عنہا نبی اکرم ﷺ کی نواسی ہیں اور انتہائی پیاری نواسی ہیں۔۔۔آپ کی بڑی لختِ جگر سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی بیٹی ہیں؟

امامہ کی پرورش اور تربیت نبی اکرم ﷺ کی نگرانی میں ہوئی۔۔۔یہ اپنی والدہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ اپنے بھائی سیدنا علی بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ غزوۂ بدر کے بعد 2ہجری کے آخر میں ہجرت کر کے مدینہ پہنچی اور تقریباً 9 سال نبوت کے گھر پرورش پائی۔۔۔نبی اکرم ﷺ امامہ سے بہت محبت فرماتے۔

سیدنا ابوقتادہ انصاری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی اکرم ﷺ ہمارے ہاں تشریف لائے اس حالت میں کہ امامہ آپ کے کاندھے پر سوار تھی۔آپ نے اسی حالت میں نماز پڑھی جب رکوع میں جاتے تو امامہ کو زمین پر بیٹھا دیتے اور جب آپ دوسری رکعت کے لے کھڑے ہوتے تو پھر امامہ کو کاندھے پر بیٹھا لیتے تھے۔ (بخاری 74/1)

اہل سنت حضرات میں سے کتنے لوگ جانتے ہیں کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو وصیت کی تھی کہ میرے انتقال کے بعد میری بھانجی امامہ سے شادی کرنا۔۔۔۔چنانچہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے امامہ سے شادی کی تھی۔۔۔سیدہ امامہ رضی اللہ عنہا سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی حقیقی بھانجی اور علی الزینبی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا حقیقی بھانجا ہے۔۔۔یہ دونوں سیدنا حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کے حقیقی خالوزاد ہیں۔

مگر آپ جانتے بھی کیسے۔۔۔؟ ایک تو ہمارے مورخین نے ظلم کرتے ہوئے ہماری تاریخ کو مسخ کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔۔۔سبائیت نے پروپیگنڈے کے ذریعہ

لوگوں کو باور کرایا کہ سیدنا حسن اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہما صرف یہی میرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے ہیں۔۔۔ یہ اور گھرانہ اصحابِ رسول سے ہٹ کر ایک الگ مقام رکھتا ہے۔۔۔ اور اسلام کا کل اثاثہ یہی حضرات ہیں۔

پھر ستم بالائے ستم یہ ہوا کہ اہل سنت کا منبر و محراب ایسے خطباء کے حوالے ہو گیا جو لکیر کے فقیر تھے۔۔۔ پرانی باتیں اور بے اصل کہانیاں لوگوں کو سناتے رہے۔۔۔ انہوں نے تحقیق کا ذوق لپیٹ کر ایک طرف رکھ دیا۔۔۔ انہیں خود معلوم نہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سب سے بڑی بیٹی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح کس سے ہوا۔۔۔؟ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی اولاد کا کیا نام ہے۔۔۔؟ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی اولاد یعنی اپنے نواسے علی الزینبی اور اپنی نواسی سیدہ امامہ رضی اللہ عنہا سے کتنی محبت تھی۔۔۔؟ اور سیدہ امامہ رضی اللہ عنہا حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کی سوتیلی والدہ ہیں۔

جب ہمارے خطباء کو خود حقیقت کا علم نہیں ہے تو انہوں نے عوام کو کیا بتانا ہے۔۔۔؟ اور جن خطباء اور علماء کو حقیقت کا علم ہے انہوں نے ہمیشہ چشم پوشی سے کام لیا۔۔۔ اغماض برتا اور یہ حقائق لوگوں کے سامنے بیان کرنے کی جرأت اپنے اندر نہیں پاتے۔۔۔ وا اسفا

یہ میرا موضوع نہیں ورنہ اس پر روشنی ڈالتا۔

آیئے! اصل موضوع کی طرف کہ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ازواجِ مطہرات میں سب سے زیادہ محبت ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے رکھتے تھے۔۔۔ اور محبت کے یہ دلی جذبات بے ساختہ کبھی کبھی آپ کی زبانِ مقدس پر بھی آ جاتے۔

عید کی نماز پڑھانے گھر سے نکلے۔۔۔ لوگ اپنے بچوں کے ساتھ خوشی و مسرت کے لمحات میں نئے اور اچھے کپڑے پہنے ہوئے عید گاہ جا رہے ہیں۔۔۔ آپ نے دیکھا کہ ایک بچہ میلے کپڑوں میں گلی کے کونے میں بیٹھا ہوا ہے۔۔۔ انتہائی افسردہ اور مغموم۔۔۔

آپ سیدھے اس کے ہاں تشریف لے گئے۔۔۔اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔۔۔ یہ بشر نامی بچہ یتیم ہے۔۔۔اس کا والد غزوۂ اُحد میں جامِ شہادت نوش کر گیا تھا۔۔۔ نبی اکرم ﷺ نے اسے پیار کرتے ہوئے اور دلاسہ دیتے ہوئے جو الفاظ ادا فرمائے ذرا سے سنیئے:

اَمَا تَرْضٰی اَنْ تَکُوْنَ عَائِشَۃُ اُمَّكَ وَاَکُوْنَ اَنَا اَبَاكَ

(الاستیعاب $\frac{176}{1}$ بیروت)

کیا تم اس بات پر خوش نہیں ہو کہ عائشہ تمہاری ماں ہو اور میں محمد تمہارا باپ ہوں۔

بیویاں تو آپ کی اور بھی تھیں۔۔۔مگر آپ نے یتیم بچے کو تسلی دیتے ہوئے کسی بیوی کا نام نہیں لیا۔۔۔ یہ نہیں فرمایا آج کے بعد میں تمہارا باپ ہوں اور حفصہ تمہاری ماں ہے۔۔۔ یا زینب تمہاری ماں ہے۔۔۔ یا ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن تمہاری ماں ہے۔۔۔ بلکہ ازواج میں سے بے ساختہ نام نکلا تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا نام نکلا۔۔۔اس سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے کتنی قلبی محبت تھی۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نبی اکرم ﷺ کی دلی محبت اور جذباتی وابستگی کا اندازہ اس واقعہ سے لگایئے کہ نبی اکرم ﷺ نے آخری بیماری کے ایام اپنی ازواج کے ہاں۔۔۔ان کی باریوں کے لحاظ سے گزارے۔

حدیث میں آتا ہے کہ ہر بیوی کے قیام کے دن میں آپ پوچھتے:

اَیْنَ اَنَا غَدًا اَیْنَ غَدًا حِرْصًا عَلٰی بَیْتِ عَائِشَۃَ (بخاری $\frac{532}{1}$)

میں کل کس کے ہاں ہوں گا، کل کس بیوی کے ہاں میری باری ہے آپ کی دلی تمنا اور قلبی خواہش تھی کہ سیدہ عائشہ کے ہاں قیام کس دن ہوگا؟

ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن سمجھ گئیں کہ نبی اکرم ﷺ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں جانے کے آرزومند ہیں۔۔۔ انہوں نے اپنی باریوں کی قربانی دے کر آپ کو سیدہ

عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر قیام کے لیے رضامندی کا اظہار کر دیا اور آپ انتقال فرمانے تک سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں مقیم رہے۔

جبریل کا سلام

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ذہانت، فطانت، علم وفہم، دانائی، قرآن فہمی جیسے اوصاف کی بنا پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے محبت فرماتے ہیں۔۔۔اور اسی لیے سید الملائکہ حضرت جبریل علیہ السلام نے سلام کہا ہے۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا خود راوی ہیں کہ ایک موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے ارشاد فرمایا۔۔۔اے عائشہ!

هٰذَا جِبْرِيْلُ يَقْرَئُكَ السَّلَامَ

یہ جبریل ہیں اور تجھے سلام کہہ رہے ہیں۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب میں کہا:

وَعَلَيْهِ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ (بخاری 532/1)

جبریل پر بھی سلام ہو اللہ کی رحمت ہو اور اس کی برکتیں نازل ہوں۔

ام المومنین کی امتیازی خصوصیات

اللہ رب العزت کچھ خوش نصیب لوگوں کو ایسی امتیازی اور انفرادی خصوصیات اور اوصاف سے نوازتا ہے۔۔۔جن کی وجہ سے ان کی شان اور مقام دوبالا ہو جاتا ہے۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو بھی اللہ تعالیٰ نے کچھ ایسی خصوصیات اور عظمتوں سے مالا مال فرمایا کہ دنیا کی کوئی عورت ان کے ہم پلہ اور ہم سر نہیں ہو سکتی۔

اِنَّ عَائِشَةَ كَانَتْ تَفْخِرُ بِاَشْيَاءِ اعميتها لَمْ تُعْطَهَا اِمْرَأَةٌ غَيْرَهَا

(تہذیب الاسماء واللغات 351/2)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا چند ایسی باتوں پر فخر اور ناز کرتی ہیں جو ان کے علاوہ کسی دوسری

عورت کو عطا نہیں کی گئیں۔

پہلی خصوصیّت ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح سے پہلے حضرت جبریل علیہ السلام ان کی تصویر ایک ریشمی کپڑے میں لپیٹ کر لائے۔۔۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تو جبریل نے کہا:

هٰذَا امْرَأَتُكَ۔۔۔ یہ آپ کی زوجہ محترمہ ہے۔۔۔ اللہ رب العزت نے عرش سے اس عورت کا آپ کے لیے انتخاب فرمایا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

فَكَشَفْتُ عَنْ وَجْهِكِ الثَّوْبَ فَإِذَا أَنْتِ هِيَ (بخاری 551/1)

(نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو بتاتے ہوئے فرما رہے ہیں) میں نے جب غلاف کو کھولا تو وہ تیری تصویر تھی۔

یاد رکھیے! نبوت کے عطا ہونے کے بعد آپ نے جتنی شادیاں کیں۔۔۔ یا اپنی بیٹیوں کے رشتے طے کیے وہ سب اللہ کے حکم سے کیے۔۔ وہ رشتے آپ نے محمد بن عبداللہ کی حیثیت سے نہیں کیے بلکہ محمد رسول اللہ کی حیثیت سے فرمائے۔

رسولِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

مَا تَزَوَّجْتُ شَيْئًا مِنْ نِسَائِيْ وَلَا زَوَّجْتُ شَيْئًا مِنْ بَنَاتِيْ إِلَّا بِوَحْيٍ جَائَنِيْ جِبْرِيْلُ عَنْ رَّبِّيْ (السیرۃ الحلبیہ 455/3)

میں نے کسی عورت سے شادی کی یا اپنی بیٹیوں کے نکاح کیے یہ سب اللہ کے حکم اور وحی کے ذریعہ کیے جس کی خبر جبریل امین نے مجھے دی۔

دوسری خصوصیت ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ ازواجِ مطہرات میں سے صرف وہی ایسی زوجہ محترمہ ہیں جو کنواری ہیں اور آپ

کے نکاح میں آئیں۔

یہاں ایک بات کی وضاحت کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔۔۔اور آپ سے امید رکھتا ہوں کہ ہر قسم کے تعصب اور ہٹ دھرمی سے کنارہ کش ہو کر سنجیدگی کے ساتھ میری معروضات پر غور فرمائیں گے۔

جو کچھ میری رائے اور موقف ہے اسے من وعن تسلیم کرنا ضروری بھی نہیں ہے اور میرے نقطہ نظر سے اختلاف کرنا کوئی گمراہی اور کفر کے زمرے میں بھی نہیں آتا۔

ہماری حدیث وسیرت اور تاریخ کی کتب میں آتا ہے کہ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر نکاح کے وقت چھ سال اور رخصتی کے وقت صرف نو سال تھی۔۔۔بخاری میں ایک روایت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بھی اسی طرح آئی ہے۔

مگر یہ سب حقائق برعکس ہیں۔۔۔اور مستشرقین کے ہاتھ میں ہتھیار دینے کے مترادف ہے کہ اسے وہ دلیل بنا کر نبوت پر حملہ آور ہوتے رہیں کہ دیکھو جی! اسلام کا نبی چھ سال کی بچی سے نکاح اور نو سال کی بچی سے شادی رچاتا ہے۔(العیاذ باللہ)

پھر سبائی راویوں اور مجوسی مؤرخین نے بوقت نکاح ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر نو سال بتا کر۔۔۔اور ان کے بچپن کو ذکر کر کے ام المومنین رضی اللہ عنہا کی مرویات (جو دو ہزار دو سو دس ہیں) کو مشکوک بنانے کی مذموم کوشش کی ہے۔۔۔اور ہم لاشعوری طور پر اور اپنی سادہ لوحی کی بنا پر سبائیوں اور مجوسیوں کی اس سازش کو کامیاب بنانے میں ان کے معاون کے طور پر سامنے آگئے۔

ایک طرف سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی علمی فضیلتوں پر نظر ڈالو تو یہ بات قطعاً ناممکن نظر آتی ہے کہ نو یا دس سال کی لڑکی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قدر علمی استفادہ کیا ہو۔۔۔ میں ان کے علمی مقام، قرآن فہمی، فقہی مسائل میں ان کی تحقیق پر روشنی ڈال چکا ہوں۔

واقعہ معراج ہجرت سے تقریباً ایک سال پہلے پیش آیا۔۔۔اس واقعہ کو روایت

کرنے میں ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو منفرد مقام حاصل ہے۔۔۔کیا معراج کے واقعہ کی جزئیات تک کو اپنے ذہن میں محفوظ رکھنا پانچ سال کی بچی کا کام ہے؟

پھر واقعۂ ہجرت کے متعلق بہت سی باتیں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمائی ہیں۔۔۔کیا واقعۂ ہجرت کو اس طرح بیان کرنا چھ سال کی بچی کے بس کی بات ہے؟

سورۃ القمر نبوت کے عطا ہونے کے پانچ سال بعد نازل ہوئی۔۔۔ام المومنین رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر

بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَدْهَىٰ وَأَمَرُّ ۔۔۔سورۃ القمر کی یہ آیات نازل ہوئیں تو میں اس وقت بچی تھی اور کھیلتی پھرتی تھی۔ (بخاری $\frac{204}{2}$)

اگر سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو سورۃ القمر کی یہ آیات یاد رہیں اور وہ اپنا کھیلنا بیان فرما رہی ہیں تو یقیناً وہ اس وقت پانچ یا چھ سال کی ہوں گی۔۔۔پھر ہجرت کے وقت ان کی عمر تقریباً چودہ سال بنتی ہے۔

جو لوگ نکاح کے وقت ان کی عمر چھ سال اور رخصتی کے وقت نو سال بیان کر رہے ہیں۔۔۔کیا وہ یہ ماننے کے لیے تیار ہیں کہ 5 نبوی میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عمر ایک سال یا چھ ماہ ہو گی تو پھر انہیں سورۃ القمر کی آیات کیسے یاد رہ گئیں اور وہ اپنا کھیلنا کیوں اور کس طرح بیان کر رہی ہیں؟

اصل حقیقت یہ ہے کہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عمر نکاح کے وقت سولہ سال اور رخصتی کے وقت انیس سال تھی۔ حدیث کی کتب میں "سِتَّۃ" کے لفظ کے ساتھ "عشر" کا لفظ یا تو غلطی سے رہ گیا اور اس طرح "ستۃ عشر" (سولہ سال) "ستۃ" (چھ سال) ہو گیا۔

یا اس معاملہ میں سبائی راویوں نے کارستانی کر کے۔۔۔سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عظمت اور علمی مقام کو مشکوک بنانے کی کوشش کی اور در پردہ نبوت پر الزام تراشی کی

راہیں بھی کھول دیں۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر بوقت نکاح چھ سال تحریر کی۔۔۔مگر انہوں نے جب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی بڑی بہن سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کے حالات تحریر کیے تو ان کے قلم نے لکھا:

سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا نے 73 ہجری میں سو سال کی عمر میں وفات پائی۔۔۔وہ اپنی بہن سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے دس سال بڑی تھیں۔۔۔۔۔اس حساب سے ہجرت کے وقت سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کی عمر ستائیس سال بنتی ہے اور لامحالہ ہمیں تسلیم کرنا ہوگا کہ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر ہجرت کے وقت سترہ سال تھی۔۔۔اس طرح دو سال کے بعد رخصتی کے وقت ان کی عمر انیس سال بنتی ہے۔

بخاری کی روایت ہے کہ غزوۂ اُحد میں ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا شلوار کے پائنچے چڑھاتے ہوئے زخمیوں کو پانی پلا رہی تھیں۔۔۔کیا نو سال کی عمر کی لڑکی کا یہ کام ہوسکتا ہے؟

ان تمام حقائق کو ذہن میں رکھا جائے تو یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ شادی کے وقت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر انیس سال کے قریب تھی۔

تیسری خصوصیت

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ۔۔۔نَزَلَتْ بَرَأَتُهَا مِنَ السَّمَاءِ۔۔۔کہ ان کی پاکدامنی اور تہمت سے برأت کی گواہی اور شہادت آسمان سے اتری۔

ایک موقع پر جب منافقین نے ایک گہری سازش کے ذریعہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر (العیاذ باللہ) بدکاری کی تہمت تراشی۔۔۔کچھ سادہ لوح مسلمان بھی اس سازش کا شکار ہوگئے۔

ایک مہینہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پریشان رہے۔۔۔ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

نے پریشانی اور غم کی کیفیت میں میکے جانے کی اجازت طلب کی۔۔۔تو آپ نے انہیں میکے جانے کی اجازت عنایت فرمادی۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مجھے حقیقت حال کا علم ہوا تو میں غش کھا کر گر پڑی۔۔۔میرے ماں باپ زاروقطار رونے لگے۔۔۔مجھے شدت کا بخار ہوا۔۔۔جسم پر لرزہ طاری ہو گیا۔۔۔اور کئی راتوں تک میں نے نیند کا سرمہ نہیں لگایا۔۔۔ مسلسل جاگتی رہی۔۔۔روتی رہی اور پریشان ہوتی رہی۔

والد مجھے سمجھاتے کہ اتنا روتی ہو کہیں تمہارا جگر نہ پھٹ جائے۔۔۔ماں سینے سے لگا کر دلاسہ دیتی کہ۔۔۔بیٹا جو بیوی اپنے شوہر کو محبوب اور پیاری ہوتی ہے اس کو اس طرح کے حالات سے گذرنا پڑتا ہے۔

اُدھر رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الگ پریشان۔۔۔مختلف صحابہ سے ان کی رائے معلوم کر رہے ہیں۔۔۔سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ اللہ نے آپ پر کوئی تنگی نہیں فرمائی۔۔۔ عورتیں اور بھی بہت ہیں۔۔۔آپ کسی اور عورت سے نکاح کر لیں۔

وَاِنْ تَسْأَلِ الْجَارِيَةَ تُصَدِّقْكَ الْخَبَرَ

آپ بریرہ لونڈی سے پوچھ لیجیے وہ حقیقت حال سے آپ کو آگاہ کر دے گی اور سچ سچ بتادے گی۔

آپ نے سیدہ بریرہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا:

هَلْ رَأَيْتِ مِنْ عَائِشَةَ مَا تَكْرَهِينَهُ

تو نے عائشہ میں کوئی ناپسندیدہ چیز دیکھی ہے؟ (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کنایۃً پوچھا) سیدہ بریرہ رضی اللہ عنہا نے اس معاملہ کو بعید از عقل سمجھا۔۔۔اور سمجھی کہ عام خانہ داری کے متعلق پوچھا جا رہا ہے۔۔۔کہنے لگی۔۔۔اور تو کوئی نہیں ہاں بچپنا ہے سو جاتی ہے تو بکری آٹا کھا جاتی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ بریرہ رضی اللہ عنہا سے واضح الفاظ میں پوچھا تو کہنے لگی:

سبحان اللہ! اللہ گواہ ہے جس طرح صرّاف کھرے سونے کو جانتا ہے میں اسی طرح ان کو جانتی ہوں۔۔۔ عائشہ میں رائی کے برابر بھی میل اور کھوٹ نہیں ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھوپھی زاد بہن۔۔۔ سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے پوچھا۔۔۔ سیدہ زینب کی بہن حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا اس سازش میں شریک تھیں۔۔۔ پھر سیدہ زینب رضی اللہ عنہا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی سوکن بھی ہیں۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے سچی اور سیدھی گواہی دی اور کہا۔۔۔ اس آسمان کے نیچے اور زمین کے اوپر میں نے عائشہ سے بڑھ کر پاکدامن عورت نہیں دیکھی۔

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا تو ان کا جواب ایسا لاجواب تھا کہ بندہ وجد میں آجائے۔۔۔ کہا:

مَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا سُبْحَانَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ

ہمیں یہ مناسب اور لائق نہیں کہ ہم اس معاملے میں گفتگو کریں ہر عیب سے پاک ذات تو اللہ کی ہے (مگر) یہ بہت بڑا بہتان ہے (جو ام المومنین پر باندھا گیا ہے)

(سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ وحی الٰہی کے مطابق ہو گئے۔۔۔ اللہ تعالیٰ نے بھی انہی الفاظ سے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی پاکدامنی کا اعلان فرمایا)

آخر کار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لائے۔ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بستر علالت پر تھیں۔۔۔ آنکھیں آنسوؤں سے تر بتر تھیں۔۔۔ دائیں بائیں ماں باپ تیمارداری میں مصروف تھے۔۔۔ رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ام المومنین رضی اللہ عنہا کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

يَا عَائِشَةُ فَاِنَّهٗ قَدْ بَلَغَنِيْ عَنْكِ كَذَا كَذَا (السنن الکبریٰ 258/10)

عائشہ! مجھے تیرے متعلق ایسی خبر پہنچی ہے۔

اگر تم بے گناہ ہو تو اللہ رب العزت تمہاری طہارت و پاکیزگی کی گواہی دے گا۔

اور اگر تم سے ایسی بات ہو گئی ہے تو پھر اللہ کے دربار میں توبہ کرو کیونکہ گنہگار بندہ جب توبہ کرتا ہے۔۔۔ اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے۔۔۔ اپنے گناہوں کا اعتراف کر لیتا ہے تو اللہ اس کی توبہ قبول کر کے اسے صاف کر دیتا ہے۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے اپنے والد گرامی قدر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات کا جواب دیں مگر انہوں نے معذرت کر لی۔۔۔ پھر میں نے اپنی والدہ ام رمان رضی اللہ عنہا سے عرض کیا کہ آپ جواب دیں تو انہوں نے بھی معذرت کر لی۔۔۔ فرماتی ہیں اچانک میرے آنسو خشک ہو گئے۔۔۔ ایک قطرہ بھی آنکھوں میں نہ تھا۔۔۔ میں نے اپنے کو سنبھالا۔۔۔ مجھے یقین تھا کہ میرا مولا کسی طریقے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو میری پاکدامنی سے آگاہ فرما دے گا۔۔۔ میں نے کہا:

وَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُ لَقَدْ سَمِعْتُمْ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ حَتّٰى اِسْتَقَرَّ فِيْ اَنْفُسِكُمْ وَصَدَّقْتُمْ بِهٖ

میں جان چکی ہوں کہ تم نے بہتان طرازی کی یہ بات سن کر اپنے دلوں میں اس کا یقین کر لیا ہے اور اسے سچا سمجھنے لگے ہو۔

فَلَئِنْ قُلْتُ لَكُمْ اِنِّيْ بَرِيْئَةٌ لَا تُصَدِّقُوْنِيْ

اگر میں کہوں کہ میں اس سے پاک اور اس بہتان سے بری ہوں تو تم میری تصدیق نہیں کرو گے۔

وَلَئِنْ اعْتَرَفْتُ لَكُمْ بِاَمْرٍ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنِّيْ بَرِيْئَةٌ لَتُصَدِّقُنِّيْ

اور اگر میں تمہارے سامنے اس کا اقرار کر لوں اور اللہ جانتا ہے کہ میں اس فعل سے بری ہوں تو کیا تم میری بات مان لو گے (لہٰذا میں اپنے معاملہ میں کچھ نہیں کہہ سکتی) میں نے اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کر دیا ہے۔

فَوَاللّٰہِ لَا اَجِدُ لِیْ وَلَکُمْ مَثَلًا اِلَّا اَبَا یُوْسُفَ حِیْنَ قَالَ فَصَبْرٌ جَمِیْلٌ وَاللّٰہُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰی مَا تَصِفُوْنَ (بخاری 596/2)

آج میری اور تمہاری وہی مثال ہے جو یوسف کے بابا کی تھی (فرطِ غم سے بسیار کوشش کے باوجود سیدنا یعقوب علیہ السلام کا نام میری زبان پر نہیں آرہا تھا) جنہوں نے کہا تھا اب میرے لیے صبر کے سوا کوئی چارہ نہیں اور اس معاملے میں اپنے اللہ ہی سے مدد مانگی جا سکتی ہے۔

یہ سب کچھ کہہ کر ام المومنین رضی اللہ عنہا نے بستر پر لیٹ کر اپنا چہرہ دوسری طرف کر لیا۔۔۔ مجھے یقین تھا کہ اللہ رب العزت خواب کے ذریعہ یا کسی اور ذریعہ سے میری پاکدامنی سے آگاہ کرے گا۔

میرے وہم وگمان میں نہیں تھا کہ اللہ رب العزت میری شان میں اور میری پاکدامنی کے لیے قرآن کی آیات نازل فرمادے گا۔۔۔ فرماتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ابھی اسی جگہ پر تشریف فرما تھے اور میرے گھر کے افراد بھی وہیں تھے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر وحی کی کیفیت شروع ہوگئی۔۔۔ آپ نے چادر سے اپنے چہرے کو ڈھانپ لیا۔۔۔ وحی کی کیفیت ختم ہوئی۔۔۔ جبین مبارک پر پسینے کے قطرے موتیوں کی طرح چمک رہے تھے اور چہرے پر مسکراہٹ تھی۔

اَوَّلُ کَلِمَۃٍ تَکَلَّمَ بِھَا اَنْ قَالَ اَبْشِرِیْ یَا عَائِشَۃُ اَمَّا اللّٰہُ فَقَدْ بَرَّأَكِ (الاسماء والصفات للبیہقی 586/1)

پہلے کلمے جو آپ کی زبان سے ادا ہوئے وہ یہ تھے کہ عائشہ تجھے خوشخبری ہو اللہ نے خود تیری پاکدامنی کا اعلان فرمادیا ہے۔

سورۃ النور کی آیات نازل ہوئیں جن میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاکدامنی اور طہارت کا اعلان ہوا۔۔۔ تہمت لگانے والوں کو ننگا کردیا گیا۔۔۔ انہیں دنیا وآخرت میں

ملعون قرار دیا گیا۔

ام المومنین رضی اللہ عنہا کی ماں۔۔۔ جو خوشی و مسرت سے سرشار تھیں۔۔۔ ان کی بیٹی کے حق میں قرآن کی آیات اتریں تھیں۔۔۔ آج تو کاشانۂ صدیق چمک اٹھا تھا۔۔۔ ماں نے کہا:

قُوْمِیْ اِلَیْهِ

عائشہ بیٹی! اٹھو اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا شکریہ ادا کرو۔

اس کے جواب میں جو کچھ میری ماں نے کہا۔۔۔ وہ میری ماں ہی کہہ سکتی ہے۔۔۔ اللہ گواہ ہے وہ جملہ جو ام المومنین رضی اللہ عنہا نے اس موقع پر کہا وہ ان کے سوا کوئی کہہ بھی نہیں سکتا۔

ذرا غور فرمایئے۔۔۔! کہ ایک بے گناہ، معصوم اور بھولی بھالی پاکدامن خاتون پر ناگفتہ بہ الزام لگایا جاتا ہے۔ منافقین اس کا خوب پروپیگنڈا کرتے ہیں، یہاں تک کہ بعض بلند مرتبہ صحابہ بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے۔ اس معصومہ کو اس غیر متوقع تہمت کا علم ہوتا ہے تو بیہوش ہو جاتی ہے۔ ہوش میں آنے کے بعد تیز بخار چڑھ جاتا ہے، کھانا پینا چھوٹ جاتا ہے، آنسوؤں کے تار کسی وقت تھمنے میں نہیں آتے، جسم پر ہڈی اور چمڑے کا ڈھانچارہ جاتا ہے، ایسی حالت میں ہم دماغی پراگندگی و پریشانی کا اندازہ نہیں کر سکتے۔

آخر ایک دن اس کی بے گناہی پر قرآن کے دو رکوع نازل ہوتے ہیں۔ ایسی اچانک تبدیلی سے شادی مرگ پر بھی ہو سکتی تھی اور دماغی توازن میں بگاڑ بھی پیدا ہو سکتا تھا۔ یہ دونوں ہی باتیں بشریت کے تقاضے سے گویا ضروری تھیں۔۔۔ لیکن آیاتِ برأت سننے کے بعد بھی دل و دماغ کتنا متوازن رہتا ہے اس کا اندازہ اس سے کیجیے کہ والدہ ماجدہ سیدہ ام رومان رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں جی بیٹی! اٹھ رسول اللہ کا شکریہ ادا کر۔

کون مسلمان ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا شکریہ ادا کرنے سے پہلو تہی کرنے کا

خیال بھی دل میں لا سکے؟

مگر اللہ اکبر! اس خاتونِ فردوس کی توحید نایاب اور خالص توجہ الی اللہ کو ملاحظہ کیجیے۔

رسول اکرم ﷺ سامنے موجود ہیں۔ پدر بزرگوار بھی وہیں حاضر ہیں اور بیٹی ایک عجیب توحید بھرے ناز سے کہتی ہے کہ میں اس خدا کا شکر کیوں نہ ادا کروں جس نے میری برأت میں یہ آیات نازل فرمائی ہیں۔

اللہ اللہ! سیدۂ کائنات سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے سوا اس پوری کائنات میں کس کا ظرف ہوسکتا تھا جو باپ اور شوہر (نبی اکرم ﷺ اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ) کی موجودگی میں ماں کو ایسا توحید میں ڈوبا ہوا جواب دے جو کائنات کے ایک ایک ذرے کو وجد میں لے آئے۔ کوئی دوسرا ہوتا تو یہ جملہ کہنے سے پہلے اس کا کلیجہ پھٹ جاتا، مگر سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہی کا یہ ظرف تھا کہ اس حال میں بھی دماغی توازن کو برقرار رکھا اور وہ حقیقت افروز نکتہ بیان کر دیا جو جانِ توحید ہے۔

کوئی فقر۔۔۔ کوئی تصوف۔۔۔ کوئی درویش۔۔۔ اور کوئی روحانی مقام ایسا نہیں جو اس جوابِ عائشہ سے ایک انچ بھی آگے جا سکے۔ اس میدان میں بھی آپ کو قیادت وسیادت کی علمبردار عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہی نظر آئیں گی۔

سامعین گرامی قدر! تہمت تو زلیخا نے سیدنا یوسف علیہ السلام پر بھی لگائی تھی۔۔۔ مگر سیدنا یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی اور برأت کی گواہی اللہ رب العزت نے زلیخا کے چچازاد بھائی سے دلوا دی جس نے نشاندہی کی کہ یوسف علیہ السلام کے کرتے کو دیکھ کر فیصلہ کرو۔۔۔ اگر کرتا آگے سے پھٹا ہوا ہے تو زلیخا سچ کہہ رہی ہے اور یوسف علیہ السلام غلط بیانی سے کام لے رہے ہیں۔

اور اگر کرتا پیچھے سے پھٹا ہوا ہے تو پھر یوسف علیہ السلام کی بات درست اور سچی ہے اور

زلیخا جھوٹ اور مکر سے کام لے رہی ہے۔

پھر تہمت سیدہ مریم سلام اللہ علیہا پر بھی لگی۔۔۔ برأت کا گواہ ان کے بیٹے عیسیٰ علیہ السلام کو بنایا گیا۔۔۔ مگر ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگی۔۔۔ تو وکیل صفائی خود عرش والا بن گیا۔۔۔ قرآن کی آیات اتار کر نبوت کے حرم کی صفائی پیش کی۔۔۔ کیونکہ یہاں مسئلہ بڑا نازک تھا۔۔۔ اگر سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بدنام ہو جاتیں تو نبوت کی حرمت پر زد پڑتی تھی۔۔۔ نبوت کی حرمت (اللہ نہ کرے) مشکوک ہو جاتی تو پورے دین سے اعتماد اٹھ جاتا۔۔۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہاں۔۔۔ عدالت بن کر فیصلہ کرنے کے بجائے وکیل صفائی بن کر ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی پاکدامنی کا اعلان فرمایا۔

ایک اہم مسئلہ کی وضاحت

حضرات گرامی قدر! واقعۂ افک آپ نے سن لیا۔۔۔ سورت النور کی تفسیر میں تقریباً تمام مفسرین نے اسے اپنی تفسیروں میں نقل فرمایا۔۔۔ حدیث کی کتب نے نقل کیا۔۔۔ علماء اور خطباء اسے بیان کرتے رہتے ہیں۔۔۔ اس واقعہ کے ایک ایک موڑ اور ایک ایک پہلو سے یہ بات واضح ہو رہی ہے اور یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح نکھر کر سامنے آتی ہے کہ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عالم الغیب اور عالم ما کان و ما یکون نہیں تھے۔۔۔۔۔ اگر آپ عالم الغیب ہوتے تو اس تہمت کی بنا پر ایک مہینہ پریشان نہ رہتے۔۔۔ اگر آپ عالم الغیب ہوتے اور حاضر و ناظر ہوتے تو پھر اس معاملہ میں صحابہ سے مشورے نہ فرماتے۔

نہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ایک مہینہ پریشان اور افسردہ رہتیں۔۔۔ نہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ غم کے دریا عبور کرتے۔۔۔ نہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی والدہ دکھ جھیلتی۔

جونہی منافقین نے یہ خبر اڑائی تھی۔۔۔ آپ فرماتے تم جھوٹ بک رہے ہو۔۔۔ میں ہر جگہ موجود ہوتا ہوں۔۔۔ میں غیب جانتا ہوں۔۔۔ میری عائشہ پاکدامن ہے۔

معلوم ہوا۔۔۔ علم غیب انبیاء کرام علیہم السلام کا خاصہ نہیں ہے۔۔۔ عالم الغیب ہونا

انبیاء کرام علیہم السلام کی صفت نہیں ہے بلکہ علم غیب اللہ رب العزت کا خاصہ ہے اور عالم الغیب ہونا عرش والے کی صفت اور وصف ہے اور وہ اپنی تمام تر صفات میں وحدہ لاشریک ہے۔

چوتھی خصوصیّت

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ایک انفرادی اور امتیازی خصوصیّت یہ بھی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال کے وقت آپ کا سر مبارک سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی گود میں تھا اور یہ بھی ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی انفرادی خصوصیّت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مدفن انہی کا حجرہ بنا۔

مرض الوفات میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے سینے سے ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے تھے کہ ان کے بھائی سیدنا عبد الرحمن رضی اللہ عنہ حجرے میں داخل ہوئے۔۔۔ ان کے ہاتھ میں مسواک تھا۔۔۔ رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسواک کی طرف اس انداز سے دیکھا کہ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سمجھ گئیں کہ آپ مسواک کرنا چاہتے ہیں۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بھائی سے مسواک لے کر آپ کو دیا تو آپ سے چبایا نہ جا سکا۔۔۔ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے نرم کر کے دیا۔۔۔ آپ نے بغیر دھوئے اسے استعمال فرمایا۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بطور فخر کہا کرتی تھیں:

جَمَعَ اللّٰهُ بَيْنَ رِيْقِيْ وَرِيْقِهٖ فِيْ اٰخِرِ يَوْمٍ مِّنَ الدُّنْيَا وَاَوَّلِ يَوْمٍ مِّنَ الْاٰخِرَةِ

(بخاری حدیث نمبر 4451)

اللہ رب العزت نے زندگی کے آخری لمحات میں میرے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لعاب کو جمع فرما دیا۔

زندگی کے آخری ایام امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں بسر فرمائے۔۔۔ اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات سے پہلے کے حالات زیادہ

تراانہی سے مروی ہیں۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہی بیان کرتی ہیں کہ اسی بیماری کے ایام میں آپ بار بار فرماتے تھے:

لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدًا

(بخاری 62/1)

اللہ کی لعنت ہو یہودیوں اور عیسائیوں پر جنہوں نے اپنے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔

(وہ حضرات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان الفاظ پر غور کریں جو کہتے ہیں کہ وہ لوگ بتوں کو پوجتے تھے اور قرآن نے جہاں غیر اللہ کی پکار سے منع کیا ہے اور کہا ہے کہ وہ تمہاری پکار کو نہیں سن سکتے اور وہ مالک ومختار نہیں ہیں۔۔۔ وہ ایک مکھی بھی نہیں بنا سکتے۔۔۔ ان آیتوں سے بت مراد ہیں۔۔۔ کیونکہ اس دور کے مشرکین بت پوجتے تھے۔

اس فرمانِ نبوی پر غور کیجیے۔۔۔ میرے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے ہیں کہ یہود ونصاریٰ انبیاء کی قبروں پر سجدہ ریز ہوتے تھے اور اسی بنا پر وہ لعنت کے مستحق ہیں)

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حالتِ صحت میں آپ فرمایا کرتے تھے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو اختیار دیا جاتا ہے کہ وہ موت کا جام پینا چاہتے ہیں یا ابھی مزید دنیا میں رہنا چاہتے ہیں۔

حالتِ مرض میں آپ کی زبان مقدس سے اکثر یہ الفاظ نکلتے:

مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ

ان لوگوں کے ساتھ جن پر اللہ نے انعام فرمایا۔

اور کبھی آپ انگلی آسمان کی طرف اٹھا کر فرماتے:

اَللّٰهُمَّ فِى الرَّفِيْقِ الْاَعْلٰى

مولا! اب تیری رفاقت میں آنا چاہتا ہوں۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ آپ کے ان الفاظ کو سن کر میں سمجھ گئی۔۔۔ اِذًا لَا يُجَاوِرُنَا۔۔۔ اب آپ ہمارے پاس نہیں رہنا چاہتے۔۔۔ اب صرف رفاقتِ الٰہی مطلوب ہے۔

پھر سوموار کے دن آپ کی طبیعت صبح کے وقت قدرے سنبھلنے کے بعد اچانک خراب ہوگئی۔۔۔ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سمجھ گئیں۔۔۔ کہ آپ پر نزع کی کیفیت شروع ہوگئی ہے اور یہ زندگی کے آخری لمحات ہیں۔۔۔ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے آپ کی ٹیک اپنے سینے سے لگائی۔۔۔ آپ ٹھنڈے پانی میں ہاتھ بھگو کر اپنے سینے اور چہرے پر پھیرتے تھے۔۔۔ اور فرماتے:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اِنَّ لِلْمَوْتِ سَكَرَاتٍ

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں یقیناً موت کی تلخیاں تو ہوتی ہیں۔ (بخاری $\frac{640}{2}$)

پھر آپ نے انگلی آسمان کی طرف اٹھائی اپنی نگاہ چھت کی طرف بلند کی۔۔۔ دونوں ہونٹ ہلنے لگے۔۔۔ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ہونٹوں سے کان لگائے تو آپ فرما رہے تھے:

مجھے انبیاء، صدیقین، شہداء کے ہمراہ جن پر تو نے انعام فرمایا۔۔۔ مجھے ان سے ملادے اے اللہ! مجھے بخش دے، مجھے رفیق اعلیٰ میں پہنچادے۔

آخری جملہ۔۔۔ اَللّٰهُمَّ بِالرَّفِيْقِ الْاَعْلٰى۔۔۔ آپ نے تین مرتبہ دہرایا۔۔۔ پھر اٹھی ہوئی انگلی ڈھلک گئی۔۔۔۔ آپ کا وجود مبارک بوجھل ہوگیا۔۔۔۔ میں نے چہرۂ پُرانوار کو دیکھا تو آپ کی آنکھیں پتھرائی جارہی تھیں۔۔۔ پھر آپ کی روح مبارک نکلتے ہوئے جو خوشبو میں نے سونگھی ایسی خوشبو میں نے کبھی بھی نہیں سونگھی۔۔۔ اس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال میری گود میں ہوگیا۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اکثر و بیشتر بطور ناز فرمایا کرتی تھیں:

تُوُفِّيَ النَّبِيُّ ﷺ فِي بَيْتِي وَفِي نَوْبَتِي وَبَيْنَ سَحْرِي وَنَحْرِي (بخاری 640/2)

نبی اکرم ﷺ کی وفات میرے حجرے میں ہوئی۔۔۔ میری باری کے دن ہوئی اور میری گود میں ہوئی۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ انہی کے حجرے کو نبی اکرم ﷺ کا مدفن بننے کا شرف حاصل ہوا۔

ایک شاعر نے کہا:

تیرا حجرہ امین خاص ہے ذات رسالت کا
بساط ارض پر ٹکڑا یہی ہے باغ جنت کا
اسی میں رحمۃ اللعالمین رہتے تھے رہتے ہیں
مگر تنہا نہیں مع شیخین اٹھیں گے
شفاعت کی تیرے رحمت کدہ سے ابتدا ہو گی
اسی پر امتوں کی مغفرت کی انتہا ہو گی

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہی ازواجِ مطہرات میں ایسی عظیم عورت ہیں جسے جبریل امین نے سلام کہا۔۔۔ انہی کے بستر پر جبریل وحی لے کر اترا۔

سامعین گرامی قدر! آخر میں ایک بات بیان کرنا چاہتا ہوں۔۔۔ کہ عورتوں میں مقام و مرتبہ کس کا سب سے اعلیٰ اور بلند ہے۔۔۔؟ ایک فیصلہ تو اللہ رب العزت نے قرآن میں فرما دیا۔

يَا نِسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ (الاحزاب 32)

اس فیصلے کے بعد ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن سے کسی دوسری خاتون کو افضل سمجھنا ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔۔۔ علامہ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ نے تو یہاں تک دعویٰ کر

دیا کہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا صرف اہل بیت رسول ہی نہیں بلکہ تمام اصحابِ رسول میں سب سے افضل ہیں اس دعوی پر انہوں نے اپنی تصنیف ''ملل ونحل'' میں فضل صحابہ کی بحث میں بڑی تفصیلی گفتگو کی ہے اور دلائل قائم کیے ہیں۔

علامہ ابن تیمیہ اور علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہما نے بڑی منصفانہ بات کہی ہے کہ

فضیلت سے مراد اگر آخرت کے درجات ہیں تو اس کی حقیقت اللہ ہی کو معلوم ہے مگر دنیوی اعتبار سے کسی کی فضیلت اور برتری کی کئی جہتیں ہیں۔

اسے مدنظر رکھا جائے اور نسبی فضیلت۔۔۔اور نسبی شرافت کا اعتبار کیا جائے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹیاں سب سے افضل ہیں۔

اور اگر سبقتِ اسلام کو دیکھا جائے اور نبوت کے ابتدائی دور میں آنے والے مصائب میں اعانت اور تسلیاں اور ساتھ نبھانا۔۔۔اس حیثیت سے ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مقام ومرتبہ اعلیٰ اور برتر نظر آتا ہے۔

اور اگر علمی کمالات۔۔۔قرآن فہمی۔۔۔نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات وارشادات کو امت تک پہنچانے کی فضیلت کا پہلو سامنے رکھا جائے تو پھر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا کوئی ہم پلہ اور ہم سر نہیں ہے۔ (زرقانی 269)

اسی حقیقت کو میرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمایا:

كَمَلَ مِنَ الرِّجَالِ كَثِيْرٌ وَلَمْ يَكْمُلْ مِنَ النِّسَاءِ اِلَّا مَرْيَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ وَاٰسِيَةُ اِمْرَأَةُ فِرْعَوْنَ وَفَضْلُ عَائِشَةَ عَلَى النِّسَاءِ كَفَضْلِ الثَّرِيْدِ عَلٰى سَائِرِ الطَّعَامِ (بخاری $\frac{532}{2}$)

مردوں میں تو بہت سے کامل لوگ گزرے ہیں مگر عورتوں میں سیدہ مریم اور فرعون کی بیوی آسیہ کے سوا کوئی کامل نہ ہوئی اور عائشہ کو تمام عورتوں پر وہی فضیلت حاصل ہے جو ثرید کو تمام کھانوں پر فضیلت حاصل ہے۔

اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف ''لمعات'' میں ایک عجیب نکتہ بیان فرمایا کہ ہے کہ

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا تذکرہ ایک الگ اور مستقل جملے میں بیان کرنے کا شاید سبب یہ بھی ہو کہ حضرت مریم سلام اللہ علیہا اور حضرت آسیہ پر بھی ان کی فضیلت اور عظمت ظاہر ہو جائے۔

مشہور حنفی عالم ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف ''مرقاۃ'' میں فضیلت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تفصیلی اور مفصل گفتگو کرنے کے بعد لکھا:

وَالْاَظْهَرُ اِنَّهَا اَفْضَلُ مِنْ جَمِيْعِ النِّسَاءِ كَمَا هُوَ ظَاهِرُ الْاِطْلَاقِ مِنْ حَيْثُ الْجَامِعِيَّةِ لِكَمَالَاتِ الْعِلْمِيَّةِ وَالْعَمَلِيَّةِ

راجح، ظاہر اور واضح بات یہی ہے کہ اپنے علمی اور عملی اوصاف اور کمالات کی جامعیت کی بنا پر سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو دنیا کی تمام عورتوں پر فضیلت اور برتری حاصل ہے۔

حدیث میں ثرید سے تشبیہ دینے کی وجہ بھی یہی ہے کہ عربوں کے ہاں ثرید تمام کھانوں سے افضل اور کوئی غذا اس کے ہم پلہ اور ہم مثل نہیں ہے اسی طرح سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بھی دنیا کی تمام عورتوں میں بے مثل اور بے نظیر ہیں۔

بخاری کے حاشیہ پر مجمع بحار الانوار کے حوالے سے تحریر کیا گیا:

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو ثرید سے تشبیہ دینے کی وجہ یہ ہے کہ ثرید دوسرے تمام کھانوں پر فضیلت رکھتا ہے کیونکہ ثرید میں غذائیت بھی اعلیٰ درجہ کی ہے، لذت میں بھی بے مثال ہے، قوت و طاقت بھی دیتا ہے، گلے سے اتارنے میں بھی تکلیف نہیں ہوتی، ہضم بھی جلدی ہوتا ہے۔

اسی طرح سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اخلاق کے بلند اور اعلیٰ درجہ پر فائز ہیں، زبان

میں فصاحت و بلاغت بھی رکھتی ہیں، عقل وفہم میں بے مثال ہیں اور حکمت ودانائی میں بھی ان کی نظیر کوئی نہیں۔ (حاشیہ بخاری $\frac{484}{1}$)

سامعین گرامی قدر! وقت قلیل ہے اور عنوان زلفِ یار کی طرح طویل ہے۔۔۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا وہ ہے جس کی پاکدامنی کے لیے قرآن اترتا ہے۔۔۔ جو محبوبہ محبوبِ ربانی ہے۔۔۔ جسے جبریل سلام کہتا ہے۔۔۔ جس کے بستر پر وحی اترتی ہے۔۔۔ جس کا حجرہ مدفن نبی بنتا ہے۔۔۔ جس کی گود میں اللہ کے آخری نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا سے رخصت ہوتے ہیں۔۔۔ جس کے دروازے پر بڑے بڑے صحابی اپنے علمی اشکال حل کرواتے ہیں۔۔۔ جو خود صدیقہ ہے اور اس کا باپ صدیق اکبر ہے۔۔۔ جس کا وجود امت کے لیے منبع جود وسخا ہے۔۔۔ اور چشمۂ نورِ ہدیٰ ہے۔۔۔ معدنِ صدق وصفا ہے۔۔۔ مخزنِ علم وحکمت ہے۔۔۔ جو پیکر عفت وطہارت ہے۔۔۔ جو ام المومنین ہے۔۔۔ اور جو یقیناً سیدۃ النساء والعالمین کے منصب پر فائز ہے۔

وما علینا الا البلاغ المبین

26

اہل بیتِ رسول کون؟

رضی اللہ عنہم

رضی اللہ عنہم

نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ الْاَمِیْنِ
وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا
(الاحزاب 33)

سامعین گرامی قدر! یہاں کے احباب نے آج کے پروگرام کا جو عنوان اور موضوع اشتہاروں میں لکھا وہ ہے ''عظمتِ صحابہ واہل بیت''

ان حضرات نے اہل بیت سے مراد کون سی ہستیاں اور شخصیات لی ہیں اسے یہی لوگ بہتر جانتے ہیں۔۔۔ عمومی طور پر ہمارے مذہبی طبقے میں بھی اور عوام الناس میں بھی سمجھا جاتا ہے کہ اہل بیت سے مراد سیدنا علی۔۔۔ ان کے دونوں بیٹے حسنین کریمین۔۔۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی اور سیدنا علی کی زوجہ محترمہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہم ہیں۔

جب بھی اہل بیت کا لفظ بولا جاتا ہے۔۔۔ اور جب بھی آلِ رسول کا لفظ بولا جاتا ہے۔۔۔ تو اہل سنت علماء اور عوام کا ذہن فوراً انہی چار شخصیات کی جانب جاتا ہے۔

ایک مذہبی عنصر نے صحابہ دشمنی میں مبتلا ہو کر ایسا پروپیگنڈا کیا۔۔۔ ایسا پروپیگنڈا کیا کہ اہل سنت کہلانے والے بھی غیر شعوری طور پر ان کے پروپیگنڈے کا شکار ہو گئے۔۔۔ وہ بھی سمجھنے لگے کہ صحابہ الگ شخصیات ہیں اور یہ چاروں ان سے علیحدہ شخصیات

ہیں۔

بعض جہلاء نے عوام کو۔۔۔سادہ لوح عوام کو خوش کرنے کے لیے کہا۔۔۔یہ چاروں شخصیات نبی کے گھر والے ہیں اور صحابہ دور والے ہیں۔۔۔لطف کی بات یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی گھر والیوں کو بھی یہ جاہل گھر والے ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

میں ان شاء اللہ قرآن وحدیث کے حوالے سے اہل بیت کا حقیقی مفہوم بیان کروں گا۔۔۔لغت کے حوالے سے آل کا مفہوم بھی عرض کروں گا۔۔۔حدیث کساء اور چادر تطہیر کی حقیقت بھی آپ کو سمجھاؤں گا۔۔۔مگر سب سے پہلے آپ تمام حضرات ہر قسم کے ضد وعناد سے کنارہ کش ہوکر۔۔۔ہر قسم کی دھڑے بندی سے ہٹ کر عدل وانصاف کا ترازو ہاتھ میں لے کر مجھے ایک بات کا جواب دیں۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اہل بیت میں اور آلِ رسول میں کیوں شامل ہیں۔۔۔؟ کس وجہ سے انہیں اہل بیت نبی میں شمار کیا جاتا ہے؟

آپ اس کے جواب میں ایک ہی بات کہیں گے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کے چچازاد بھائی ہیں اس لیے وہ اہل بیت میں اور آلِ رسول میں شامل ہیں۔

میں کہوں گا۔۔۔اگر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے آلِ رسول اور اہلِ بیت نبی ہونے کی وجہ ان کا چچازاد بھائی ہونا ہے۔۔۔تو انصاف سے بتایئے۔۔۔چچازاد بھائی پہلے یا خود چچا پہلے۔۔۔؟

سیدنا عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کے چچا ہیں۔۔۔تو انہیں بھی اہل بیت میں شامل ہونا چاہیے۔۔۔سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کے بیٹے عبد اللہ ہیں۔۔۔عبید اللہ ہیں۔۔۔فضل رضی اللہ عنہم ہیں۔۔۔یہ بھی نبی اکرم ﷺ کے چچازاد بھائی ہیں۔۔۔پھر ان سب کو اہل بیت میں اور آلِ رسول میں شامل ہونا چاہیے۔

خود سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بھائی سیدنا جعفر طیار رضی اللہ عنہ ہیں۔۔۔دوسرے بھائی سیدنا

عقیل رضی اللہ عنہ ہیں۔۔۔ یہ بھی نبی اکرم ﷺ کے چچازاد بھائی ہیں۔۔۔ پھر یہ اہل بیت میں شامل کیوں نہیں۔۔۔؟ آپ نے پیمانے الگ الگ کیوں بنائے۔۔۔؟

اور اگر آپ یہ کہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اس لیے اہل بیت میں اور آلِ رسول میں شامل ہیں کہ وہ دامادِ نبی ہیں۔۔۔ تو پھر میرا اہل سنت کہلوانے والوں سے بڑی دردمندی اور عاجزی سے سوال ہے کہ کیا نبی اکرم ﷺ کے صرف سیدنا علی رضی اللہ عنہ ہی داماد ہیں؟

ان کے علاوہ آپ کا کوئی داماد نہیں ہے۔۔۔؟ کیا آپ بھی اسی کے قائل ہیں۔۔۔ کہ نبی اکرم ﷺ کی صرف ایک بیٹی تھی۔۔۔؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں۔۔۔ بلکہ اہل سنت اس کے قائل ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کی چار بیٹیاں ہیں۔

سب سے بڑی بیٹی سیدہ زینب۔۔۔۔ سیدہ رقیہ۔۔۔۔ سیدہ ام کلثوم۔۔۔ اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن۔۔۔۔ تو کیا آپ کی بڑی بیٹی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے شوہر سیدنا ابوالعاص رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کے داماد نہیں۔۔۔؟

اگر داماد ہونا اہل بیت ہونے کی دلیل ہے تو پھر سیدنا ابوالعاص رضی اللہ عنہ کو بھی اہل بیت میں شامل ہونا چاہیے یا نہیں۔۔۔؟ پھر ایک اور بات سنو۔۔۔! اور غور سے سنو۔۔۔! اور انصاف کے کانوں سے سنو۔۔۔!

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے گھر نبی اکرم ﷺ کی ایک بیٹی ہے۔۔۔ اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر میرے نبی ﷺ کی دو بیٹیاں ہیں۔۔۔ اسی وجہ سے انہیں ذوالنورین کہتے ہیں۔۔۔ اور انہی کو میرے پیارے نبی ﷺ نے فرمایا تھا:

عثمان میری چالیس بیٹیاں ہوتیں اور یکے بعد دیگرے مرتی چلی جاتیں تو میں چالیس کی چالیس بیٹیاں تیرے نکاح میں دیتا چلا جاتا۔

اگر دامادِ نبی ہونا۔۔۔ اہل بیت ہونے کی دلیل ہے تو پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے پہلے نبی اکرم ﷺ کے بڑے داماد سیدنا ابوالعاص کو۔۔۔۔ اور آپ کے دوہرے داماد سیدنا

عثمان رضی اللہ عنہ کو بھی اہل بیت میں شامل سمجھنا چاہیے۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بات کو آگے بڑھاتے ہیں۔۔۔ آپ بتائیں کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے آلِ رسول ہونے کی وجہ کیا ہے۔۔۔؟ وہ کیوں آلِ رسول میں شامل ہیں۔۔۔؟ آپ کہیں گے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اس لیے اہل بیت ہیں کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی ہیں۔

میں کہوں گا اور انصاف کے نام پر آپ سے اپیل کروں گا کہ عدل کے دامن کو تھام کر میری بات کا جواب دیں۔۔۔ کیا آپ اہل سنت کے مدعی بھی اس بات کے قائل ہیں اور کیا تمہارا نظریہ اور خیال بھی یہی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی صرف ایک ہے۔۔۔؟ اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ آپ کی اور کوئی بیٹی نہیں ہے۔۔۔؟

اگر آپ کا نظریہ یہی ہے تو پھر آپ معذور ہیں۔۔۔ اور میرے مخاطب بھی آپ نہیں ہیں۔۔۔ اور اگر آپ تمام دیوبندی، بریلوی اور اہل حدیث اس بات کے قائل ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چار بیٹیاں تھیں اور سب کی سب ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھیں۔

تو پھر باقی کی تین بیٹیاں اہل بیت اور آلِ رسول میں شامل کیوں نہیں۔۔۔؟ یہ لینے اور دینے کے اوزان قومِ شعیب کی طرح تم نے الگ الگ کیوں رکھے ہوئے ہیں۔

بیٹی ہونے کی نسبت سے۔۔۔ اگر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اہل بیت میں شامل ہیں۔۔۔ تو جس محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا ہے۔۔۔۔ اسی محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بھی ہے۔۔۔ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا بھی ہے۔۔۔ اور سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا بھی ہے۔۔۔ یہ تینوں بیٹیاں پھر اہل بیت کے زمرے میں کیوں نہیں آتیں؟

حسنین کریمین رضی اللہ عنہما بات کو مزید آگے بڑھاتے ہیں۔۔۔ عقیدت کو مدنظر رکھ کر فیصلہ نہیں کرنا۔۔۔ بلکہ حقیقت کو دیکھ کر نظریہ قائم کرنا ہے۔

ہمیں بتایا اور سمجھایا جائے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے دونوں دلبند۔۔۔اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے دونوں فرزند۔۔۔سیدنا حسن اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہما اہل بیت اور آلِ رسول میں کیوں سمجھے جاتے ہیں۔۔۔؟ (بلکہ غلو کے رنگ میں کہا جاتا ہے کہ اہل بیت اور آلِ رسول صرف یہی چار شخصیات ہیں۔۔۔سیدنا علی۔۔سیدہ فاطمہ۔۔سیدنا حسن۔۔اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہم۔

عقیدت اور محبت ہمیں بھی حسنین کریمین رضی اللہ عنہما سے ہے۔۔۔وہ دونوں بہت عظیم ہیں۔۔۔ بلند شان ہیں۔۔۔ عظیم المرتبت ہیں۔۔۔ انہیں گھٹی میرے نبی نے لگائی تھی۔۔۔ان کے کان میں اذان میرے نبی نے کہی تھی۔۔۔ان کے نام میرے نبی نے رکھے تھے۔۔۔ان کی زبان میرے نبی چوسا کرتے تھے۔۔۔انہیں کندھوں پر میرے نبی بٹھایا کرتے تھے۔۔۔وہ میرے نبی کے پیارے نواسے تھے۔۔۔اور ان کی سب سے بڑی خوبی اور بلند ترین عظمت یہ ہے کہ وہ میرے نبی کے صحابی ہیں۔

اور صحابیّت کا یہ درجہ اور صحابیّت کا یہ مقام اتنا بلند و بالا اور اونچا ہے کہ پچھلی پوری امت مل کر جن میں تابعین، تبع تابعین، ائمہ مجتہدین، مفسرین، محدثین، مؤرخین، علماء، اتقیاء، صلحاء، اولیاء، فقیہ اور امام سب مل جائیں تو کسی صحابی کے پاؤں کے تلوے کو بھی ہاتھ نہیں لگا سکتے۔

سیدنا حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کو اس لیے اہل بیت اور آلِ رسول مانتے ہو کہ وہ میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے ہیں۔۔۔ بیٹی کی اولاد ہونے کے ناطے انہیں اہل بیت بھی مانتے ہو اور آلِ رسول بھی سمجھتے ہو۔

میں پوچھنا چاہتا ہوں اور انصاف کے نام پر میرا سوال ہے۔۔۔اور میرا سوال بھی صرف اہل سنت سے۔۔۔سادہ لوح اہل سنت سے ہے جو دشمنانِ اصحابِ رسول کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر انہی کے لہجہ میں بات کرتا ہے اور انہی کی زبان بولتا ہے۔۔۔

میں ان سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ

کیا حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کے علاوہ میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اور نواسے اور نواسیاں

نہیں ہیں؟

دشمنانِ صحابہ کے پروپیگنڈے نے۔۔۔ زہریلے پروپیگنڈے نے تمہاری آنکھوں پر پردے ڈال دیئے ہیں۔۔۔ تمہاری عقلیں مأوف کر دی ہیں۔۔۔ تمہارا فہم چھین لیا ہے۔۔۔ کیا ان کے منفی پروپیگنڈے نے تم سے انصاف کے تقاضے بھی غصب کر لیے ہیں۔۔۔ تم اپنی تاریخ سے منکر ہو گئے ہو۔۔۔ تم اپنے مسلک سے بھی بے خبر اور ناواقف ہو۔

سیدنا علی الزینبی رضی اللہ عنہ نواسۂ رسول

یہی علی الزینبی رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سب سے بڑے نواسے ہیں۔۔۔ یہی نواسۂ رسول ہے جسے تمام نواسوں میں سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت و تربیت سے فیض یاب ہونے کا شرف حاصل ہے۔

یہ نواسۂ رسول علی الزینبی رضی اللہ عنہ ہے جس کی شادی کا اہتمام وانتظام میرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود فرمایا۔۔۔ اور سن سکتے ہو تو سنو۔۔۔!!! اور تاریخ کی رٹی رٹائی کہانیوں سے جان چھڑاؤ۔۔۔ دل کی تختی پر لکھ لو۔۔۔ فتح مکہ کے موقع پر یہی نواسۂ رسول میرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اونٹنی پر ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔۔۔ اور یہی نواسۂ رسول علی الزینبی رضی اللہ عنہ ہے جسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیت اللہ میں بلند رکھے گئے بتوں کو توڑنے کے لیے اپنے کاندھوں پر اٹھا لیا تھا۔

اہل سنت کی حدیث کی مشہور کتاب ابوداؤد میں ہے:

فَحَمَلَ عَلِيَّ بْنَ الْعَاصِ عَلَى عَاتِقِهِ (ابوداؤد)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوالعاص کے بیٹے اپنے نواسے کو اپنے کندھوں پر اٹھا لیا۔

نام کی مشابہت سے بعض مؤرخین کو غلط فہمی ہو گئی۔۔۔ اور انہوں نے علی الزینبی رضی اللہ عنہ کی جگہ علی بن ابی طالب سمجھ لیا۔

فتح مکہ کے وقت علی الزینبی رضی اللہ عنہ کی عمر پندرہ سال تھی۔۔۔ اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے ان سے فرمایا تھا کہ تم میرے بوجھ کو برداشت نہیں کر سکو گے۔

سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ تو فتح مکہ کے موقع پر تقریباً تیس سال کے کڑیل جوان تھے۔۔۔اور بڑی آسانی سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے کاندھوں پر اٹھا سکتے تھے۔

پچاس سال کے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کاندھوں پر اٹھا کر ایک طویل سفر اور بلندی کی طرف سفر طے کر سکتے ہیں تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لیے تھوڑی دیر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے کاندھوں پر اٹھانا کیونکر ممکن نہیں تھا؟

میرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہی وہ نواسہ ہے جو اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے۔۔۔کفار کے خلاف جنگ کرتے ہوئے۔۔۔ جنگ یرموک میں شہادت کے مرتبے پر فائز ہوا۔۔۔ اس وقت اس کی عمر صرف بائیس سال تھی۔۔۔اس کی جنگ کلمہ گو مسلمانوں کے خلاف نہیں تھی بلکہ دشمنانِ رسول کے خلاف تھی۔

آیئے! اس نواسۂ رسول کی بہادری، جرأت اور شوقِ شہادت کی ایک بات آپ کو سناؤں۔۔۔ جنگ یرموک کے کمانڈر سیدنا ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ یکے از مبشرہ تھے۔

نواسۂ رسول علی الزینبی رضی اللہ عنہ میدانِ جنگ میں اترنے سے پہلے سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ امیر لشکر کے ہاں آئے اور کہا میں میدانِ جنگ میں کفار کے مقابلے میں جانا چاہتا ہوں۔۔۔شہادت میری تمنا ہے۔

اگر آپ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور میرے نانا تک کوئی پیغام پہنچانا چاہتے ہیں۔۔۔تو بتائیں۔۔۔امیر لشکر سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے کہا۔۔۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو میرا اسلام کہنا اور کہنا جو جو وعدے آپ نے ہم سے کیے تھے وہ وعدے سب کے سب پورے ہو رہے ہیں۔

کمانڈر کا پیغام سن کر علی الزینبی رضی اللہ عنہ تلوار سونت کے کفار کے لشکر میں گھس گئے۔۔۔دادِ شجاعت دی اور آخر کار شہادت کے مرتبے پر فائز ہوئے۔ (ابن عساکر)

اسی واقعہ کو سامنے رکھ کر علامہ محمد اقبال نے نواسۂ رسول علی الزینبی رضی اللہ عنہ کو

خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا:

صف بستہ تھے عرب کے جوانانِ تیغ بند
تھی منتظر حنا کی عروسِ زمین شام
اک نوجواں صورت سیماب مضطرب
آکر ہوا امیر عساکر سے ہم کلام
اے بو عبیدہ رخصتِ پیکار دے مجھے
لبریز ہو گیا ہے مرے صبر وسکوں کا جام
بے تاب ہو رہا ہوں فراق رسول میں
ایک دم کی زندگی بھی محبت میں ہے حرام
جاتا ہوں حضورِ رسالت پناہ میں
لے جاؤں گا خوشی سے اگر ہو کوئی پیام
یہ ذوق و شوق دیکھ کے پُرنم ہوئی وہ آنکھ
جس کی نگاہ تھی صفتِ تیغِ بے نیام
بولا امیر فوج کہ وہ نوجواں ہے تو
پیروں پہ تیرے عشق کا واجب ہے احترام
پوری کرے خدائے محمد تیری مراد
کتنا بلند تیری محبت کا ہے مقام
پہنچے جو بار گاہِ رسولِ امین میں تو
کرنا یہ عرض میری طرف سے پس از سلام
ہم پر کرم کیا ہے خدائے غیور نے
پورے ہوئے جو وعدے کیے تھے حضور نے (بانگ درا)

یہ علی الزینبی رضی اللہ عنہ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ میرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سب سے بڑا نواسہ ہے۔۔۔اسے اہل بیت رسول میں شمار کیوں نہیں کرتے ہو۔۔۔؟ تعجب ہے کہ اس کا تو نام تک اہل سنت کی اکثریت نہیں جانتی۔

اسی کی بہن سیدہ امامہ رضی اللہ عنہا میرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیاری نواسی ہے۔۔۔اور سب سے بڑی نواسی ہے۔۔۔صحاح اور سنن کی روایت ہے کہ بعض اوقات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز میں ہوتے اور آپ کی نواسی امامہ رضی اللہ عنہا کھیلتی کھیلتی آپ کے پاس آجاتی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز کی حالت میں اسے گود میں اٹھا لیتے۔۔۔۔جب سجدہ میں جانے لگتے تو اسے نیچے اتار دیتے اور جب دوسری رکعت کے لیے کھڑے ہوتے تو نواسی امامہ کو اٹھا لیتے۔۔۔اسے بھی اہل بیت رسول میں ہونا چاہیے تھا یا نہیں۔۔۔؟

آپ میں سے کتنے لوگ جانتے تھے کہ یہ بھی آپ کی نواسی ہے۔۔۔؟ اور آپ میں سے کتنے لوگ جانتے ہیں کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد انہی کی وصیت کے مطابق سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اسی امامہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی تھی۔

نواسۂ رسول عبد اللہ بن عثمان رضی اللہ عنہما

میرے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے۔۔۔سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے فرزند سیدنا عبد اللہ رضی اللہ عنہ کا ذکر تک ہمارے علماء اور خطباء نے کبھی بھولے سے بھی نہیں کیا۔

سبائی اور غیر ثقہ راویوں نے اور اہل سنت کا لبادہ اوڑھ کر رافضیوں نے۔۔۔جس طرح علی الزینبی رضی اللہ عنہ کے حالاتِ زندگی اور ان کی اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے قربانیوں پر پردے ڈالنے کی مذموم کوشش کی۔۔۔اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے سیدنا عبد اللہ بن عثمان رضی اللہ عنہما کے تذکرے کو بھی تاریخ کے صفحات سے مٹانے کی ہر ممکن کوشش کی۔

مشہور کیا گیا کہ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے دو سال بعد 4 ہجری میں جب ان کی عمر صرف چھ سال تھی ایک مرغ نے ان کی آنکھ میں چونچ ماری جس کی بنا پر یہ فوت ہو

گئے۔

کچھ مؤرخین نے اس اعتراض سے بچنے کے لیے کے چھ سال کا بچہ ایک مرغ سے کیسے مار کھا سکتا ہے۔۔۔؟ سیدنا عبداللہ بن عثمان رضی اللہ عنہما کی عمر انتقال کے وقت دو سال بتائی ہے۔

حالانکہ سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کی ولادت قیامِ حبشہ کے دوران ہوئی۔۔۔ہجرتِ حبشہ 5 نبوی میں ہوئی اور ہجرتِ مدینہ 13 نبوی میں ہوئی۔۔۔اس کے دو سال بعد غزوۂ بدر کے موقع پر سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا۔۔۔سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ان کے بعد بتایا جاتا ہے تو پھر سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے وقت سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کی عمر نو سال بنتی ہے۔۔۔ گیارہ، بارہ سال کا بچہ مرغ کی چونچ سے۔۔۔اور وہ بھی آنکھ میں۔۔۔اور اس سے کی موت واقعہ ہوگئی۔۔۔کیسی کہانی بنائی گئی اور گھڑی گئی۔۔۔تاکہ حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کے علاوہ کسی نواسے کی خبر اہل سنت عوام کو نہیں ہونی چاہیے۔

مشہور شیعہ مؤرخ مسعودی کے قلم سے آخر کار سچ نکل ہی گیا۔

سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی اولاد میں عبداللہ اکبر اور عبداللہ اصغر تھے جو بنت رسول سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھے ان میں عبداللہ اکبر حسن و جمال میں بہت شہرت رکھتے تھے انہوں نے بہت سی شادیاں کیں اور طلاقیں بھی کثرت سے دیں، عبداللہ اصغر 67 سال کی عمر تک زندہ رہے ان کی دونوں آنکھوں میں موتیا اتر آیا تھا اس کی تکلیف سے ان کا انتقال ہوا۔ (مروج الذہب $\frac{267}{2}$)

مسعودی کے اس قول کے مطابق سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے جنم لینے والے دونوں بیٹے جوان ہوئے اور شادیاں کیں۔۔۔ہمارے پاک و ہند میں نواسۂ رسول سیدنا عبداللہ بن عثمان رضی اللہ عنہما کی نسل آباد ہے۔

علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے فرزند ارجمند سیدنا

زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ نے سیدنا عبداللہ بن عثمان رضی اللہ عنہما سے علمی فیض حاصل کیا اور سیدنا عبداللہ بن عثمان رضی اللہ عنہما زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ تھے۔

(منہاج السنہ $\frac{123}{2}$)

سامعین گرامی قدر! میرے عرض کرنے کا مقصد اور مدعا یہ ہے کہ حسنین کریمین رضی اللہ عنہما نواسۂ رسول ہونے کی وجہ سے اگر اہل بیت میں شامل ہیں تو پھر سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے بیٹے سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کو بھی اہل بیت میں شامل ہونا چاہیے۔۔۔اور سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے بیٹے سیدنا علی الزینبی رضی اللہ عنہ کو اہل بیت کا فرد سمجھنا چاہیے۔

مجھے تعجب ہے۔۔۔ اور بہت تعجب ہے۔۔۔ بلکہ افسوس کی حد تک تعجب ہے ۔۔۔کوئی معمولی اور غیر ذمہ دار خطیب کہتا۔۔۔اور غیر سنجیدہ مصنف لکھتا تو مجھے افسوس نہ ہوتا۔

یہاں ایک کتاب مارکیٹ میں آئی۔۔۔ جسے مولانا طارق جمیل صاحب کے مشورے اور خواہش سے شائع کیا گیا۔۔۔انہوں نے خود بھی کئی مقام پر اپنی باتیں تحریر کروائیں۔۔۔ان کے مدرسہ کے مدرسین نے اسے مرتب کیا۔۔۔مگر کی اس تمام تر ذمہ داری انہی پر عائد ہوتی ہے۔۔۔انہوں نے اس کتاب (جس کا نام ''گلدستۂ اہل بیت'' رکھا گیا) کے مقدمے میں تحریر کیا:

میں نے اپنے مدرسہ کے متعدد اساتذہ پر مشتمل ایک جماعت کی مجموعی محنت وکاوش سے یہ کتاب مرتب کروائی اور میں خود بھی اس کتاب کی تیاری کے دوران جمیع مواد کے سلسلہ میں مختلف مقامات پر اپنے مشورے دیتا رہا، بعض کتب کی طرف مراجعت کا بھی کہتا رہا اور گاہے بگاہے اس کتاب کو دیکھتا بھی رہا حتیٰ کہ اس کا کافی سارا حصہ میری نظر سے گزرا۔ (گلدستۂ اہل بیت 8)

اس کتاب میں انہوں نے شیعہ روایات کا سہارا لے کر اہل بیت اور آلِ رسول

کے مفہوم کوغلط رنگ میں پیش کیا۔۔۔ان کی یہ تصنیف شیعہ مسلک کی تقویت کا باعث بنی۔

اس کتاب کی ابتداء میں تحریر کیا گیا:

اہل بیت کا لغوی مطلب ہے۔۔۔ ''گھر والے'' اور شریعت مطہرہ کی اصطلاح میں نبی اکرم ﷺ کے گھر والوں کو اہل بیت کہا جاتا ہے۔

آگے اس کی من مانی اور خودساختہ تشریح یوں کرتے ہیں:

ازواجِ مطہرات، سیدہ فاطمہ، سیدنا علی، حضرات حسنین کریمین (سلام اللہ علیہم) اور حسنین کریمین کی اولاد اور قیامت تک ان کی اولاد در اولاد اہل بیت ہیں۔

اللہ کا شکر ہے کہ انہوں نے ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کو اہل بیت میں شامل کرلیا ورنہ کتنے بدبخت ایسے ہیں جو صرف اولادِ علی ہی کو اہل بیت سمجھتے ہیں اور ازواجِ مطہرات کو اہل بیت ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں (کیسی عجیب بات ہے کہ بیٹی فاطمہ تو اہل بیت ہے مگر انہیں جنم دینے والی سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اہل بیت سے خارج ہے)

گلدستۂ اہل بیت میں اہل تشیع کے بارہ میں سے گیارہ اماموں کا تذکرہ تفصیل کے ساتھ کیا گیا (اللہ جانے بارہویں امام کا تذکرہ کیوں نہیں کیا گیا۔۔۔کیا وہ اہل بیت میں شامل نہیں ہے)

ان گیارہ ائمہ کو اہل بیت میں کس دلیل سے شامل کیا گیا۔۔۔؟ نبی اکرم ﷺ کے داماد قاسم ابوالعاص رضی اللہ عنہ اور نبی اکرم ﷺ کے دوہرے داماد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو شامل نہیں کیا گیا۔

نبی اکرم ﷺ کی بیٹیوں۔۔۔سیدہ زینب۔۔۔سیدہ رقیہ۔۔۔اور سیدہ ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہن کو بھی اہل بیت میں شمار نہیں کیا گیا۔۔۔مزید ظلم دیکھیں کہ سیدنا علی اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی دو بیٹیوں (سیدہ زینب، سیدہ ام کلثوم) کو بھی اہل بیت کے زمرے میں شامل نہیں کیا گیا۔

(شاید اس لیے کہ سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح اور شادی امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے ہوئی تھی اور سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو شاید اس لیے اہل بیت میں شمار نہیں کیا کہ وہ واقعۂ کربلا کے بعد اپنے سوتیلے داماد یزید کے ہاں رہ گئیں تھیں۔۔۔۔۔ یزید کی بیوی ام محمد سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی سوتیلی بیٹی تھیں۔۔۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا انتقال بھی وہیں دمشق میں ہوا اور ان کی تدفین بھی دمشق کے قبرستان میں ہوئی)

اَہل بیت کون؟

سبائی پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر ہر خاص و عام۔۔۔ عالم کیا اور جاہل کیا۔۔۔ تعلیم یافتہ کیا اور نیم خواندہ کیا۔۔۔ اس کے سامنے اہل بیت کا نام آئے تو اس کا ذہن فوراً چار شخصیات کی جانب جاتا ہے۔۔۔ دشمنانِ اصحابِ رسول نے بڑی عیاری اور مکاری سے۔۔۔ اور ایک خاص منصوبہ بندی سے۔۔۔ اصلی اور حقیقی اہل بیت سے لوگوں کی نظریں اور ذہن ہٹا دیئے۔۔۔ اور ان کے دل و دماغ میں یہ نظریہ راسخ کر دیا کہ اہل بیت سے مراد سیدنا علی۔۔۔ ان کے دو بیٹے سیدنا حسن اور سیدنا حسین اور ان کی والدۂ محترمہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہم ہیں۔

آیئے! میں آج آپ کو اصل حقیقت سے آگاہ کرتا ہوں۔۔۔ میں دلائل کے ساتھ۔۔۔ ہاں قرآن و حدیث کے دلائل کے ساتھ اور علمائے لغت کے حوالوں سے ثابت کروں گا کہ حقیقی اور اصلی اہل بیت رسول کون ہیں؟

دیکھیے! اگر صرف اَہل کا لفظ استعمال کیا جائے تو اس سے بیوی۔۔۔ مالک۔۔۔ اور متبعین مراد ہوتے ہیں۔۔۔ اور اگر اَہل کو بطور مضاف استعمال کیا جائے۔۔۔ جیسے اہل القرآن۔۔۔ اہل الفقہ۔۔۔ اہل کتاب۔۔۔ اہل وطن۔۔۔ تو پھر اہل کا معنیٰ ''والا'' یا ''والے'' ہوگا یعنی قرآن والے۔۔۔ فقہ والے۔۔۔ کتاب والے۔۔۔ وطن والے۔۔۔ تو اب اہل بیت کا معنیٰ ہوگا ''گھر والے''

گھر والوں میں۔۔۔ شوہر۔۔۔ اس کی بیویاں۔۔۔ اولاد۔۔۔ اور داماد سب

شامل ہوتے ہیں۔

لغت کے مشہور امام ابن منظور افریقی نے ''اَہْل'' کے مفہوم کو بیان کرتے ہوئے تحریر کیا:

اَهْلُ الْبَيْتِ... سُكَّانُهٗ... گھر میں رہائش پذیر لوگ۔

وَاَهْلُ بَيْتِ النَّبِيِّ ﷺ اَزْوَاجُهٗ وَبَنَاتُهٗ وَصِهْرُهٗ

اور اہل بیت النبی ﷺ کون ہیں؟ نبی اکرم ﷺ کی بیویاں، آپ کی بیٹیاں اور آپ کے داماد۔

ایک قول ابن منظور افریقی نے لکھا مگر کلمۂ تمریض کے ساتھ لکھا کہ اہل بیت النبی سے مراد صرف آپ کی بیویاں ہیں۔ (لسان العرب 29/11)

تاج العروس نے لکھا:

وَاَنَّ اَهْلَ كُلِّ نَبِيٍّ اُمَّته وَاَهْلَ مِلَّتِهٖ

اور ہر نبی کے اہل اس کی امت کے لوگ اور اس کی ملت والے ہیں۔

اللہ رب العزت نے قرآن مجید کی سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر 28 سے لے کر آیت نمبر 34 تک۔۔۔ کی آیات میں ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کا تذکرہ کیا ہے۔

آیت نمبر 28 کو آیت تخییر کہتے ہیں۔۔۔ يَا اَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ۔۔۔ اے میرے نبی! اپنی بیویوں سے کہہ دے۔

آیت نمبر 30 میں ازواج کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ۔۔۔ اے میرے نبی کی بیویو!

آیت نمبر 31 میں ارشاد ہوا:

وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ

جوتم میں سے (ازواج میں سے) اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گی۔

آیت نمبر 32 میں ارشاد ہوا:

يٰنِسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ إِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ وَقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا

اے میرے نبی کی بیویو! (تم نبوت کے گھر میں رہتی ہو، تمہارے گھر نزولِ وحی کے مرکز ہیں) پوری دنیا کی عورتوں میں کوئی عورت بھی تمہاری ہم سر اور برابر نہیں ہے (بلکہ تمہارا مقام، شان اور درجہ سب عورتوں سے بلند و بالا ہے)

آیت نمبر 33 میں پھر نبی ﷺ کی ازواج کو خطاب ہوا:

وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ

اپنے گھروں میں قرار پکڑو یا اپنے گھروں میں وقار کے ساتھ رہو۔

وَأَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَأَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ

اور نماز کو قائم رکھو اور زکوٰۃ دیتی رہو اور اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرتی رہو۔

آیت نمبر 33 کے آخری حصے میں ارشاد ہوا:

إِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا

اللہ ہی چاہتا ہے کہ دور کر دے تمام آلودگیوں کو اور تمہیں بالکل پاک صاف کر دے۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے ''الرِّجس'' سے کیا مراد لیا ہے؟ ذرا سنیے:

بلکہ یہاں تطہیر سے مراد تہذیبِ نفس، تصفیۂ قلوب اور تزکیۂ باطن کا وہ اعلیٰ درجہ مراد ہے جو کامل اولیا اللہ کو حاصل ہوتا ہے اور جس کے حصول کے بعد وہ انبیاء کی طرح

معصوم تو نہیں بن جاتے ہاں محفوظ کہلاتے ہیں چنانچہ یُرِیْدُ اللہ فرمانا اور اَرَادَ اللہ نہ فرمانا خود اس کی دلیل ہے کہ اہل بیت کے لیے عصمت ثابت نہیں۔

اس کے بعد آیت نمبر 34 میں بھی ازواجِ مطہرات کو خطاب ہے:

وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَىٰ فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ

اور تمہارے گھروں میں جو اللہ کی آیات اور حکمت کی باتیں تلاوت کی جاتی ہیں ان کو یاد رکھو۔

سامعین گرامی قدر! ان آیات کو ایک مرتبہ گھروں میں جا کر پڑھ لیں۔۔۔ جس عالم کا ترجمہ آپ کے گھر میں موجود ہو اسے بھی پڑھ لیں۔۔۔ پھر انصاف سے فیصلہ کریں کہ ان آیات میں کن عورتوں کا ذکر ہو رہا ہے۔۔۔؟ نبی اکرم ﷺ ہی کی بیویوں اور ازواج کا تذکرہ ہو رہا ہے۔

ان آیات میں کسی جگہ بھی اشارۃً یا کنایۃً سیدنا علی، سیدہ فاطمہ، اور حسنین کریمین رضی اللہ عنہم کا ذکر ہے۔۔۔؟ سورت الاحزاب کی آیت نمبر 33 کے آخری حصے کو آیت تطہیر کا نام دیا جاتا ہے (جبکہ وہ پوری آیت نہیں ہے بلکہ آیت کا آخری حصہ ہے، اسے آیت تطہیر کہنا ہی صحیح نہیں ہے، بلکہ آیت تطہیر پوری آیت ہے جس میں صرف اور صرف ازواجِ نبی کا تذکرہ ہے۔

آپ یقین کریں۔۔۔ تمام مفسرین اس بات پر اور اس حقیقت پر متفق ہیں کہ اس آیت کا مصداق صرف ازواجِ نبی ہی ہیں۔۔۔ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر کبیر اٹھا لیں۔۔۔ تفسیر قرطبی دیکھ لیں۔۔۔ تفسیر ابن کثیر کا مطالعہ فرما لیں۔۔۔ تفسیر جلالین کے صفحات کھول لیں۔۔۔ تفسیر مظہری دیکھ لیں۔۔۔ تفسیر فتح القدیر اٹھا لیں۔۔۔ علامہ آلوسی حنفی کی تفسیر روح المعانی کی ورق گردانی کر لیں۔

ان تمام مفسرین نے سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما۔۔۔ مشہور تابعی عکرمہ، عطاء

اور سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہم کے حوالے سے لکھا ہے کہ اس آیت میں اہل بیت کا مصداق صرف ازواجِ مطہرات ہیں۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے تو لکھا ہے کہ مشہور تابعی عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مَنْ شَاءَ بَاهَلْتُهُ اِنَّهَا نَزَلَتْ فِیْ اَزْوَاجِ النَّبِیِّ ﷺ

جو چاہے میں اس سے اس بات پر مباہلہ کرنے کو تیار ہوں کہ یہ آیت کریمہ ازواجِ مطہرات کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

میرے تفسیر کے استاذ حضرت شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یہاں لفظ اہل بیت سے روافض پنجتن مراد لیتے ہیں جو قرآن کے سیاق وسباق کے سراسر خلاف اور لغت عربیت کی رو سے قطعاً غلط ہے جس آیت میں (اہل البیت) کا لفظ وارد ہے اس سے پہلے پانچ آیتوں میں ازواجِ مطہرات سے خطاب چلا آرہا ہے اور اس کے بعد والی آیت میں بھی ازواج ہی سے خطاب ہے۔ ان تمام آیتوں میں جمع مؤنث مخاطب کے صیغے استعمال کیے گئے ہیں اور خود اس آیت میں اس لفظ (اہل بیت) سے پہلے چھ جملے مؤنث حاضر کے صیغے موجود ہیں جو ازواجِ مطہرات ہی سے خطاب ہے۔ اس لیے لامحالہ یہاں اہل البیت سے نبی اکرم ﷺ کی ازواجِ مطہرات ہی مراد ہیں اگر اس سے پنجتن مراد لیے جائیں تو نظم قرآن مختل ہو جائے گا۔

اہل تشیع کا نظریہ

اہل تشیع کے نزدیک اہل بیت سے مراد چونکہ سیدنا علی، سیدنا فاطمہ اور حسنین کریمین رضی اللہ عنہم ہیں اس لیے سورت الاحزاب کی آیت نمبر 33 میں جو کہا گیا:

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ۔۔۔۔ اس سے مراد ازواجِ مطہرات نہیں بلکہ یہی چار افراد ہیں۔

اہل تشیع کی دلیل یہ ہے کہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی تھی۔۔۔ تو نبی اکرم ﷺ

نے انہی چار افراد کو ایک چادر میں لے کر فرمایا:

اَللّٰھُمَّ ھٰؤُلَاءِ اَھْلَ بَیْتِیْ

میرے مولا! یہ بھی میرے اہل بیت ہیں۔

ایک روایت اسی سے ملتی جلتی اہل سنت کی حدیث کی کتاب ترمذی میں بھی موجود ہے کہ

یہ آیت إِنَّمَا يُرِيدُ اللهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر نازل ہوئی تھی۔۔۔ تو آپ نے سیدہ فاطمہ اور حسنین کریمین رضی اللہ عنہم کو بلایا اور انہیں ایک چادر میں لے لیا۔۔۔ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پشت مبارک کے پیچھے تھے انہیں بھی چادر میں لے لیا پھر فرمایا:

اَللّٰھُمَّ ھٰؤُلَاءِ اَھْلَ بَیْتِیْ۔۔۔ اے اللہ یہ بھی میرے اہل بیت ہیں۔۔۔ اس موقع پر سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا:

وَاَنَا مَعَھُمْ۔۔۔ میں بھی ان میں سے ہوں؟ تو آپ نے جواب میں فرمایا:

اَنْتِ عَلٰی مَکَانِکِ وَاَنْتِ عَلٰی خَیْرٍ

تم اپنی جگہ پر ہو اور تم بہتری پر ہو۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کے راویوں میں شہر بن حوشب اور محمد بن سلیمان اصبہانی کا ذکر کیا ہے۔۔۔ اسماء الرجال کے علماء نے اور محدثین نے انہیں غیر ثقہ قرار دیا ہے۔

شہر بن حوشب کے متعلق حاتم سے پوچھا گیا کہ اس کی بیان کردہ حدیث سے دلیل پکڑی جا سکتی ہے؟ تو حاتم نے انکار کیا۔

وَرَاٰہُ کَثِیْرٌ مِّنَ الْعُلَمَاءِ اَنَّہٗ لَیْسَ بِحُجَّۃٍ

اکثر علماء کے نزدیک یہ قابل سند اور حجت نہیں ہے۔

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کساء کا جو ذکر ہوا۔۔۔۔۔۔اس میں راوی عطیہ اور عبداللہ بن عبدالقدوس ہیں۔

عطیہ کے بارے میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

هُوَ ضَعِيْفُ الْحَدِيْثِ

عطیہ۔۔۔کلبی کے ہاں جاتا۔۔۔ اس نے کلبی کی کینیت ابوسعید رکھ رکھی تھی۔۔۔وہ کلبی سے لی ہوئی روایات کو ابوسعید کے حوالے سے بیان کرتا اور کلبی کذّاب کا نام نہ لیتا تاکہ لوگ دھوکے میں مبتلا ہوں اور ابوسعید کے نام سے وہ اسے ابوسعید خدری سمجھ لیں۔

علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

كَانَ بِالْكُوْفَةِ كَذَّابَانِ اَحَدُهُمَا كَلْبِيْ

کوفہ میں دو کذّاب تھے ان میں سے ایک کلبی ہے۔

جرح وتعدیل کے تمام علماء نے کلبی کو مردود قرار دیا ہے۔

جو روایت چارتن کے اہل بیت ہونے کے لیے حدیث کساء کے نام سے پیش کی جاتی ہے اس کی سند تو ذرا دیکھو اور غور کرو۔

عطیّۃ عن ابی سعید عن ام سلمہ

اس سند میں عطیہ کا موجود ہونا ہی اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ اس روایت کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

اب ذرا دوسرے راوی عبداللہ بن عبدالقدوس کے بارے میں بھی محدثین کی رائے اور تبصرہ سن لیں۔

علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

قَالَ ابْنُ مُعِيْنٍ لَيْسَ بِشَيْءٍ رَافِضِيٌّ خَبِيْثٌ

عبداللہ بن عبدالقدوس کی کوئی اصلیت اور حقیقت نہیں یہ خبیث رافضی ہے۔

یاد رکھیے! آیت تطہیر کے سلسلہ میں چارتن کو چادر میں لے کر اَللّٰھُمَّ ھٰؤُلَاءِ اَھْلَ بَیْتِیْ فرمانے کی جتنی روایات کتب حدیث میں آئی ہیں ان میں سے کسی ایک روایت کی سند بھی صحیح نہیں ہے۔۔۔ تقریباً ہر سند پر بحث ہے۔۔۔ اس کے کسی نہ کسی راوی کو محدثین نے غیر صادق کہا ہے۔۔۔ کسی کو کذاب کہا ہے۔۔۔ کسی کو لَیْسَ بِشَیْءٍ کہا ہے۔۔۔ اور کسی پر رافضی کا دھبہ لگا ہوا ہے۔۔۔ ان راویوں میں متروک الحدیث ہے۔۔۔ کسی کے بارے میں محدثین نے کہا۔۔۔ کَانَ یَضَعُ الْحَدِیْثَ۔۔۔ حدیثیں کھڑا کرتا تھا۔۔۔ کسی کے بارے میں کہا۔۔۔ کَانَ یَغْلُوْا فِی الرِّفْضِ۔۔۔ رفض میں غالی تھا۔

بڑے افسوس کی بات ہے کہ من گھڑت اور موضوع اور کمزور روایات کو سینے سے لگا کر۔۔۔ چارتن ہی کو اہل بیت منوانے۔۔۔ اور سورت الاحزاب کی آیت تطہیر کا مصداق ٹھہرانے کی کوشش کی گئی۔۔۔ اور آیت تطہیر کے سیاق وسباق کو نظر انداز کر دیا گیا۔

آیت تطہیر کے سیاق وسباق کو پڑھیے اور غور سے پڑھیے۔۔۔ اور انصاف سے فیصلہ کیجیے! کہ آیت تطہیر کا مصداق ازواجِ مطہرات کے سوا کوئی اور ہوسکتا ہے؟

میں ایک منٹ کے لیے تسلیم کرلوں۔۔۔ کہ حدیث کساء صحیح روایت ہے۔۔۔ اور اس کے تمام تر راوی انتہائی مضبوط اور صادق ہیں اور ان پر کوئی جرح نہیں ہے۔۔۔ تب بھی وہ قرآن کے واضح مفہوم اور کھلی تعبیر کے لیے ناسخ نہیں ہوسکتی۔۔۔ اور ایسا بھی نہیں ہوسکتا کہ حدیث کو مدنظر رکھ کر۔۔۔ قرآن کی قطعی نص کو پس پشت ڈال دیا جائے اور قرآن کے واضح اور کھلے مفہوم کو بدل دیا جائے۔

ایک اور بات اگر ایک لمحہ کے لیے ہم اس حدیث کساء کو صحیح مان لیں تو اس سے یہ کہاں اور کس طرح ثابت ہوگیا کہ ازواجِ مطہرات اہل بیت میں شامل نہیں ہیں؟

کیا اَللّٰھُمَّ ھٰؤُلَاءِ اَھْلَ بَیْتِیْ حصر کے لیے ہے۔۔۔؟ کہ اس کا ترجمہ تم نے یہ

کیا۔۔۔''یہی میرے اہل بیت ہیں۔'' اوران کے سوادوسرا کوئی اہل بیت نہیں ہے۔

اس حدیث سے تو اتنی بات ثابت ہوتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے دعا مانگی کہ یااللہ! یہ بھی میرے اہل بیت ہیں۔۔۔لہٰذاان کو بھی پاک کردے۔

ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو چادر میں نہ لینے کی وجہ خوداس روایت میں موجود ہے۔۔۔یعنی تم اپنی جگہ پر رہو تم اس سے بہتر اور اچھی حالت میں ہو۔۔۔یعنی تم یقیناً اہل بیت کا مصداق ہو۔۔۔آیت تطہیر میں تمہارا ہی ذکر ہے۔۔۔اس لیے تمہیں چادر میں لینے کی اور تمہارے لیے دعا مانگنے کی کیا ضرورت ہے؟

ایک بات بڑی غور طلب ہے۔۔۔ باریک بینی سے دیکھنے کی ضرورت ہے۔۔۔کہ اگر چارتن آیت تطہیر کا مصداق ہوتے اور یہی لوگ اہل بیت سے مراد ہوتے تو پھر نبی اکرم ﷺ ان کے لیے اَللّٰھُمَّ ھٰؤُلَاءِ اَھْلَ بَیْتِیْ کہہ کر دعا کیوں مانگتے؟

کیا اللہ رب العزت کو معلوم نہیں تھا کہ نبی اکریم ﷺ کے اہل بیت کون ہیں۔۔۔؟ نبی اکرم ﷺ کو بتانا پڑا کہ یہ حضرات میرے اہل بیت ہیں۔

حدیث کساء بول بول کر ثابت کر رہی ہے کہ یہ چاروں ہستیاں اہل بیت میں شامل نہیں تھیں نبی اکرم ﷺ نے دعا مانگ کر انہیں اہل بیت میں شامل فرمایا۔

اسی بنا پر ہم کہتے ہیں کہ آیت تطہیر کی حقیقی مصداق اور مراد ازواجِ مطہرات ہیں۔۔۔اہل بیت کا سب سے پہلا مصداق نبی اکرم ﷺ کی بیویاں ہیں۔۔۔ پھر تبعاً، مجازاً اور عرفاً دوسرے رشتے دار، داماد، بیٹیاں اور نواسے بھی اہل بیت میں شامل ہیں۔

مگر افضیت سے متاثر لوگوں نے۔۔۔اہل بیت کی حقیقی مصداق ازواجِ نبی کو اہل بیت میں شمار کرنے سے انکار کر دیا اور بعد میں آنے والے۔۔۔ائمہ کو اہل بیت نبی کا مصداق بنا دیا۔۔۔کیا بعد میں آنے والے ائمہ کو بھی نبی اکرم ﷺ نے چادر میں لیا تھا؟

پھر ہمارے عالمی مبلغ نے ضرورت محسوس کی کہ ایک کتاب۔۔۔ بلکہ ایسی کتاب

شائع ہونی چاہیے جس میں اہل سنت کے مسلک سے ہٹ کر اہل تشیع کے نظریات کی مکمل تائید ہو۔۔۔اور اہل تشیع کے اماموں کو (یہ سب امام ہمارے لیے قابل احترام ہیں، ان میں سے ہر ایک علم کا بحر بیکراں تھا، انتہائی بے غرض، متقی اور دین کا خدمت گار تھا) اہل بیت کا مصداق بنا دیا جائے۔

اگر میں اس روایت کو صحیح مان لوں تو زیادہ سے زیادہ اس کا مفہوم صرف اتنا ہی بن سکتا ہے کہ یہ حضرات بھی میرے اہل بیت میں شامل ہیں۔

نبی اکرم ﷺ نے کچھ ایسے افراد کو بھی۔۔۔جن کے ساتھ نسبی رشتہ تک نہیں تھا۔۔۔انہیں اہل بیت کہا۔۔۔سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے ساتھ امام الانبیاء ﷺ کا کون سا نسبی رشتہ تھا۔۔۔؟ کون سی برادری یا رشتہ داری تھی۔۔۔؟ کہ آپ نے نہیں فرمایا:

سَلْمَانُ مِنَّا اَهْلَ الْبَيْتِ (مستدرک حاکم 691/3 بیروت)

سلمان ہمارے اہل بیت میں سے ہے۔

ایک موقع پر سیدنا واثلہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

وَاَنَا مِنْ اَهْلِكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ

کیا میں آپ کے اہل میں ہوں؟

آپ نے جواب میں فرمایا:

وَاَنْتَ مِنْ اَهْلِيْ

تم میرے اہل میں سے ہو۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے الاصابہ میں ایک واقعہ نقل فرمایا ہے۔۔۔کہ سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ گھوڑے پر سوار تھے۔۔۔سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما آئے اور بطور تعظیم و اکرام رکاب تھام لی۔۔۔سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے انہیں روکا۔۔۔تو سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا۔۔۔ہمیں علماء کے ساتھ ادب واحترام سے پیش آنے کا

حکم دیا گیا ہے۔

یہ سن کر سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

هٰكَذَا اُمِرْنَا اَنْ نَّفْعَلَ بِاَهْلِ بَيْتِ نَبِيِّنَا

(الاصابہ تحت ذکر عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما)

ہمیں بھی اپنے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت کے ساتھ سی طرح تعظیم اور ادب سے پیش آنے کا حکم دیا گیا ہے۔

ایک اعتراض کا جواب آیت تطہیر سے ازواجِ مطہرات مراد لینے پر جن لوگوں کو اعتراض ہے وہ ایک بات کہتے ہیں۔۔۔ جو بات عام لوگوں کے دل و دماغ کو اپیل کرتی ہے کہ۔۔۔ سورت الاحزاب کی آیت نمبر 28 سے لے کر آیت نمبر 34 تک جہاں ازواجِ مطہرات کا تذکرہ تھا وہاں تمام ضمیریں جمع مؤنث کی ہیں۔۔۔ مگر آیت تطہیر کے آخری حصے میں دو بار۔۔۔ عَنْكُمْ۔۔۔ اور يُطَهِّرَكُمْ۔۔۔ جمع مذکر کی ضمیریں استعمال ہوئی ہیں۔۔۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ اگر اس سے بھی ازواجِ مطہرات مراد ہوتیں تو ماقبل کی طرح یہاں بھی ضمیریں جمع مؤنث حاضر کی استعمال ہوتیں۔

یاد رکھیے! اَہل کا لفظ چونکہ مذکر ہے اس لیے باعتبار لفظ اس کے لیے مذکر کی ضمیر استعمال ہوتی ہے۔۔۔ اگرچہ اس سے مراد صرف ایک بیوی ہی کیوں نہ ہو۔۔۔ ضمیر جمع مذکر ہی کی آئے گی۔۔۔ تقریباً تمام مفسرین نے یہی بات کہی ہے۔

تفسیر قرطبی میں ہے:

وَقَالَ عَنْكُمْ لِقَوْلِهٖ اَهْلَ فَالْاَهْلُ مُذَكَّرٌ (قرطبی $\frac{183}{14}$)

لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ۔۔۔ میں عَنْكُمْ۔۔۔ ضمیر مذکر لانے کی وجہ لفظ اہل ہے اور اہل مذکر ہے۔

امام فخر الدین رازی نے اور علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہما نے بھی روح المعانی میں یہی

بات تحریر فرمائی ہے۔

آپ قرآن وحدیث کو بغور پڑھیں۔۔۔لفظ اہل کی مناسبت اور رعایت سے اور باعتبار لفظ۔۔اس کے لیے مذکر کی ضمیریں اور جمع مذکر کے صیغوں کی بہت سی مثالیں آپ کو مل جائیں گی۔

چند ایک مثالیں میں آپ حضرات کے سامنے پیش کر دیتا ہوں۔۔۔جس سے دونوں مسئلے واضح ہو جائیں گے۔۔۔ایک یہ کہ اہل کے لفظ کا اعتبار کر کے اس کے لیے مذکر کے صیغے اور ضمیریں استعمال ہوتی ہیں۔۔۔اور دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اہل بیت کا حقیقی مصداق گھر والی یعنی بیوی ہوتی ہے۔

سورۃ ہود میں ہے۔۔۔۔فرشتے انسانی اور بشری لباس میں جد الانبیاء سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے گھر آئے ہیں۔۔۔انہوں نے مہمان سمجھ کر ایک بچھڑا بھون کر اور تل کر ان کے سامنے رکھا۔۔۔وہ نوری تھے جو بشری لبادہ اوڑھ کر آئے تھے۔۔۔انہوں نے کھانے کی طرف ہاتھ نہیں پھیلائے کیونکہ وہ فرشتے تھے اور نوری تھے۔۔اور نوری بشر کا لبادہ اوڑھ لے پھر بھی نہیں کھاتا۔۔۔اور جو محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھاتے بھی ہوں اور پیتے بھی ہوں وہ ظاہر اور باطن کے اعتبار سے بشر ہی ہوں گے۔۔۔اگر آپ کی حقیقت بھی نور ہوتی اور بشریت کا صرف لبادہ اوڑھا ہوتا تو آپ بھی کھانے اور پینے کے محتاج نہ ہوتے۔

اور اس واقعہ سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام جد الانبیاء ہیں۔۔۔۔انبیاء کرام علیہم السلام کی جماعت میں ان کا امتیازی مقام ہے۔۔۔مگر وہ عالم الغیب اور عالم ما کان وما یکون نہیں تھے۔۔۔انہیں تو اپنے سامنے بیٹھے ہوئے مہمانوں کی حقیقت کا بھی پتہ نہ چل سکا۔۔۔اگر انہیں معلوم ہوتا کہ آنے والے مہمان۔۔۔انسان نہیں بلکہ فرشتے ہیں تو وہ کبھی ان کے لیے طعام تیار نہ کرتے۔

اور اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ باہر بیٹھے ہوئے ملائکہ کے سردار جبریل امین

بھی عالم الغیب نہیں ہیں۔۔۔اگر انہیں معلوم ہوتا کہ گھر کے اندر سیدنا ابراہیم علیہ السلام ہمارے کھانے پینے کے انتظامات میں مصروف ہیں۔۔۔تو وہ انہیں اس سے روک دیتے کہ آپ کس چکر میں مصروف ہو گئے ہیں۔۔۔ہم انسان نہیں بلکہ فرشتے ہیں اور کھانے پینے کے محتاج نہیں ہیں۔

فرشتوں نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے کی خوشخبری سنائی۔۔۔تو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی بیوی نے اس خوشخبری پر تعجب کا اظہار کیا کہ کیا میں بچہ جنوں گی۔۔۔؟ میں ایک بڑھیا اور میرا خاوند بھی بہت بوڑھا۔

سیدہ سارہ کے تعجب کرنے پر فرشتوں نے۔۔۔سیدہ سارہ کو خطاب کرتے ہوئے کہا:

أَتَعْجَبِينَ مِنْ أَمْرِ اللهِ رَحْمَتُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ

(ہود 73)

کیا تم اللہ کے حکم پر تعجب کرتی ہو (یہاں أَتَعْجَبِينَ مؤنث حاضر کا صیغہ ہے۔۔۔آگے فرشتے کہہ رہے ہیں) اللہ کی رحمت اور برکت ہو تم پر گھر والو۔

اب یہاں جب خطاب کرتے ہوئے۔۔۔اہل البیت۔۔۔کے الفاظ آئے تو ضمیر مذکر عَلَيْكُمْ لائی گئی۔

سامعین گرامی قدر! آپ انصاف سے فیصلہ کریں یہاں فرشتے اہل بیت کے لفظ سے خطاب کس کو کر رہے ہیں۔۔۔؟

ایک ہی جواب ہے کہ فرشتوں کی مخاطب صرف اور صرف سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی بیوی ہیں۔۔۔صرف سیدہ سارہ ہیں۔۔۔جن کی ابھی تک کوئی اولاد نہیں تھی۔۔۔جن کی کوئی بیٹی نہیں تھی۔۔۔جن کا کوئی داماد نہیں تھا۔۔۔جن کے کوئی نواسے نہیں تھے۔۔۔اور فرشتے اکیلی بیوی کو اہل بیت کہہ رہے ہیں۔۔۔تو ثابت ہوا کہ اہل بیت کا حقیقی مصداق

بیوی ہی ہے۔

قرآن سے ایک مثال اور پیش کرتا ہوں۔۔۔ذرا سنیے!

سیدنا موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام اپنی اہلیہ کے ہمراہ مدین سے مصر آ رہے ہیں۔۔۔مصر کا راستہ بھول گئے۔۔۔سردی کا موسم۔۔۔بیوی دردِزہ میں مبتلا۔۔۔انہوں نے دیکھا کہ کچھ دور آگ روشن ہے۔۔۔قرآن نے سورت طٰہٰ میں اس کا تذکرہ کیا۔۔۔ذرا اسے سماعت فرمایئے!

إِذْ رَأَىٰ نَارًا فَقَالَ لِأَهْلِهِ امْكُثُوا إِنِّي آنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّي آتِيكُم مِّنْهَا بِقَبَسٍ أَوْ أَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى (طٰہٰ 10)

سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اپنی بیوی سے کہا تم ٹھہرو میں نے آگ دیکھی ہے ہوسکتا ہے میں وہاں سے ایک انگارہ لے آؤں (تاکہ ہم آگ روشن کر کے سینکیں اور سردی دور کریں اور اگر انگارہ لانے میں کامیاب نہ ہوسکا) تو وہاں کسی سے مصر کا راستہ پوچھ لوں گا۔

یہاں سے کتنے مسئلے سمجھ آئے۔۔۔؟ سیدنا موسیٰ علیہ السلام عالم الغیب نہیں تھے ورنہ مصر کا راستہ کبھی نہ بھولتے۔۔۔جو گھر کا راستہ بھول جائے وہ عالم الغیب کیسے ہوسکتا ہے۔۔۔؟ سیدنا موسیٰ علیہ السلام عالم الغیب ہوتے تو رب کی تجلی کو آگ نہ سمجھتے۔

دوسری بات یہ سمجھ آئی کہ آدمی کی بیوی ہی حقیقت میں اہل ہے۔۔۔یہاں سیدنا موسیٰ علیہ السلام اپنی بیوی ہی کو اہل فرما رہے ہیں۔

اگر کوئی کور مغز کہے یہاں صرف اہل ہے اہل بیت تو نہیں کہا۔۔۔تو اس کا جواب یہ ہے کہ جس جگہ پر سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور ان کی اہلیہ تھے وہاں جنگل تھا۔۔۔اور صرف اہل تھا وہاں بیت یعنی گھر نہیں تھا اس لیے صرف لِأَهْلِهِ کہا۔

قرآن مجید سے ایک دلیل اور سنیے!

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی ولادت پر فرعونیوں کے خوف سے پریشان ہو کر الہامِ باری

کی روشنی میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی ماں نے انہیں ایک صندوق میں بند کر کے سمندر کی لہروں کے حوالے کر دیا۔۔۔ اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی بہن سے کہا کہ کنارے کنارے چلتی رہ اور دیکھتی رہ کہ صندوق کہاں پہنچتا ہے۔۔۔؟ صندوق فرعون کے محل کی دیوار کے ساتھ جا لگا۔۔۔ فرعون کی بیوی محل کی چھت سے یہ منظر دیکھ رہی تھی اس نے صندوق وہاں سے نکلوایا۔۔۔ کھولا۔۔۔ تو دیکھ کر حیران ہوگئی۔۔۔ صندوق میں ایک بچہ بڑا خوبصورت۔۔۔ انگوٹھا چوس رہا ہے۔

دودھ پلانے کے لیے کئی عورتوں کو بلایا گیا مگر موسیٰ علیہ السلام کسی کا دودھ پینے کے لیے تیار نہ ہوئے۔۔۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی بہن یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔۔۔ اس نے کہا:

هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ أَهْلِ بَيْتٍ يَكْفُلُونَهُ لَكُمْ وَهُمْ لَهُ نَاصِحُونَ فَرَدَدْنَاهُ إِلَىٰ أُمِّهِ (القصص 12-13)

کیا میں تمہیں ایسے اہل بیت (گھر والے) بتاؤں جو تمہارے لیے اس بچے کو پالیں اور وہ اس کے خیر خواہ بھی ہوں پھر ہم نے موسیٰ کو اس کی ماں کی طرف پہنچا دیا۔

اس آیت میں اہل بیت کا لفظ عمران کی بیوی (سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی ماں) کے لیے استعمال ہوا ہے۔۔۔ یہاں سے اولاد، بیٹے اور بیٹیاں، داماد اور نواسے مراد نہیں ہیں۔

قرآن مجید سے چند مثالیں آپ نے سن لیں۔۔۔ آیئے اس سلسلہ میں کچھ ارشاداتِ نبوی بھی آپ کو سنادوں کہ معاملہ نور علیٰ نور ہو جائے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے شادی فرمائی۔۔۔ دوسرے دن ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لائے اور کیسے سلام فرمایا:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ (بخاری $\frac{707}{2}$)

گھر والو! تم پر سلامتی ہو۔

یہاں عَلَيْكُمْ۔۔۔ جمع مذکر کی ضمیر استعمال ہوئی ہے۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے متعلق پوچھا تو کیا لفظ استعمال کیے۔۔۔؟ کہا:

كَيْفَ وَجَدْتَ اَهْلَكَ

آپ نے اپنی اہلیہ کو کیسے پایا؟

پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر بیوی کے ہاں تشریف لے گئے اور انہی لفظوں سے ہر ایک کو سلام فرمایا۔۔۔اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ

(بخاری، کتاب التفسیر، تفسیر سورۃ الاحزاب $\frac{707}{2}$)

ایک حوالہ اہل تشیع کی مشہور کتاب ''حیات القلوب'' سے بھی سن لیجیے۔۔۔ یہ گیارہویں صدی کے اہل تشیع کے معتبر ترین عالم ملا باقر مجلسی کی تصنیف ہے۔۔۔وہ تحریر کرتے ہیں:

کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو سلام کرتے ہوئے کہتے تھے۔۔اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ اے میری اہل بیت تم پر سلام ہو۔ (حیات القلوب $\frac{188}{2}$)

سامعین گرامی قدر! میری گفتگو کا خلاصہ اور نچوڑ یہ نکلا کہ آیت تطہیر میں اہل بیت سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر کے سوا کوئی اور گھر مراد نہیں ہوسکتا۔۔۔اور یہاں اہل سے مراد ازواجِ مطہرات کے سوا کوئی دوسرا مراد نہیں لیا جاسکتا۔

آیت تطہیر کے بعد جو آیت کریمہ ہے اس میں فرمایا گیا:

وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِي بُيُوتِكُنَّ (الاحزاب 34)

جو تمہارے بیوت (گھروں) میں آیات پڑھی جاتی ہیں انہیں یاد رکھو۔

یہاں بیوت سے مراد کن کے گھر ہیں۔۔۔؟ ازواجِ مطہرات ہی کے گھر مراد ہیں۔

اگر کسی ضدی شخص کی اتنے دلائل کے بعد بھی تسلی نہیں ہوئی تو ایک اور آیت کریمہ

سنیے!

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ

اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں اس وقت تک داخل نہ ہو جب تک کہ تمہیں اجازت نہ ملے۔

اس آیت میں نبی اکرم ﷺ کے گھروں میں بغیر اجازت داخل ہونے کی ممانعت فرمائی۔۔۔اور اسی آیت میں آگے جا کر فرمایا:

وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَاسْأَلُوهُنَّ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ (الاحزاب 53)

اور جب تم مانگنے جاؤں بیویوں (ازواجِ مطہرات) سے کوئی کام کی چیز تو پردے کے باہر سے مانگو۔

اس آیت نے روزِ روشن کی طرح اس حقیقت کو واضح کر دیا۔۔۔۔کہ جو گھر نبی اکرم ﷺ کا ہے وہی گھر ازواجِ مطہرات کا ہے۔۔۔لہٰذا اس حقیقت کو تسلیم کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ اہل بیت نبی سے مراد ازواجِ مطہرات کے سوا دوسرا کوئی نہیں ہو سکتا۔

مگر برا ہو حسد اور ہٹ دھرمی اور ضد وعناد کا۔۔۔کہ سبائیوں نے قرآن کی آیت تطہیر میں معنوی تحریف کی مذموم کوشش کی اس کے لیے۔۔۔ایک موضوع روایت مشہور کی گئی اور اسے چادر تطہیر قرار دیا گیا۔

پھر ان چار شخصیات میں سے سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی اولاد کو اہل بیت سے خارج کیا گیا (شاید اس لیے کہ انہوں نے خلافت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دی تھی)

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ بھی تو چادر تطہیر کے نیچے آئے تھے۔۔۔مگر کیا سبب ہے کہ چھوٹے بھائی سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے صرف ایک بیٹے کی اولاد اہل بیت میں شامل سمجھی گئی اور بڑے بھائی سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی پوری اولاد کو اہل بیت نبی میں شمار نہیں کیا گیا؟

پھر زیادتی اور ظلم دیکھیے کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ چادر تطہیر کے نیچے آئے تو ان کے بیٹے

کی ذریّت اور نسل میں سے نو شخصیات کو ائمہ کا درجہ دے کر۔۔۔۔۔ان کے اسماء گرامی اہل بیت نبی میں شمار کیے گئے (عالمی مبلغ مولانا طارق جمیل صاحب نے گلدستۂ اہل بیت کے نام سے جو کتاب اپنی نگرانی میں اور اپنی دلی خواہش سے مرتب فرمائی۔۔۔اس میں بھی سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے فرزند ارجمند سیدنا زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی اولاد میں صرف نو شخصیات کو اہل بیت نبی قرار دیا گیا)

میرا سوال یہ ہے۔۔۔ مجھے کوئی مطمئن کرے کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی بیٹیاں اور ان کی اولاد اہل بیت میں شمار کیوں نہیں سمجھی جاتی۔۔۔؟ اس لیے کہ ان کی شادیاں دوسرے خاندانوں میں ہوئیں۔۔۔ اس لیے کہ ان کی شادیاں بنوامیہ میں ہوئیں۔۔۔ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی بیٹی فاطمہ کا پہلا نکاح حسن بن حسن مثنیٰ سے ہوا۔۔۔پھر ان کا نکاح سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پوتے عبداللہ بن عمرو بن عثمان کے ساتھ ہوا۔۔۔جس سے اللہ نے انہیں دو لڑکے قاسم اور محمد عطا کیے اور ایک بیٹی رقیہ مرحمت فرمائی۔۔۔ اب تم سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی ذریّت اور نسل کو کیسے اہل بیت مان سکتے ہو؟

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی دوسری بیٹی سکینہ کا آخری نکاح سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پوتے زید بن عمرو بن عثمان کے ساتھ ہوا۔

پھر تعجب ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی چادر تطہیر میں شریک اور شامل تھیں۔۔۔تو سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد کی طرح۔۔۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد کو اہل بیت میں شامل کیوں نہیں سمجھا جاتا؟

صرف اس لیے کہ ان کی ایک بیٹی کا نکاح سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے ہوا۔۔۔ اب ان کی اولاد اہل بیت میں کیسے سمجھی جائے؟

دوسری بیٹی سیدہ زینب بنت علی رضی اللہ عنہا کا نکاح سیدنا عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما سے ہوا۔۔۔اب ان کی اولاد اہل بیت کیسے ہو سکتی ہے؟

چادر تطہیر کا جو اثر سیدنا حسین رضی اللہ عنہ پر مرتب ہوا کہ ان کی اولاد میں نو شخصیات اہل بیت ہونے کے شرف سے مالا مال ہوئیں۔۔۔ پھر اس چادر تطہیر کا یہی اثر سیدہ فاطمہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہما پر کیوں نہیں ہوا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی باقی اولاد بھی۔۔۔ اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ساری اولاد بھی اہل بیت نبی ہونے کا شرف پا سکتی؟

سبائیوں نے۔۔۔ ازواجِ مطہرات کو آیت تطہیر سے باہر نکالنے کے لیے اور انہیں اہل بیت سے خارج کرنے کے لیے حدیث کساء اور چادر تطہیر کی کہانی بنائی۔

وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے۔۔۔ اہل سنت کی اکثریت یہی راگ الاپنے لگی۔۔۔ تو انہوں نے ایک قدم آگے بڑھ کر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی دونوں بیٹیوں کو اور ان کی اولاد کو بھی چادر تطہیر کے اثر سے باہر کر دیا۔۔۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی غیر فاطمی اولاد کو بھی اہل بیت سے باہر نکال دیا۔۔۔ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی دختری اولاد۔۔۔ اور ان کی اولاد کو بھی اہل بیت سے باہر نکال دیا۔

یہ کیسی عجیب اور نرالی چادر تھی جس کے نیچے آنے والی شخصیات میں سے صرف ایک شخصیت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے صرف ایک بیٹے زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں صرف نو شخصیات ہی اہل بیت میں شامل ہوئیں۔

آلِ رسول

اہل بیت کی طرح آلِ رسول کی اصطلاح بھی چار شخصیات کے ساتھ مخصوص کر دی گئی۔۔۔ جونہی آلِ رسول کا لفظ بولا جاتا ہے۔۔۔ اہل سنت کہلانے والوں کی اکثریت کا ذہن فوراً انہی چار شخصیات کی طرف جاتا ہے۔

سبائی حضرات نے ایسا زہریلا اور منظم پروپیگنڈا کیا کہ الامان والحفیظ۔۔۔!

نماز کے اندر ہر مسلمان التحیات میں درود پڑھتے ہوئے اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ پڑھتا ہے۔۔۔ اس لیے سبائیوں نے پوری قوت اور طاقت اس بات کے منوانے پر خرچ کی کہ آلِ محمد کا تصور صرف چند مخصوص افراد میں محدود ہو کر رہ جائے۔۔۔ اور

وہ تمام ہستیاں اس سے باہر ہو جائیں جن کو سبائی اور سبائی نواز حضرات باہر رکھنا اپنے ایمان کا حصہ سمجھتے ہیں۔

غرضیکہ نبی اکرم ﷺ کے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم۔۔۔تابعین۔۔۔اور تبع تابعین۔۔۔ ازواجِ مطہرات۔۔۔میرے نبی ﷺ کی تین بیٹیاں۔۔۔اوران کی اولاد۔۔۔میرے نبی ﷺ کے دو داماد۔۔۔اور قیامت تک آنے والے علماء اور امت کے صلحاء۔۔۔اس دعائے رحمت اور صلوٰۃ سے محروم ہیں۔

آیئے! ہم قرآن وحدیث کے آئینے میں دیکھتے ہیں کہ آل نبی سے حقیقی مراد کون لوگ ہیں۔۔۔؟ مگر اس سے پہلے آپ کو بتا تا چلوں کہ لغت کی تمام کتب نے لکھا ہے:

آدمی کے اہل وعیال یعنی گھر والے اس کی آل میں شامل ہیں۔۔۔اٰلُ اللہِ وَاٰلُ رَسُوْلِہٖ اَوْلِیَائُہٗ (لسان العرب 30/11)

اللہ کی آل اور رسول مکرم ﷺ کی آل ان کے دوستوں کو کہا جاتا ہے۔

کبھی کبھی آل سے مراد اس شخص کی اپنی ذات اور شخصیت بھی ہوتی ہے۔۔۔

قرآن نے ایک جگہ پر فرمایا:

أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوسٰى وَاٰلُ هَارُونَ (البقرہ 248)

اس صندوق میں تمہارے رب کی طرف سے سامانِ تسکین ہے اور موسیٰ اور ہارون کی آل کے بقیہ متروکات ہیں۔

اس آیت میں آلِ موسیٰ اور آلِ ہارون سے ان کی اپنی ذات اور شخصیت مراد ہے۔۔۔ان کی اولاد مراد نہیں ہوسکتی کیونکہ سیدنا موسیٰ اور سیدنا ہارون علیہما السلام کی اولاد کے متروکات ثابت نہیں کیے جاسکتے۔

لسان العرب میں ابن منظور افریقی نے آل کے معنی میں اَھْلَہٗ وَعَیَالَہٗ۔۔۔

اس کے بال بچوں کا اور اس کے گھر کے بقیہ افراد کا ذکر کیا۔

لغت کے علماء اس بات پر متفق ہیں کہ آل سے مراد متبع اور پیروکار ہوتے ہیں۔۔۔آل کا لفظ اس معنی میں قرآن میں کئی جگہوں پر استعمال ہوا ہے۔

قرآن میں تقریباً چودہ مرتبہ آلِ فرعون۔۔۔پیروکار، مددگار اور متبع کے معنی میں آیا ہے۔

وَإِذْ نَجَّيْنَاكُمْ مِنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ (البقرہ 49)۔۔۔وَأَغْرَقْنَا اٰلَ فِرْعَوْنَ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ (البقرہ 50)

ہم نے تمہیں آلِ فرعون سے نجات عطا کی۔۔۔ہم نے آلِ فرعون کو غرق کر دیا۔

فرعون کے ہاں تو اولاد ہی نہیں تھی۔۔۔نہ اس کی بیٹی نہ داماد اور نہ نواسہ۔۔۔پھر آلِ فرعون کس مفہوم میں کہا جا رہا ہے۔۔۔؟ ہمیں بھی بتاؤ اور سمجھاؤ۔۔۔! یہی معنی کرو گے۔۔۔؟ فرعون کے پیروکار، فرعون کے فرمانبردار۔۔۔فرعون کی بات ماننے والے۔۔۔ تو پھر آلِ محمد سے مراد بھی محمد عربی ﷺ کے متبعین اور پیروکار ہوں گے۔

آل سے مراد بیوی ہاں آل الرجل سے مراد آدمی کی بیوی لی جا سکتی ہے۔۔۔ اور قرآن حدیث میں اس کی تائید بھی موجود ہے۔۔۔قرآن نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے تذکرے میں فرمایا۔۔۔جب ان کی والدہ نے انہیں صندوق میں ڈال کر سمندر کی لہروں کے حوالے کیا اور فرعون کی بیوی آسیہ نے انہیں وہاں سے نکالا:

فَالْتَقَطَهٗ اٰلُ فِرْعَوْنَ (القصص 8)

پھر اٹھا لیا موسیٰ کو فرعون کی آل نے۔

یہاں آلِ فرعون سے مراد فرعون کی بیوی آسیہ ہے۔

سیدنا لوط علیہ السلام کے ہاں فرشتے پہنچے۔۔۔اس سے پہلے وہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے ہاں بیٹے کی خوشخبری لے کر پہنچے تھے۔۔۔سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے پوچھنے پر کہ کس مہم پر

ہو۔۔۔؟ فرشتوں نے کہا ہم مجرم قوم پر عذاب کا حکم لے کر جا رہے ہیں۔۔۔ انہیں تباہی وہلاکت کے گھاٹ اتارنا ہے۔

إِلَّا آلَ لُوطٍ إِنَّا لَمُنَجُّوهُمْ أَجْمَعِينَ إِلَّا امْرَأَتَهُ (الحجر 59)

مگر لوط کی آل ہم ان کو بچالیں گے مگر ان کی بیوی (وہ عذاب کے شکنجے میں آئے گی)

استدلال میرا یہ ہے کہ بیوی آل میں شامل ہے۔۔۔ اگر بیوی آل میں شامل نہ ہوتی تو إِلَّا امْرَأَتَهُ۔۔۔ استثنیٰ صحیح نہیں بنتا۔

آیئے ایک دو حوالے حدیث سے بھی پیش کرتا ہوں تاکہ معاملہ نور علیٰ نور ہو جائے۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا مانگتے ہوئے کہا:

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ رِزْقَ اٰلِ مُحَمَّدٍ قُوْتًا (مسلم، کتاب الزہد)

اے اللہ! محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آل کو بقدر کفایت روزی دے۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

اِنَّا كُنَّا اٰلِ مُحَمَّدٍ ﷺ لَنَمْكُثُ شَهْرًا ما نَسْتَوْقِدُ بِنَارٍ اِنْ هُوَ اِلَّا التَّمْرُ وَالْمَاءُ (السنن الکبریٰ للبیہقی 214/2)

ہم آلِ محمد (یعنی ازواجِ نبی) کا حال یہ تھا کہ مہینہ مہینہ ہمارے چولہوں میں آگ نہیں جلتی تھی، ہم صرف کھجور اور پانی پر گزارا کرتے تھے۔

ایک موقع پر بہت سی عورتیں اپنے خاوندوں کی زیادتی اور ناروا سلوک کی شکایت لے کر ازواجِ مطہرات کے ہاں آئیں کہ ہماری شکایت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچائی جائے تاکہ آپ انہیں اپنی بیویوں سے حسن سلوک کی تلقین فرمائیں۔

حدیث کی کتب میں اسے کن الفاظ سے بیان کیا گیا:

فَاَطَافَ بِاٰلِ رَسُوْلِ اللہِ ﷺ نِسَاءٌ کَثِیْرٌ یَشْکُوْنَ اَزْوَاجَھُنَّ

(ابوداؤد $\frac{296}{2}$)

بہت سی عورتیں آل رسول (نبی اکرم ﷺ کی بیویوں) کے ہاں آئیں اور اپنے خاوندوں کی شکایت کرنے لگیں۔

نبی اکرم ﷺ نے لوگوں کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا۔۔۔ذرا سنیے!

لَقَدْ طَافَ بِاٰلِ مُحَمَّدٍ نِسَاءٌ کَثِیْرٌ یَشْکُوْنَ اَزْوَاجَھُنَّ لَیْسَ اُولٰئِكَ بِخِیَارِکُمْ

(ابوداؤد $\frac{296}{2}$ باب فی ضرب النساء)

میری ازواج (آل محمد) کے ہاں بہت سی عورتیں اپنے خاوندوں کے ناروا سلوک کی شکایت کر رہی ہیں، سنو۔۔۔! اپنی بیویوں کو ستانے وا[illegible] ور تنگ کرنیوالے لوگ اچھے لوگ نہیں ہیں۔

(ابوداؤد $\frac{296}{2}$)

ارشاد ہوا۔۔۔خَیْرُکُمْ خَیْرُکُمْ لِاَھْلِہٖ وَاَنَا خَیْرُکُمْ لِاَھْلِیْ

(مشکوٰۃ $\frac{280}{2}$)

تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو اپنی اہل بیت (بیوی) کے ساتھ بہتر سلوک کرتا ہے اور میں تم سب سے اپنے اہل بیت (بیویوں) کے لیے اچھا اور بہتر [illegible] کرنے والا ہوں۔

ایک لمحہ کے لیے رکیے۔۔۔! خاص کر کے اہل سنت کہلانے والے حضرات غور فرمائیں۔۔۔اس حدیث میں اور اس فرمانِ مصطفی میں آلِ رسول اور اہل بیت کن کو کہا گیا ہے۔۔۔؟

اس کے بعد بھی جو شخص اہل بیت اور آلِ رسول کے الفاظ سن کر اسے اولادِ علی کے ساتھ خاص کرتا ہے اور آلِ رسول سے انہی کا تصور اس کے ذہن میں آتا ہے اور دل و دماغ میں آتا ہے۔۔۔تو اپنے بیمار ذہن اور غیر سنجیدہ دماغ اور نیم مردہ دل کا علاج کروائے۔

اگر کسی بیمار ذہن کی ابھی تک تسلی نہیں ہوئی تو ایک دلیل اور حوالہ مزید سنیے!

ازواج مطہرات نے ایک موقع پر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو ایلچی بنا کر خلیفہ وقت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ہاں بھیجنا چاہا کہ مال فے سے اپنا حصہ وارثت وصول کریں۔۔۔ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو پتہ چلا تو انہوں نے باقی ازواج مطہرات کو بتایا کہ اللہ کے نبی وارثت میں مال نہیں چھوڑتے وہ جو کچھ چھوڑ جائیں وہ سب صدقہ ہے۔

اِنَّمَا يَأْكُلُ آلُ مُحَمَّدٍ فِي هٰذَا الْمَالِ فَانْتَهَى أَزْوَاجُ النَّبِيِّ

(بخاری، کتاب المغازی $\frac{576}{2}$)

ہاں محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی آل (بیویاں) اس میں سے کھا سکتی ہیں۔۔۔سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ بات سن کر باقی ازواج مطہرات نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ہاں بھیجنے کا ارادہ ترک کر دیا۔

ایک لحہ کے لیے غور تو فرمایئے۔۔۔! یہاں ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آل محمد کس کو کہہ رہی ہیں۔۔۔؟ اور ہم اور آپ آل محمد کے الفاظ سن کر کیا سمجھتے ہیں۔۔۔؟ ہمارے ذہنوں میں کن شخصیات کا تصور آتا ہے۔۔۔؟ آخر ہم اور ہمارے مبلغ اور ہمارے منبر ومحراب کا وارث طبقہ سبائیوں کے پروپیگنڈے کا اس قدر شکار کیوں ہو گیا ہے۔۔۔؟ ہمارے اسٹیج پر سنی کہلانے والا رافضیت کی ترجمانی کیوں کرتا ہے۔۔۔؟ ہمارے خطیب کے منہ میں بولنے والی زبان رافضیت کی ترجمان کیوں بن گئی ہے۔۔۔؟ ہمارے مصنف کا قلم اہل سنت کے نظریے کے سراسر خلاف کیوں چل رہا ہے۔۔۔؟ وہ زہر کیوں اُگل رہا ہے۔۔۔؟ سنی کہلانے والا اور سنیوں کی جیب سے نذرانے لینے والا ہمارا پیر اور نعت خوان دشمنانِ صحابہ کا وکیل کیوں بن رہا ہے۔۔۔؟ ان کے نظریات کو ہمارے عوام کے سامنے کیوں پھیلا رہا ہے۔۔۔؟

دل خون کے آنسو روتا ہے۔۔۔جب ہم عالمی مبلغ کے خطاب سنتے ہیں۔۔۔

عالمی مبلغ کی لکھوائی ہوئی کتاب ''گلدستۂ اہل بیت'' کا مطالعہ کرتے ہیں۔۔۔کہ یہ سب دشمنانِ اصحابِ رسول کی ترجمانی ہورہی ہے۔۔۔انہی کی بولی بولی جارہی ہے۔۔۔انہی کے انداز میں گفتگو ہورہی ہے۔۔۔۔انہی کے خیالات کا پرچار ہورہا ہے۔۔۔۔اور دشمنانِ صحابہ کی وضع کی ہوئی اصطلاحات کو بلا اجرت دلائل مہیا کیے جارہے ہیں۔

ایک بات غور سے سنیے! ہم یہ نہیں کہتے کہ اہل بیت میں اور آلِ نبی میں اولاد داخل نہیں ہے۔۔۔اولاد آل میں داخل ہے بشرطیکہ وہ مومن ہوں اور متبع اور پیروکار ہوں۔

جب غیر اولاد تابعداری اور فرمانبرداری کرکے آل میں داخل ہوسکتی ہے تو پھر فرمانبردار، مومن اور متبع اولاد تو بطریق اولیٰ آل میں شامل ہے۔۔۔ہاں اگر اولاد غیر صالح اور کافر ہو تو پھر خونی رشتے کے ہونے کے باوجود وہ آل میں شامل نہیں ہوسکتا۔

سیدنا نوح علیہ السلام نے کہا تھا:

اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَهْلِیْ

میرا بیٹا میری آل میں سے ہے۔

اللہ رب العزت نے جواب میں فرمایا:

اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ

تیرا بیٹا تیری آل نہیں ہے۔

اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ

اس لیے کہ اس کے عمل شرکیہ ہیں۔۔۔اس کے عمل اچھے نہیں ہیں۔

دوسری طرف سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ خونی رشتہ نہ ہونے کے باوجود اہل البیت (گھر کے افراد) میں سمجھے گئے۔۔۔۔میں اہل بیت کی بحث میں یہ بات آپ کے گوش گزار کرنا چاہتا ہوں۔۔۔اسے توجہ سے سنیے! کہ اہل بیت کا اولین مصداق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواجِ مطہرات ہی ہیں۔۔۔مگر اس سے ہم انکاری نہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹیاں،

داماد اور نواسے بھی اہل بیت میں شامل ہیں۔

کئی اہل سنت کہلانے والوں تک کا خیال یہ ہے کہ ہم ہر نماز میں جو درودِ ابراہیمی پڑھتے ہیں۔۔۔اس میں آلِ محمد سے مراد چند مخصوص لوگ ہیں۔۔۔خاندانِ علی کے چند افراد۔۔۔سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد میں صرف نو حضرات۔

ہم پوچھنا چاہتے ہیں کہ وہ کون سا جذبہ ہے یا کون سی سازش ہے جو تمام مستحقین صلوٰۃ کو خارج کر کے صلوٰہ کو چند شخصیات تک محدود کرنے پر برانگیختہ کرتا ہے۔

اگر آلِ فرعون۔۔۔آلِ لوط اور آلِ داؤد سے مراد ان کے پیروکار اور متبع ہیں۔۔۔تو پھر آلِ محمد سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیروکار اور متبع مراد لینے سے کون سی آیت اور کون سی حدیث اور کون سی عقل روک سکتی ہے۔۔۔جبکہ قرآن مجید میں جہاں

إِنَّ اللهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ۔۔۔کی آیت آئی ہے اس سے پہلے اسی سورت الاحزاب کی آیت نمبر 43 میں ارشاد ہوا:

هُوَ الَّذِي يُصَلِّي عَلَيْكُمْ وَمَلَائِكَتُهُ لِيُخْرِجَكُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ

وہی اللہ ہے جو تم پر صلوٰۃ (رحمت) بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے بھی تاکہ تمہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لائے۔

سورت البقرہ میں صبر کرنے والوں کے لیے ارشاد ہوا:

أُولَئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِنْ رَبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ (البقرہ 157)

یہی لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے صلوٰۃ (شاباشیں) ہیں اور رحمت ہے۔

قرآن کے ان دونوں مقام سے معلوم ہوا کہ جس طرح اللہ اور اس کے فرشتے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰہ بھیجتے ہیں۔۔۔اسی طرح اللہ اور کے فرشتے مومنین پر بھی صلوٰۃ بھیجتے

ہیں۔

مگر سبائیت کے پروپیگنڈے سے متاثر اہل سنت تک کا خیال یہ ہے کہ صلوٰہ یعنی رحمت الٰہی کو اتنا عام نہ رکھو کہ ہر مومن تک پہنچ جائے۔۔۔ بلکہ اسے چند شخصیات تک محدود رکھو۔۔۔ صرف چند شخصیات کو ہی آلِ رسول سمجھو اور انہی کو صلوٰۃ کا مستحق جانو۔

ایک موقع پر نبی اکرم ﷺ نے آلِ ابی اوفی کے بارے میں دعا مانگتے ہوئے یہ الفاظ ادا فرمائے:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى اٰلِ اَبِيْ اَوْفٰى (فتح الملہم 47 مسلم 346/1)

اے اللہ! ابی اوفی کی آل پر رحمت نازل فرما۔

سامعین گرامی قدر! گفتگو طویل ہو رہی ہے۔۔۔ مگر میری مجبوری ہے کہ آپ حضرات کے سامنے آلِ محمد اور اہل بیت نبی کی وضاحت کروں کہ بڑے نامور لوگوں نے رافضیّت سے متاثر ہو کر۔۔۔ اس معاملہ میں بڑا زہر اُگلا ہے۔۔۔ اور اپنی شہرت اور ناموری کے پردے میں انہوں نے بے شمار سادہ لوح لوگوں کے نظریات پر ڈاکہ ڈالا ہے۔۔۔ اور اہل بیت کے مفہوم کو چند نفوس میں محدود کرنے کے لیے تقریری اور تحریری مذموم کوشش کی ہے۔۔۔ انہوں نے خاندانِ علی کی محبت اور عقیدت میں غلو کرتے ہوئے رافضیّت کے تیار کردہ محل کی تزئین و آرائش میں اپنا حصہ ڈالا ہے۔

عالمی مبلغ کے روپ میں۔۔۔ سادہ لوح اہل سنت کی اپنے ساتھ محبت کا ناجائز فائدہ اٹھایا۔۔۔ کبھی اجمیر چلے جاتے ہیں۔۔۔ اور اس شخص سے دستار بندی کروانے میں فخر محسوس کرتے ہیں جو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو صحابی بھی ماننے کے لیے تیار نہیں اور سوشل میڈیا پر اس شخص نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر تبرا کیا ہے۔

اور کبھی فرماتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اہل تشیع کی طرح ''مولیٰ'' کہنا چاہیے۔۔۔ پھر اہل تشیع کی تحسین کرتے ہیں کہ وہ مولیٰ علی کہتے تو صحیح اور درست کہتے ہیں۔

یا تو عالمی مبلغ کا علم محدود ہے یا تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہیں۔۔۔مولانا کو شاید یہ معلوم نہیں کہ اہل تشیع سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو ''مولیٰ علی'' کس معنی میں کہتے ہیں؟

حضرت۔۔۔!!!!اہل تشیع سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو ''مولیٰ علی'' مشکل کشا اور حاجت روا اور کارساز کے معنی میں کہتے ہیں اور آپ اہل سنت کے منبر پر بیٹھ کر ان کی تائید فرما رہے ہیں اور ان کے ان جملوں کی تصویب فرما رہے ہیں۔

حضرت۔۔۔!!!!اہل تشیع سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو ''مولیٰ علی'' خلیفۂ بلافصل کے معنی میں کہتے ہیں اور آپ اہل سنت عوام کے سامنے ان کی تائید کر رہے ہیں۔

سادہ لوح عوام کو رو، رو کے اور گڑ گڑا کے اللہ کے آگے پیشی اور ایک ایک حرکت کے حساب سے ڈراتے ہوئے کبھی اپنی پیشی اور اپنے بیان اور خطاب کے حساب کے بارے میں بھی فکر کیجیے کہ کتنے لوگوں کے نظریات آپ کے بیانات کی وجہ سے تبدیل ہوئے۔۔۔اور ان کے نظریات اہل سنت والے نظریات نہیں رہے۔

آپ نے ''گلدستۂ اہل بیت'' لکھوا کر کن کے نظریات کو تقویت پہنچائی ہے۔۔؟ کبھی تنہائی میں بیٹھ کر اس پر غور فرمایئے۔

ہم سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی تمام اولاد کے غلام ہیں۔۔۔سیدنا حسن رضی اللہ عنہ ہماری آنکھوں کے نور۔۔۔تو سیدنا حسین رضی اللہ عنہ ہمارے دلوں کے سرور ہیں۔۔۔ان کے قدموں کی خاک ہماری آنکھوں کا سرمہ اور ان کی جوتیاں ہمارے سروں کا تاج ہیں۔۔۔ان کی ادنیٰ سی گستاخی تو توہین ایمان کے لیے خطرہ ہے۔

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد سب کی سب اولاد۔۔۔ہمارے لیے قابل احترام ہیں۔۔۔مگر آپ نے ان میں سے صرف نو کو خاص کر کے اور ان کے حالات تحریر کر کے کس کے نظریے کو ثابت کیا ہے۔۔۔؟ کبھی غور فرمایئے اور سوچیے !۔۔کیا سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد میں صرف یہی نو شخصیات ہیں جن کا تذکرہ ضروری ٹھہرا۔۔۔؟

سیدنا زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ کے چھ بیٹے تھے جن سے ان کا سلسلۂ نسل چلا۔۔۔مگر آپ ان میں سے صرف ایک بیٹے محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ کر کے کس کے نظریے کی تقویت کا باعث بنے۔۔۔؟ کون لوگ ہیں جو محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ کو امامت کے درجے پر فائز سمجھتے ہیں۔۔۔؟ آپ نے بھی وہی بولی بولی۔۔۔کیا سیدنا زین العابدین کے باقی پانچ بیٹے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے پوتے نہیں ہیں۔۔۔؟ ان کا تذکرہ آپ نے کیوں نہیں فرمایا۔۔۔؟

سیدنا جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں اسماعیل، علی، محمد، عبداللہ اقطع اور اسحاق بھی ہیں۔۔۔مگر آپ نے صرف موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ فرمایا۔۔۔آخر کیوں۔۔۔؟ اس لیے کہ مخصوص فرقہ انہیں اپنا امام مانتا ہے اور آپ بھی لاشعوری طور پر ان کے مؤید بنے یا عمداً ان کی تقویت کا باعث بنے۔

حضرت موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ علیہ کے تیئس بیٹے تھے۔۔۔مگر آپ نے اپنی نگرانی میں تحریر کی گئی کتاب ''گلدستۂ اہل بیت'' میں صرف حضرت علی رضا رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر خیر فرمایا۔۔۔آخر کیوں۔۔۔؟ ان کے باقی بائیس بیٹے کیا سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی ذریّت اور نسل میں سے نہیں ہیں۔۔۔؟ وہ اہل بیت سے کیوں خارج کیے گئے۔۔۔؟

مَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبٰی

حم الشوریٰ کی ایک آیت میں سبائیوں نے اور سبائیت سے متاثر علماء نے خوب معنوی تحریف کی ہے۔۔۔انہوں نے اتنا بھی خیال نہیں کیا کہ جو معنی آیت کا ہم کر رہے ہیں۔۔۔اور جو مفہوم آیت کا ہم تحریر کر رہے ہیں اس سے نبوت کا مقدس دامن بھی داغ دار ہوتا ہے اور ان کے تقدس پر حرف آتا ہے۔

عالمی مبلغ کی تحریر کروائی گئی کتاب ''گلدستۂ اہل بیت'' میں بھی انہوں نے اس آیت کا وہی مفہوم بیان کیا جو۔۔۔اہل تشیع اپنے مقصد کے لیے بیان کرتے ہیں۔

پہلے وہ آیت سن لیجیے اور اس کا ترجمہ سن لیجیے:

قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ (الشوریٰ 23)

میرے نبی مکرم ﷺ آپ کہہ دیجیے میں تم سے اس تبلیغ حق پر کوئی اجر نہیں مانگتا مگر محبت اور لحاظ چاہیے قرابت داری میں۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں کیا خوب لکھا۔۔۔اور سمندر کو کوزے میں بند کر دیا۔

یعنی قرآن جیسی دولت تم کو دے رہا ہوں اور ابدی نجات وفلاح کا راستہ بتلاتا اور جنت کی خوشخبری سناتا ہوں، یہ سب محض لوجہ اللہ ہے۔اس خیر خواہی اور احسان کا تم سے کچھ بدلہ نہیں مانگتا،صرف ایک بات چاہتا ہوں کہ تم سے جو میرے نسبی اور خاندانی تعلقات ہیں کم از کم ان کو نظر انداز نہ کرو، آخر تمہارا معاملہ اقارب اور رشتہ داروں کے ساتھ کیا ہوتا ہے۔ بسا اوقات ان کی بے موقع بھی حمایت کرتے ہو،میرا کہنا یہ ہے تم اگر میری بات نہیں مانتے نہ مانو، میرا دین قبول نہیں کرتے، یا میری تائید وحمایت میں کھڑے نہیں ہوتے، نہ سہی۔لیکن کم از کم قرابت ورحم کا خیال کر کے ظلم واذیت رسانی سے باز رہو اور مجھ کو اتنی آزادی دو کہ میں اپنے پروردگار کا پیغام دنیا کو پہنچاتا رہوں۔ کیا اتنی دوستی اور فطری محبت کا بھی میں مستحق نہیں ہوں۔

آیت کے یہ معنی سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیحین میں موجود ہیں۔بعض سلف نے إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ کا مطلب یہ لیا ہے کہ تم آپس میں ایک دوسرے سے محبت کرو اور حق قرابت کو پہچانو۔

اور بعض نے ''قُرْبَىٰ'' سے اللہ کا قرب اور نزدیکی مراد لی ہے یعنی ان کاموں کی محبت جو اللہ کے قریب کرنے والے ہوں۔مگر صحیح اور راجح تفسیر وہی ہے جو ہم نے اول نقل کی ہے۔

بعض علماء نے مودۃ فی القربیٰ سے اہل بیت نبی کی محبت مراد لے کر یوں معنی کیے ہیں

کہ میں تم سے تبلیغ پر کوئی بدلہ نہیں مانگتا بس اتنا چاہتا ہوں کہ میرے اقارب کے ساتھ محبت کرو۔ کوئی شبہ نہیں کہ اہل بیت اور اقاربِ نبی کی محبت و تعظیم اور حقوق شناسی امت پر لازم وواجب اور جزوِ ایمان ہے اور ان سے درجہ بدرجہ محبت رکھنا حقیقت میں نبی اکرم ﷺ کی محبت پر متفرع ہے۔ لیکن آیت ہذا کی تفسیر اس طرح کرنا شانِ نزول اور روایاتِ صحیحہ کے خلاف ہونے کے علاوہ نبی اکرم ﷺ کی شانِ رفیع کے مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ واللہ اعلم

سبائیوں نے اور سبائیت کے وکلاء نے اس آیت کا ترجمہ یوں کیا۔۔۔ ذرا سنیے!

میرے نبی اعلان کیجیے! میں تم سے اپنی تبلیغ پر کوئی اجر نہیں مانگتا سوائے اس کے کہ میرے قرابت داروں یعنی رشتہ داروں سے محبت کرو۔

آپ میں سے کون نہیں جانتا کہ ان کے ہاں نبی اکرم ﷺ کے قرابت دار اور رشتہ دار کون ہیں۔۔۔؟ سیدنا علی رضی اللہ عنہ جو داماد ہیں۔۔۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا جو بیٹی ہیں۔۔۔ اور حسنین کریمین رضی اللہ عنہما جو آپ کے نواسے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ نے مشرکین سے اپیل کی کہ میں اپنی تبلیغ پر تم سے کسی اجر کا طالب نہیں ہوں۔۔۔ بس یہ چاہتا ہوں کہ میرے داماد۔۔۔ میری بیٹی۔۔۔ اور میرے دو نواسوں سے محبت کرو۔۔۔ میری ساری تگ و دو اور محنت کا ثمر یہی ہے۔۔۔ میں ساری تبلیغ فقط اسی کام کے لیے کر رہا ہوں۔ (العیاذ باللہ)

گویا کہ نبی اکرم ﷺ نے فریضۂ رسالت کے پہنچانے میں جتنی تکلیفیں اٹھائیں۔۔۔ اور جتنی مشقتیں برداشت کیں۔۔۔ اور جتنے ظلم سہے۔۔۔ جتنی جنگیں لڑیں۔۔۔ جتنے صحابہ شہید کروائے۔۔۔ اور جتنے زخم کھائے۔۔۔ وہ صرف ایک مقصد کے لیے تھے کہ میرے رشتے داروں سے محبت کرو۔

(اس تفسیر کو مان لیں تو یہ مفہوم بھی برآمد ہوتا ہے کہ جو حضرات نبی اکرم ﷺ کے رشتے دار نہیں ہیں ان سے محبت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔۔۔ خواہ وہ پہلا مومن ہو۔۔۔

کتنا ہی اعلیٰ ہو۔۔۔ کتنے اونچے درجے کا مومن ہو۔۔۔اور خواہ کتنا ہی صادق و متقی ہو)

آپ قرآن مجید پڑھ لیں۔۔۔آپ کی آنکھیں کھل جائیں گی کہ کسی نبی اور پیغمبر نے اس طرح کے اجر کا سوال اپنی قوم سے کبھی نہیں کیا۔

سیدنا نوح علیہ السلام نے کہا:

فَإِنۡ تَوَلَّيۡتُمۡ فَمَا سَأَلۡتُكُمۡ مِنۡ أَجۡرٍ إِنۡ أَجۡرِيَ إِلَّا عَلَى اللهِ (یونس 72)

پھر اگر تم اعراض کرو گے تو میں تم سے کسی اجرت کا سوالی نہیں ہوں میرا اجر تو اللہ پر ہے۔

یہی الفاظ سیدنا ہود علیہ السلام کی زبانِ مقدس سے نکلے:

يَا قَوۡمِ لَا أَسۡأَلُكُمۡ عَلَيۡهِ أَجۡرًا إِنۡ أَجۡرِيَ إِلَّا عَلَى الَّذِي فَطَرَنِي (ہود 51)

اے میری قوم! میں تم سے تبلیغ رسالت پر کوئی اجرت نہیں مانگتا میری اجرت اس ہستی پر ہے جس نے مجھے پیدا کیا۔

انہی الفاظ کے ساتھ سیدنا صالح علیہ السلام نے کہا:

وَمَا أَسۡأَلُكُمۡ عَلَيۡهِ مِنۡ أَجۡرٍ إِنۡ أَجۡرِيَ إِلَّا عَلَى رَبِّ الۡعَالَمِينَ

(الشعراء 145)

میں تم سے تبلیغ حق پر کوئی مزدوری طلب نہیں کرتا میری اجرت رب العالمین کے ذمہ ہے۔

سیدنا لوط علیہ السلام نے فرمایا:

وَمَا أَسۡأَلُكُمۡ عَلَيۡهِ مِنۡ أَجۡرٍ إِنۡ أَجۡرِيَ إِلَّا عَلَى رَبِّ الۡعَالَمِينَ

(الشعراء 164)

بقیہ یہی الفاظ سیدنا شعیب علیہ السلام کی زبانِ مقدس سے ادا ہوئے۔

(دیکھیے سورۃ الشعراء 180)

سامعین گرامی قدر! یہ اکثر انبیاء کرام علیہم السلام کی زبانِ مقدس سے ادا ہونے والے کلمات تھے جو آپ نے سن لیے۔۔۔ ہر نبی اور ہر رسول نے یہی کہا کہ میں تبلیغ رسالت کے پہنچانے پر تم سے کسی قسم کی اجرت، مزدوری، معاوضہ طلب نہیں کرتا۔۔۔ میری اجرت اور میری مزدوری اللہ رب العزت کے ذمہ ہے۔

آیئے! اب میں آپ کو قرآن مجید کی وہ آیات سناؤں جن میں ذکر ہو گا کہ میں تم سے کوئی اجرت اور مزدوری نہیں مانگتا۔

قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرَىٰ لِلْعَالَمِينَ (الانعام 90)

میرے نبی آپ کہہ دیں کہ میں تبلیغ رسالت کا تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا یہ تو تمام جہانوں کے لیے نصیحت ہے۔

ایک اور جگہ اعلان کروایا گیا:

قُلْ مَا سَأَلْتُكُمْ مِنْ أَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللَّهِ (سبا 47)

اے میرے نبی! کہہ دو میں تم سے جو اجر مانگتا ہوں وہ تمہارے لیے ہے میرا اجر تو اللہ کے ذمہ ہے۔

حضرات گرامی قدر! جتنی آیات میں نے آپ کو سنائی ہیں اور ان کا ترجمہ بھی آپ کو سنایا ہے۔۔۔ ان پر غور فرمایئے۔۔۔! تمام انبیاء کرام علیہم السلام نے اور خود امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبلیغ رسالت کے بدلے میں کسی قسم کے اجر اور معاوضے کا کبھی ذکر نہیں فرمایا۔

کسی نبی نے نہیں کہا۔۔۔ کہ میں تم سے اور تو کچھ اجر اور معاوضہ طلب نہیں کرتا مگر اتنا اجر مانگتا ہوں کہ میرے رشتے داروں سے محبت کرو۔

ان حضرات نے حُبِّ خاندانِ علی کے پردے میں چھپ کر شعوری طور پر اور کچھ سادہ لوح اہل سنت نے غیر شعوری طور پر امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذمہ یہ نامناسب بات لگائی کہ آپ اپنی تبلیغ رسالت پر لوگوں سے اجر مانگ رہے ہیں کہ میرے قرابت داروں اور

رشتے داروں (رشتے دار بھی محدود اور مخصوص) کے ساتھ محبت کرو۔

ایک طرف تو امام الانبیاء ﷺ یہ اعلان فرما رہے ہیں۔۔۔اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللہِ۔۔۔میرا اجر اللہ کے ذمہ ہے میں تم سے کسی قسم کے اجر اور معاوضے کا طلب گار نہیں ہوں۔

اور دوسری طرف یہ مطالبہ کہ میرے رشتے داروں سے محبت کرتے رہو۔۔۔فیصلہ آپ خود فرمائیں کیا ان دونوں باتوں میں واضح تضاد نہیں ہے اور نبی اکرم ﷺ کی معصوم ذات ایسے تضاد سے پاک اور ماوراء ہے۔

ایک اور بات بھی کہنا چاہتا ہوں۔۔۔ ہر قسم کی ضد اور عناد سے کنارہ کش ہو کر سنیے:

ایک منٹ کے لیے۔۔۔فرض کیجیے میں آپ کی بیان کردہ تفسیر کو صحیح مان لیتا ہوں۔۔۔تو پھر ہمیں بتایا جائے اور سمجھایا جائے۔۔۔کہ قرابت داروں اور رشتے داروں میں کیا ازواجِ مطہرات شامل نہیں ہیں۔۔۔؟ جبکہ قرآن نے ان کے رشتۂ زوجیت کو ناقابل انقطاع قرار دیا ہے۔

پھر کیا نبی اکرم ﷺ کی دوسری تین بیٹیاں رشتے داروں میں شامل نہیں ہیں۔۔۔؟ سیدنا علی رضی اللہ عنہ مودۃ فی القربیٰ میں شامل ہیں تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ میرے نبی ﷺ کے دوہرے داماد کو آپ نے اس سے کس دلیل کی بنا پر خارج کیا ہے۔

سیدنا صدیق اکبر۔۔سیدنا فاروق اعظم۔۔اور سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہم نبی اکرم ﷺ کے سسر ہیں۔۔۔کیا یہ آپ کے قرابت دار نہیں ہیں۔۔۔؟ انہیں تم مودت فی القربیٰ سے خارج کس دلیل کی بنا پر کرتے ہو؟

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کے برادر نسبتی ہیں۔۔۔یہ بھی آپ کے قرابت دار اور رشتے دار ہیں۔۔۔سیدنا علی الزینبی رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کے نواسے ہیں۔۔۔اور سیدہ

امامہ رضی اللہ عنہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لاڈلی اور پیاری نواسی ہے۔۔۔ انہیں حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کی طرح مودت فی القربیٰ میں ہونا چاہیے۔

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ہیں۔۔۔ اور ان کی اولاد آپ کے چچازاد بھائی ہیں۔۔۔ وہ کیوں مودت فی القربیٰ میں شامل نہیں۔۔۔؟ سیدنا جعفر طیار۔۔۔ اور سیدنا عقیل رضی اللہ عنہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بڑے بھائی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچیرے بھائی ہیں۔۔۔ انہیں آپ مودت فی القربیٰ میں سے کیوں نہیں سمجھتے؟

آخر میں اہل علم حضرات کے لیے ایک بات انتہائی مفید ہوگی۔۔۔ اس پر غور فرمائیے! عربی گرائمر میں استثنیٰ کی دو قسمیں ہیں۔۔۔ ایک استثنیٰ متصل اور ایک استثنیٰ منقطع۔

اگر مستثنیٰ۔۔۔ مستثنیٰ منہ میں داخل ہو تو اسے مستثنیٰ متصل کہیں گے اور اگر مستثنیٰ۔۔۔ مستثنیٰ منہ میں داخل نہ ہو تو اسے مستثنیٰ منقطع کہتے ہیں۔

مثلاً کہا جائے:

جَاءَ الْعُلَمَاءُ اِلَّا زَيْدًا

علماء آگئے سوائے زید کے۔

اس کا مطلب یہ ہوگا کہ زید بھی علماء کی جماعت میں شامل ہے اسے استثنیٰ متصل کہتے ہیں۔

اور اگر کہنے والا کہے:

جَاءَ الْعُلَمَاءُ اِلَّا كِتَابًا

علماء آگئے سوائے خط کے۔

تو اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ خط علماء کے زمرے میں شامل نہیں بلکہ خط نہ آنے کا تذکرہ ایک الگ بات ہے اسے استثنیٰ منقطع کہتے ہیں۔۔۔ اس کی قرآن مجید میں بہت

مثالیں موجود ہیں۔

ایک آیت آپ بھی سن لیں:

قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِلَّا مَنْ شَاءَ أَنْ يَتَّخِذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا

(الفرقان 57)

میرے نبی! آپ کہہ دیں میں تم سے تبلیغ رسالت کا کوئی اجر نہیں مانگتا سوائے اس شخص کے جس نے اپنے رب کی جانب جانے والے راستے کو اختیار کر لیا۔

ہر اہل علم سمجھ سکتا ہے کہ یہ استثنیٰ منقطع ہے۔۔۔ یہ دونوں الگ الگ باتیں ہیں۔

مَنْ شَاءَ أَنْ يَتَّخِذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا

کوئی اجر نہیں ہے بلکہ اس کا صرف اتنا مفہوم ہے کہ میں تم سے کسی قسم کا کوئی اجر طلب نہیں کرتا۔۔۔ ہاں یہ چاہتا ہوں کہ تم منیب بن کر صراط مستقیم کو اختیار کر لو۔

بقیہ یہی مفہوم اس آیت کے بھی ہیں:

قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ (الشوریٰ 23)

میرے نبی! آپ کہیں میں تم سے تبلیغ رسالت پر کسی قسم کی اجرت طلب نہیں کرتا ہاں یہ چاہتا ہوں کہ تم قرابت اور برادری اور رشتے داری کی محبت کا حق ادا کرو۔

(یعنی ایک دوسرے کے ساتھ خیر خواہی، ہمدردی، باہمی تعاون، رواداری اور محبت و پیار کے تمام انسانی اور اخلاقی تقاضے پورے کرتے رہو)

جو حضرات إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ ۔۔۔۔۔ کو اجر رسالت قرار دے کر۔۔۔۔ مودۃ فی القربیٰ۔۔۔۔ سے صرف چار شخصیات مراد لیتے ہیں۔۔۔ ان کی خدمت میں نہایت ادب سے گذارش ہے کہ سورت الشوریٰ مکی سورت ہے۔۔۔ یہ ہجرت مدینہ سے بہت پہلے نازل ہوئی تھی۔۔۔ اس وقت سیدنا علی اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہما کی شادی بھی نہیں ہوئی تھی۔۔۔ ابھی حسنین کریمین رضی اللہ عنہما پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔

بھلے مانس! جن کی ابھی شادی بھی نہیں ہوئی۔۔۔اور جو ابھی پیدا بھی نہیں ہوا وہ اس آیت کا مصداق کیسے ہو سکتے ہیں۔۔۔؟

معنیٰ وہی درست ہے جو استثنیٰ کی بحث میں آپ سن چکے ہیں۔۔۔یا وہ معنیٰ بھی مناسب ہے جو آیت کی تفسیر میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔

وما علینا الا البلاغ المبین

علامہ محمد عطاء اللہ بندیالوی کی مدلل، پُرمغز اور معلوماتی تقاریر کا مجموعہ

خطباتِ بندیالوی

۹ جلدوں میں

پہلی جلد آیۃ الکرسی کی تفسیر پر مشتمل
۲۵ تقاریر میں توحید الٰہی کے تقریباً
تمام پہلوؤں کو بیان کیا گیا ہے

دوسری جلد امام الانبیاء ﷺ کی سیرت
عظمت کو قرآن و حدیث کے دلائل سے
۱۹ تقاریر میں بیان کیا گیا ہے

تیسری جلد : سیرت انبیاء کرام
از سیدنا آدم تا سیدنا موسیٰ علیہ السلام
کے عنوان پر ۱۳ تقاریر

چوتھی جلد سیرت انبیاء کرام کے سلسلہ میں
از سیدنا شعیب علیہ السلام تا امام الانبیاء ﷺ
۱۸ تقاریر کا مجموعہ

پانچویں جلد نماز میں پڑھے ہوئے کلمات کا ترجمہ و تفسیر
اور مختلف فیہ مسائل میں مسلکِ احناف
کی ترجیح کے موضوع پر ۱۳ تقاریر کا مجموعہ

چھٹی جلد سیرت و عظمت امیر معاویہؓ
و عظمتِ شہادت سیدنا حسینؓ اور واقعہ کربلا
کے عنوان سے ۱۲ تقاریر کا مجموعہ

ساتویں جلد صحابہ کرامؓ قرآن کے آئینے میں
عظمت اصحاب رسول کے عنوان پر انتہائی مدلل، معلوماتی اور
اچھوتے انداز میں ایک لاجواب اور بے مثال شاہکار جس
سے علماء، طلباء، خطباء اور عوام الناس یکساں مستفید ہوں گے۔

آٹھویں جلد اللہ رب العزت کے ستر
حسین اور دلنشین ناموں کی تفسیر و تشریح
پر مشتمل چالیس خطبات کا مجموعہ

نویں جلد
اللہ رب العزت کے ۹۸ حسین اور دلنشین ناموں کی تفسیر و تشریح پر مشتمل ۵۴
خطبات کا مجموعہ

شعبہ نشر و اشاعت

جمعیۃ اشاعۃ التوحید والسنۃ

سرگودھا پاکستان